تدبرِ حدیث

شرح صحیح بخاری

(منتخب ابواب)

جلد اوّل

مولانا امین احسن اصلاحیؒ

ترتیب وتدوین

خالد مسعود ۔ سعید احمد ۔ سید اسحاق علی

ادارہ تدبرِ قرآن وحدیث لاہور

جملہ حقوق بحق ادارہ تدبر قرآن وحدیث محفوظ ہیں

نام کتاب: تدبر حدیث
شرح صحیح بخاری۔ منتخب ابواب (جلد اول)

دروس: مولانا امین احسن اصلاحیؒ

ترتیب وتدوین: خالد مسعود۔ سعید احمد۔ سید اسحاق علی

اشاعت: باراول ۲۰۰۲ء

تعداد: ۱۰۰۰

ناشر: ادارہ تدبر قرآن وحدیث، لاہور

کمپیوٹر کمپوزنگ: محمد اکرام الحق

پریس: شرکت پرنٹنگ پریس
43۔ نسبت روڈ۔ لاہور

ہدیہ: [redacted]/- روپے
400

ملنے کا پتہ

۱۔ ادارہ تدبر قرآن وحدیث، رحمان سٹریٹ، مسلم روڈ سمن آباد لاہور

۲۔ دار التذکیر، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور

فہرست

پیش لفظ 11

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ 13

صحیح بخاری کی خصوصیات 15

کیف کان بدء الوحی

باب: رسول اللہ پر وحی کا آغاز کس طرح ہوا 21

کتاب الایمان

باب ۱: نبی کا قول کہ اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی ہے 50

باب ۲: ایمان کے امور 55

باب ۳: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں 57

باب ۴: کس قسم کا اسلام افضل ہے؟ 58

باب ۵: کھانا کھلانا اسلام میں سے ہے 59

باب ۶: ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے 60

باب ۷: رسول اللہؐ سے محبت رکھنا ایمان کا جزو ہے 61

باب ۸: ایمان کی حلاوت 63

باب ۹: انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے 64

باب ۱۰: 65

باب ۱۱: فتنوں سے بھاگنا دین کا ایک حصہ ہے 67

باب ۱۲: نبی کا ارشاد کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کے بارے میں جاننے والا ہوں 68

باب ۱۳: کفر میں لوٹنے کو آگ میں ڈالے جانے کی طرح ناگوار سمجھنا ایمان میں شامل ہے۔ 69

باب ۱۴: اہل ایمان کا اعمال کے لحاظ سے ایک دوسرے سے افضل ہونا 70

باب ۱۵: حیا ایمان کے تقاضوں میں سے ہے 73

باب ۱۶: آیت توبہ ۵ 74

باب ۱۷: جن لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ ایمان عمل کا نام ہے 76

باب ۱۸: جب اسلام حقیقی نہ ہو 77

باب ۱۹: سلام کا پھیلانا اسلام میں سے ہے 79

باب ۲۰: خاوند کی ناشکری اور ایک کفر کا دوسرے کفر سے کم ہونا 80

باب ۲۱: چھوٹے گناہ امر جاہلیت میں سے ہیں 82

باب ۲۲: مسلمانوں کی دو جماعتیں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو 85

باب ۲۳: ظلم بڑا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی 86

باب ۲۴: منافق کی علامتیں 87

باب ۲۵: لیلۃ القدر کا قیام ایمان میں سے ہے 89

باب ۲۶: جہاد ایمان کے تقاضوں میں سے ہے 91

باب ۲۷: رمضان میں نفلی قیام کرنا ایمان میں سے ہے 92

باب ۲۸: احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھنا ایمان میں سے ہے 93

باب ۲۹: دین آسان ہے 94

باب ۳۰: نماز ایمان میں سے ہے 96

باب ۳۱: آدمی کے اسلام کی خوبی 98
باب ۳۲: اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب دینداری 100
باب ۳۳: ایمان میں زیادتی اور کمی 102
باب ۳۴: زکوٰۃ اسلام کا تقاضا ہے 105
باب ۳۵: جنازوں کے ساتھ جانا ایمان کا تقاضا ہے 107
باب ۳۶: مومن کا ڈر کہ اس کے اعمال حبط نہ ہو جائیں 109
باب ۳۷: جبریل علیہ السلام کا نبی ﷺ سے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے متعلق سوال 111
باب ۳۸: اس شخص کی فضیلت جو اپنے دین پر قائم رہنے کے لیے گناہ سے بچے 115
باب ۳۹: مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ دینا ایمان کا تقاضا ہے 117
باب ۴۰: اعمال کا تعلق نیت اور احتساب سے ہے 119
باب ۴۱: نبیؐ کا فرمان کہ دین نام ہے خیر خواہی کا 122

کتاب العلم

باب ۱: علم کی فضیلت کا بیان 127
باب ۲: کسی سے علم کی بات پوچھنا جبکہ وہ گفتگو میں مشغول ہو 129
باب ۳: جو شخص علم کی بات بلند آواز میں کہے 130
باب ۴: محدث کے قول حدثنا، اخبرنا اور انبانا کی حقیقت کیا ہے 131
باب ۵: شاگردوں کا علم آزمانے کے لیے استاد کا سوال کرنا 133
باب ۶: قراءت اور اس کو محدث پر پیش کرنے کی نوعیت 134
باب ۷: مناولہ کا بیان 141
باب ۸: جو شخص مجلس کے آخر میں بیٹھ جائے 144
باب ۹: اکثر اشخاص براہ راست سننے والوں سے زیادہ یاد رکھتے ہیں 146
باب ۱۰: کہنے اور عمل کرنے سے پہلے علم ضروری ہے 148
باب ۱۱: نبی ﷺ موقع اور وقت کا لحاظ کر کے صحابہؓ کو نصیحت کرتے۔ 151
باب ۱۲: جو لوگ اہل علم کے لیے معین ایام ٹھہرا لیتے ہیں 152
باب ۱۳: اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے 153
باب ۱۴: علم کے لیے عقل کی ضرورت 154
باب ۱۵: علم اور دانائی میں رشک کرنا 155
باب ۱۶: حضرت موسیٰ کا خضرؑ کی تلاش میں سمندر میں جانے کا ذکر 157
باب ۱۷: نبی ﷺ کی دعا کہ اے اللہ اس کو قرآن کی تعلیم دے 160
باب ۱۸: کم عمر لڑکے کا سماع کب درست ہوتا ہے 160
باب ۱۹: علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا 162
باب ۲۰: علم سیکھنے اور سکھانے والے کی فضیلت 164
باب ۲۱: علم کا اٹھایا جانا اور جہل کا غالب آنا 165
باب ۲۲: بچا ہوا علم 167
باب ۲۳: کسی جانور یا دوسری سواری پر بیٹھے ہوئے فتویٰ دینا 168
باب ۲۴: فتوے کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارے سے دینا 170
باب ۲۵: نبی ﷺ کا وفد عبدالقیس کو ابھارنا کہ وہ ایمان اور علم کو محفوظ کریں 175

باب ۲۶: پیش آنے والے مسئلہ کو پوچھنے کے لیے سفر کرنا 176

باب ۲۷: علم حاصل کرنے کے لیے باری مقرر کرنا 177

باب ۲۸: تعلیم اور موعظت میں ناگوار چیز دیکھ کر غصے ہونا 179

باب ۲۹: امام یا محدث کے آگے دو زانو ہو بیٹھنا 182

باب ۳۰: بات کو سمجھانے کے لیے تین بار دہرانا 183

باب ۳۱: آدمی کا اپنی لونڈی اور گھر والوں کو تعلیم دینا 185

باب ۳۲: امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا 187

باب ۳۳: حدیث کے لیے حرص کرنا 188

باب ۳۴: علم کس طرح اٹھالیا جائے گا؟ 190

باب ۳۵: کیا عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک دن الگ مقرر کرنا ہوگا 192

باب ۳۶: وہ شخص جس نے کوئی بات سنی تو مراجعت کر کے اس کو سمجھ لیا 193

باب ۳۷: حاضر شخص غیر موجود لوگوں تک علم کی بات پہنچائے 194

باب ۳۸: نبی ﷺ پر جھوٹ باندھنے کے گناہ کا انجام 197

باب ۳۹: علم کی تحریر 202

باب ۴۰: رات کے وقت تعلیم اور وعظ 207

باب ۴۱: رات کو علم کی باتیں کرنا 209

باب ۴۲: علم کو یاد کرنا 212

باب ۴۳: عالموں کی بات سننے کے لیے خاموش رہنا 215

باب ۴۴: عالم کے لیے مستحب یہ ہے کہ علم کو اللہ کے حوالے کر دے 216

باب ۴۵: بیٹھے ہوئے عالم سے کسی شخص کا کھڑے کھڑے سوال کرنا 222

باب ۴۶: رمی جمار کے وقت سوال کرنا اور فتوے دینا 223

باب ۴۷: اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ تم کو تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے 224

باب ۴۸: کچھ لوگوں کی ناسمجھی کے باعث کسی بات کو چھوڑ دینا 225

باب ۴۹: علم کی باتیں بعض خاص لوگوں ہی سے بیان کرنا 227

باب ۵۰: علم حاصل کرنے میں حیا کرنا 230

باب ۵۱: جو خود شرما جائے تو دوسرے سے سوال کرنے کو کہہ دے 232

باب ۵۲: مسجد میں علم کی باتیں کرنا اور فتویٰ دینا 233

باب ۵۳: پوچھنے والے نے جتنا پوچھا اس سے زیادہ جواب دینا 234

کتاب الوضوء

باب ۱: وضو کے ضمن میں جو کچھ بیان ہوا 237

باب ۲: وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی 239

باب ۳: وضو کی فضیلت 239

باب ۴: شک کی بنیاد پر وضو نہ کرے جب تک یقین نہ ہو 241

باب ۵: ہلکا وضو کرنے کے بیان میں 242

باب ۶: وضو کا پورا کرنا 244

باب ۷: ایک ہاتھ سے پانی کا چلو لے کر دونوں ہاتھوں سے منہ دھونا 245

باب ۸: ہر کام کے وقت بسم اللہ کہنا 247

باب ۹: بیت الخلاء میں جائے تو کیا کہے 248

باب ۱۰: بیت الخلاء کے پاس پانی رکھنا 248

باب ۱۱: پیشاب یا پاخانے میں قبلہ کی طرف منہ نہ کیا جائے 249

باب ۱۲: رفع حاجت کے لیے دو اینٹوں پر بیٹھنا 250

باب ۱۳: عورتوں کا قضائے حاجت کے لیے باہر نکلنا 251

باب ۱۴: گھروں میں قضائے حاجت کے لیے جگہ بنانا 253

باب۱۵: پانی سے استنجا کرنا 254

باب۱۶: حضور کی طہارت کے لیے پانی ساتھ لے کر جانے والے 255

باب۱۷: استنجا کے لیے نکلے تو پانی کے ساتھ برچھی بھی لے جائے 256

باب۱۸: داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے کی ممانعت 256

باب۱۹: پیشاب کرتے وقت اپنے عضو کو داہنے ہاتھ سے نہ تھامے 257

باب۲۰: ڈھیلوں سے استنجا کرنا 258

باب۲۱: وضو میں ایک ایک بار اعضا کو دھونا 259

باب۲۲: وضو میں دو دو بار اعضا کو دھونا 259

باب۲۳: وضو میں تین تین بار اعضا کو دھونا 260

باب۲۴: وضو میں ناک صاف کرنا 263

باب۲۵: استنجا میں طاق ڈھیلے لینا 264

باب۲۶: وضو میں پاؤں دھوئے اور ان پر مسح نہ کرے 265

باب۲۷: وضو میں کلی کرنا 266

باب۲۸: ایڑیوں کا دھونا 267

باب۲۹: جو پاؤں جوتوں میں ہیں ان کا دھونا 267

باب۳۰: وضو اور غسل داہنے ہاتھ سے شروع کرنے کا اہتمام 269

باب۳۱: نماز کا وقت آجانے پر پانی تلاش کرنا 270

باب۳۲: پانی جس سے آدمی کے بال دھوئے جائیں 272

باب۳۳: کتا کسی برتن میں سے پی لے تو اسے سات مرتبہ دھوئے 274

باب۳۴: وضو اس حدث سے لازم آتا ہے جو قبل یا دبر سے نکلے 278

باب۳۵: اس شخص کے بارے میں جو اپنے ساتھی کو وضو کرائے 281

باب۳۶: حدث وغیرہ کے بعد قرآن پڑھنا 282

باب۳۷: جو شخص بھاری غشی کے سوا وضو نہیں کرتا 283

باب۳۸: سارے سر پر مسح کرنا 285

باب۳۹: پاؤں کا دھونا ٹخنوں تک 286

باب۴۰: لوگوں کے وضو سے جو پانی بچ رہے اس کو کام میں لانا 287

باب۴۱: جو شخص ایک ہی چلو سے کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے 290

باب۴۲: سر کا مسح ایک بار کرنا 291

باب۴۳: مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ مل کر وضو کرنا 292

باب۴۴: نبی ﷺ کا وضو سے بچا ہوا پانی بے ہوش پر ڈالنا 293

باب۴۵: وضو اور غسل کسی لگن یا پیالے میں سے کرنا 293

باب۴۶: طشت سے وضو کرنا 297

باب۴۷: ایک مد پانی سے وضو کرنا 299

باب۴۸: خفین پر مسح کرنا 299

باب۴۹: آدمی اپنے پاؤں موزوں میں پاک کر کے داخل کرے 301

باب۵۰: جس شخص نے بکری کا گوشت اور ستو کھایا اور وضو نہیں کیا 302

باب۵۱: جنہوں نے ستو کھا کر کلی کی لیکن وضو نہیں کیا 303

باب۵۲: کیا آدمی دودھ پینے کے بعد کلی کرے 304

باب۵۳: نیند کے سبب سے وضو کرنا 305

باب۵۴: ناقص حالت پیش آئے بغیر وضو کرنا 306

باب۵۵: پیشاب کرنے میں پردہ نہ کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے 308

باب۵۶: پیشاب دھونے کے بارے میں 311

باب۵۷: نبی اور لوگوں نے بدو کو مسجد میں پیشاب کرنے کا موقع دیا 312

باب ۵۸: مسجد میں پیشاب پر پانی بہادینا 313
باب ۵۹: پیشاب پر پانی بہادے 314
باب ۶۰: بچوں کے پیشاب کے بارے میں 314
باب ۶۱: کھڑے ہوئے اور بیٹھ کر پیشاب کرنا 316
باب ۶۲: آدمی کا اپنے ساتھی کے قریب دیوار کے پردے میں پیشاب کرنا 316
باب ۶۳: کسی قوم کے گھورے پر پیشاب کرنا 317
باب ۶۴: خون کا دھونا 318
باب ۶۵: منی کا دھونا اور اس کا کھرچنا 320
باب ۶۶: اس بارے میں کہ منی وغیرہ دھوئے اور اس کا اثر نہ جائے 321
باب ۶۷: اونٹوں، چوپایوں اور بکریوں کے پیشاب کے بارے میں 322
باب ۶۸: جو نجاست گھی میں یا پانی میں پڑ جائے اس کا حکم کیا ہے 325
باب ۶۹: ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا 328
باب ۷۰: نمازی کی پشت پر گندگی یا مردار ڈال دیا جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی 330
باب ۷۱: تھوک اور بلغم جو کپڑے میں لگ جائیں 332
باب ۷۲: نبیذ اور نشہ آور چیزوں سے وضو کرنا جائز نہیں 333
باب ۷۳: لڑکی کا اپنے باپ کے چہرے سے خون دھونا 334
باب ۷۴: مسواک کے بارے میں 335
باب ۷۵: مسواک بڑے آدمی کے حوالے کرنا 336
باب ۷۶: باوضو سونے کی فضیلت 337

کتاب البیوع

باب ۱: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: فاذا قضیت الصلوۃ 342
باب ۲: حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے 348
باب ۳: مشتبہات کی وضاحت 350
باب ۴: کس طرح کے شبہات سے پرہیز کرنا چاہیے 354
باب ۵: جن لوگوں کی رائے میں وسوسے وغیرہ شبہ میں ڈالنے والی چیزیں نہیں ہیں 355
باب ۶: اللہ تعالیٰ کا فرمانا: واذا راو تجارۃ —— 356
باب ۷: وہ لوگ جن کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ مال کہاں سے کمایا 357
باب ۸: بر میں تجارت 358
باب ۹: تجارت کے لیے نکلنا 360
باب ۱۰: سمندر میں تجارت 363
باب ۱۱: آیت واذا راو تجارۃ او لھوا انفضوا 364
باب ۱۲: اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ اپنی کمائی سے اچھی پاکیزہ چیزیں خرچ کرو 364
باب ۱۳: جو شخص رزق کی کشائش چاہے وہ کیا کرے 365
باب ۱۴: آنحضرت ﷺ کا ادھار خریدنا 366
باب ۱۵: آدمی کو اپنی ضروریات اپنی محنت اور کمائی سے پوری کرنی چاہئیں 367
باب ۱۶: خرید و فروخت میں نرمی اور سیر چشمی کا معاملہ کرنا 371
باب ۱۷: اس شخص کے بارے میں جو مالدار کو مہلت دے 372
باب ۱۸: اس شخص کے بارے میں جس نے نادار کو مہلت دی 373
باب ۱۹: جب بیچنے والا اور خریدار صاف صاف بیان کر دیں، اور کچھ چھپائیں نہیں 375
باب ۲۰: اچھی اور خراب کھجور ملی جلی بیچنا 377

باب۲۱: گوشت بنانے والوں اور قصابوں کے بارے میں روایات 378

باب۲۲: کاروبار میں جھوٹ بولنا برکت کو ختم کر دیتا ہے 379

باب۲۳: اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ 380

باب۲۴: سود کھانے والے، اس کے گواہ اور کاتب کے بارے میں 381

باب۲۵: سود کھلانے والا اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی رو سے 383

باب۲۶: اللہ تعالیٰ سود کو مٹائے گا اور صدقات میں برکت ڈالے گا 385

باب۲۷: لین دین میں جھوٹی قسم کھانا 386

باب۲۸: سناروں کے بارے میں 387

باب۲۹: لوہاروں کے بیان میں 391

باب۳۰: درزی کے بارے میں 392

باب۳۱: کپڑا بننے والے کا ذکر 393

باب۳۲: بڑھئی کا ذکر 394

باب۳۳: اپنی ضروریات خود خریدنا 396

باب۳۴: چوپایہ جانوروں اور گدھوں کی خریداری 397

باب۳۵: زمانہ جاہلیت کے بازار 400

باب۳۶: تونسے ہوئے اونٹوں یا خارشی اونٹوں کی خریداری 401

باب۳۷: مسلمانوں کے آپس میں فساد کے دور میں ہتھیار بیچنا 403

باب۳۸: عطار اور مشک بیچنے کے بارے میں 404

باب۳۹: پچھنے لگانے والے کا بیان 405

باب۴۰: ایسی چیزوں کی تجارت جن کا پہننا مکروہ ہے 406

باب۴۱: جس کا مال ہے اس کو قیمت بتانے کا زیادہ حق ہے 408

باب۴۲: خیار کس حد تک جائز ہے 409

باب۴۳: جب خیار کا وقت معین نہ کیا گیا ہو 411

باب۴۴: بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں 412

باب۴۵: جب بائع اور مشتری دوسرے کو بیع کے بعد اختیار دے دے 413

باب۴۶: جب بیچنے والا بھی اختیار رکھتا ہو 413

باب۴۷: جب کوئی شخص کوئی چیز دوسرے کو ہبہ کر دے 415

باب۴۸: بیع میں دھوکا دینا مکروہ ہے 417

باب۴۹: بازاروں کے متعلق 417

باب۵۰: بازار میں شور و غل مچانا مکروہ ہے 424

باب۵۱: تولنا بائع اور دینے والے کی ذمہ داری ہے 426

باب۵۲: ماپنا جو مستحب ہے 428

باب۵۳: نبیؐ کے صاع اور مد میں برکت 429

باب۵۴: اناج کا بیچنا اور ذخیرہ کرنا 431

باب۵۵: اناج کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا 434

باب۵۶: جو شخص غلہ کا ڈھیر بن ماپے تولے خریدے 435

باب۵۷: اگر خریدا ہوا جانور قبضہ سے پہلے بیچنے والے کے پاس مر جائے 435

باب۵۸: بھائی کی بیع کے اوپر بیع کرنے کی کوشش نہ کرے 438

باب۵۹: نیلام کے بیان میں 440

باب۶۰: دھوکا دینے کے لیے قیمت بڑھانا 441

باب۶۱: دھوکے کی بیع اور حاملہ کے حمل کی بیع 442

باب۶۲: بیع ملامسہ 444

باب۶۳: بیع منابذہ 445

باب۶۴: کسی جانور کے تھن میں دودھ جمع کر رکھنا بائع کے لیے منع ہے 446

باب۶۵: زانی غلام کی فروخت 450

باب۶۶: عورتوں سے خرید و فروخت کرنا 451

باب۶۷: کیا بستی والا باہر والے کا مال بغیر اجرت لیے بیچ سکتا ہے 454

باب۶۸: جس نے اجرت لے کر دیہاتی کا مال بیچنے کو مکروہ جانا 456

باب۶۹: کوئی مقیم کسی دیہاتی کے لیے دلال بن کر خرید و فروخت نہ کرے 457

باب۷۰: آگے جا کر تجارتی قافلوں سے ملنے کی ممانعت 458

باب۷۱: کتنی دور آگے جا کر تجارتی قافلہ سے ملنا جائز ہے 459

باب۷۲: بیع میں ایسی شرطیں رکھنا جو جائز نہ ہوں 460

باب۷۳: کھجور کو کھجور کے بدلے میں بیچنا 462

باب۷۴: منقے کو منقے کے اور اناج کو اناج کے بدل بیچنا 463

باب۷۵: جو کو جو کے بدل بیچنا 465

باب۷۶: دینار کے بدلے دینار ادھار بیچنا 468

باب۷۷: چاندی کی بیع سونے سے ادھار کرنا 469

باب۷۸: چاندی کے بدلے سونا ہاتھوں ہاتھ بیچنا 471

باب۷۹: مزابنہ کی بیع اور بیع عرایا 472

باب۸۰: کھجور کے درخت پر کا پھل سونے چاندی کے عوض بیچنا 475

باب۸۱: عرایا کی تفسیر 477

باب۸۲: صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے باغ بیچنا 479

باب۸۳: کھجور کے باغ کی بیع صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے 482

باب۸۴: باغ پر آفت آ جائے تو نقصان کی ذمہ داری بائع پر ہے 482

باب۸۵: ایک مدت کے لیے اناج ادھار خریدنا 484

باب۸۶: خراب کھجور کے بدلے اچھی کھجور خریدنا 485

باب۸۷: پیوند کیا ہوا کھجور کا درخت یا کھیتی کھڑی زمین بیچنا 486

باب۸۸: پھل یا اناج، جو ابھی درخت پر ہو، غلہ کے عوض ماپ کر بیچنا 487

باب۸۹: درخت کو جڑ سمیت بیچنا 488

باب۹۰: بیع مخاضرہ 488

باب۹۱: کچے کھجور کا گودا بیچنا اور کھانا 490

باب۹۲: شہریوں میں خرید و فروخت کے متعارف معاملات 491

باب۹۳: ایک شریک کا اپنا حصہ دوسرے شریک کے ہاتھ بیچنا 493

باب۹۴: زمین، مکان اور اسباب کا غیر منقسم حصہ بیچنا 494

باب۹۵: کسی کے لیے کوئی چیز بغیر اجازت خریدنا، پھر وہ اس کو پسند کرے 495

باب۹۶: مشرکین اور اہل حرب کے ساتھ بیع و شراء کا معاملہ 499

باب۹۷: حربی سے غلام خرید کر ہبہ کرنا یا آزاد کرنا 500

باب۹۸: مردار کی کھال دباغت سے پہلے 506

باب۹۹: خنزیر مارنا 506

باب۱۰۰: مردار کی چربی گلانا اور بیچنا 509

باب۱۰۱: ایسی تصویروں کی خرید و فروخت جن میں روح نہیں ہوتی 510

باب۱۰۲: شراب کی تجارت کی حرمت 512

باب۱۰۳: آزاد شخص کے بیچنے کا گناہ 513

باب۱۰۴: غلام کا، اور جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار بیچنا 514
باب۱۰۵: لونڈی غلام کی فروخت 515
باب۱۰۶: مدبر کے بیچنے کے بارے میں 516
باب۱۰۷: لونڈی کے غیر حاملہ ہونے کے ثبوت سے پہلے مالک کا اس کے ساتھ سفر کرنا 519
باب۱۰۸: مردار اور بتوں کی بیع 521
باب۱۰۹: کتے کی قیمت وصول کرنا 523

کتاب السلم

باب۱: ماپ مقرر کر کے سلم کے بارے میں 527
باب۲: تول مقرر کر کے سلم کے بارے میں 528
باب۳: ایسے شخص سے سلم کرنا جس کے پاس اصل مال نہیں ہے 530
باب۴: درخت پر کی کھجور کی بیع سلم 532
باب۵: سلم میں کفیل بنانے کے بارے میں 534
باب۶: سلم میں رہن رکھنا 535
باب۷: سلم میں مدت کا تعین 536
باب۸: اونٹنی کے بچہ جننے تک کی مدت کا سلم 537

کتاب الشفعہ

باب۱: شفعہ غیر منقسم جائداد میں ہوگا 541
باب۲: بیع سے پہلے شفعہ حقدار کو پیش کرنا 542
باب۳: کون ہمسایہ زیادہ حقدار ہے 544

کتاب الاجارات

باب۱: نیک شخص کو مزدوری پر رکھنا 547
باب۲: قراریط پر بکریاں چرانا 549
باب۳: مشرکین کو ضرورت کے وقت مزدوری کے لیے رکھنا 550
باب۴: کسی شخص کو کچھ مدت بعد کے لیے مزدور رکھنا جائز ہے 553
باب۵: جہاد میں مزدور لے جانا 553
باب۶: کسی شخص کو مزدور رکھنا، مدت مقرر کرنا لیکن کام نہ بتانا 555
باب۷: گرنے کے قریب دیوار کو سیدھا کرنے کے لیے مزدور رکھنا 556
باب۸: کسی کو دوپہر تک مزدوری پر رکھنا 557
باب۹: عصر کی نماز تک مزدور لگانا 558
باب۱۰: اس شخص کا گناہ جو مزدور کی مزدوری نہ دے 559
باب۱۱: عصر سے لے کر رات تک مزدور لگانا 560
باب۱۲: مزدور کی مزدوری میں عمل کر کے اس کو بڑھانے کا حکم 563
باب۱۳: حمال کی اجرت اور اس کو خیرات کرنا 566
باب۱۴: دلالی کی اجرت 567
باب۱۵: دار الحرب میں کسی مشرک کی مزدوری کرنا 568
باب۱۶: عرب قبیلوں پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر پھونکنے کا معاوضہ 570
باب۱۷: غلام پر ٹیکس اور لونڈیوں کے واجبات کی نگرانی 573
باب۱۸: پچھنا لگانے والے کی اجرت 573
باب۱۹: غلام کے مالکوں کو اس کا محصول کم کرنے کو کہنا 574
باب۲۰: زانیہ اور لونڈیوں کی کمائی 575
باب۲۱: سانڈ کی جفتی کی اجرت 576
باب۲۲: جب کوئی شخص زمین ٹھیکہ پر لے اور ایک فریق مر جائے 577

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

تدبر حدیث کی یہ جلد، جو کتاب کے اس سلسلہ کی تیسری جلد ہے، صحیح بخاری پر مشتمل ہے۔ اس میں بخاری شریف کے شروع سے لے کر کتاب الوضوء تک مسلسل اور اس کے بعد کتاب البیوع سے کتاب الاجارات تک کے مسلسل ابواب شامل ہیں۔ ان ابواب کے دروس مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے ادارہ تدبر قرآن وحدیث میں ۱۹۸۰ء کی دہائی کے آخری سالوں میں دیے جب ان کی عمر پچاسی برس سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اس ضعیف العمری میں ان کے لیے دروس کو خود مرتب کرنا یا بخاری شریف کی شرح لکھنا ممکن نہ تھا، لہٰذا دروس کو ٹیپ کر لیا گیا۔ بعد ازاں ٹیپ سے ان کو اتار کر تحریر کے اسلوب میں شرح لکھنے کا کام کیا گیا۔ ابتدائی کام آغاز کتاب سے کتاب العلم تک برادرم سعید احمد صاحب نے، اور کتاب الوضوء نیز کتاب البیوع سے کتاب الاجارات تک برادرم سید اسحاق علی صاحب نے سرانجام دیا، جبکہ اس کی ترتیب وتدوین اور آخری شکل دینے کی ذمہ داری راقم پر ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مولانا اصلاحی رحمہ اللہ کی تحقیقات ان کے اپنے اسلوب میں سامنے آئیں اور حتی الوسع کلام بھی ان کا اپنا ہو۔

احادیث کی شرح کرتے ہوئے مولانا رحمہ اللہ نے بالعموم اسناد سے تعرض نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں رواۃ کی تحقیق پر جو کام امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کر دیا ہے اس پر اضافہ کی اب ضرورت نہیں۔ البتہ درایت کے پہلو سے تحقیق کی گنجائش موجود ہے کیونکہ یہ پہلو ہنوز تشنہ ہے۔ مولانا دین وشریعت کی ہر چیز کی جانچ کے لیے کسوٹی قرآن مجید کو مانتے ہیں۔ لہٰذا متن حدیث میں جہاں کوئی بات انہیں قرآن مجید کے نصوص کے منافی نظر آئی ہے انہوں نے برملا اس کا اظہار کر دیا ہے۔ اسی طرح راویان حدیث چونکہ بالعموم روایت بالمعنی کرتے ہیں اس لیے مختلف طرق حدیث کے متن میں خاصا اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے مولانا نے یہ لائحہ عمل تجویز کیا ہے کہ ذخیرہ حدیث میں اس مضمون کی جامع ترین کلیدی روایت متعین کی جائے اور اس کی روشنی میں باقی روایات کا جائزہ لے کر یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ صحیح اور کامل روایت کیا ہو سکتی ہے۔ احادیث کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا اپنے اصول فہم حدیث کو بھی واضح کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس کی

مثالیں قارئین کو اس کتاب میں نظر آئیں گی۔

مولانا کی رائے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فقہی اور کلامی مسلک کو ثابت کرتے ہوئے صحیح بخاری مرتب کی۔ ان کا فقہی مذہب تراجم ابواب کی روشنی میں متعین کیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ مذہب عوام میں رائج نہ ہو سکا۔

امید ہے صحیح بخاری کی یہ شرح غور کرنے والوں کے لیے نہایت فکر انگیز ثابت ہو گی اور ان کو مطالعہ حدیث کے ایک نئے نہج سے آشنا کرے گی جو انہیں اطمینان کی دولت سے مالا مال کرے گا۔ دعا ہے کہ رب کریم مولانا مرحوم کی پیرانہ سالی کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ان سب رفقاء کو اجر جزیل عطا فرمائے جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین اور اس کی اشاعت میں تعاون کیا۔

خالد مسعود

ناظم ادارہ تدبر قرآن و حدیث لاہور

۱۳ شعبان ۱۴۲۲ھ

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ

عظیم الشان مجموعۂ احادیث ۔صحیح بخاری۔ امام حدیث ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ البخاریؒ کی تصنیف ہے۔ اسماعیل بن ابراہیمؒ کا شمار طبقۂ رابعہ کے محدثین میں ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ ۱۹۴ھ میں وسط ایشیا کے شہر بخارا میں پیدا ہوئے۔ والد کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا۔ والدہ کے زیر سایہ تربیت پائی اور حدیث کے مجموعوں کو حفظ کرنا شروع کیا۔ سولہ سال کی عمر میں اپنے بڑے بھائی اور والدہ کے ہمراہ حج کے لیے گئے تو یہی سفر ان کے سماع حدیث کا سفر بن گیا۔ حج سے فراغت کے بعد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں اکتساب حدیث کیا۔ حجاز سے شام، مصر، بغداد، بصرہ اور کوفہ کے علمی مراکز میں بار بار گئے اور ائمہ حدیث سے روایات لیں۔ ان کے شیوخ میں متعدد کبار تبع تابعین ہیں۔ ان کے اپنے بیان کے مطابق انہوں نے ایک ہزار اسی آدمیوں سے حدیث لکھی جو سب کے سب محدث تھے۔ امام صاحب نے اپنے معاصرین ہی نہیں بلکہ اپنے تلامذہ سے بھی روایت لی ہے۔ اہل تحقیق کے نزدیک انہوں نے سب سے زیادہ اسحاق بن راہویہؒ اور علی بن المدینیؒ سے اکتساب فیض کیا۔ ان کے شیوخ میں تبع تابعین کے زمرہ میں محمد عبداللہ الانصاریؒ اور ابو عاصم النبیلؒ کے نام آتے ہیں۔ دیگر بڑے ناموں میں آدم بن ایاسؒ، امام احمد بن حنبلؒ، قتیبہ بن سعیدؒ اور عبداللہ بن حماد آملیؒ کے نام شامل ہیں۔

امام صاحب کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا۔ دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں سے علماء و محدثین اس میں شریک ہوتے تھے۔ صحاح ستہ کی تین کتابوں ﴿صحیح مسلم، جامع ترمذی اور سنن نسائی﴾ کے مصنفین۔ امام مسلم بن حجاج القشیریؒ، حافظ ابو عیسیٰ ترمذیؒ اور عبدالرحمن النسائیؒ، امام صاحب کے شاگردوں میں ہیں۔ اس کے علاوہ علوم حدیث میں قابل قدر خدمات دینے والی شخصیات۔۔ حافظ ابو زرعہؒ، ابو حاتمؒ، ابن خزیمہؒ، محمد بن نصر مروزی۔۔۔ نے امام صاحب سے کسب فیض کیا۔ ان کے شیوخ و معاصرین اور تلامذہ سب ان کے تبحر علمی اور کمالات فن کے معترف تھے۔

امام صاحب نہایت قوی الحافظہ تھے۔ جو حدیث سن لیتے فوراً یاد ہو جاتی۔ انہوں نے اپنے بارے میں خود کہا کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں۔ اپنی قابل فخر کتاب صحیح بخاری کے بارے میں بتایا کہ میں نے اس کو چھ لاکھ روایات میں سے منتخب کیا ہے۔

امام صاحب ۲۵۰ھ میں نیشاپور گئے تو شہر والوں نے ان کا زبردست استقبال کیا۔ وہاں کے شیخ الحدیث محمد بن یحییٰ ذہلی تھے۔ انہوں نے لوگوں کو ہدایت کی کہ امام صاحب کے علم سے بھرپور استفادہ کریں لیکن کسی اختلافی مسئلہ میں ان سے سوال نہ کریں۔ امام صاحب کو درس دیتے ابھی تھوڑے دن ہوئے تھے کہ ایک شخص نے مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں ان کا نقطہ نظر جاننے کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے جواب سے گریز کیا لیکن آدمی نے جواب کے لیے اصرار کیا۔ اس پر امام صاحب نے کہا کہ قرآن اللہ کا غیر مخلوق کلام ہے، الفاظ ہماری زبان کا فعل ہیں اور ہمارے تمام افعال مخلوق ہیں۔ یہ نقطہ نظر محمد بن یحییٰ ذہلی کے نقطہ نظر

کے خلاف تھا اور امام احمد بن حنبلؒ کے موقف سے بھی مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ حکومت پر حنابلہ کا اثر تھا اس لیے امام بخاری کو قید و بند کی تکلیف برداشت کرنا پڑی۔ انہوں نے نیشاپور چھوڑا اور اپنے وطن بخارا چلے گئے۔ وہاں بھی لوگوں نے ان کو چین سے نہ رہنے دیا اور والی بخارا کو ان کے خلاف بھڑکایا تو اس نے ان کو شہر چھوڑنے کا حکم دیا۔ وہ بخارا کے نواح میں اپنے ننھیال کے گاؤں میں منتقل ہو گئے۔ ۲۵۶ھ میں اہل سمرقند کی دعوت پر سمرقند جا رہے تھے کہ راستہ ہی میں پیغام اجل آ گیا۔ اس وقت ان کی عمر باسٹھ سال تھی۔

امام صاحب نے متعدد تصانیف یادگار چھوڑیں جن میں مجموعہ ہائے احادیث کے علاوہ تاریخ و سیر اور فقہ پر کتب شامل ہیں۔ سب سے اہم تصنیف ان کی الجامع الصحیح ہے جو 'صحیح بخاری' کے نام سے معروف ہے۔

الجامع الصحیح:

امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کے متعدد مجموعے مرتب ہو چکے تھے جن میں قوی و سقیم روایات جمع تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے استاد اسحٰق بن راہویہؒ نے خواہش ظاہر کی کہ تم ایک مختصر مجموعہ احادیث ایسا مرتب کرو جس میں صرف صحیح احادیث ہوں۔ اس پر امام صاحب نے اپنی کتاب کی تدوین شروع کی اور سولہ سال کے عرصہ میں صحیح بخاری مرتب کر لی۔ اس کتاب کا پورا نام الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول الله ﷺ و سننه و ایامه ہے۔ گویا اس میں وہ روایات لائی گئی ہیں جو علم حدیث کے تمام شعبوں اور رسول اللہ ﷺ کے دیے ہوئے احکام اور سیرت سے متعلق ہیں۔ حدیث قبول کرنے میں امام صاحب نے یہ شرط ملحوظ رکھی ہے کہ روایت کی سند متصل ہو، اس کے تمام راوی ثقہ ہوں اور ان کی ثقاہت پر کبار محدثین کا اتفاق ہو، راویوں کی اپنے شیوخ سے ملاقات ثابت ہو، صحابی سے دو یا اس سے زیادہ راوی روایت کرتے ہوں۔ ان شرائط کی بدولت امت نے بالعموم صحیح بخاری کے معیار کو دوسری کتب حدیث پر فوقیت دی ہے۔ اہل مغرب کے نزدیک صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر ترجیح حاصل ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک اس کتاب میں مرفوع روایات کی تعداد ۷۳۹۷ ہے جن میں سے ۲۳۵۳ غیر مکرر ہیں۔ اس تعداد میں اگر متابعات وغیرہ بھی شامل کر لی جائیں تو غیر مکرر روایات کی تعداد ۲۵۱۳ ہو جاتی ہے۔ بائیس روایات ایسی ہیں جو تین واسطوں سے نبی ﷺ تک پہنچتی ہیں۔ بعض محدثین نے کچھ روایات اور اسناد پر تنقید بھی کی ہے۔ دار قطنی نے ایک سو دس روایات پر اور دوسرے محدثین نے اسی راویوں پر نقد کیا ہے۔ دوسرے محدثین نے اس تنقید کے جواب میں امام صاحب کا دفاع کیا ہے۔

امام صاحب کے جن تلامذہ سے صحیح بخاری کی روایت کا سلسلہ چلا وہ چار ہیں:

۱۔ ابراہیم بن معقل بن الحجاج النسفی (م ۲۹۴ھ) ۲۔ حماد بن شاکر النسفی (م ۳۱۱ھ)

۳۔ محمد بن یوسف الفربری (م ۳۲۰ھ) ۴۔ ابو طلحہ منصور بن محمد البزدوی (م ۳۲۹ھ)

صحیح بخاری کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں ابن حجرؒ کی فتح الباری، بدر الدین عینیؒ کی عمدۃ القاری اور شمس الدین کرمانی کی الکواکب الدراری سر فہرست ہیں۔

خالد مسعود

صحیح بخاری کی خصوصیات

الجامع الصحیح حدیث کے جلیل القدر امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ کا عظیم کارنامہ ہے۔ ہر نوع کی تقریباً چھ لاکھ حدیثوں کے انبار کی چھان پھٹک کر کے اس میں سے چند ہزار روایات اپنے مقرر کردہ معیار صحت پر منتخب کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ امام صاحب اتنی تعداد میں روایات کی ترتیب وتہذیب میں سولہ برس صرف کر کے اپنی یہ کتاب منظر عام پر لائے۔ ان کی اس جاں گداز محنت اور دوسرے محدثین کے مقابل میں اعلیٰ معیار صحت کی بناء پر الجامع الصحیح کو قبولیت خاص وعوام اور شہرت دوام حاصل ہوئی ہے۔ یہ کتاب حدیث کی امہات میں سرفہرست ہے۔ اس پر کسی شخص کی تدبر کی نظر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حدیث کے اہم بنیادی ذخیرے کے بیشتر حصہ پر اس کی نظر ہے۔ یہ کتاب علم کا ایک بڑا خزانہ ہے۔ دین کے فہم یا دعوت واصلاح کے کام میں اس کو نظر انداز کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں۔

صحیح بخاری کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی سند مؤطا امام مالکؒ کے سوا باقی تمام مجموعہ ہائے احادیث سے عالی ہے۔ رجال کے معاملے میں امام بخاریؒ کے ہاں نسبتاً زیادہ احتیاط پائی جاتی ہے۔ انہوں نے راویوں کی ثقاہت کے علاوہ دو اور شرطیں مقرر کی ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث کا راوی اپنے شیخ کا معاصر ہو، دوسرے یہ کہ شیخ سے اس کا سماع بھی ثابت ہو۔ راوی کے لیے امام صاحب نے ثقاہت کا جو معیار مقرر کیا ہے اس کے مطابق سند کو پرکھ کر اور مذکورہ شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ اپنی کتاب میں کسی روایت کو جگہ دیتے ہیں۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں امام صاحب نے ان روایات کو زیادہ اہمیت دی ہے جن میں ایمان قول وعمل کا مجموعہ نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے اس انتخاب کا مزاج کلامی ہے۔ کتاب الایمان کے بغور مطالعہ سے احساس ہوتا ہے کہ کتاب کی ترتیب کے وقت یہ پہلو پوری طرح سے امام صاحب کے پیش نظر رہا ہے کہ مرجئہ اور ان کے جتنے ہم مشرب گروہ ان کے زمانے میں تھے اور انہوں نے جو فتنے ان دنوں اٹھائے تھے ان کا قلع قمع کیا جائے۔ یہ لوگ ایمان کے محض زبانی اظہار کو اہمیت دیتے اور عمل کو نجات کے لیے ضروری خیال نہیں کرتے تھے۔ مرجئہ ہی کا مذہب آج اسلامی دنیا میں عملاً رائج ہے۔ عمل کی وقعت بالکل ختم ہوگئی ہے۔ صحیح بخاری اس نقطہ نظر کی سخت مخالف ہے۔

اس مجموعۂ احادیث کی تیسری خصوصیت اس میں روایات کا تکرار ہے۔ امام صاحب کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنے قائم کردہ ابواب کے الفاظ کی کسی ادنیٰ رعایت کا لحاظ کرتے ہوئے ایسی احادیث اس کے تحت نقل کردیتے ہیں جن کا محل، معنی اور حکمت کے لحاظ سے، کسی دوسرے باب میں ہوتا ہے۔ اس طرح ایک ہی روایت متعدد ابواب میں نقل ہوکر مکررات پیدا کرتی ہے۔ اگر ایسی تکرار کو حذف کردیا جائے تو کتاب کی ضخامت ایک تہائی رہ جائے گی۔ اس تکرار سے بچنے ہی کے لیے تجرید بخاری جیسی کتابیں مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے۔

ترتیب کے لحاظ سے صحیح مسلم صحیح بخاری سے زیادہ سائنٹفک ہے۔ امام مسلمؒ نے ہر حدیث کے لیے ایک خاص مقام، جو معنی و مفہوم اور حکمت دین کے لحاظ سے زیادہ مناسب تھا، مقرر کیا اور وہیں اس روایت کے تمام طریقوں کو جمع کردیا۔ اس وجہ سے صحیح مسلم سے استفادہ بہت آسان ہے۔ امام بخاریؒ کسی حدیث کے مختلف طرق کو متفرق و متباعد ابواب میں ذکر کرتے ہیں جس سے حدیث کے طالب علم کے لیے مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس کتاب کی چوتھی خصوصیت امام صاحب کے مقرر کردہ عنوانات کا ایک خاص مزاج ہے۔ وہ موضوع کے بعید ترین گوشوں میں چلے جاتے ہیں اور اخذ مسائل کے لیے نہایت باریک استدلال کی راہ کھولتے ہیں۔ یہ چیز ان کے تفقہ کی دلیل اور تربیت فکر کے پہلو سے اہم ہے لیکن دیکھا گیا ہے کہ یہ فقاہت امام صاحب کو بعض غیر ضروری مسائل کی طرف بھی لے گئی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے ابواب کے عنوانات پہلے قائم کیے اور روایات بعد میں نقل کیں، اس لیے بے شمار عنوانات ایسے رہ گئے جن کے تحت وہ کوئی روایت نہیں لا سکے۔ یا روایات تو انہوں نے نقل کردیں لیکن ترجمۂ باب سے ان کی مناسبت محل نظر معلوم ہوتی ہے۔ کہیں انہوں نے باب تو باندھ دیا لیکن اس کی عبارت نہیں لکھی۔ اس بارے میں میں ان لوگوں کی رائے کو صائب سمجھتا ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنی کتاب کے لیے مواد تو جمع کرلیا لیکن ان کو کتاب کی ترتیب و تنقیح کی فرصت نہیں ملی اور اسی صورت میں کتاب کی روایت شروع ہوگئی۔ اگر ان کو نظر ثانی کی مہلت مل جاتی تو ممکن ہے وہ تمام ابواب کو نکال دیتے یا ابواب کو نقل کردہ روایات کے مطابق کردیتے یا بعض مکررات کو نکال دیتے۔

صحیح بخاری کی پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ یہ بغیر کسی مقدمہ، تمہید یا دیباچہ کے لکھی گئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ مؤطا کے طرز کی کتاب ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس زمانے میں کتابوں کا مقدمہ لکھنے کا رواج نہ تھا۔ امام مسلمؒ نے اسی دور میں اپنا مجموعۂ احادیث مرتب کیا اور اس پر بڑا شاندار مقدمہ لکھا جس میں روایت حدیث کے اصول پر نہایت مدلل بحث کی اور اپنے قائم کردہ اصولوں کا دفاع کیا۔ لہٰذا امام بخاریؒ یا تو کتاب پر مقدمہ لکھنے کے قائل نہیں رہے یا ان کو اس کی فرصت نہیں ملی۔

اصحاب بدعت اور شیعہ رواۃ سے روایت لینے میں امام مسلمؒ اگرچہ زیادہ متہم ہیں لیکن امام بخاریؒ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مثال کے طور پر حدیث کے شیخ محمد بن شہاب زہری ان تمام روایات کے واحد راوی ہیں جن پر شیعہ مذہب کا دارومدار ہے۔ امام صاحب کے نزدیک وہ ثقہ ہیں اور ان پر ان کا اعتماد اسی نوعیت کا ہے جس طرح کا اعتماد امام مالکؒ کو ان پر ہے اور جس کا اظہار انہوں نے مؤطا میں کیا ہے۔ شارحین برملا اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ زہری بات کا بتنگڑ بنانے اور مختلف روایات میں گھپلا کر کے ان کے مزاج کو بدلنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ انہوں نے متعدد روایات ایسی بیان کی ہیں جن کے بیان میں وہ منفرد ہیں اور ان سے بعض خاص صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ کی اہانت مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام شیعی ذہن کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ اگر امام صاحب نے زہری کی روایت قبول کرتے وقت درایت کے اصولوں سے کام لیا ہوتا تو دور صحابہؓ کے بارے میں بہت سی وہ غلط فہمیاں نہ پیدا ہوتیں جو ان کی ان روایات نے پیدا کر دی ہیں جن کو صحیح بخاری میں جگہ مل گئی ہے۔ آگے روایات کی شرح کرتے وقت ہم دکھائیں گے کہ شیعہ رواۃ کی ریشہ دوانیوں نے بات کو غلط رخ دینے میں کیا کردار ادا کیا ہے۔

کتاب کے ان کمزور پہلوؤں کے باوجود نہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت کا انکار کیا جا سکتا اور نہ صحیح بخاری کی شکل میں ان کی اس عظیم علمی و دینی خدمت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ بعض اہم مسائل کے حل میں مجھے جو مدد صحیح بخاری سے ملی ہے وہ کسی دوسرے مجموعہ حدیث سے نہیں ملی۔

باب: کیف کان بدء الوحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب: كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

وقول الله جل ذكره إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِهِ.

باب: رسول اللہ ﷺ پر وحی کا آغاز کس طرح ہوا

اس ضمن میں آیت اِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِهِ (ہم نے تم پر بھی اسی طرح وحی بھیجی جس طرح نوح اور اس کے بعد دوسرے نبیوں پر بھیجی) کا حوالہ۔

باب کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ اس کے تحت وہ روایات لانا چاہتے ہیں جن سے معلوم ہو کہ وحی کا آغاز کیسے ہوا۔ اس باب سے کتاب کا آغاز اس لحاظ سے مناسب ہے کہ دین کا نقطۂ آغاز وحی ہی ہے۔ البتہ عنوان میں امام صاحبؒ نے جو آیت نقل کی ہے اس کا تعلق براہ راست آغاز وحی کے مضمون سے نہیں ہے۔ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی رسولوں کے زمرہ کی ایک شخصیت ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ آیت آئی ہے اس میں نبی ﷺ پر یہی بات واضح کی گئی ہے کہ وہ دنیا میں نہ تو پہلے رسول ہیں اور نہ ان کے مخاطب پہلی قوم ہیں جس کی طرف رسول بھیجا گیا ہو۔ اس لیے خدا کی سنت، جو پہلی قوموں کے باب میں ظاہر ہوئی، ان کی قوم کے باب میں بھی جاری ہوگی۔

۱۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ قَالَ: حدثنا سُفْيَانُ قَالَ: حدثنا يَحْيَى بْنُ سَعِيدِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيُّ: أَنَّهُ سَمِعَ عَلْقَمَةَ بْنَ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيَّ يَقُولُ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِيءٍ مَا نَوَى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا، أَوْ إِلَى امْرَأَةٍ يَنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ.

علقمہ بن وقاص لیثی نے حضرت عمر بن خطابؓ کو منبر پر یوں بیان کرتے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ

کو یہ فرماتے سنا کہ اعمال کی بنیاد نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی ہوگی۔ جس کی ہجرت کسی دنیوی مقصد کے لیے ہے جس کو وہ حاصل کرنا چاہتا ہے یا کسی عورت کی طرف ہے جس سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔ ﷺ

وضاحت:

یہ ایک مشہور و معروف حدیث ہے لیکن باب کے عنوان سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس حدیث کو اس باب کے لیے مقدمہ کی حیثیت بھی نہیں دی جا سکتی۔ اس سے کتاب کا آغاز کر کے امام صاحب اگر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں، اس میں اگر میری نیت ٹھیک نہ ہو تو میری کتاب بھی کچھ نہیں اور پڑھنے والوں نے اگر پڑھا اور ان کی نیت ٹھیک نہ ہوئی تو ان کو بھی کچھ حاصل نہ ہوگا تو اس کا ایک محل ہو سکتا ہے۔ شارحین نے اس پر جو نکتہ طرازیاں کی ہیں وہ بالکل بے محل ہیں۔

بعض لوگوں نے اس حدیث کو ثلث دین کہا ہے لیکن یہ کہنے کے لیے کوئی بنیاد ہونی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ نے سورہ اخلاص کو اور سورہ العصر کو ثلث دین کہا ہے تو فلسفہ دین کے پہلو سے ان کا ثلث دین ہونا ثابت ہوتا ہے، لیکن اس حدیث کو تعیین کے ساتھ ثلث دین قرار دینے کی حکمت سمجھ میں نہیں آتی۔ البتہ اگر کوئی یہ کہے کہ سارے دین کا انحصار نیت کے اخلاص پر ہے تو یہ بات بالکل حق ہے۔

حدیث کی تعلیم نیک اعمال سے متعلق ہے۔ یعنی جو نیک اور شرعی اعمال ہیں ان کی بنیاد نیت کی درستی پر ہے۔ جو شخص ہجرت جیسا نیک کام کرتا ہے لیکن وہ مدینہ آ کر کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے نہیں ہوگی بلکہ اسی عورت کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے اپنا وطن چھوڑا۔ اسی طرح اگر اس کے پیش نظر کوئی دنیوی مفاد ہوگا تو ہجرت اسی مفاد کے لیے مانی جائے گی۔ یہ بات دین کی ایک واضح حقیقت ہے۔ اس کی روشنی میں اگر نماز ریا کے لیے پڑھی جائے تو رائیگاں، حج اگر سمگلنگ کے لیے ہے تو کار عبث، جہاد اگر شجاعت کی دھونس جمانے کے لیے ہے تو بے ثمر عمل، قرآن کی تفسیر اگر محض کتاب فروشی کے لیے ہے تو بے کار ہے۔ علیٰ ھذا القیاس ہر نیک کام اگر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سوا کسی اور مقصد کے لیے کیا جائے گا تو اس کی نیکی زائل ہو جائے گی۔

اس حدیث سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ برے اعمال بھی اگر نیک نیت سے کر دیے جائیں تو وہ نیک بن جاتے ہیں۔ یہ بالکل غلط نتیجہ ہے۔ برے اعمال کے متعلق صرف یہ دیکھا جائے گا کہ ارادۂ عمل پایا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر ارادۂ عمل پایا جائے گا تو وہ شخص مجرم ہے۔ جرم ثابت ہونے پر وہ دنیا میں بھی سزا پائے گا اور آخرت میں بھی اس کا سامنا کرے گا۔ ہاں اگر ارادۂ عمل نہیں پایا جائے گا تو اللہ کے ہاں بھی وہ بری ہوگا اور دنیا میں بھی اگر اس کا جرم

ثابت نہ کیا جا سکے تو وہ بری ہو جائے گا۔ اس زمانے میں اس غلط فہمی کا بڑا زور ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ نیت نیک رکھنے سے گناہ کا کوئی کام ثواب کا کام نہیں بن سکتا۔ اس میں اگر کوئی گنجائش کا پہلو ہوتا ہے تو صرف یہ کہ کرنے والے کا ارادہ اس میں شامل ہے یا نہیں۔

۲۔ حدثنا عبدالله بن یوسف قال: أخبرنا مالک، عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة ام المؤمنين رضي الله عنها: ان الحارث بن هشام رضي الله عنه سأل رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله كيف يأتيک الوحي؟ فقال رسول الله ﷺ: أحيانا يأتيني مثل صلصلة الجرس وهو اشده علي فيفصم عني وقد وعيت عنه ما قال و احيانا يتمثل لي الملک رجلا فيكلمني فاعي ما يقول قالت عائشة رضي الله عنها: ولقد رأيته ينزل عليه الوحي في اليوم الشديد البرد فيفصم عنه و ان جبينه ليتفصد عرقا.

﴿ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حارث بن ہشامؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ پر وحی کس طریقے سے آتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کبھی کبھی میرے اوپر یہ اس طرح آتی ہے جیسے گھنٹی کی جھنجھناہٹ کی آواز ہو اور یہ شکل میرے اوپر سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ جب وہ منقطع ہوتی ہے تو میں اس بات کو اخذ کر چکا ہوتا ہوں جو فرشتہ مجھ سے کہتا ہے اور کبھی کبھی فرشتہ ایک آدمی کی شکل میں متمثل ہو کر آ جاتا ہے اور مجھ سے بات کرتا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتی کہ آپ کے اوپر شدید سردی کے دنوں میں وحی اترتی، جب وہ منقطع ہوتی تو آپ کی پیشانی پسینہ آلود ہوتی تھی۔﴾

وضاحت:

یہ اس باب کے سلسلے کی پہلی روایت ہے۔ اس میں حارث بن ہشامؓ کے ایک سوال کے جواب میں نبی ﷺ نے اپنے وحی کے تجربات کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے اور اس کی دو شکلیں بیان کی ہیں۔ ایک میں صلصلۃ الجرس یعنی گھنٹی کی سی آواز آپ کو سنائی دیتی اور اس کے اندر سے فرشتے کا پیغام موصول ہوتا اور دوسری میں فرشتہ آدمی کی شکل میں سامنے آ کر بات کرتا۔

مثل صلصلۃ الجرس کے الفاظ یہ واضح کرنے کے لیے ہیں کہ یہ آواز آدمی کے بولنے کی طرح کی آواز نہیں تھی بلکہ اس طرح کی کیفیت ہوتی جیسے گھنٹی بج رہی ہو۔ چنانچہ دوسری روایت میں ہے کہ جیسے شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی

ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس صورت میں میں جذب کرلیا جاتا ہوں اور جذب ہو کر جب سنتا ہوں تو مطلب اخذ کرلیتا ہوں۔ کبھی کبھی دوسری صورت پیش آتی ہے جس میں فرشتہ آدمی کی شکل میں متشکل ہو کر مجھ سے بات کرتا ہے تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ مجھ سے کیا کہا جارہا ہے۔ یہ سب سے آسان طریقہ ہوتا ہے۔ جبریل امینؑ آتے ہیں اور ایسے بات کرتے ہیں جیسے ایک استاد شاگرد سے بات کرتا ہے۔ وہ کان میں بات ڈال دیتے ہیں اور میں سنتا اور سمجھتا ہوں، پھر اس کو محفوظ کرلیتا ہوں۔

روحانی امور اور غیبی طاقتوں سے تعلق کی بہت سی شکلیں ہیں۔ ان میں شیطانی بھی ہیں اور رحمانی بھی۔ شیطانی شکلوں میں آدمی ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور بعض اوقات اپنے کو زخمی بھی کرلیتا ہے لیکن رحمانی شکلوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ وحی اس نوع کی ایک اعلیٰ قسم ہے جس کے تجربات اس حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ وحی کے یہ تجربات پیغمبر کے خاص تجربات ہیں۔ ہم اس کے صرف ظاہر پر رائے قائم کرسکتے ہیں۔ اندر کا باطنی تجربہ کیا ہے اس کو ہم صرف اتنا ہی سمجھ سکتے ہیں جتنا آنحضرت ﷺ نے بیان کردیا ہے۔ اس سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ وحی کی حالت میں روح ملکوتی پیغمبر ﷺ کی روح کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اس میں جسم کے ساتھ اس کا وہ تعلق باقی نہیں رہتا جو عام حالات میں ہوتا ہے۔ بلکہ جسم کے اوپر بہت دباؤ پڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ روح جسم کی طاقت، قوت، جوش اور ہوش کا اصلی منبع ہے۔ یہ اگر ایک ہی طرف منجذب ہو جائے تو اس کا قدرتی اثر جسم پر پڑے گا۔ وحی کی حالت میں حضور ﷺ کا دماغ ایک طرف منجذب ہو جاتا تھا۔ دوسری چیزوں کی طرف سے آپ کی توجہ منقطع ہو جاتی اور جسم دباؤ میں ہونے کے باعث پسینے سے شرابور ہو جاتا۔

وحی کی حالت میں اس طرح کے تجربات جو رسول اللہ ﷺ کو کرائے گئے ہیں تو اس سے مقصود یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک نئی اور انقلابی چیز سے پیغمبر کا ذہن پوری طرح سے مانوس ہو جائے، وہ رحمانی تعلقات کی نوعیت جان لے اور اس کا ذہن وحی کو قبول کرنے کے لیے پوری طرح سے تیار ہو جائے۔

۳۔ حدثنا یَحیَی بنُ بُکَیرٍ قالَ: حدثنا اللَّیثُ عَنْ عُقَیلٍ عَنِ ابنِ شِهَابٍ عَنْ عُروَةَ ابنِ الزُّبَیرِ، عَنْ عائشةَ أمِّ المُؤمِنِینَ أنَّها قالَتْ: اَوَّلُ مَا بُدِیَٔ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الوَحیِ الرُّؤیَا الصَّالِحَةُ فِی النَّومِ فَکانَ لا یَرَی رُؤیَا إلَّا جَاءَتْ مِثلَ فَلَقِ الصُّبحِ ثُمَّ حُبِّبَ إلَیهِ الخَلاءُ وَ کانَ یَخلُو بِغَارِ حِرَاءٍ، فَیَتَحَنَّثُ فِیهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّیَالِیَ ذَوَاتِ العَدَدِ قَبلَ أنْ یَنزِعَ إلَی أهلِهِ، وَیَتَزَوَّدُ لِذَلِکَ ثُمَّ یَرجِعُ إلَی خَدِیجَةَ فَیَتَزَوَّدُ لِمِثلِهَا حَتَّی جَاءَهُ الحَقُّ وَهُوَ فِی غَارِ حِرَاءٍ، فَجَاءَهُ المَلَکُ فَقَالَ: اقرَأْ قَالَ: مَا أنَا بِقَارِئٍ. قَالَ فَأخَذَنِی فَغَطَّنِی

حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِی فَقَالَ اقْرَأْ قُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِی فَغَطَّنِی الثَّانِیَةَ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَهْدَ ثُمَّ اَرْسَلَنِی فَقَالَ اقْرَأْ، فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فَاَخَذَنِی فَغَطَّنِی الثَّالِثَةَ ثُمَّ اَرْسَلَنِی فَقَالَ "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَأْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ" فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَرْجُفُ فُؤَادُهٗ فَدَخَلَ عَلٰی خَدِیْجَةَ بِنْتِ خُوَیْلِدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَ: زَمِّلُوْنِی زَمِّلُوْنِی. فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰی ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِیْجَةَ وَ اَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِی فَقَالَتْ خَدِیْجَةُ کَلَّا وَاللّٰهِ مَا یُخْزِیْکَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ و تَحْمِلُ الْکَلَّ وَ تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تَقْرِی الضَّیْفَ وَ تُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ فَانْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِیْجَةُ حَتّٰی اَتَتْ بِهٖ وَ رَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ اَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزّٰی ابْنَ عَمِّ خَدِیْجَةَ وَ کَانَ امْرَءًا تَنَصَّرَ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَ کَانَ یَکْتُبُ الْکِتَابَ الْعِبْرَانِیَّ، فَیَکْتُبُ مِنَ الْاِنْجِیْلِ بِالْعِبْرَانِیَّةِ مَاشَاءَ اللّٰهُ اَنْ یَکْتُبَ وَ کَانَ شَیْخًا کَبِیْرًا قَدْ عَمِیَ فَقَالَتْ لَهٗ خَدِیْجَةُ: یَا بْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنَ ابْنِ اَخِیْکَ. فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ یَا بْنَ اَخِی مَا ذَا تَرٰی؟ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَبَرَ مَا رَاٰی، فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ: هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِی نَزَّلَ اللّٰهُ عَلٰی مُوْسٰی یَا لَیْتَنِی فِیْهَا جَذَعًا لَیْتَنِی اَکُوْنُ حَیًّا اِذْ یُخْرِجُکَ قَوْمُکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَوَ مُخْرِجِیَّ هُمْ. قَالَ نَعَمْ لَمْ یَاْتِ رَجُلٌ" قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِیَ، وَ اِنْ یُدْرِکْنِی یَوْمُکَ اَنْصُرْکَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ یَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّیَ وَ فَتَرَ الْوَحْیُ.

ابن شہاب حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے اور وہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اول چیز جس سے آنحضرت ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا وہ اچھے خواب کی حالت تھی جو آپ نیند میں دیکھتے۔ جو خواب آپ دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح ہوتا۔ پھر آپ کو تنہائی پسندی کی طرف رغبت ہوئی۔ آپ غار حرا میں خلوت گزیں ہوتے اور وہاں پر تحنث کرتے۔ تحنث سے مراد کئی کئی دنوں کی عبادت ہے جس کے بعد آپ اہل خانہ کی طرف واپس آتے۔ آپ اس کے لیے کھانے پینے کی اشیاء لے جاتے۔ پھر آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور اسی طرح کے قیام کے لیے توشہ لے جاتے۔ یہاں تک کہ آپ غار حرا ہی میں تھے کہ حق آ گیا۔ آپ کے پاس فرشتہ آیا اور کہا پڑھو۔

آنحضرتؐ نے اس پر کہا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ فرشتہ نے مجھے پکڑ کر ایسا بھینچا کہ میں چور چور ہو گیا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو۔ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر اس نے دوسری مرتبہ مجھے پکڑا اور بھینچا یہاں تک کہ میں بالکل شل ہو گیا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو۔ میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر اس نے تیسری مرتبہ مجھے پکڑا اور بھینچا۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَأْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ. (پڑھ اپنے اس خداوند کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کے تھکے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے)۔ یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ اس حال میں گھر آئے کہ ان کا دل کانپ رہا تھا۔ آپ خدیجہؓ بنت خویلد کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے اوڑھاؤ، مجھے اوڑھاؤ۔ اہل خانہ نے آپ کو کپڑا اوڑھا دیا۔ جب آپ کا ڈر جاتا رہا تو آپ نے خدیجہ کو بلا کر واقعہ سنایا اور کہا کہ مجھے اپنی جان کا خدشہ پیدا ہو گیا ہے۔ خدیجہ نے کہا ہرگز نہیں، خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محروموں کو کما کر دیتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور حادثات میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ پھر خدیجہ آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس، جو ان کے چچازاد بھائی تھے، گئیں۔ ورقہ بن نوفل جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے۔ وہ عبرانی لکھنا جانتے تھے اور انجیل سے عبرانی میں جو اللہ چاہتا لکھتے تھے۔ اس وقت وہ بوڑھے اور اندھے ہو گئے تھے۔ خدیجہ نے ان سے کہا کہ میرے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات سنو۔ ورقہ نے کہا اے بھتیجے، کہو تم نے کیا دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو دیکھا تھا وہ ان کو بتا دیا۔ اس پر ورقہ بن نوفل نے کہا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ کی طرف اترا کرتا تھا۔ کاش میں اس وقت کڑیل جوان ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو اپنے شہر سے نکال دے گی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہ مجھ کو نکال دیں گے۔ ورقہ نے کہا ہاں۔ جب بھی کوئی شخص وہ چیز لایا جس کی خبر آپ لائے ہیں تو لوگ اس کے دشمن ہو گئے۔ اگر میں اس دن تک زندہ رہا تو آپ کی پوری مدد کروں گا۔ پھر زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی آنی بند ہو گئی۔

وضاحت:

یہ بدء الوحی کے سلسلے کی دوسری روایت ہے۔ بعض لوگوں نے اس روایت پر تردد کا اظہار کیا ہے لیکن

ہمارے نزدیک یہ روایت ٹھیک ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس میں ابن شہاب زہری کے بعض اضافے شامل ہیں جن کے باعث بات صرف وہیں تک نہیں رہتی جہاں تک ہے۔

اس روایت میں یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ وحی کے آغاز میں نبی ﷺ کو رویائے صالحہ دکھائے گئے۔ رویائے صالحہ ہوتے تو خواب ہی، لیکن دوسرے خوابوں سے بالکل الگ نوعیت کے ہوتے تھے۔ یہ ایسے روشن خواب ہوتے جیسے رات کی تاریکی میں سے صبح نکل آئے۔ ان میں نبی ﷺ کے لیے واضح پیغام ہوتا۔ رویائے صالحہ کی ایک مثال حضرت یوسف علیہ السلام کا وہ خواب ہے جس میں انہوں نے یہ دیکھا کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے ان کو سجدہ کر رہے ہیں۔ ان کی دوسری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ خواب ہے جس میں انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ قرآن مجید میں خود آنحضرت ﷺ کے ان خوابوں کا ذکر آیا ہے جو غزوہ بدر یا حدیبیہ کے موقعوں پر آپ نے دیکھے۔ نبوت سے قبل رویائے صالحہ دکھانے کا مقصد یہ تھا کہ نبی کے دل و دماغ اور اس کی روح کی پوری طرح سے تربیت کر کے اس کو اصل وحی کے تحمل کے لیے تیار کر دیا جائے۔ اس موقع پر ابھی وحی نازل کرنے کا اصل مرحلہ نہیں آیا تھا۔

رویائے صالحہ کے بعد یہ صورت ہوئی کہ آپ پر خلوت پسندی کا غلبہ ہو گیا۔ کسی غیبی طریقے سے یا رویا کی کسی رہنمائی کے تحت آنحضرت ﷺ نے اس کی پوری اہمیت محسوس کی ہو گی تو آپ نے چاہا کہ اپنی زیادہ سے زیادہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف مبذول کریں تا کہ آپ کا ذہن صحیح طور پر اس سے مانوس ہو جائے۔ یہ خلوت آپ غار حرا میں کرتے تھے۔ وہاں کی عبادت کو تحنث کا نام دیا گیا ہے۔ تحنث کا مطلب اس زمانے کے حنفاء کی عبادت ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعے سے جو دین منتقل ہوا تھا وہ حنفیت کہلاتا تھا۔ وہ اپنے مبادی کے لحاظ سے اسلام کا ابتدائی چربہ تھا۔ اس میں عبادت کے طریقے اور شرعی احکام میں سے بھی بعض چیزیں تھیں، اگرچہ جاہلیت کے دور میں وہ بہت مبہم ہو گئی تھیں اور عوام الناس نے اس میں شرک کی بدعتیں شامل کر لی تھیں۔ اسی دین کے سچے پیرو کار وہ حنفاء تھے جن کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ وہ خانہ کعبہ کی دیواروں کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتے اور کہتے کہ اے رب ہم نہیں جانتے کہ تیری عبادت کس طریقہ سے کریں۔ اگر ہم جانتے تو تیری عبادت اسی طرح کرتے۔ یہی لوگ ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے۔ جاہلیت کا مفہوم جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ وہاں دین کی قسم کی کوئی چیز ہی نہ تھی تو یہ بالکل غلط ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کا خیال بھی غلط ہے جو یہ کہتے ہیں کہ تحنث عیسائیوں کے طریقے کی کوئی عبادت تھی۔ دراصل یہ حنفیت کے طریقے کی عبادت تھی۔ یہ ملت ابراہیمی کا ایک چربہ اور اسلام کا ابتدائی نقش تھا۔ اس طریقے میں چند متعین راتوں کی عبادت کے لیے آنحضرت ﷺ غار حرا چلے جاتے اور اپنے اہل و عیال میں واپس آ کر دوبارہ زاد راہ لیتے اور پھر چند روز کے لیے غار حرا کو چلے جاتے۔ یہ سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ حق واضح ہو گیا اور اصلی وحی کے

آغاز کا وقت آ گیا۔

آپ غارِ حرا میں ہی تھے کہ فرشتہ آیا۔ اس نے دو مرتبہ آپ سے اقرأ (پڑھ) کہا جس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ ما انا بقاری (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) اس نے دونوں مرتبہ آپ کو بھینچ لیا اور تیسری مرتبہ پھر اقرأ کہا۔ پھر وہی جواب سن کر فرشتے نے تیسری مرتبہ بھینچ کر آپ کو چھوڑا تو کہا کہ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ. خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ. (پڑھ اپنے اس خداوند کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون کے تھکے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے)۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ کسی روحانی طاقت سے اتصال کا موقع بڑا نازک ہوتا ہے۔ اس کے لیے ذہن اور دماغ کو تیار کرنے کے لیے بار بار کی ملاقات، بار بار کی آشنائی اور بار بار کا انس ضروری ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں ترشیح کی نوعیت کی ہیں تاکہ پیغمبر کی باطنی تربیت ہو جائے۔ فرشتے کا بار بار بھینچنے اور چھوڑنے کا مطلب پوری طرح سے آپ اپنے کو کھلوا دینا، بے تکلف کر دینا اور اپنی ذات اور آواز سے پیغمبر کو آشنا کر دینا ہو سکتا ہے تاکہ جب دوبارہ ملاقات ہو تو آپ کو اطمینان ہو جائے کہ وہی یارِ غار آ گیا ہے، یہ کوئی شیطانی چیز نہیں۔ قرآن مجید میں سورہ نجم میں نبی ﷺ کے چند تجربات وحی بیان ہوئے ہیں۔ وہاں ان کا حوالہ دینے کا مفاد یہی واضح کرتا ہے کہ پیغمبر جس فرشتے سے ملنے کا ذکر کرتے ہیں ان کے لیے وہ کوئی نامانوس فرشتہ نہیں بلکہ ایک جانی پہچانی شخصیت ہے۔ روحانی معاملات میں اس طرح کا تعارف اسی قدر ضروری ہے جتنا دنیاوی معاملات میں ضروری ہوتا ہے۔ اگر نبی کو فرشتہ وحی سے اچھی طرح متعارف نہ کرایا جائے تو اس کو شیطان دھوکہ دے سکتا ہے۔ شیطان جب یہ بات جان جائے کہ نبی کو فرشتے کا انتظار رہتا ہے تو کسی دن مقدس قبا وغیرہ پہن کر اس کے پاس آ کر کہہ سکتا ہے کہ میں جبریل امین ہوں۔ نبی ﷺ کے مذکورہ تجربہ کے بعد آپ پر شیطان کا اس قسم کا کوئی فریب نہیں چل سکتا تھا کیونکہ آپ کی اس طرح سے تربیت و ترشیح ہوئی تھی کہ آپ کوئی دھوکہ نہیں کھا سکتے تھے۔

اس واقعہ کے بعد فرشتے کے آنے میں کچھ وقفہ رہا۔ ظاہر ہے یہ وقفہ بھی اس لیے تھا کہ آپ کا دل تھم جائے اور مانوس ہو جائے۔ ایک ہی سانس میں تو ہونٹ کے سارے داؤ بھی نہیں بتا دیے جاتے۔ وہ بھی آہستہ آہستہ بتائے جاتے ہیں۔ اسی طرح فرشتے کے آنے میں وقفہ بالکل فطری تھا۔

نبی ﷺ اور فرشتہ کے مابین گفتگو میں غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرشتے کے قول اقرأ کا مطلب کیا سمجھا۔ لفظ اقرأ سے کئی مطلب لیے جا سکتے ہیں۔ ایک مطلب اس زمانے کے بعض ذہین لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ فرشتے کے پاس کوئی لکھی ہوئی چیز تھی جس کو پڑھنے کے لیے اس نے کہا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ یہ توجیہ بس دلچسپ کہی جا سکتی ہے۔ اس پر کئی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ کیا فرشتہ یہ نہیں جانتا تھا کہ

آنحضرت لکھنا پڑھنا نہیں جانتے؟ کیا اس واقعہ کے بعد آپ کو پڑھنا لکھنا آ گیا؟ کیا آئندہ بھی فرشتہ کوئی صحیفہ لایا کرتا تھا جس میں سے آپ کو پڑھواتا؟

اقرا کی دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ جس طرح استاد ایک شاگرد سے، جو پڑھنا نہیں جانتا، کہتا ہے کہ پڑھو اور وہ اس انتظار میں ہوتا ہے کہ کیا پڑھوں، اسی طرح فرشتے کو جواب دیتے ہوئے آنحضرتؐ نے پوچھا کہ میں کیا پڑھنے والا ہوں۔ گویا جوابی جملہ استفہام کا مفہوم رکھتا ہے۔ میرے نزدیک عربیت کا صحیح ذوق رکھتے ہوئے یہ توجیہ کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔

اقرا کا تیسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو پڑھ کر سناؤ۔ یہ معنی بہت واضح اور قرآن کے استعمالات کے مطابق ہیں۔ اس صورت میں ما انا بقاری کا مفہوم یہ ہوگا کہ میں کوئی ذی علم آدمی نہیں ہوں کہ لوگوں کو پڑھاؤں سناؤں۔ اس کام کے لیے تو کچھ جاننے کی ضرورت ہے جس سے میں واقف نہیں ہوں۔ تب فرشتے نے تیسری مرتبہ یہ کہا کہ اپنے رب کے نام سے سناؤ۔ میرے نزدیک فرشتے کے ساتھ سوال و جواب کا یہی مفہوم صحیح ہے اور رب کے نام سے پڑھ کر سنانے کی ہدایت میں ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے۔ وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کے متعلق قدیم صحیفوں میں جو پیشین گوئی کی گئی ہے اس کا خاص پہلو یہ ہے کہ آخری نبی جب آئے گا تو اپنے رب کے نام سے سنائے گا۔ جو شخص اس کی بات نہیں سنے گا تو خدا اس سے نمٹے گا۔ کتاب استثناء ۱۸:۱۸۔۱۹ میں الفاظ یوں ہیں:

''میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب ان سے لوں گا''۔

اگر فرشتہ کا جواب اقرا باسم ربک تک محدود مانا جائے تو یہ مذکورہ پیشین گوئی کے پورا ہونے کی خبر ہے۔ اس صورت میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا بھی ٹھیک ہے کہ میں تو جانتا نہیں کہ مجھے لوگوں کو کیا سنانا ہے۔ فرشتے کا یہ بتانا بھی معنی خیز ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے نام سے سنانا ہے۔ وہی آپ کو بتائے گا کہ آپ کیا سنائیں۔ میرے خیال میں فرشتے کا جواب اقرا باسم ربک تک ہی تھا اور اس کا مقصد پیغمبر ﷺ کو خدا کا کلام خلق کو سنانے کے لیے تیار کرنا تھا۔ اس موقع پر باقاعدہ نزول وحی نہیں ہوا تھا۔

رہی یہ بات کہ روایت میں تو سورہ علق کی ابتدائی تین آیتیں آ گئی ہیں تو میرے نزدیک ملتے جلتے الفاظ موجود پا کر یہ اضافہ راویوں نے کر دیا ہے تاکہ اس سے سورہ علق کا سب سے پہلے اترنا ثابت کیا جا سکے۔ یہ ہے تو بڑی ذہانت کی بات لیکن اس کو لوگوں نے بالاتفاق تسلیم نہیں کیا۔ بعض لوگ سورہ مزمل کو، بعض سورہ مدثر کو، بعض سورہ فاتحہ کو قرآن کی پہلی نازل ہونے والی سورہ مانتے ہیں۔ اگر سورہ علق پر ہی سب کا اتفاق ہوتا، جیسا کہ بخاری میں ہے، تو اس

سے انکار ممکن نہ ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ پھر راویوں نے دوسری روایات میں تین آیات کے بجائے سورہ علق کی پانچ آیات بھی نقل کی ہیں۔ لہٰذا اس اضافہ پر میں متفق نہیں ہوں۔

سورہ علق کو پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب قریش مکہ کی طرف سے نبی ﷺ کے لیے انتہائی مخالفت کا اظہار ہونے لگا تو اس وقت یہ سورہ نازل ہوئی۔ اس کے ایک ایک جملے سے شدت غضب نمایاں ہو رہی ہے۔ اتنا سخت لب ولہجہ پہلی نازل ہونے والی سورہ میں کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ صرف ابتدائی آیات پہلے نازل ہوئیں تو اس اعتراض سے تو جان چھوٹ جائے گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس طرح آپ مضمون کو جہاں سے الگ کرنا چاہتے ہیں وہاں سے وہ الگ ہوتا نہیں۔ سورہ نہایت مربوط ہے اور قریش کو نہایت سختی سے جھنجھوڑ رہی ہے کہ وہ نبی ﷺ کی مخالفت سے باز آجائیں ورنہ ان کا حشر برا ہوگا۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس روایت کی رو سے آنحضرت ﷺ جب نہایت دہشت کی حالت میں گھر تشریف لے گئے اور کپڑا اوڑھانے کی ہدایت کی تو آپ نے کسی سے بھی یہ نہیں کہا کہ مجھ پر کوئی سورہ نازل ہوئی ہے بلکہ حضرت خدیجہؓ اور ورقہ بن نوفل دونوں کو اس واقعہ کی خبر دی جو آپ کی دہشت کا باعث ہوا تھا۔ اگر واقعتاً سورہ علق کا نزول ہوا ہوتا تو اصل بات تو یہی بتانے کی ہوتی۔ نیز ایک سورہ کے نازل ہونے کے بعد خود آپ پر یہ بات واضح ہو چکی ہوتی کہ آپ کو خدا نے پیغمبر مبعوث کیا ہے اور وحی نازل کرنا شروع کر دی ہے۔ اس صورت میں ورقہ بن نوفل کے پاس جانے کی کوئی حاجت ہی نہ ہوتی۔ چونکہ آپ ابھی تک اس بات سے آگاہ نہیں تھے کہ آپ نبی ﷺ بنائے گئے ہیں اور آپ نے اپنے آپ کو اس حیثیت سے پیش بھی نہیں کیا تو معلوم ہوتا ہے اس مرحلہ پر نوبت باقاعدہ وحی تک آئی ہی نہ تھی۔

۴۔ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَ اَخْبَرَنِي اَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: اَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ، وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ، فَقَالَ فِي حَدِيْثِهِ: بَيْنَا اَنَا اَمْشِي اِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ السَّمَاءِ، فَرَفَعْتُ بَصَرِي، فَاِذَا الْمَلَكُ الَّذِي جَاءَنِي بِحِرَاءٍ جَالِسٌ" عَلَى كُرْسِيٍّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ، فَرُعِبْتُ مِنْهُ، فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: "يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ – اِلٰى قَوْلِهِ – وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ". فَحَمِيَ الْوَحْيُ وَ تَتَابَعَ تَابَعَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ وَ اَبُو صَالِحٍ، وَ تَابَعَهُ هِلَالُ بْنُ رَدَّادٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ. وَقَالَ يُونُسُ وَ مَعْمَرٌ": بَوَادِرُهُ.

ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے بتایا کہ جابر بن عبداللہ انصاری وحی کے بند

ہونے کا تذکرہ کر رہے تھے تو انہوں نے (دوبارہ وحی کے باب میں) یوں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ چل رہا تھا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے اپنی آنکھ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا، آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس سے مرعوب ہو گیا اور گھر کو لوٹا اور کہا کہ مجھے اوڑھاؤ، مجھے اوڑھاؤ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں: "يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَأَنْذِرْ. وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ. وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ." (اے چادر لپیٹے رکھنے والے! اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے رب ہی کی کبریائی کی منادی کر اور اپنے دامن کو پاک رکھ اور ناپاکی کو چھوڑ)۔ اس کے بعد وحی کثرت سے مسلسل آنے لگی۔

ابن شہاب کی اس روایت کی عبداللہ بن یوسف اور ابو صالح نے متابعت کر دی ہے اور ہلال بن رواد نے بھی زہری سے متابعت کر دی ہے۔ اور یونس اور معمر نے فوادہ کی بجائے بوادرہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ (یعنی جسم میں کپکپی پیدا ہو گئی۔)

وضاحت:

اصل واقعہ کی روایت کے بعد امام صاحب نے ابن شہاب کی اس پر حاشیہ آرائی نقل کی ہے اور لوگوں نے اس کو تعلیق کہا بھی ہے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھے ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی کہ جابر بن عبداللہ انصاری جب وحی کے رک جانے کے متعلق روایت کر رہے تھے تو انہوں نے بتایا کہ جب آنحضرت ﷺ چل رہے تھے تو آپ نے آسمان میں اسی غار حرا والے فرشتے کو دیکھا کہ وہ آسمان اور زمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ مرعوب ہو گئے۔ گھر لوٹے تو زملونی زملونی کہنے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورہ مدثر کی پہلی پانچ آیات اتاریں۔ اب دیکھئے اس تعلیق کا کوئی تعلق ماسبق سے ہے۔ ابن شہاب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فترہ وحی کے بعد سورہ مدثر پہلے نازل ہوئی۔ روایت کے الفاظ سے اگر کوئی قرینہ بنتا ہے تو سورہ مزمل کے اترنے کا بنتا ہے کیونکہ زملونی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اگرچہ دوسری روایت میں زملونی کی بجائے دثرونی بھی آیا ہے لیکن یہ اضافہ ابن شہاب کا ادراج یعنی حاشیہ آرائی ہے۔ صحیح بخاری اور موطا امام مالک دونوں کتابوں کی یہ مشترکہ خصوصیت ہے کہ دونوں نے ابن شہاب زہری پر بے حد انحصار کیا ہے اور ان کی مدرج روایتیں لینے سے بھی احتراز نہیں کیا۔

۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ أَبِي عَائِشَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: "لَا تُحَرِّكْ بِهِ

لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهِ". قَالَ: کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ یُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِیلِ شِدَّةً، وَ کَانَ مِمَّا یُحَرِّکُ شَفَتَیْهِ – قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَاَنَا اُحَرِّکُهُمَا لَکُمْ کَمَاکَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ یُحَرِّکُهُمَا، وَقَالَ سَعِیْدٌ: اَنَا اُحَرِّکُهُمَا کَمَا رَاَیْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ یُحَرِّکُهُمَا، فَحَرَّکَ شَفَتَیْهِ– فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی: "لَا تُحَرِّکْ بِهِ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهِ. اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهُ وَ قُرْآنَهُ". قَالَ: جَمْعَهُ لَکَ فِی صَدْرِکَ وَ تَقْرَاَهُ: "فَاِذَا قَرَاْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ". قَالَ: فَاسْتَمِعْ لَهُ وَ اَنْصِتْ: "ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهُ" ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا اَنْ تَقْرَاَهُ، فَکَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بَعْدَ ذٰلِکَ اِذَا اَتَاهُ جِبْرِیلُ اسْتَمَعَ، فَاِذَا انْطَلَقَ جِبْرِیلُ قَرَاَهُ النَّبِیُّ ﷺ کَمَا قَرَاَهُ.

﴿سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان لَا تُحَرِّکْ بِهِ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهِ (اس کو جلدی سیکھ لینے کے لیے اس کے پڑھنے پر اپنی زبان کو جلدی نہ چلاؤ) کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قرآن کے نزول کے وقت ایک تکلیف اپنے اوپر محسوس کرتے تھے اور یہ چیز آپ کے ہونٹوں کی حرکت کا سبب بنتی تھی۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ میں تمہارے لیے ہونٹوں کو اسی طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ حرکت دیتے تھے۔ سعید نے کہا کہ میں تمہارے سامنے اس طریقے سے ہونٹوں کو حرکت دیتا ہوں جس طرح کہ میں نے ابن عباسؓ کو حرکت دیتے ہوئے دیکھا۔ پھر انہوں نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ "لَا تُحَرِّکْ بِهِ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهِ. اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهُ وَ قُرْآنَهُ فَاِذَا قَرَاْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ. ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهُ" (اس کو جلدی سیکھ لینے کے لیے اس کے پڑھنے پر اپنی زبان کو جلدی نہ چلاؤ۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا اور اس کو سنانا۔ تو جب ہم اس کو سنا چکیں تو اس سنانے کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس کی وضاحت کرنا) انہوں نے وضاحت کی کہ ''جمع کرنے اور اس کو سنانے'' کا مطلب قرآن کا تمہارے سینے کے اندر جمع کرنا ہے اور تم اس کو پڑھ سکو گے۔ ''ہم اس کو سنا چکیں تو تم اس کے سنانے کی پیروی کرو'' کا مطلب یہ ہے کہ توجہ سے سنو اور خاموش رہو۔ ''پھر ہمارے ذمہ ہے اس کی وضاحت کرنا'' کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ تم اس کو پڑھ سکو۔ اس ہدایت کے بعد جب جبریل امین آتے تو رسول اللہ ﷺ توجہ سے صرف سنتے اور جب وہ واپس چلے جاتے تو آپ اس کو اسی طرح

پڑھتے جس طریقے سے جبریل نے اس کو پڑھا ہوتا۔ ﴾

وضاحت:

اس روایت میں کئی مشکلات ہیں۔ پہلی یہ کہ اس میں سند کے اعتبار سے بحث ہے۔ اس میں جن آیات کا حوالہ ہے وہ سورہ قیامہ کی ہیں اور سورہ قیامہ صرف مکی ہی نہیں بلکہ ابتدائی مکی دور کی سورہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ولادت ہجرت کے بعد ہوئی ہے اور وہ ایک ایسی بات بیان کر رہے ہیں جو ان آیات کے نزول کا سبب بنی۔ یعنی یہ کہ آنحضرت ﷺ شدت وحی کے زیر اثر ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے۔ ایسا کرنے سے آپ کو روکا گیا۔ اس ہدایت کے بعد آپ ہونٹ ہلانے سے رک گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لیے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ابتدائی مکی دور کی ایک سورہ کی وضاحت بہ نفس نفیس آنحضرت ﷺ سے تصویر کشی کر کے کریں کہ سورہ قیامہ کے نزول سے پہلے آنحضرت ﷺ اس طریقے سے ہونٹوں کو حرکت دیا کرتے تھے۔ آخر انہوں نے کس طرح سے آنحضرت ﷺ کو ہونٹوں کو حرکت دیتے دیکھا؟ محدثین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ انہوں نے کسی معمر صحابی کو ایسا کرتے دیکھا ہوگا یا اس سے سنا ہوگا۔ اگر ایسا ہوا تھا تب بھی اصل راوی کا اظہار ضروری تھا۔ پس سند کے اعتبار سے اس روایت میں یہ خامی ہے۔

دوسرا بڑا سوال معنی کے لحاظ سے ہے۔ حضرت ابن عباسؓ ہونٹوں کو حرکت دینے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وحی کے نزول کے وقت آنحضرت ﷺ ایک قسم کی تکلیف محسوس کرتے تھے تو اس تکلیف کے باعث ہونٹوں کو حرکت دیتے تھے۔ لیکن قرآن مجید نے اس کا سبب آنحضرت ﷺ کی جلد بازی کو بتایا ہے۔ اسی زیر بحث آیت میں ہے کہ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ (تم اپنے ہونٹوں کو حرکت جلد بازی کے لیے نہ دو) جلد بازی اور تکلیف کے احساس میں بہت بڑا فرق ہے۔ اس لیے کہ جلد بازی کا محرک کسی چیز کے شوق کا جذبہ بھی ہو سکتا ہے۔ جب کوئی نامۂ شوق آئے تو یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کو جلدی سے پڑھ لیا جائے اور محض شوق میں اس کو زبان سے دہرانے کی کوشش بھی ہوتی ہے، بالخصوص جب پیغام کی نوعیت ایسی ہو کہ اس کو یاد بھی رکھنا ہو۔ قرآن مجید کی دوسری آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تحریک شفتین کا تعلق جلد بازی سے تھا جس کا سبب آنحضرت ﷺ کا شوق تھا۔ فرمایا **لا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی الیک وحیہ** (طٰہٰ:۱۱۴) (قرآن کے لیے اپنی طرف اس کی وحی پورے کئے جانے سے پہلے جلدی نہ کرو)۔

جلد از جلد پڑھنے کے لیے آپ ہونٹوں کو تیز تیز حرکت دیں تو یہ حرکت کسی اذیت یا شدت کے باعث نہیں ہوتی۔ یہ تو صرف اس لیے ہوتی ہے کہ آپ چاہتے ہیں کہ فوری سن کر اس کو دہرا بھی لیں تا کہ وہ محفوظ ہو جائے۔ پس

معنی کے لحاظ سے اس روایت میں یہ مشکل ہے۔

آیت کی تفسیر کے لحاظ سے بھی یہ روایت صحیح نہیں۔ قرآن مجید کی مذکورہ آیات کا سیاق وسباق، نظم قرآن اور قرآن کے نظائر اس معنی کے خلاف ہیں جو روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ قریش سے جو بھی لڑائی لڑ رہے تھے اور اس میں آپ ﷺ کا واحد ہتھیار وحی الٰہی ہی تھا۔ مشرکین جتنے اعتراضات پیدا کرتے، جتنے شوشے چھوڑتے، جتنے مطالبے کرتے اور جس جس طریقے سے زچ کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان تمام معاملات میں آپ کو مشورہ دینے کے لیے کوئی مشیر یا وکیل تو تھا نہیں جو یہ کام کر دیتا، یہ صرف وحی الٰہی ہی تھی جس کا آپ کو شدت سے انتظار رہتا۔ آپ منتظر ہوتے کہ قرآن نازل ہو تو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معترضین کے سوالوں کا جواب معلوم ہو اور میں ان کو مطمئن کر سکوں، جو الجھنیں ان کے ذہن یا مسلمانوں کے ذہن میں پیدا ہو رہی ہیں ان کو رفع کروں اور آگے جو قدم اٹھانا ہے اس کے لیے رہنمائی حاصل کروں۔ اس وجہ سے قدرتی طور پر جب آپ کے پاس وحی آتی تو آپ لپک کر اس کو سنتے اور اس شوق میں کہ جلدی سے ساری وحی ہضم کر لوں تاکہ بھول نہ جائے، آپ اپنی زبان سے اس کا اعادہ بھی کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلایا کہ تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ نہ خیال کرو کہ تم اس کو بھول سکتے ہو۔ اس کو جمع کرنا اور پڑھنا ہمارا کام ہے۔ اس میں کوئی کسر ہو گی تو ضرورت پڑنے پر ہم اس کی وضاحت بھی کر دیں گے۔ آیت کا سیدھا سادا موقع ومحل یہ ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید کے کئی مقامات سے ہوتی ہے اور یہ انسانی فطرت کے مطابق بھی ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وحی کے جتنے معاملات ہیں ان کی نوعیت یہ نہیں تھی کہ آنحضرت ﷺ کے سوا دوسرے لوگ بھی اس میں شریک ہو جائیں۔ جبریل امین آتے تو آپ پر وحی نازل کرتے۔ آپ ہی اس کو سنتے اور اس کی تلقی کرتے تھے۔ آپ جو کچھ محسوس کرتے وہ آپ کے تمام تر روحانی معاملات تھے۔ اس میں دوسرا کوئی شخص شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ صحابہ کرامؓ کے جو مشاہدات بیان ہوئے ہیں وہ بس اسی قدر ہیں کہ ظاہر میں اگر کوئی اثر پڑا ہے مثلاً نزول وحی کے وقت آپ کی پیشانی پسینہ آلود ہو گئی ہے تو اس کو صحابہ جان گئے ہیں۔ یا کبھی جبریل امین عام لوگوں کو کوئی بات سکھانے کے لیے خود ہی بشری روپ میں آئے ہیں تو لوگوں نے ان کو دیکھا ہے، وہ بھی اس طرح کہ لوگ یہ سمجھتے رہے کہ باہر کا کوئی آدمی آیا ہے جو آنحضرت ﷺ سے کچھ سوالات کرتا رہا۔ اس نے ان کے جوابات آنحضرت ﷺ سے سنے اور اپنی راہ لی۔ اس کے جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے بتایا کہ یہ جبریل امین تھے جو تمھیں دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔ نزول وحی کے وقت آپ کی ظاہری حالت کے سوا باطن میں جو کوئی بات ہوتی تھی اس کا علم صحابہ کرامؓ کو نہیں ہوتا تھا۔ اس وجہ سے ان معاملات کے متعلق کسی کی رائے اس وقت تک کوئی وقعت نہیں رکھتی جب تک خود نبی ﷺ سے اس کی روایت ثابت نہ ہو۔

اس روایت کا باب سے اگر کوئی تعلق ہے تو وہ اس قدر ہے کہ اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ابتدائے وحی میں بہت تکلیف ہوتی تھی۔ لیکن یہ بنیادی غلط ہے، جیسا کہ اوپر کے مباحث سے واضح ہے۔

۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ قَالَ: اَخْبَرَنَا يُونُسُ عَنِ الزُّهْرِيِّ (ح) وَ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ قَالَ: اَخْبَرَنَا يُونُسُ وَ مَعْمَرٌ" عَنِ الزُّهْرِيِّ نَحْوَهُ قَالَ: اَخْبَرَنِي عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَجْوَدَالنَّاسِ، وَكَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِينَ يَلْقَاهُ جِبْرِيلُ، وَكَانَ يَلْقَاهُ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ، فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.

﴿حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ویسے ہی بہت فیاض تھے لیکن رمضان میں آپ اس وقت بہت زیادہ فیاض ہو جاتے تھے جب آپ کے پاس جبریل امین رمضان میں آ کر ملاقات کرتے۔ یہ ملاقات رمضان کی ہر شب میں ہوتی اور وہ آپ سے قرآن کا مذاکرہ کرتے۔ رسول اللہ ﷺ اس زمانے میں فیاضی کرنے میں بادصبا سے بھی زیادہ فیاض ہو جاتے۔﴾

وضاحت:

قرآن مجید سال بھر میں جتنا نازل ہوتا اس کو محفوظ سے محفوظ تر بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام بھی کیا تھا کہ جبریل امینؑ، جو اس کو لانے والے تھے، نبی ﷺ سے مذاکرہ کر کے اس کو پختہ کر دیتے۔ جبریل امینؑ سے آنحضرت ﷺ کا یہ مذاکرہ ہر سال ہوتا تھا اور آپ کی وفات کے سال، جیسا کہ دوسری روایت میں آتا ہے، دو دفعہ پورے قرآن مجید کا مذاکرہ ہوا تھا۔

ہم آپ جو تراویح پڑھتے ہیں اس کے حق میں یہ ایک شرعی دلیل ہے کہ یہ نماز جبریل امینؑ کے اسی مذاکرے کی یادگار ہے اور اس مذاکرے سے تراویح کو بڑی مناسبت ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ تراویح کی برکت سے بہت سے مسلمانوں کو قرآن مجید حفظ ہوا اور وہ سنا جاتا ہے۔ یہ بڑی شان کی چیز ہے جو سوائے قرآن مجید کے کسی اور صحیفے کو حاصل نہیں۔

بندہ اگر صحیح شعور رکھتا ہو تو اس کو جتنی نعمت ملے گی اتنا ہی زیادہ اس کے اندر شکر گزاری کا جذبہ پیدا ہوگا۔ الٹا ذہن ہو تو اس کے اندر نعمت کی فراوانی سے کفر اور ناشکری پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق آیا ہے بدلوا نعمت الله كفرا (انہوں نے نعمت کو کفر سے بدل دیا) نبی ﷺ پر فیوض و برکات یوں تو ہمیشہ نازل ہوتی تھیں لیکن

رمضان کے مہینے میں ان کی گویا بارش ہوتی تھی۔ اس کی شکر گزاری کے جذبے میں واقعہ یہ ہے کہ آپ بادِ صبا کی طرح فیاض بن جاتے تھے۔

اس روایت کو باب کیف کان بدء الوحی سے کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہیں البتہ قرآن مجید سے وہ تعلق ہے جو اوپر بیان ہوا۔

۷۔ حدثنا اَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ: اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ" عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: اَخْبَرَنِي عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَهُ: اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ اَخْبَرَهُ: اَنَّ هِرَقْلَ اَرْسَلَ اِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ، وَكَانُوا تُجَّارًا بِالشَّامِ، فِي الْمُدَّةِ الَّتِي كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَادَّ فِيهَا اَبَا سُفْيَانَ وَ كُفَّارَ قُرَيْشٍ، فَاَتَوهُ وَهُمْ بِاِيلِيَاءَ، فَدَعَاهُمْ فِي مَجْلِسِهِ، وَ حَوْلَهُ عُظَمَاءُ الرُّومِ، ثُمَّ دَعَاهُمْ وَدَعَا بِتَرْجُمَانِهِ، فَقَالَ: اَيُّكُمْ اَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ"؟ فَقَالَ اَبُوسُفْيَانَ: فَقُلْتُ اَنَا اَقْرَبُهُمْ نَسَبًا، فَقَالَ: اَدْنُوهُ مِنِّي، وَ قَرِّبُوا اَصْحَابَهُ فَاجْعَلُوهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهِ، ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ: قُلْ لَهُمْ اِنِّي سَائِلٌ" هٰذَا عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ، فَاِنْ كَذَبَنِي فَكَذِّبُوهُ. فَوَاللّٰهِ لَوْ لَا الْحَيَاءُ مِنْ اَنْ يَاثِرُوا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَبْتُ عَنْهُ. ثُمَّ كَانَ اَوَّلَ مَا سَاَلَنِي عَنْهُ اَنْ قَالَ: كَيْفَ نَسَبُهُ فِيكُمْ؟ قُلْتُ: هُوَ فِينَا ذُو نَسَبٍ. قَالَ: فَهَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ اَحَدٌ" قَطُّ قَبْلَهُ؟ قُلْتُ: لَا. قَالَ: فَهَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ؟ قُلْتُ: لَا. قَالَ: فَاَشْرَافُ النَّاسِ يَتَّبِعُونَهُ اَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ؟ فَقُلْتُ: بَلْ ضُعَفَاؤُهُمْ. قَالَ: اَيَزِيدُونَ اَمْ يَنْقُصُونَ؟ قُلْتُ: بَلْ يَزِيدُونَ. قَالَ: فَهَلْ يَرْتَدُّ اَحَدٌ" مِنْهُمْ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ اَنْ يَدْخُلَ فِيهِ؟ قُلْتُ: لَا. قَالَ: فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ اَنْ يَقُولَ مَا قَالَ؟ قُلْتُ: لَا. قَالَ: فَهَلْ يَغْدِرُ؟ قُلْتُ: لَا، وَنَحْنُ مِنْهُ فِي مُدَّةٍ لَا نَدْرِي مَا هُوَ فَاعِلٌ" فِيهَا. قَالَ: وَ لَمْ تُمْكِنِّي كَلِمَةٌ" اُدْخِلُ فِيهَا شَيْئًا غَيْرُهٰذِهِ الْكَلِمَةِ. قَالَ: فَهَلْ قَاتَلْتُمُوهُ؟ قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: فَكَيْفَ كَانَ قِتَالُكُمْ اِيَّاهُ؟ قُلْتُ: اَلْحَرْبُ بَيْنَنَاوَ بَيْنَهُ سِجَالٌ"، يَنَالُ مِنَّا وَ نَنَالُ مِنْهُ. قَالَ: مَا ذَا يَاْمُرُكُمْ؟ قُلْتُ: يَقُولُ: اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَاتْرُكُوا مَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ، وَيَاْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ. فَقَالَ لِلتَّرْجُمَانِ: قُلْ لَهُ: سَاَلْتُكَ

عَنْ نَسَبِهِ فَذَكَرْتَ اَنَّهُ فِيكُمْ ذُو نَسَبٍ، فَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبعَثُ فِى نَسَبِ قَومِهَا. وَسَاَلْتُکَ هَلْ قَالَ اَحد" مِنكُمْ هٰذا القَولَ، فَذَكَرْتَ اَنْ لَا، فَقُلْتُ لَوْ كَانَ اَحَد" قَالَ هٰذَا القَولَ قَبلَهُ، لَقُلْتُ رَجُل" يَتَاسَى بِقَولٍ قِيلَ قَبْلَهُ. وَسَاَلْتُکَ هَلْ كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِکٍ، فَذَكَرْتَ اَنْ لَا، قُلْتُ: فَلَو كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِکٍ، قُلْتُ رَجُل" يَطْلُبُ مُلْکَ اَبِيهِ. وَ سَاَلْتُکَ هَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ اَنْ يَقُولَ مَا قَالَ، فَذَكَرْتَ اَنْ لَا، فَقَدْ اَعْرِفُ اَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ. وَسَاَلْتُکَ اَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوهُ اَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ، فَذَكَرْتَ اَنَّ ضُعَفَاءَ هُمْ اتَّبَعُوهُ، وَهُمْ اَتْبَاعُ الرُّسُلِ. وَسَاَلْتُکَ اَيَزِيدُونَ اَمْ يَنْقُصُونَ، فَذَكَرْتَ اَنَّهُمْ يَزِيدُونَ، وَكَذٰلِکَ اَمْرُ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يَتِمَّ. وَسَاَلْتُکَ اَيَرْتَدُّ اَحد" سَخْطَةً لِدِيْنِهِ بَعْدَ اَنْ يَدْخُلَ فِيهِ، فَذَكَرْتَ اَنْ لَا، وَكَذٰلِکَ الْاِيْمَانُ حِيْنَ تُخَالِطُ بَشَاشَةُ الْقُلُوبِ. وَسَاَلْتُکَ هَلْ يَغْدِرُ، فَذَكَرْتَ اَنْ لَا، وَكَذٰلِکَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ. وَسَاَلْتُکَ بِمَا يَاْمُرُكُمْ، فَذَكَرْتَ اَنَّهُ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَ يَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ، وَ يَاْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ، فَاِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَسَيَمْلِکُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ، وَقَدْ كُنْتُ اَعْلَمُ اَنَّهُ خَارِج" وَ لَمْ اَكُنْ اَظُنُّ اَنَّهُ مِنْكُمْ، فَلَوْ اَنِّي اَعْلَمُ اَنِّي اَخْلُصُ اِلَيْهِ، لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ، وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمِهِ. ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الَّذِى بَعَثَ بِهِ دِحيَةَ الْكَلْبِيَّ اِلَى عَظِيمِ بُصْرَى، فَدَفَعَهُ عَظِيمُ بُصْرَى اِلَى هِرَقْلَ، فَقَرَاَهُ، فَاِذَا فِيهِ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰهِ وَ رَسُولِهِ اِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ: سَلَام" عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى، اَمَّا بَعْدُ، فَاِنِّي اَدْعُوکَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ، اَسْلِمْ تَسْلَمْ، يُؤْتِکَ اللّٰهُ اَجْرَکَ مَرَّتَيْنِ، فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْکَ اِثْمَ الْاَرِيسِيِّينَ، وَ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِاَنَّا مُسْلِمُونَ. قَالَ اَبُو سُفْيَانَ: فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ، وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ، كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ وَ ارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ وَ اُخْرِجْنَا، فَقُلْتُ لِاَصْحَابِي حِيْنَ اُخْرِجْنَا: لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ

ابنِ اَبِی کَبْشَۃَ، اِنَّہٗ یَخَافُہٗ مَلِکُ بَنِی الْاَصْفَرِ. فَمَا زِلْتُ مُوْقِنًا اَنَّہٗ سَیَظْھَرُ حَتّٰی اَدْخَلَ اللّٰہُ عَلَیَّ الْاِسْلَامَ.

﴿عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباسؓ نے ان کو خبر دی کہ ان کو ابوسفیان بن حرب نے بتایا کہ ہرقل نے ان کو قریش کے قافلے کے کچھ سواروں سمیت بلا بھیجا۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب وہ شام کے ملک میں تجارت کے لیے اس زمانے میں گئے تھے جب آنحضرت ﷺ اور کفار قریش وابوسفیان کے درمیان صلح حدیبیہ کی مدت تھی۔ یہ لوگ گئے تو ہرقل ایلیا میں تھا۔ اس نے ان کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اس کے ارد گرد روم کے بڑے لوگ موجود تھے۔ اس نے ان کو بلایا تو اپنے ترجمان کو بلا کر ان سے مخاطب ہوا۔ پوچھا کہ تم میں سے کون نسب میں اس شخص کے سب سے زیادہ قریب ہے جو نبی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں نسب میں اس سے قریب ترین ہوں۔ ہرقل نے حکم دیا کہ اس شخص کو میرے قریب لاؤ اور اس کے ساتھیوں کو بھی آگے لاؤ اور ان کو ابوسفیان کے عقب میں رکھو۔ پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان لوگوں کو بتاؤ کہ میں اس سے (ابوسفیان سے) اس نبی کے متعلق سوالات کرنے والا ہوں۔ اگر اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تو تم اس کی تردید کرنا۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ خدا کی قسم، اگر مجھے یہ شرمندگی نہ ہوتی کہ یہ لوگ میری طرف جھوٹ کی نسبت کریں گے تو میں کچھ نہ کچھ جھوٹ ضرور ملا دیتا۔ ہرقل نے پہلا سوال مجھ سے نبی ﷺ کے متعلق یہ کیا کہ اس کا تم میں نسب کیسا ہے۔ میں نے کہا کہ وہ ہم میں بہت عالی نسب ہے۔ پھر اس نے کہا کہ کیا تم میں سے کسی نے پہلے بھی اس طرح کا کوئی دعویٰ کیا ہے۔ میں نے جواب دیا نہیں۔ اس نے کہا کہ اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ رہا ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس کی پیروی اشراف کر رہے ہیں یا غریب لوگ؟ میں نے کہا غریب لوگ۔ پھر اس نے کہا کہ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔ میں نے کہا کم نہیں ہو رہے بلکہ بڑھ رہے ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ کیا کوئی آدمی اس کے مذہب میں داخل ہونے کے بعد اس سے بددل ہو کر پھر جاتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ اس کے دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی تم نے اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر اس نے کہا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ لیکن اب ہم نے اس سے صلح کی

ایک مدت ٹھہرائی ہے۔ یہ معلوم نہیں اس میں وہ کیا کرتا ہے۔ پوری گفتگو میں میرے لیے اس ایک بات کے سوا اور کوئی بات داخل کرنا ممکن نہیں ہوا۔ اس نے پوچھا کہ کیا تم نے اس سے جنگ کی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ پھر کہنے لگا کہ تمہاری لڑائی کیسی رہی؟ میں نے کہا کہ کبھی اس کا پلڑا بھاری رہا کبھی ہمارا۔ پھر کہنے لگا کہ وہ تم کو کیا کرنے کا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا وہ کہتا ہے کہ خدائے واحد کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور باپ دادا کی روش چھوڑو۔ وہ ہم کو نماز پڑھنے، سچ بولنے، حرام کاری سے بچنے اور صلہ رحمی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ وہ مجھ سے کہے کہ میں نے تم سے اس کے نسب سے متعلق پوچھا تو تم نے کہا کہ وہ تم میں بہت عالی نسب ہے۔ سو اسی طرح کے عالی نسب ہی کسی قوم میں رسول مبعوث کیے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا اسی طرح کا دعویٰ تم میں سے کسی اور نے بھی کیا؟ تم نے کہا کہ نہیں۔ اگر کسی نے ایسی بات اس سے پہلے کی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ شخص بھی پہلے والے کی بات کی نقل کر رہا ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ کیا اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ رہا۔ تم نے کہا کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہوتا تو میں یہ سمجھتا کہ یہ اپنے آباء و اجداد کی حکومت کا طالب ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ تم نے پہلے کبھی اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی۔ تم نے کہا نہیں تو معلوم ہوا کہ جو شخص لوگوں پر جھوٹ نہیں باندھتا وہ اللہ پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا بڑے لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں یا غریب، تم نے کہا کہ غریب لوگ اس کی پیروی کر رہے ہیں۔ پیغمبروں کے پیروکار بھی اکثر غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ پھر میں نے تم سے پوچھا کہ کیا اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔ تم نے کہا کہ بڑھ رہے ہیں۔ ایمان کا یہی حال ہوتا ہے جب تک کہ وہ پورا نہ ہو جائے۔ پھر میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس کو برا جان کر اس سے پھر جاتا ہے۔ تم نے کہا کہ نہیں۔ تو ایمان کی لذت کا یہی حال ہوتا ہے جب وہ دل میں اتر جاتی ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے تم نے کہا کہ نہیں، تو پیغمبر ایسے ہی ہوتے ہیں۔ وہ عہد نہیں توڑتے۔ میں نے پوچھا کہ وہ تم کو کس چیز کا حکم دیتا ہے۔ تم نے کہا کہ وہ حکم دیتا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور وہ بت پرستی سے منع کرتا ہے اور نماز پڑھنے، سچ بولنے اور حرام کاری سے بچنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر تم یہ

باتیں سچ کہہ رہے ہو تو یقین کرو کہ عنقریب وہ اس جگہ کا مالک ہو جائے گا جہاں پر میرے دونوں قدم ہیں۔ میں یہ جانتا تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں اس تک پہنچ پاؤں گا تو اس سے ملاقات کی کوشش کروں گا۔ اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔ پھر اس نے نبی ﷺ کا وہ خط منگوایا جو آپ نے دحیہ کلبی کے ہاتھ بصریٰ کے گورنر کو بھیجا تھا اور بصریٰ کے گورنر نے وہ ہرقل کو بھیج دیا تھا۔ اس نے پڑھا تو وہ یوں تھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے ہرقل سردار روم کی طرف، اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد، میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ سلامتی پاؤ گے۔ تم کو اللہ تعالیٰ دوہرا اجر دے گا اور اگر روگردانی کرو گے تو تم پر تمہارے ساتھ تمہاری رعایا کا گناہ بھی ہوگا۔ اے اہل کتاب! اس چیز کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب ٹھہرائے۔ اگر وہ اس چیز سے اعراض کریں تو کہہ دو کہ گواہ رہو ہم تو مسلم ہیں''۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ جب ہرقل نے کہہ لیا جو کہنا چاہتا تھا اور خط پڑھنے سے فارغ ہوا تو اس کے پاس بہت شور مچ گیا۔ آوازیں بلند ہوئیں اور ہمیں باہر نکال دیا گیا۔ جب ہمیں باہر نکال دیا گیا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابن ابی کبشہ کا معاملہ سنگین ہوتا جا رہا ہے۔ اب اس سے بنو اصفر کا بادشاہ بھی ڈرنے لگا ہے۔ اس روز سے مجھے یہ یقین ہو چلا کہ نبی ﷺ غالب آئیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اسلام داخل کر دیا۔

وضاحت:

یہ ایک طویل روایت ہے جس کو میں نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہاں تک اس کا پہلا حصہ ہے جب کہ دوسرا حصہ وضاحت کے بعد آئے گا۔ روایت کے اس پہلے حصے میں چند الفاظ وضاحت طلب ہیں۔

ہرقل روم کے بادشاہ کا نام ہے۔ قیصر روم کے بادشاہوں کا لقب تھا۔ روایت میں بیان کردہ واقعہ کے وقت ہرقل شام کے شہر ایلیا میں مقیم تھا۔ ایلیا کے معنی اللہ کے گھر کے ہیں۔ لیکن اس سے مراد بیت المقدس نہیں بلکہ اس سے قریب کا شہر یا اس زمانہ کا یروشلم ہے۔

ہرقل کے سوال کے جواب میں ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ کے نسب کے متعلق ''ذونسب'' کا لفظ استعمال کیا۔ اس میں نسب کا نکرہ ہونا تفخیم شان کے لیے ہے۔ مراد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ بہت عالی نسب ہیں۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ابوسفیان خود بھی آنحضرت ﷺ کے نسب سے ہی تھے۔

روایت کے آخر میں ابوسفیان کا ابن ابی کبشہ سے اشارہ آنحضرت ﷺ کی طرف ہے۔ جب کسی کی تحقیر کرنی ہو لیکن اس کی شان مجبور کر رہی ہو کہ کوئی غلط بات نہ کہی جائے تو اس کی نسبت کسی گمنام شخص کی طرف کر دیتے ہیں۔ ابو کبشہ سے مراد ایک گمنام شخصیت ہے۔

بنی اصفر رومیوں کے لیے ایک تعبیر ہے۔

یہ روایت حدیث نہیں کیونکہ یہ نہ تو قول رسول ﷺ ہے، نہ عمل رسول ﷺ، اور نہ ہی تقریر رسول ﷺ۔ لیکن تاریخی حیثیت سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ قرآن مجید اور مسلمانوں کا اجتماعی دعویٰ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام قدیم صحیفوں کی پیشگوئیوں کے مصداق کی حیثیت سے آئے اسی لیے آپ کو ''مصدق لما بین یدیہ'' کہا گیا ہے۔ یعنی آپ مصداق ہیں ان تمام پیشین گوئیوں کے جو آپ کے متعلق قدیم صحیفوں میں موجود ہیں۔

اس واقعہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہرقل جیسا بادشاہ علامات سے آنحضرت ﷺ کی رسالت کا قائل ہو گیا۔ وہ پہلے سے ایک رسول کی بعثت کا منتظر تھا۔ لیکن یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی بعثت کسی دوسری قوم میں ہونے والی ہے۔ البتہ اس کا اشتیاق اس بات سے واضح ہو رہا ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں اگر اس کے پاس پہنچ سکا تو میں اس کے پاؤں دھوؤں گا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی حال نجاشی کا تھا۔ تو یہ دو بادشاہ قرآن کے مذکورہ دعویٰ کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ کے گھر کی اگر کوئی شہادت ہو سکتی تھی تو یہ ہرقل کی شہادت ہو سکتی تھی یا نجاشی کے ایمان کی شہادت یا پھر ان لوگوں کی شہادت جو یہود و نصاریٰ میں سے مسلمان ہو گئے۔ دوسرے لوگ جو مسلمان ہوئے ان کے متعلق تو مخالفین کہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے جال میں پھنس گئے تھے۔ لیکن ہرقل یا نجاشی کے متعلق وہ یہ نہیں کہ سکتے کیونکہ وہ تو بڑے عالی مقام بادشاہ تھے۔ پس میرے نزدیک اس روایت میں بیان کردہ ہرقل کی شہادت یہود و نصاریٰ پر بڑی حجت ہے۔ لہذا قرآن کے طالب علموں کے لیے یہ نہایت مفید روایت ہے۔

یہ روایت اس لحاظ سے بھی نہایت شاندار ہے کہ نبوت کے معاملے میں جو عقلی پہلو غور کرنے کے ہیں وہ اس میں نہایت عمدہ طریقے سے بیان ہو گئے ہیں۔ اس روایت کا اس عمدہ ترتیب کے ساتھ اس حسن بیان اور خوبی الفاظ کے ساتھ بیان ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ایک غور کرنے والا شخص اس کے اسرار و رموز کو سمجھنا چاہے تو اس پر منصب نبوت کے متعلق بہت سے مسائل منکشف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ رسول نہایت عالی نسب ہوتا ہے۔ رسالت

موروثی نہیں ہوتی کہ کوئی شخص اپنے باپ دادا کی وراثت کے طور پر اس کا دعویٰ کرے۔ رسول نہایت اعلیٰ اخلاق کا مالک ہوتا ہے۔ وہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ ہی عہد شکنی کرتا ہے۔ وہ اللہ واحد کی عبادت کرنے اور شرک سے اجتناب کا حکم دیتا ہے۔ نماز، زکوۃ، سچائی، اعلیٰ اخلاق اور صلہ رحمی کی تعلیم دیتا ہے۔ نبوت کے یہ خواص اس روایت میں عمدہ طریقے سے آ گئے ہیں۔ ہرقل کی یہ بات کہ 'جو شخص لوگوں سے جھوٹ نہیں کہتا وہ اللہ پر جھوٹ کیسے باندھ سکتا ہے' نبوت کی لاجواب دلیل ہے۔ ایسی ہی وزنی دلیل یہ بھی ہے کہ متکبرین رسولوں کی پیروی نہیں کرتے، ان کے پیروؤں کی اکثریت غرباء پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور یہ پیشین گوئی کہ بیت المقدس اس نبی کے قبضہ میں چلا جائے گا تو ایسی مبنی بر حقیقت تھی کہ وہ بالکل درست ثابت ہوئی۔

اس روایت کی روشنی میں ہرقل ایک بہت مدبر بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ ابوسفیان تو خود بہت مدبر آدمی تھے، لیکن انہوں نے بھی یہ کہا کہ میں نے اپنی ان آنکھوں سے کسی غیر مختون کو ہرقل سے زیادہ مدبر نہیں دیکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جس طرح ہرقل نے ابوسفیان کو سوالات سے گھیرا ہے یہ ایک غیر معمولی ذہن کا آدمی ہی کر سکتا تھا۔ اس کے تمام سوالات بہت حکیمانہ بلکہ الہامی معلوم ہوتے ہیں۔ اصل میں نصاریٰ کا ایک پاکیزہ گروہ صحیح نصرانیت پر قائم تھا۔ یہ گروہ آخری رسول کے متعلق تمام پیشین گوئیوں کو جانتا اور اس کی بعثت کا منتظر تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہرقل کا تعلق انہی لوگوں میں سے تھا۔ اپنے اس علم کی روشنی میں اس نے سوال کیے اور پھر ابوسفیان کے جوابات کا تجزیہ کیا۔ یہ تجزیہ بھی بہت شاندار اور اس کے مدبر ہونے کا ثبوت ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہرقل کو اسلام کی توفیق نہیں ہوئی کیونکہ اقتدار کی زنجیریں بہت سخت ہوتی ہیں۔ ملک و مال اور بادشاہی کو چھوڑنا آسان نہیں ہوتا۔

بخاری کی یہ روایت حدیث نہ ہونے کے باوجود تاریخی اعتبار سے نہایت قیمتی ہے۔ یہ اس لحاظ سے بھی نہایت اہم ہے کہ اس سے اسلام کی تاریخ کا ایک خاص باب روشنی میں آتا ہے۔ اس روایت کے راوی ابوسفیان بن حرب بنوامیہ کے لیڈر ہیں۔ بنوامیہ نے بڑے بڑے آدمی پیدا کیے۔ یہ بڑے جیوٹ لوگ تھے۔ روایت کے واقعہ کے وقت ابوسفیان کو اگرچہ آنحضرت ﷺ سے کد تھی لیکن ان کو یہ بات اپنی سرداری کی شان کے خلاف معلوم ہوئی کہ وہ آنحضرت ﷺ کے خلاف کوئی جھوٹی شہادت دیں۔ یہ عربوں کے کردار کا نہایت شاندار پہلو ہے۔ ہمارے لیڈروں کے لیے یہ بات باعث عبرت ہونی چاہیے کہ کفر کے باوجود ایک عرب لیڈر اپنے مرتبہ و مقام کو سمجھتا اور برملا کہتا ہے کہ مخالفت اپنی جگہ، لیکن میں جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔ ابوسفیان کا واضح طور پر یہ اقرار بھی ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ مجھے صرف ایک ہی موقع ملا جہاں میں اپنی بات ملا سکا تاکہ ہرقل کو بدظن کروں۔ وہ بات صلح حدیبیہ کے متعلق تھی کہ اس صلح کی مدت میں نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص کچھ حرکت کر جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ واقعہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد بیان کیا جب اس کمزور بات پر پردہ ڈالنا ہی مفید ہوتا۔

ہرقل کے برملا اظہار رائے، رسول اللہ ﷺ سے اشتیاق ملاقات اور مکتوب نبوی کے مندرجات سن کر دربار میں شور ہوا اور لوگ بلند آواز سے باتیں کرنے لگے۔ اس ناگوار صورت حالات میں ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کو باہر بھیج دیا گیا۔ اس لیے ان کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ یہ شور کیوں ہوا اور ہرقل کے جذبات پر درباریوں کا کیا ردعمل تھا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ درباریوں کی اکثریت پال کے پیروؤں کی تھی جو اصلی نصاریٰ نہ تھے۔ ملک کے سربراہ کے ان خیالات کو انہوں نے اپنے عقیدہ کے لیے خطرہ محسوس کیا اور دربار میں اس کی تردید کے لیے آوازیں بلند کیں۔ ہرقل نے فوراً عربوں کو رخصت کر دیا تاکہ غیروں میں اس کا فضیتا نہ ہو۔ درباریوں کی اس علانیہ مخالفت کو دیکھتے ہوئے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ ہرقل کیوں ایمان نہیں لا سکا۔

٨۔ وَكَانَ ابْنُ النَّاطُورِ، صَاحِبُ إِيلِيَاءَ وَهِرَقْلَ، سُقُفًّا عَلَى نَصَارَى الشَّامِ، يُحَدِّثُ أَنَّ هِرَقْلَ حِينَ قَدِمَ إِيلِيَاءَ، أَصْبَحَ يَوْمًا خَبِيثَ النَّفْسِ، فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهِ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ، قَالَ ابْنُ النَّاطُورِ وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ فِي النُّجُومِ، فَقَالَ لَهُمْ حِينَ سَأَلُوهُ: إِنِّي رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِينَ نَظَرْتُ فِي النُّجُومِ مَلِكَ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ، فَمَنْ يَخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ؟ قَالُوا: لَيْسَ يَخْتَتِنُ إِلَّا الْيَهُودُ، فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَأْنُهُمْ، وَاكْتُبْ إِلَى مَدَايِنِ مُلْكِكَ، فَيَقْتُلُوا مَنْ فِيهِمْ مِنَ الْيَهُودِ. فَبَيْنَمَا هُمْ عَلَى أَمْرِهِمْ، أُتِيَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ أَرْسَلَ بِهِ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهُ هِرَقْلُ قَالَ: اذْهَبُوا فَانْظُرُوا أَمُخْتَتِنٌ هُوَ أَمْ لَا؟ فَنَظَرُوا إِلَيْهِ، فَحَدَّثُوهُ أَنَّهُ مُخْتَتِنٌ"، وَسَأَلَهُ عَنِ الْعَرَبِ، فَقَالَ: هُمْ يَخْتَتِنُونَ، فَقَالَ هِرَقْلُ: هٰذَا مَلِكُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ. ثُمَّ كَتَبَ هِرَقْلُ إِلَى صَاحِبٍ لَهُ بِرُومِيَةَ، وَكَانَ نَظِيرَهُ فِي الْعِلْمِ، وَسَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمْصَ، فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتَّى أَتَاهُ كِتَابٌ" مِنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ ﷺ، وَ أَنَّهُ نَبِيٌّ"، فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةٍ لَهُ بِحِمْصَ، ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ، ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الرُّومِ، هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ، وَ أَنْ يُثْبَتَ مُلْكُكُمْ، فَتُبَايِعُوا هٰذَا النَّبِيَّ؟ فَحَاصُوا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ، فَوَجَدُوهَا قَدْ غُلِّقَتْ، فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ، وَ أَيِسَ مِنَ الْإِيمَانِ، قَالَ: رُدُّوهُمْ عَلَيَّ، وَقَالَ: إِنِّي قُلْتُ مَقَالَتِي آنِفًا أَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ، فَقَدْ رَأَيْتُ، فَسَجَدُوا لَهُ وَرَضُوا عَنْهُ، فَكَانَ ذٰلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ. رَوَاهُ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ وَ يُونُسُ وَ مَعْمَرٌ" عَنِ الزُّهْرِيِّ.

﴿اور ابن ناطور، جو ایلیا کا حاکم، ہرقل کا دوست اور نصاریٰ شام کے اوپر لاٹ پادری کی حیثیت سے مامور تھا، بیان کرتا ہے کہ ہرقل جب ایلیا آیا تو ایک دن اس کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ اس کے بعض پادریوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے، آج آپ کی حالت کچھ غیر سی معلوم ہو رہی ہے۔ ابن ناطور کا بیان ہے کہ ہرقل کاہن اور نجومی تھا۔ پادریوں کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ رات میں نے ستاروں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ مختونوں کا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے۔ اس نے پوچھا ہماری قوم میں سے کون ختنے کراتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے ہاں تو کوئی ختنے نہیں کراتا، البتہ یہودی کراتے ہیں۔ جناب کو ان کی کوئی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ آپ اپنی مملکت کے تمام حاکموں کو لکھ دیں کہ ان کے ہاں جو یہودی رہتے ہیں ان کو قتل کر دیں۔ ابھی یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ ہرقل کے پاس ایک آدمی آیا جس کو غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ظاہر ہونے کی خبر دی۔ جب ہرقل نے آنے والے آدمی سے حالات معلوم کیے تو حکم دیا کہ جاؤ دیکھو کہ آیا وہ مختون ہے کہ نہیں۔ چنانچہ لوگ گئے، اس کی تحقیق کی اور بتایا کہ مختون ہے۔ پھر اس سے عربوں کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ عرب ختنہ کراتے ہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا کہ ہاں یہی وہ بادشاہ ہے جس کے قبضہ میں یہ قوم آئے گی۔ وہ ظاہر ہو گیا ہے۔ پھر ہرقل نے روم میں اپنے ایک نائب کو، جو علم نجوم اور کہانت میں اس کا جوڑ تھا، یہ واقعہ لکھا اور خود حمص کو روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ حمص نہیں پہنچا تھا کہ اس کے پاس اپنے رومی ساتھی کی طرف سے خط پہنچا۔ اس کی رائے بھی نبی ﷺ کے ظہور اور آپ کے نبی ہونے کے بارے میں ہرقل کی رائے کے موافق تھی۔ ہرقل نے حکم دیا کہ حمص میں تمام اکابر روم کو اس کے محل میں جمع کیا جائے۔ پھر اس محل کے دروازے بند کر دیے گئے۔ ہرقل سامنے آیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا "اے رومیو! اگر ہدایت اور فلاح چاہتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ تمہاری حکومت قائم رہے تو اس نبی کے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ اس پر لوگ وحشت سے گورخروں کی طرح محل کے دروازوں کی طرف بھاگے اور دیکھا کہ دروازے بند ہیں۔ ہرقل کو جب ان کی نفرت کا اندازہ ہو گیا اور وہ ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ لوگوں کو واپس لاؤ اور کہا کہ وہ بات جو میں نے ابھی آپ لوگوں سے کہی تھی وہ تمہاری پختگی ایمان کا اندازہ کرنے کو کہی تھی۔ سو وہ میں نے دیکھ لی۔ تب سب نے اس کو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے۔ یہ تھا ہرقل کا آخری موقف۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ یہ روایت صالح بن کیسان، یونس اور معمر نے زہری سے بیان کی ہے۔﴾

وضاحت:

روایت کا یہ حصہ حرف عطف سے شروع ہوتا ہے جس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ حصہ بھی اسی بیان کا جزو ہے جو حضرت ابن عباسؓ نے ابوسفیانؓ سے نقل کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ اصل میں یہاں سے واقعہ کی ایک نئی تفسیر شروع ہوتی ہے جس کو ابوسفیان کے واقعے سے کوئی تعلق نہیں اور اس کی تفصیلات بھی انوکھی اور عجیب سی ہیں جس سے سورت واقعہ غیر فطری ہوگئی ہے۔ اصولاً اس اضافے کو الگ ظاہر کرنا چاہیے تھا۔ واؤ کے ساتھ عطف کرنے سے خواہ مخواہ روایت میں گھپلا پیدا ہوگیا ہے۔ اس اضافہ کی نوعیت آخری جملہ سے واضح ہوتی ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ اس کی روایت صالح بن کیسان، یونس اور معمر نے زہری سے کی ہے۔ اس وضاحت کی روشنی میں روایت کا یہ حصہ زہری کا ادراج ہی کہا جاسکتا ہے۔ چونکہ روایت کے پہلے حصہ میں ان کو اس اضافہ کا موقع نہیں مل سکا، اس لیے انہوں نے اپنی حاشیہ آرائی آخر میں کردی ہے۔ لیکن ہے یہ ان کا ذاتی ادراج، یہ اصل روایت کا حصہ نہیں ہے۔ روایت کے اس حصہ میں زہری یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ہرقل نے ابوسفیان کے سامنے جو کچھ کہا تھا وہ اس بناء پر نہیں کہا تھا کہ تورات اور انجیل میں آنحضرت ﷺ کے متعلق پیشین گوئیاں موجود تھیں بلکہ اس نے یہ باتیں اپنے کاہن یا نجومی ہونے کی بناء پر کہی تھیں۔ اس نے اپنے نجوم کے ذریعے دیکھ لیا تھا کہ مختونوں کا ایک بادشاہ پیدا ہونے والا ہے۔ جب اس نے تحقیق کی تو معلوم ہوگیا کہ مختونوں کا بادشاہ تو پیدا ہو چکا ہے۔ لہٰذا ہرقل نے اسی بناء پر آنحضرت ﷺ کی رسالت کی تصدیق کی تھی۔ غور کیجئے کہاں آنحضرت ﷺ کے صحیفوں کی پیشین گوئیوں کے مصداق ہونے کی بات اور کہاں یہ کہانت کی بڑ۔ اس روایت کے ذریعے باطنیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے زہری نے یہ چاہا ہے کہ پہلے حصہ کی نہایت روشن روایت پر سیاہی پھیر دی جائے اور اس بات کو ایک غلط خیال ثابت کردیا جائے کہ آسمانی صحیفوں میں آنحضرت ﷺ کے متعلق کوئی پیشین گوئی موجود ہے۔ کیونکہ یہودی بھی ایسی پیشینگوئیوں کا انکار کرتے ہیں اور نصاریٰ بھی۔ ان قوموں نے اپنے صحیفوں میں پائی جانے والی پیشینگوئیوں کا الگ محل فرض کرلیا ہے۔ جس کی تائید کرنے کے لیے زہری نے ابن ناطور کا یہ واقعہ بیان کردیا ورنہ اس کا یہاں کوئی تُک نہ تھا۔

بعض حضرات اس اضافے کی توجیہ یوں کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے یہ روایت یہ دکھانے کے لیے نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شہادت صرف آسمانی صحیفوں میں ہی نہیں بلکہ مشرکوں کے نجوم اور کہانت میں بھی موجود ہے۔ کوئی ان سے پوچھے کہ قرآن نے تو علم نجوم اور کہانت کو شیطانی علم اور جھوٹ کہا ہے۔ کیا وہ جھوٹ آنحضرت ﷺ کی بعثت کی شہادت بن کر نازل ہوگیا؟ اس شہادت پر کیسے اعتماد کریں گے جب کہ قرآن کہتا ہے "**یلقون السمع واکثرھم کاذبون** (۲۶:۲۲۳)" (یہ یونہی کان لگاتے ہیں اور اکثر جھوٹے لپاڑیے ہیں) جب کاہنوں کی باتوں میں کوئی صداقت نہیں تو ایسی شہادت کس کام کی؟ قرآن کی رو سے تو آپ کے لیے ان کی شہادت پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔

ہرقل کے متعلق روایت میں ہے کہ وہ نجوم اور کہانت میں ماہر تھا۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ کہانت اور نجوم تو ام علم ہیں۔ ہر کاہن کا نجومی ہونا اور ہر نجومی کا کاہن ہونا ضروری نہیں۔ غیبی خبریں حاصل کرنے کے یہی دو ذریعے تھے لیکن قرآن مجید کی رو سے یہ دونوں علم باطل ہیں۔

ابن ناطور کے متعلق زہری بتاتے ہیں کہ وہ صاحب ایلیاء و ہرقل تھا۔ یہاں صاحب کا لفظ دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ ایلیا کا امیر اور ہرقل کا مامور تھا۔ وہی لاٹ پادری بھی تھا۔ رومیوں کی حکومت میں یہ انتظام تھا کہ مذہب کی وہ اتنی ہی خدمت کرتے تھے کہ ایک ایک پادری ہر جگہ سرکاری طور پر مقرر کر دیا جاتا تھا تاکہ معلوم ہو کہ حکومت بہر حال مذہبی ہے۔ ابن ناطور ایسا ہی پادری تھا۔

زہری کے بیان کے مطابق ہرقل نے ستاروں میں غور کرنے کے بعد معلوم کیا کہ مختونوں کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے تو اس نے اس امر کی تحقیق کرنے کا حکم دیا کہ ہماری قوم میں کون ختنہ کراتا ہے۔ پال کے متعلق معلوم ہے کہ اس نے عیسائیوں کو ختنہ کرانے سے روک دیا تھا۔ کیونکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ مسیح نے جو شریعت بتائی وہ صرف یہودیوں کے لیے تھی۔ یہودی ختنہ کرایا کرتے تھے، اس لیے کہ آل ابراہیم میں پہلے ہی اس کا رواج رہا تھا۔ لہذا ہرقل کو بتایا گیا کہ یہود ختنہ کراتے ہیں۔ لیکن اس کی کوئی اہمیت نہیں، آپ علاقے کے گورنروں کو حکم دیں کہ یہودیوں کو قتل کر دیں۔ اسی دوران میں غسان کے بادشاہ کے ایلچی نے آ کر آنحضرت ﷺ کے ظہور کی خبر دی۔ اب بات پہلے سے زیادہ موکد ہو گئی تو ہرقل نے حکم دیا کہ معلوم کرو یہ شخص مختون ہے کہ نہیں۔

ہرقل کا مختونوں کے متعلق یہ تمام استفسار بالکل غیر حقیقی معلوم ہوتا ہے۔ کیا اس جیسے قابل رومی بادشاہ کو یہ تک معلوم نہ تھا کہ آل ابراہیم اور یہود ختنہ کراتے ہیں۔ یہ بات تو اس کو عربوں کے متعلق بھی معلوم ہونی چاہیے تھی کہ اولاد ابراہیم ہونے کے باعث وہ بھی ختنہ کراتے ہیں۔ یہ کوئی راز کی بات نہ تھی جو اس کو معلوم نہ ہوتی۔

بعد ازاں حمص میں ہرقل کا اپنے محل میں رومیوں سے خطاب کرنا اور ان کا رد عمل دیکھ کر یہ کہنا کہ میں تو عیسائیت پر تمہاری پختگی کا امتحان کر رہا تھا، میں خدانخواستہ اسلام کیسے لاسکتا ہوں، اس روایت کے پہلے حصہ کی کامل نفی کر دیتا ہے۔ اس میں ہرقل کی اس بات کی نفی مقصود ہے کہ اگر میں اس نبی کے پاس پہنچ پاتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔ اس ادراج سے زہری کا اصل مقصد ہرقل کی اس شہادت کو جو اس نے نبی کریم ﷺ کے متعلق دی تھی باطل ٹھہرانا ہے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ امام بخاری نے اس بے بنیاد اضافہ کو ایک شاندار روایت کے آخر میں کیوں ٹھونس دیا ہے جب کہ نہ صرف یہ کہ یہ اضافہ حدیث نہیں بلکہ اصل روایت کے مضمون کی جڑ کاٹ رہا ہے۔

یہاں یہ بات بھی کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ اس روایت کا باب کیف کان بدء الوحی سے کیا تعلق ہے۔ ساری کی ساری بات یا تو ہرقل سے متعلق ہے یا نبوت کے خواص، لوازم اور تاریخ سے متعلق۔ یہ واقعہ بھی صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لا چکے تھے اور وحی کا سلسلہ جاری ہوئے سترہ اٹھارہ برس گزر چکے تھے۔ اس صورت میں باب کا عنوان بالکل غیر موزوں ہو گیا ہے۔

كتاب الايمان

کتاب الایمان

صحیح بخاری کا پہلا باب کیف کان بدء الوحی کا ہے۔ بخاری کی ترتیب کے لحاظ سے اس میں کل چھ روایتیں ہیں جن کو ہم نے اپنی ترتیب میں سہولت کے لیے آٹھ کر دیا ہے۔ ان چھ میں سے صرف تین روایتیں باب سے متعلق ہیں۔ باقی تین، جیسا کہ ہم نے واضح کیا، باب سے کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہیں رکھتی ہیں۔ باب کیف کان بدء الوحی کے بعد کتاب الایمان کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں امام صاحب نے اکیاون روایات نقل کی ہیں جو اکتالیس ابواب کے تحت ہیں۔ روایات کا انتخاب اور ابواب کے عنوانات کلامی نوعیت کے ہیں۔ امام صاحب اپنے دور کے فرقوں کے عقائد کے مقابل میں اپنا نقطہ نظر پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کی کتاب الایمان میں جو ترتیب قائم کی ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ایمان کی اصل کیا ہے۔ اس کے فروع کیا ہیں۔ ایمان کو قوت دینے والی اور اس کے منافی چیزیں کیا ہیں۔ ان کی ترتیب امام بخاری کی نسبت نہایت سائنٹفک ہے۔

۱۔ باب: اَلْاِیْمَانِ، قَوْلِ النَّبِیِّ ﷺ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ

وَهُوَ قَوْلٌ" وَ فِعْلٌ" وَيَزِيدُ وَ يَنْقُصُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: لِيَزْدَادُوا اِيْمَانًا مَعَ اِيْمَانِهِمْ . (فتح:۴) وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (کہف:۱۳) وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (مریم:۷۶) وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَ آتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ (محمد:۱۷) وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ آمَنُوا اِيْمَانًا (مدثر:۳۱) وَقَوْلُهُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهِ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (التوبہ:۱۲۴) وَقَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا (آل عمران:۱۷۳) وَقَوْلُهُ تَعَالٰى وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَ تَسْلِيْمًا (الاحزاب:۲۲) وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ مِنَ الْاِيْمَانِ.

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ إِلَى عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ : إِنَّ لِلْإِيْمَانِ فَرَائِضَ وَ شَرَائِعَ وَحُدُوْدًا وَ سُنَنًا، فَمَنِ اسْتَكْمَلَهَا اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَكْمِلْهَا لَمْ يَسْتَكْمِلِ الْإِيْمَانَ، فَإِنْ أَعِشْ فَسَأُبَيِّنُهَا لَكُمْ حَتّٰى تَعْمَلُوْا بِهَا، وَ إِنْ أَمُتْ فَمَا أَنَا عَلٰى صُحْبَتِكُمْ بِحَرِيْصٍ.

وَقَالَ إِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَام : وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي (البقرہ:۲۶۰) وَقَالَ مُعَاذٌ: اجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً. وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: الْيَقِيْنُ الْإِيْمَانُ كُلُّهُ. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيْقَةَ التَّقْوٰى حَتّٰى يَدَعَ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ. وَقَالَ مُجَاهِدٌ: شَرَعَ لَكُمْ (الشوری:۱۳) أَوْصَيْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ وَ إِيَّاهُ دِيْنًا وَاحِدًا. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: شِرْعَةً وَ مِنْهَاجًا (المائدہ:۴۸) سَبِيْلًا وَ سُنَّةً دُعَاؤُكُمْ إِيْمَانُكُمْ.

باب: نبی ﷺ کا قول کہ اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی ہے

اور ایمان نام ہے قول اور فعل کا، اور وہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تا کہ وہ زیادہ کریں اپنے ایمان کو اپنے سابق ایمان کے ساتھ۔ اور ہم نے ان کی ہدایت زیادہ کی۔ اور جو لوگ ہدایت پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ اور جو لوگ ہدایت پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مزید ہدایت دیتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا کرتا ہے۔ اور وہ زیادہ کرتا ہے اہل ایمان کے لیے ان کا ایمان اور ارشاد ہے کہ اس سورہ نے تم میں سے کن کے ایمان کو زیادہ کیا۔ تو جو لوگ ایمان لائے اس نے ان کے ایمان میں اضافہ کیا اور فرمایا ان سے ڈرو تو اس چیز نے ان کے ایمان کو زیادہ کر دیا۔ اور ارشاد الٰہی ہے ان کو نہیں زیادہ کیا اس چیز نے مگر ایمان اور اطاعت میں نیز اللہ کی راہ میں محبت اور بغض رکھنا دونوں ہی ایمان میں شامل ہیں۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن عدی کو لکھا کہ ایمان فرائض، قوانین، حدود الٰہی اور سنن کا مجموعہ ہے تو جو ان سب کی تکمیل کرے گا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کیا اور جس نے ان کی تکمیل نہیں کی اس نے اپنے ایمان کو مکمل نہیں کیا۔ اگر میں زندہ رہا تو تم لوگوں پر اس کو واضح کر دوں گا یہاں تک کہ تم اس کے مطابق عمل کرو۔ اور اگر مر گیا تو میں تم لوگوں کی صحبت کا حریص نہیں۔

نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ ''میں چاہتا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔'' معاذؓ کا قول ہے'' آؤ بیٹھو تھوڑی دیر ایمان تازہ کرلیں''۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''یقین کل کا کل ایمان ہے''۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ'' آدمی تقویٰ کی حقیقت کو نہیں پاسکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جو اس کے دل میں کھٹکتی ہیں''۔

اور مجاہد نے آیت شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا کی یہ تفسیر کی ہے کہ'' اے محمد ﷺ ہم نے تم کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے''۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قرآن کے الفاظ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا کا مطلب راستہ اور سنت بتایا ہے اور دُعَاؤُكُمْ سے مراد ایمانکم لیا ہے۔

وضاحت:

باب کا یہ عنوان ایک ملغوبہ ہے جس میں قرآن کی آیات، صحابہ کے اقوال، تابعین کے تفسیری کلمات اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مکتوب کا ذکر ہے۔ قرآنی آیات اور اقوال ملے جلے ہیں اور کوئی چیز بھی کسی ترتیب سے نہیں اور نہ ہی امام صاحب نے یہ بات ملحوظ رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کے بعد رسول اللہ ﷺ کا قول، پھر صحابہؓ کے اقوال، اس کے بعد حضرات تابعین اور پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ذکر آئے۔

آغاز میں نبی ﷺ کا فرمان نقل ہوا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے۔ لیکن ان ارکان کی تفصیل بیان کرنے کی بجائے یہ بتایا گیا ہے کہ ایمان قول اور فعل کا نام ہے اور وہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی۔ عبارت میں ضمیر ھو کا مرجع بظاہر اسلام معلوم ہوتا ہے لیکن آگے جو گھٹنے بڑھنے کا ذکر ہے اس سے اسلام کا جوڑ نہیں بیٹھتا بلکہ یہ صفت ایمان کی ہے۔ لہٰذا ھو سے امام صاحب نے ایمان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس دعوے کی دلیل کے طور پر قرآنی آیات کے ٹکڑے ان کے سیاق وسباق کو نظر انداز کر کے نقل کیے گئے ہیں۔ بلکہ ان میں بعض آیات تو اس طرح نامکمل درج کی ہیں کہ اگر خبر آگئی ہے تو اس کا مبتدا غائب ہے۔ جس سے آیت کا صحیح مفہوم ہی سامنے نہیں آتا۔ ترتیب وار آیات کی تخریج باب میں کردی گئی ہے۔

آیات کے حوالہ کے بعد امام صاحب نے بتایا ہے کہ جزوی نیکیاں بھی ایمان کا شعبہ ہیں۔ ان سے بھی ایمان میں زیادتی یا کمی ہوتی ہے۔ یہی بات اس باب کا اصل مسئلہ ہے۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قول کا حوالہ دیا ہے۔ یہ بہت اچھا قول ہے۔ اس سے بھی ایمان کا نقص اور کمال ظاہر ہوتا ہے۔ اس قول کے بعد امام بخاریؒ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول کا حوالہ دیا ہے کہ "ولکن لیطمئن قلبی "(میں چاہتا ہوں کہ میرا دل بھی مطمئن ہو) یہ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی کہ پروردگار مجھے مشاہدہ کروا کہ تو

مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ "اولم تؤمن" (کیا تو ایمان نہیں رکھتا) تو انہوں نے جواب دیا کہ ایمان تو ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرا دل بھی مطمئن ہو۔ امام صاحب نے صرف یہ آخری ٹکڑا لیا ہے۔ اس کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ کا قول لیا ہے کہ آؤ کچھ دیر بیٹھ کر ایمان تازہ کر لیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان باسی بھی ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔ لیکن یہاں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاذؓ نے یہ بات کس لیے کہی۔ آگے ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ یقین کل کا کل ایمان ہے۔ اس قول کا کیا محل ہے، یہ نہیں بتایا گیا۔ محل معلوم ہوتو پتہ چلے کہ اس میں کون سی حکمت بیان کی گئی۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قول کا حوالہ ہے جس میں وہ تقویٰ کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ شاید اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ تقویٰ بھی ایمان ہی کا ایک شعبہ ہے۔ اس کے بعد مجاہد کا قول ہے جس سے معلوم نہیں امام بخاری کیا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ یہ صرف ان کے ذہن میں ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ ایمان کے گھٹنے بڑھنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ "دعاؤکم" سورہ فرقان کی آخری آیت "قل ما یعبؤابکم ربی لولا دعاؤکم" کا حصہ ہے۔ اس آیت میں نبی ﷺ سے خطاب ہے کہ ان سے کہو کہ میرے رب کو تمہاری کیا پرواہ تھی۔ لیکن چونکہ وہ عذاب دینے سے پہلے یہ چاہتا ہے کہ تم کو ایمان کی دعوت دی جائے اس لیے میں اس کھکھیڑ میں پڑا ہوں۔ امام صاحب نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں "دعاؤکم" کا مطلب "ایمانکم" ہے۔ گویا مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان مطلوب نہ ہوتا تو مجھے اس کھکھیڑ میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے خیال میں "دعاؤکم" سے مراد دعوت دینا ہی ہے کیونکہ یہ لازم نہیں کہ دعوت ایمان پر منتج ہو۔

باب کے الفاظ پر غور کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نوعیت کچھ یادداشتوں کی ہے جو ایک مصنف لکھنے سے پہلے نوٹ کر لیتا ہے اور ان معلومات کی روشنی میں آگے مواد قلمبند کرتا ہے۔

امام بخاریؒ نے پہلے باب کے عنوان میں اتنی باتیں کیوں جمع کیں، میرے نزدیک اس میں حالات کا دخل ہے۔ ان کے زمانے میں جو فتنے اٹھے تھے ان فتنوں کی تردید کرنے کے لیے وہ چاہتے تھے کہ تمام ضروری معلومات اس باب میں یا چند ابواب میں جمع کر دیں۔ اس زمانے میں کلامی فرقوں میں سے مرجئہ، کرامیہ اور معتزلہ پیدا ہو چکے تھے۔ ایمان کے بارے میں ان کے اندر اختلاف تھا۔ مومن کون ہیں اور ایمان کی کیا شرائط ہیں، اس کے متعلق ان کی رائیں الگ الگ تھیں۔ مرجئہ کے نزدیک مومن ہونے کے لیے اعتقاد اور اقرار ضروری تھا۔ یعنی آدمی اسلام کا عقیدہ رکھتا ہو اور اس کا اقرار کرتا ہو۔ کرامیہ کہتے تھے کہ فقط اقرار کافی ہے۔ عقیدہ کی بھی ضرورت نہیں۔ جو لا الہ الا اللہ کہہ کر اقرار کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں تو وہ مومن ہے۔ معتزلہ کی رائے یہ تھی کہ اقرار بھی ضروری ہے، اعتقاد بھی ضروری ہے اور عمل بھی ضروری ہے۔ عمل کو وہ ایمان کی شرط مانتے تھے لیکن لوگوں نے ان کو کافر کہہ کر اسلام ہی سے

خارج قرار دے دیا۔ باقی لوگ ایمان کے ساتھ عمل کو صرف کمال حاصل کرنے کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ امام بخاریؒ کو اس بات پر بڑا ابرام تھا کہ عمل ضروری ہے۔ اس لیے انہوں نے شد و مد سے اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنا چاہا۔ مرجئہ اور کرامیہ میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ ان میں سے کرامیہ کا مسلک اس لیے زیادہ عقلی ہے کہ عقیدہ کی کون چھان بین کر سکتا ہے۔ کون سا آلہ ہے جس سے آپ عقیدہ کو ناپ سکتے ہیں۔ لہٰذا ایک شخص جو اقرار کرتا ہے اس کو مان لیجئے۔ درحقیقت آج اسلامی دنیا کے عوام کا، تمام جدید تعلیم یافتہ اور سیاسی لوگوں کا، تمام سیاسی جماعتوں کا، مذہب کرامیہ ہی کے مسلک کے مطابق ہے۔ ایمان کو ایک ٹھونٹھ درخت کی طرح مان لیا گیا ہے جس پر عمل کے برگ و بار آنا لازم نہیں سمجھا جاتا۔

فرقوں کی اس بحث سے ایک کلامی نکتہ بھی پیدا ہو گیا کہ ایمان اگر صرف اقرار کا نام ہے تو اس کے گھٹنے یا بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مرجئہ اسی بات کے قائل تھے اور ایمان کو ایک جامد چیز سمجھتے تھے۔ امام صاحب نے وہ آیات جمع کی ہیں جن کی رو سے ایمان گھٹتا بڑھتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایمان اور ایک عام مسلمان کے ایمان میں زمین آسمان کا فرق ہے اور یہ بات بھی امر واقعہ ہے کہ ایمان ایک ہی دن میں بھی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ آدمی کے اوپر کسی وقت ایسی کمزوری طاری ہو جاتی ہے کہ اس سے ایمان کی دولت چھن جاتی ہے اور کبھی ایسی روشنی نظر آ جاتی ہے کہ وہ عظیم استقامت دکھا دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساحروں کو دیکھیے۔ کہاں وہ فرعون سے یہ وعدہ لے رہے تھے کہ اگر انہوں نے میدان مار لیا تو ان کو خوب صلہ دیا جائے گا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہونے کے بعد ایمان کی راہ کے کتنے مقامات طے کرتے ہوئے کہاں وہ شہادت کے متمنی ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ بھی ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل نہیں تھے۔ میرے خیال میں ان کی بات سمجھی نہیں گئی۔ ان کے ہاں جو بحث ہے وہ فقہی ایمان سے ہے، حقیقی ایمان سے نہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی شہریت کے حقوق طے ہوں گے تو وہ تمام لوگ جو لا الہ الا اللہ کہیں گے ان سب کو مسلمانوں کے رجسٹر میں ہی درج کیا جائے گا۔ ان میں ایمان کی کمی بیشی کا سوال نہیں اٹھایا جائے گا۔ ظاہری ایمان پر ہی سب کے حقوق قائم ہوں گے۔

میرے نزدیک یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ ایمان کم و بیش ہوتا رہتا ہے اور یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ وہ ایمان ایک ٹھونٹھ درخت ہے جس کے ساتھ اعمال نہیں ہیں۔ ایک شخص کلمہ لا الہ الا اللہ کتنی ہی قرأت اور کتنے ہی زور سے کہتا ہو لیکن اگر وہ نماز نہیں پڑھتا، زکوٰۃ نہیں دیتا، روزہ نہیں رکھتا، حج نہیں کرتا، پڑوسی کے حقوق ادا نہیں کرتا تو اس کے منافق ہونے میں شبہ نہیں۔ وہ یونہی دائمی ایمان بنا ہوا ہے۔ عقیدے کا ثبوت صرف عمل سے ملتا ہے۔ جب ایک عقیدے کا اظہار کیا جائے لیکن اس کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ کیا جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ عقیدے کا

اعلان جھوٹ پر مبنی ہے۔ خدا کی میزان میں ایمان کا ایسا اقرار دو کوڑی کا ہے جس کے ساتھ اعمال نہ ہوں۔ اعمال کے بارے میں اتنی گنجائش ضرور ہے کہ اگر کسی شخص سے گناہ ہو جائے اور وہ اس پر توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ اس کا گناہ معاف فرما دے گا۔ لیکن قرآن میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ آدمی گناہ پر گناہ کرتا جائے، اسی پر اپنی زندگی گزار دے اور پھر بھی اللہ تعالیٰ محض اس بناء پر اس سے درگزر کر دے کہ اس نے بھی زبان سے کلمہ ادا کر دیا تھا۔

۱۔ حدثنا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسىٰ قال: أَخْبَرَنا حَنْظَلَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ: عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَ إِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ، وَ صَوْمِ رَمَضَانَ.

﴿حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی تعمیر پانچ چیزوں پر ہوئی ہے۔ یہ شہادت کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اقامت نماز، ادائے زکوٰۃ، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔﴾

وضاحت:

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام کے یہ پانچ بنیادی اعمال ہیں۔ ایمان میں اللہ کی توحید اور نبی ﷺ کی رسالت کی شہادت شامل ہے۔ اس کے بعد ایمان کا اول مظہر نماز ہے جو بندے کو خدا کے ساتھ جوڑتی ہے۔ اس کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی ہے جو بندے کو دوسرے بندگان خدا کے ساتھ شفقت و رحم کی بنیادوں پر جوڑتی ہے۔ اس کے بعد حج ہے جو ہم کو مرکز اسلام اور ملت ابراہیم، جس کے ہم وارث ہوئے ہیں، سے وابستہ کرتا ہے اور پھر رمضان کے روزے ہیں جو تقویٰ کی آبیاری کرتے ہیں۔ دین کی بنیادی چیزیں یہی ہیں۔ یہ دین کے ستون ہیں۔ ان میں سے کوئی ستون بھی گر کر دین کے کسی حصہ کو گرا دیتا ہے۔

اس فہرست میں جہاد کا ذکر نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد ایک وقتی چیز ہے جو حالات کے تابع ہے۔ ضرورت داعی ہو تو جہاد کے لیے اٹھنا ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح ہجرت لوازم دین میں سے نہیں ہے۔ اگر کسی وقت کسی جگہ پر آپ کے لیے ایمان کے اوپر قائم رہنا ممکن نہ رہ جائے تو اس سرزمین سے چمٹے رہنا اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلا کرنا جائز نہیں۔ تب واجب ہے کہ آپ وہ جگہ چھوڑ کر کسی ایسی جگہ رہیں جہاں ایمان پر قائم رہ سکیں۔ گویا ہجرت ایک عارضہ ہے مستقل چیز نہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دین کے بنیادی ستون مذکورہ پانچ چیزیں ہیں۔ جہاد اور ہجرت کی

اہمیت یہ ہے کہ جب وقت آ جائے تو یہ اہم ترین عبادات اور کفر و ایمان کی کسوٹی بن جاتے ہیں۔ اس زمانے میں بعض انا زی دین باز لوگوں کے نزدیک ہجرت اور جہاد ہی دین کی راہ میں پہلا قدم ہے۔ میرے نزدیک چونکہ ہجرت اور جہاد مستقل چیزیں نہیں بلکہ عوارض ہیں، اس لیے بالکل آغاز ہی میں ان کے لیے بیعت لینا خرد باختگی ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر قرآن میں یہ کیوں فرمایا "ثم لم یرتابو او جاھدوا باموالھم و انفسھم" (پھر وہ بالکل مذبذب نہ ہوئے اور اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کیا) تو اس آیت میں بحث منافقین کے کردار سے ہے جن کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ اسلام کا دعویٰ تو کرتے تھے لیکن شکوک میں مبتلا تھے۔ یہ اس زمانے کا معاملہ ہے جب جہاد فرض ہو چکا تھا اور جب جہاد فرض ہو جائے تو اس میں تذبذب اور کمزوری دکھانا کفر ہے۔ اس صورت میں یہ سب ارکان اسلام سے مقدم اور سب سے بڑا ثواب کا کام بن جاتا ہے۔ لیکن اس کی بہت سی شرطیں ہیں جن کے بیان کا یہاں موقع نہیں ہے۔

۲۔ باب: اُمُورِ الْإِيْمَانِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: "لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَ آتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّائِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلَاةَ وَ آتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا وَالصَّابِرِيْنَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَ حِيْنَ الْبَأْسِ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" (البقرة:۱۷۷) "قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" (مومنون: ۱)

باب: ایمان کے امور

اور اس ارشاد خداوندی کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری یہ نہیں کہ تم اپنا رخ، مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف، بلکہ وفاداری ان لوگوں کی ہے جو اللہ کے اوپر ایمان لائیں، اللہ کے فرشتوں، اس کی کتاب، اس کے نبیوں پر ایمان لائیں، اور اپنے مال محبوب ہونے کے باوجود قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیں۔ غلاموں کو آزاد کرانے میں دیں۔ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں۔ اپنا عہد پورا کرنے والے ہوں جب کہ عہد کر بیٹھیں اور بالخصوص ثابت قدمی

دکھانے والے ہوں دکھ میں، مصائب میں اور جنگ کے وقت۔ یہ لوگ ہیں جو سچے مومن ہیں اور یہ ہیں جو متقی ہیں۔اور سورہ مومنون کی ابتدائی آیات کے بارے میں۔

وضاحت:

یہ باب ایمان کے متعلقات، اس کے لوازم اور مقتضیات کے بارے میں ہے۔ اس میں امام صاحب نے قرآن مجید کے دو مقامات کا حوالہ دے دیا ہے جن میں مومنین کی صفات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ یاد رہے کہ امام صاحب یہاں مرجئہ اور کرامیہ کے خلاف دلائل دے رہے ہیں۔ اس لیے کہ وہ لوگ عمل کو ایمان کے لیے ضروری نہیں مانتے تھے جب کہ امام بخاریؒ اور ان جیسے دوسرے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ عمل کمال ایمان کے لیے ضروری ہے۔ امام صاحب جو روایات آگے لائیں گے وہ یہ ثابت کرنے کے لیے ہیں کہ ایمان عمل کے اوپر حاوی ہے۔

میرے نزدیک ایمان اور اعمال لازم وملزوم ہیں۔ عمل صرف کمال ایمان کے لیے ضروری نہیں بلکہ شرط ایمان ہے۔ قرآن مجید نے جابجا ایمان اور عمل صالح کو لازم وملزوم ہی کی حیثیت سے بیان کیا ہے۔ جہاں تک قانون اور حدود کے نفاذ وغیرہ کا تعلق ہے تو اس میں صرف یہ دیکھا جائے گا کہ کون شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہے۔ اس میں متقی اور بے عمل دونوں برابر متصور ہوں گے۔ یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور میں اس کو صحیح مانتا ہوں۔ تاہم اسلامی حکومت کو لوگوں کی تربیت بھی کرنا ہوتی ہے اس لیے اس کو حق ہے کہ اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا، مال رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا، زکوٰۃ نہیں دیتا تو ارکان دین میں کوتاہی کرنے پر اس کو سزا دے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق تو یہاں تک آیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ جمعہ کی نماز میں دیر سے آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھ لیا کہ آپ کہاں تھے، اور ان کے جواب پر ان کو سرزنش کی۔

۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُو عَامِرٍ الْعَقَدِیُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَیْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِیْنَارٍ، عَنْ اَبِی صَالِحٍ، عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ" وَ سِتُّوْنَ شُعْبَةً، وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ" مِنَ الْاِیْمَانِ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایمان کے ساٹھ سے زیادہ شعبے ہیں اور حیا بھی ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔﴾

وضاحت:

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کوئی مفرد چیز نہیں بلکہ کئی چیزوں سے مرکب ہے۔ اس کے بہت

سے تقاضے ہیں۔ دین کے تمام مقتضیات اس کے اندر شامل ہیں۔ ان کو اگر آپ متعین کرنا چاہیں تو اچھی چیز ہے لیکن یہ کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی دین کی حکمت پر گہری نظر ہو۔ پھر اس میں بڑے اختلافات بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء نے ان کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور ساٹھ کا عدد پورا کر دیا ہے لیکن اس میں کوئی چیز قابل اعتماد اس لیے نہیں کہ ایک چیز کی بہت سی شاخیں ہوتی ہیں۔ وہ الگ الگ شاخیں بھی شمار کی جا سکتی ہیں اور ایک چیز کے اندر بھی گنی جا سکتی ہیں۔ اس لیے یہ سعی مفید نہیں۔ آنحضرت ﷺ کے فرمانے کا مدعا اتنا سمجھ لیں کہ ایمان مفرد نہیں بلکہ ایک مرکب شے ہے۔ اس کے فروع، اس کی شاخیں، اس کے لوازم، اس کے مقتضیات بہت سے ہیں، اور ان سب کا مجموعہ دین ہے۔ چاہے وہ اخلاق سے متعلق ہوں جیسے حیا، چاہے وہ عقائد سے متعلق ہوں، یا اعمال اور امور سیاست کے متعلق ہوں، وہ سب اس کے تحت آ جائیں گے۔

بضع کا لفظ دس سے نیچے کے اعداد کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ ہے کہ ستر سے قدرے کم اور ساٹھ سے زائد ہو مثلاً تریسٹھ، پینسٹھ، اڑسٹھ وغیرہ تو بضع وستون کہیں گے۔

٣. باب: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ

باب: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں

٣۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ اَبِي اِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي السَّفَرِ وَاِسْمَاعِيلَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔ اور مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔﴾

وضاحت:

اس حدیث کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں حقیقی مسلمان اور دوسرے حصہ میں حقیقی مہاجر کی صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔ پہلے حصہ کی رو سے صحیح مسلمان وہ ہے جو کسی پر تہمت نہ لگائے، کسی پر جھوٹ نہ باندھے، کسی کی غیبت نہ کرے یعنی زبان سے جو جرائم کیے جاتے ہیں ان میں ملوث نہ ہو۔ کسی پر اس طرح کا کوئی حملہ نہ کرے جو زبان درازی کی نوعیت کا ہو۔ زبان میں قلم بھی شامل ہے کیونکہ قلم زبان کا بڑا خطرناک ترجمان ہے۔ اخبار نویسوں کے کالموں کے

اثرات قلم کی خطرناکی کی شہادت دیتے ہیں۔ زبان کے علاوہ ایک صحیح مسلمان کے ہاتھ کی شرارت سے بھی دوسرے مسلمان محفوظ ہوتے ہیں۔ ہاتھ کی شرارت میں چوری، ڈکیتی، رہزنی اور اس قبیل کی ساری چیزیں شامل ہیں۔ گویا دوسرے مسلمان جس شخص کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ نہیں تو وہ مسلمان نہیں اگرچہ وہ شخص اپنا شمار مسلمانوں میں کرتا ہو۔

روایت کے الفاظ کے لحاظ سے زبان درازی اور دست درازی سے حفاظت مسلمانوں کے لیے ہے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غیر مسلموں پر تعدی کی جاسکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ دوسری روایت میں المرء یا الانسان کا لفظ آیا ہے جو مفہوم کو سب انسانوں پر حاوی کر دیتا ہے۔ قرآن مجید کی رو سے یہودیوں کا خاصہ یہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارے اوپر جتنی اخلاقی اور شرعی پابندیاں ہیں وہ صرف بنی اسرائیل کے لیے ہیں۔ دوسروں کا مال ہڑپ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر ہم مسلمان بھی یہی تصور اختیار کرلیں گے تو یہ یہودیوں کا کردار ہو گا۔ میرے نزدیک سلم کے ساتھ مسلمون کا لفظ بلاغت کے قاعدے تجنیس کے اصول پر آیا ہے۔ یہ دونوں الفاظ ایک ہی مادے سے نکلے ہیں اگرچہ معنی میں مختلف ہیں۔ ان کو ساتھ ساتھ لاکر کلام میں حسن پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن حقیقی مسلمان کی مذکورہ صفات مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لیے یکساں ہیں۔

روایت کے دوسرے حصے میں حقیقی مہاجر کی تعریف آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ ایسا شخص جو ان سب چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ایک شہر کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے تو اس سے مہاجر نہیں ہو جائیں گے بلکہ ہجرت یہ ہے کہ ایک ماحول کو شریعت کے خلاف پاکر اور اس کے اندر اصلاح کے لیے جو کچھ کر سکتے ہوں اس میں ناکام ہوکر اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لیے آپ دوسری جگہ چلے جائیں اور یہ گوارا نہ کریں کہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے گھر بار اور ملک سے وابستہ رہیں۔ اگر مقصد یہ ہے تو یہ ہجرت ہے ورنہ ہر گھر چھوڑنے والا شخص مہاجر نہیں ہوتا۔

جن لوگوں نے اس حدیث کا مفہوم یہ لیا ہے کہ ہجرت کا مطلب گناہ کو چھوڑ دینا ہے، میرے نزدیک یہ ٹھیک نہیں۔ یہ باطنیہ کا مذہب ہے۔

امام صاحب نے حدیث کی تائید داؤد عن عامر عن عبداللہ بن عمرو عن النبی ﷺ کی سند سے کی ہے۔

۴۔ باب: اَیُّ الاِسْلَامِ اَفْضَلُ

باب: کس قسم کا اسلام افضل ہے؟

عربیت کے لحاظ سے "ای" کا لفظ جمع کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ جیسے "ایکم" لیکن یہاں اسلام واحد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی کوئی ایک ہی قسم نہیں۔ اس زمانے میں تو اور زیادہ قسمیں ہوگئی ہیں۔ اس لیے واحد

لفظ کی طرف "ای" کو مضاف کرنا ٹھیک ہے۔

۴۔ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدِ الْقُرَشِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيُّ الإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ.

﴿ابو بردہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کون سا اسلام افضل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس مسلمان کا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔﴾

وضاحت:

الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ وہی روایت ہے جس کی وضاحت اوپر کردی گئی ہے۔

۵. باب: إِطْعَامُ الطَّعَامِ مِنَ الإِسْلَامِ

باب: کھانا کھلانا اسلام میں سے ہے

۵۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيْدَ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلَى مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَمْ تَعْرِفْ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ حضور، کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپؐ نے جواب دیا 'یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو ہر شخص کو جس کو تم پہچانتے ہو اور جس کو نہیں پہچانتے ہو'﴾

وضاحت:

اس حدیث میں سوال وہی ہے جو پچھلی حدیث میں تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کے سوال کے جواب میں ایک بات کہی اور دوسرے کے جواب میں دوسری۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جواب میں کہی گئی سب چیزیں اسلام کا حصہ ہیں۔

سوال میں لفظ اسلام آیا ہے، ایمان نہیں۔ اور یہ بات قرین قیاس ہے کیونکہ اسلام اور ایمان میں فرق ہے۔ ایمان میں عقائدی پہلو ملحوظ ہوتا ہے اور اسلام میں عملی پہلو۔ یہ دونوں توام ہیں۔ اس لیے دونوں کا ہونا لازم

ہے۔ یہ ضروری ہے کہ عقیدہ بھی ہو اور عمل بھی اس کی شہادت دے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بہتر مسلمان وہ ہے جو غریبوں کو کھانا کھلائے۔ یہاں زکوۃ کا ذکر نہیں بلکہ کھانا کھلانے کا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوۃ تو سرکاری ضابطے کی چیز ہے۔ حکومت اس کو وصول کرے گی۔ لیکن غریبوں کو کھانا کھلانا انفاق کی ایک عام شکل ہے۔ ہر اچھے مسلمان میں یہ فیاضی ہونی چاہیے۔

دوسری چیز یہ بتائی کہ سلام کرے اس کو بھی جس کو جانتا ہے اور اس کو بھی جس کو نہیں جانتا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی ہر راہ چلتے کو یا بازار میں ہر ایک کو سلام کرتا ہوا چلے بلکہ یہ ہے کہ آپ جن کے ہاں جائیں ان کو سلام بلا امتیاز کرنا ضروری ہے۔ کسی مجلس میں جائیں، مسجد میں جائیں، کسی پلیٹ فارم پر جائیں، ہوٹل میں جائیں، وہاں موجود افراد کو سلام کرنا آداب میں سے ہے۔ یہ بات سلام کے آداب کے خلاف ہے کہ آپ وہاں صرف شناسا آدمی کو سلام کریں اور دوسروں کو چھوڑ دیں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ بلا امتیاز سب کو سلام کریں۔ پھر واقف آدمی سے مصافحہ کرلیں۔ اس میں آپ مسلم اور غیر مسلم کی بھی تمیز نہیں کرسکتے۔ حدیث میں اسی بات پر زور ہے کہ تمام لوگوں کو سلام کرو۔ صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی مجلس میں جاتے تو وہاں ان کا سلام عام ہوتا تھا، پھر خاص لوگوں کے ساتھ خاص بھی۔ میرے نزدیک الفاظ سے بھی یہی بات نکلتی ہے کہ موقع اور محل کے لحاظ سے عام سلام بھی کرو اور خاص بھی۔

۲. باب: مِنَ الْاِیْمَانِ اَنْ یُّحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

باب: ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے

۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا یَحْیٰی، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ – وَ عَنْ حُسَیْنٍ الْمُعَلِّمِ قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ"۔

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص حقیقی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ نہ پسند کرے جو اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے۔﴾

وضاحت:

چونکہ روایت میں بات ایمان کے حوالے سے ہے اس لیے ناجائز کام از خود اس سے باہر ہو جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں لے سکتا کہ اگر کوئی شخص اپنے لیے شراب پسند کرتا ہے تو دوسروں کے لیے بھی یہی پسند کرے۔ یہ ہدایت ناجائز چیزوں میں نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی جائز چیزوں میں اپنے لیے وہی پسند کرے جو اللہ اور رسول کی پسند ہے۔ اس کے بعد دوسروں کے لیے بھی ایسا ہی خیر خواہی کا جذبہ ہونا چاہیے۔ وہ اپنے لیے فلاح چاہتا ہے تو دوسروں کے لیے بھی اس کو پسند کرے۔ اپنے لیے مال و عزت چاہتا ہے تو دوسروں کے لیے بھی وہی چاہے۔ اس میں خواہ مخواہ تنگ دل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کردار نہ ہو کہ اپنے لیے تو سب کچھ ہے اور دوسروں کے لیے کچھ نہیں۔ اپنے لیے تو یہ پسند ہو کہ ہر شخص آپ کے ساتھ سچ بولے لیکن آپ دوسروں سے جھوٹ بولیں۔ خود تو یہ چاہیں کہ ہر شخص آپ کا حق ادا کرے لیکن آپ دوسروں کا حق ادا کرنے میں بخیل ہوں۔ یہ کردار بہت بڑی اخلاقی کمزوری کی نشاندہی کرتا ہے۔

۷. باب: حُبُّ الرَّسُولِ ﷺ مِنَ الْإِيمَانِ

باب: رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنا ایمان کا جزو ہے

۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ"۔

﴿ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ ﴾

۸۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُلَيَّةَ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ح و حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ "لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَ وَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ"

﴿ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک

کہ میں اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ بن جاؤں۔"

وضاحت:

ان روایات میں آنحضرت ﷺ پر ایمان کا تقاضا یہ بتایا گیا ہے کہ آدمی کے اندر آپؐ کے لیے محبت ماں باپ، اولاد اور تمام مخلوق کے مقابلے میں زیادہ ہو۔ اس سے مراد وہ جذباتی محبت نہیں جو آدمی کو اپنی بیوی یا اولاد سے ہوتی ہے۔ جذبات اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ ان میں مداخلت نہیں ہو سکتی۔ یہاں مراد عقلی اور اختیاری محبت ہے۔ یہ سب سے زیادہ نبی ﷺ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ اس محبت کا معیار قرآن و حدیث دونوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر آدمی کے سامنے کوئی ایسا موڑ آجائے جہاں اس کو یہ فیصلہ کرنا ہو کہ ماں باپ اور بیوی بچوں کی محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ کام کروں لیکن نبی ﷺ کا حکم اس کے خلاف ہے۔ اگر آدمی اس موڑ پر اس چیز کو اختیار کر لے جو نبی ﷺ کا حکم ہے اور بیوی بچوں یا ماں باپ کی خواہش کو نظر انداز کر دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ تمام خلق سے زیادہ نبی ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ یہ ایمان کا بدیہی اور عقلی تقاضا ہے۔ ماں باپ اور اولاد کے علاوہ اس میں دوسری سب چیزیں شامل ہو جائیں گی۔ جیسے خاندان، برادری، قوم، وطن وغیرہ۔ حقیقی ایمان وہی ہے جو اس کسوٹی پر پورا اترے۔ باقی رہا قانونی ایمان تو وہ یہ ہے کہ جب تک آدمی لا الہ الا اللہ کا انکار نہ کر دے یا کسی ایسی چیز کا اعلان نہ کر دے جو اس کلمے کے منافی ہے تب تک اس پر لفظ مسلمان کا اطلاق ہوگا اور اس پر مسلمانوں کا قانون لاگو رہے گا۔ مردم شماری میں وہ مسلمان ہی شمار ہوگا اگرچہ حقیقی ایمان سے خالی ہو۔

جذباتی محبت عموماً اندھی بہری ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جذباتی محبت ضروری نہیں کہ حدود کے اندر ہی رہے۔ یہ غلط بھی ہو سکتی ہے مثلاً ایک شخص جو آنحضرت ﷺ کے مرتبہ و مقام کے تقاضوں سے ناواقف ہے آپ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ گستاخی کی سزا اسلامی قانون کی رو سے ایک حد ہے۔ لیکن آپ اگر حفظ مراتب سے واقف نہیں ہیں تو اس کی سزا پر بھی معترض ہوں گے کیونکہ آپ کے نزدیک تو یہ گستاخی نہیں بلکہ عشق رسول کا تقاضا تھا۔

اس ضمن میں ایک بات جو یاد رکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے لیے محبت کا لفظ ہی مناسب ہے۔ عشق کا لفظ بازاری اور اس کا استعمال لفنڈہ پن ہے۔ اللہ اور رسول کے ساتھ عشق کا کیا مطلب؟ اللہ اور رسول کی محبت تو ایک معلوم شے ہے اور اس کے لیے ایک کسوٹی بھی موجود ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ عشق کا لفظ نہ قرآن میں استعمال ہوا ہے نہ حدیث میں اور نہ ہی کسی مہذب آدمی کو یہ لفظ استعمال کرنا چاہیے۔ اس عشق کے لیے کوئی پیمانہ بھی

مقرر نہیں۔ اس وجہ سے خیریت اسی میں ہے کہ اللہ اور رسول کے لیے محبت ہی کا لفظ استعمال کیا جائے جو قرآن و حدیث دونوں میں استعمال ہوا ہے اور جو نہایت پاکیزہ لفظ ہے۔

٨. باب: حَلَاوَةِ الْاِيْمَانِ

باب: ایمان کی حلاوت

٩۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ، عَنْ اَبِيْ قِلَابَةَ، عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ثَلَاثٌ " مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ: اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَ اَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ، وَ اَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ.

﴿ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں جس کے اندر ہیں اس کو ایمان کا مزہ حاصل ہوا۔ ایک یہ کہ اللہ اور رسول اس کو ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔ دوسری یہ کہ وہ کسی شخص سے محبت کرے محض اللہ کے لیے۔ اور تیسری یہ کہ وہ کفر کی طرف لوٹنے کو ایسا ناگوار سمجھے جیسے وہ آگ میں پھینکے جانے کو ناگوار سمجھتا ہے۔ ﴾

وضاحت:

اس حدیث میں نبی ﷺ نے تین چیزیں ایسی بتائی ہیں جو اگر کسی کو حاصل ہوں تو ایسا مسلمان اپنے ایمان کی چاشنی محسوس کرتا ہے۔ ان میں سے پہلی چیز اللہ اور رسول کے لیے ایسی محبت ہے جو ان کے ماسوا ہر چیز سے زیادہ ہو۔ اس محبت کی وضاحت اوپر کی روایت میں ہو چکی ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ آپ کو کسی سے محبت ہو تو مجرد اس بنا پر ہو کہ اس شخص کو اللہ اور رسول کے ساتھ ایسا تعلق ہے جس کی بنا پر آپ نے اس سے محبت کی ہے۔ یعنی کوئی دنیاوی غرض نہیں، اس کے ساتھ کوئی مفاد وابستہ نہیں، اس سے کچھ لینا دینا نہیں لیکن آپ اس کو محض اس لیے عزیز رکھتے ہیں کہ وہ آپ کے لیے اللہ اور رسول کی طرف ایک روشنی مہیا کرتا ہے۔ آپ کو اس کے اندر کوئی خاص جوہر صداقت، تقویٰ، علم، پرہیزگاری نظر آتا ہے جس کے آپ قدردان ہیں۔ ایسے شخص کے ساتھ محبت آپ کو ایمان کا مزہ دے گی۔

آنحضرت ﷺ نے تیسری بات یہ فرمائی کہ جس شخص نے ایمان کا مزہ چکھا ہو تو وہ کفر کی طرف لوٹنے کو اتنا برا سمجھے گا جیسے آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔ دوسرا آدمی کیا جانے کہ ایمان کیا ہے اور اس کی لذت کیا ہوتی ہے۔

۹. باب: عَلَامَةُ الْاِيْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ

باب: انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے

۱۰۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: اَخْبَرَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَبْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "آيَةُ الْاِيْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ، وَ آيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ"

﴿حضرت عبداللہ بن جبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی نشانی انصار کی محبت اور نفاق کی نشانی انصار سے بغض رکھنا ہے۔﴾

وضاحت:

اس حدیث میں انصار (بحیثیت ایک گروہ) کی محبت ایمان کی نشانی بتائی گئی ہے۔ میرے نزدیک اس کا ایک پس منظر ہے جس میں انصار کی محبت کو ایمان کی علامت قرار دینے کی ایک خاص وجہ تھی۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے، اور روایات اس کی تائید کرتی ہیں، کہ ایک زمانے میں انصار کے متعلق یہ پروپیگنڈا بڑی تیزی سے شروع کر دیا گیا کہ انہوں نے مسلمانوں کو مدینہ بلا کر یہاں کے لوگوں پر مہاجرین کی مصیبت لا دی ہے۔ ہم اچھے خوشحال تھے لیکن مہاجرین کے بوجھ نے ہمارے سارے عیش کو گدلا کر دیا ہے۔ قرآن میں اس صورت حال کی طرف اشارہ موجود ہے۔ سورہ منافقون میں منافقین کی یہ بات نقل ہوئی ہے کہ انہوں نے ایک غزوہ کے دوران کہا کہ مدینہ پہنچ کر طاقتور گروہ کمزور مہاجرین کو شہر سے نکال باہر کرے گا۔ ان کا منصوبہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا اور اس اقدام کی نوبت نہ آئی۔ معلوم ہوتا ہے اسی دور میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب انصار کی محبت ایمان اور نفاق میں امتیاز کی علامت بن چکی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر کی ہجرت کے بعد اس کو پناہ دینے اور اس کی مدد کرنے کے عمل کی نظیر اس آسمان کے نیچے کوئی اور نہیں۔ اس کے برعکس اس کی مخالفت یا اس کے ساتھیوں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کرنا صریح نفاق ہے۔ صرف منافقین ہی یہ حرکت کر سکتے تھے۔ انصار کے حق میں محبت کی تلقین کی وجوہ کو سمجھنے کے لیے اس موقع و محل کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ یہ موقع و محل معلوم نہ ہو تو گمان کیا جا سکتا ہے کہ انصار نے اپنی اہمیت بڑھانے کے لیے یہ بات بنائی۔ حالانکہ ایسی بات نہیں۔

اس حدیث میں انصار کے علاوہ دوسرے گروہوں سے محبت کی نفی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر سب سے مقدس گروہ مہاجرین کا تھا جن کو انصار پر بھی شرف حاصل ہے۔ ان سے ہر مسلمان کو محبت ہونی چاہیے۔ اسی طرح باقی ہر گروہ جو کسی طریقے سے دین کی خدمت کرتا ہے، اس کی محبت بھی ایمان کی علامت ہے۔ اس کی طرف اشارہ اوپر کی روایت میں موجود ہے۔ لہٰذا آپ اپنی پوری تاریخ میں جن لوگوں یا گروہوں کی خدمت کو دین کے لیے قابل قدر پائیں ان سے محبت کرنا ضروری ہے۔

۱۰. باب

۱۱۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْیَمَانِ قَالَ: اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ، عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ: اَخْبَرَنِی اَبُو اِدْرِیْسَ عَائِذُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ كَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَهُوَ اَحَدُ النُّقَبَاءِ لَیْلَةَ الْعَقَبَةِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَ حَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ اَصْحَابِهِ: "بَایِعُوْنِی عَلٰی اَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَیْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَاْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهُ بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ وَ اَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِی مَعْرُوْفٍ، فَمَنْ وَّفٰی مِنْكُمْ فَاَجْرُهُ عَلَی اللّٰهِ، وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَیْئًا فَعُوْقِبَ فِی الدُّنْیَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ" لَهُ وَ مَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَیْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ اِلَی اللّٰهِ، اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ، وَ اِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ' فَبَایَعْنَاهُ عَلٰی ذٰلِكَ.

﴿ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ ہمیں ابوادریس عائذ اللہ نے خبر دی کہ عبادہ بن صامت، جو بدر کے شرکا، میں سے اور بیعت عقبہ کی رات کے نقیبوں میں سے ہیں، نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے وقت جب آپ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی فرمایا کہ میرے ہاتھ پر بیعت کرو کہ تم کسی کو اللہ کا شریک نہیں بناؤ گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گے، اپنے میں سے کسی پر جنسی قسم کی تہمت نہیں لگاؤ گے اور کسی معروف کے معاملے میں میری نافرمانی نہیں کرو گے۔ جس نے یہ باتیں پوری کیں تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے اوپر ہے۔ جس نے ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا اور اللہ نے اس کو دنیا میں سزا دے دی تو وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گی اور جس نے کسی چیز کا ارتکاب کیا، پھر اللہ نے اس کو ڈھانپ لیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اگر چاہے گا تو درگزر فرمائے گا۔ اگر چاہے گا تو سزا دے گا۔ تو ہم نے اس پر آنحضرت ﷺ سے بیعت کر لی۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں بہت سی پیچیدگیاں ہیں۔ پہلی پیچیدگی تو یہ ہے کہ باب ہے لیکن باب کے عنوان کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بعض نسخوں میں باب کا لفظ بھی اڑ گیا ہے۔ یعنی روایت تو موجود ہے لیکن کوئی چیز فاصل نہیں۔ تو کیا اس روایت کو پچھلے باب حب الانصار کے تحت ماننا پڑے گا؟ جب روایت پر غور کریں تو حب الانصار سے اس کا کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ دور کی کوڑی لائیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس میں انصار کی بیعت عقبہ کا ذکر ہے لیکن یہ کوئی نکتہ تو نہ ہوا۔

پھر اس میں اس پہلو سے بھی خلا ہے کہ حضرت عبادہؓ کا تعارف کراتے ہوئے بیعت عقبہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ پہلی بیعت عقبہ کا موقع تھا جس میں بارہ افراد نے اسلام قبول کیا۔ لیکن جن نقیبوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان کا تقرر بیعت عقبہ ثانیہ میں ہوا تھا۔ روایت کی رو سے جن چیزوں پر بیعت لی گئی یہ وہ چیزیں ہیں جن پر عورتوں سے بیعت لی جاتی تھی اور جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ ممتحنہ میں ہے اور وہ بالاجماع مدنی سورہ ہے جو معاہدہ حدیبیہ کے زمانہ میں نازل ہوئی۔ عورتوں سے جن باتوں پر بیعت لینے کا ذکر ہے ان میں یہ بھی ہے کہ تم ایک دوسرے پر تہمت نہ لگاؤ گی ان چیزوں کے بارے میں جو تمہارے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنسی قسم کا کوئی سکینڈل نہیں بناؤ گی۔ ٹھیک انہی امور پر ہجرت سے قبل مردوں سے بیعت لینے کا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔

عقبہ ثانیہ کے موقع پر جو بیعت ہوئی وہ بالکل مختلف امور پر تھی جس میں نبی ﷺ کی حفاظت اور آپ کی نصرت کا معاملہ نمایاں تھا۔ انصار نے جب آنحضرت کو مدینہ آنے کی دعوت دی تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرنے کو تیار ہو کہ جن چیزوں سے اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو ان چیزوں سے میرے دفاع کی ذمہ داری بھی لو گے تو انہوں نے بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ یہ بیعت کی۔

اس میں تیسری پیچیدگی یہ ہے کہ بیعت کے سلسلے میں دنیا اور آخرت کا انجام بیان کرنے کا بظاہر کوئی تک نہیں۔ بیعت تو ایک عہد ہوتا ہے۔ لیکن روایت میں نہ صرف یہ کہ دنیا اور آخرت دونوں کا انجام بیان کیا گیا ہے بلکہ اس میں بعض باتیں ایسی بھی آگئی ہیں جو سوالات پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ان باتوں میں سے کسی کا ارتکاب کیا اور دنیا میں اس کو سزا مل گئی تو وہ اس کے لیے کفارہ بن جائے گی۔ اب فرض کریں کہ ایک شخص نے چوری کی اور قاضی کے حکم سے اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا لیکن اس کے باوجود وہ کہتا ہے کہ اس مرتبہ چوک گیا اور پکڑا گیا۔ آئندہ زیادہ ہوشیاری سے چوری کروں گا۔ یعنی اس شخص کو اصلاح یا توبہ کی توفیق نہیں ہوئی تو کیا اس صورت میں بھی یہ سزا کفارہ بن جائے گی؟ قرآن مجید میں گناہوں کے لیے صاف طور پر یہ ضابطہ بیان ہوا ہے کہ جہاں تک صغائر کا تعلق ہے وہ نیک اعمال سے جھڑ جاتے ہیں لیکن جو گناہ حقوق العباد سے متعلق ہیں اور سنگین ہیں، ان کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کی توبہ قبول کرتے ہیں جو جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی غلطی کر بیٹھیں، پھر فوراً

توبہ کرلیں۔ لیکن اگر وہ اسی گناہ پر مرجائیں گے اور توبہ نہیں کریں گے تو خدا ان کو معاف نہیں کرے گا۔ پھر توبہ کے متعلق یہ شرط بھی لگائی ہے کہ آدمی استغفار کرے اور اصلاح کرے۔ اب جس چور کو اپنی ناکامی کا صدمہ ہو کہ میں چوری کرنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکا، اس کے لیے قاضی کی دی ہوئی سزا کا کفارہ ہونا قرآن کے بھی خلاف ہے اور عقل کے بھی۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ ایسی بات فرمادیں جو قرآن کے خلاف ہو۔ کسی معقول آدمی کی یہ رائے نہیں ہوسکتی کہ اگر آپ دنیا میں جرم کی سزا دے دیں تو مجرم عنداللہ بھی معاف کردیا جائے گا۔ بلاشبہ اس طرح قانونی تقاضا پورا ہوجائے گا لیکن اللہ کا معاملہ تو انہی شرائط پر ہوگا جو قرآن مجید میں صاف صاف بیان ہوئی ہیں۔

رہا اس شخص کا معاملہ جس نے جرم کا ارتکاب کیا اور اللہ نے اس کو ڈھانپ لیا تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اگر چاہے گا تو اس کو معاف فرمادے گا، اگر چاہے گا تو سزا دے گا۔ یہ بات ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو سب اختیار ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام فیصلے عدل وحکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔

یہ روایت ابن شہاب زہری کی ہے۔ یہ امام حدیث تو ہیں لیکن تخلیط روایات میں، تخلیق روایات میں اور اپنے حاشیے لگانے میں یکتائے روزگار ہیں۔ تخلیط روایات اس طرح کرتے ہیں کہ دو تین روایات سے ٹکڑے لیے اور ان کو ایک بنادیا۔ اس طرح روایت کا مطلب کچھ سے کچھ ہوجاتا ہے۔ نہایت اہم روایات میں بھی انہوں نے حاشیہ آرائی کی ہے جس سے سوالات پیدا ہوگئے ہیں۔ اس کی مثالیں باب کیف کان بدء الوحی میں گزر چکی ہیں۔

۱۱. باب: مِنَ الدِّينِ الفِرَارُ مِنَ الفِتَنِ

باب: فتنوں سے بھاگنا دین کا ایک حصہ ہے

۱۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِی صَعْصَعَةَ عَنْ اَبِيهِ، عَنْ اَبِی سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "يُوشِكُ اَنْ يَكُونَ خَيرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ" يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الجِبَالِ، وَمَوَاقِعَ القَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ".

﴿ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قریب ہے وہ دن جب مسلمان کا بہترین مال بکریوں کا وہ ریوڑ ہوگا جس کو لیے ہوئے وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے بھاگتا پھرے گا۔﴾

وضاحت:

یہ ٹھیک ہے کہ جس کو اپنا دین عزیز ہو اس کو فتنے کے دور میں اپنے دین کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔ آج پہلے سے بھی زیادہ پرفتن اور شدید زمانہ آ گیا ہے اور بکریوں کا ریوڑ بھی کہیں لے جانے کا موقع نہیں رہا۔ بہر حال آدمی کے اوپر یہ ذمہ داری ہے کہ جس حد تک بھی ممکن ہو سکے اپنے قرب وجوار میں برائی کو روکنے کی کوشش کرے خواہ اس کے لیے اپنی جان بھی خطرے میں ڈالنی پڑے۔ اگر کسی کے لیے ایمان پر قائم رہنے کی یہی شکل باقی رہ گئی ہو کہ وہ فتنوں سے دور چلا جائے تو اس کو ایسا کر کے بھی اپنا ایمان بچانا چاہیے۔

۱۲. باب: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: اَنَا اَعْلَمُكُمْ بِاللّٰهِ وَ اَنَّ الْمَعْرِفَةَ فِعْلُ الْقَلْبِ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: "وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ" (البقرة:۲۲۵)

باب: نبیؐ کا ارشاد کہ میں تم میں سب سے زیادہ اللہ کے بارے میں جاننے والا ہوں اور یہ کہ معرفت دل کا فعل ہے، اس لیے کہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ کرے گا تمہارے دل کی کمائی کے مطابق۔

۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ الْبِيكَنْدِيُّ قَالَ: اَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامٍ عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَمَرَهُمْ اَمَرَهُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ بِمَا يُطِيْقُوْنَ، قَالُوْا: اِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَلَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ، فَيَغْضَبُ حَتّٰى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ: "اِنَّ اَتْقَاكُمْ وَ اَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ اَنَا".

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب لوگوں کو نیک اعمال کا حکم دیتے تو صرف ان باتوں کا حکم دیتے جن کی وہ طاقت رکھتے ہوں۔ بعض لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کا اور ہمارا معاملہ الگ الگ ہے۔ آپ کے تو اگلے پچھلے گناہ خدا نے بخش دیے ہیں۔ آپ اس پر غصے ہوتے یہاں تک کہ غصہ چہرہ مبارک پر ظاہر ہوتا۔ پھر آپ یہ فرماتے کہ تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا میں ہوں۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ مسلمانوں کو صرف ان کاموں کا حکم دیتے جو عامۃ الناس کے بس میں ہوتے۔ لیکن کچھ

زیادہ جو شیلے لوگوں نے آ کر کہا کہ ہم اس سے زیادہ عمل کی طاقت رکھتے ہیں۔ یہ انہوں نے اس بنا پر کہا کہ انہوں نے بتائے ہوئے عمل کو اپنے شوق سے کم تر سمجھا۔ لیکن اس کا ایک اور سبب یہ بھی تھا کہ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ نبی ﷺ کا معاملہ ہم سے الگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر رکھے ہیں۔ کثرت عبادت کی آپ کو ضرورت نہیں لیکن ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ یہ بات نبی ﷺ کو نہایت ناگوار گزری اور آپ کا چہرہ غضبناک ہو گیا۔ آپ نے ان لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے فرمایا کہ یہ بات نہیں بلکہ میں تم سب لوگوں کی نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کو زیادہ جاننے والا ہوں۔ یعنی اگر میرے گناہ بخش دیے گئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب میں جو چاہوں کروں اور جو چاہوں نہ کروں، بلکہ میری شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ میں اللہ کی رضا کے کاموں کو اور بھی زیادہ کروں۔

باب کا مطلب تو یہ ہے کہ معرفت قلب کا فعل ہے۔ یہ روایت لا کر نتیجہ یہ نکالنا مقصود ہے کہ ایمان قول اور فعل دونوں کا نام ہے اور جو لوگ صرف قول ہی کو ایمان سمجھتے ہیں، جیسا کہ مرجئہ اور کرامیہ کا خیال ہے، وہ صحیح نہیں۔

۱۳۔ باب: مَنْ كَرِهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ مِنَ الْاِيْمَانِ

باب: آدمی کا کفر میں لوٹنے کو آگ میں ڈالے جانے کی طرح ناگوار سمجھنا ایمان میں شامل ہے

۱۴۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "ثَلَاثٌ" مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ: مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَ مَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ، وَمَنْ يَّكْرَهُ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ".

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں جس شخص کے اندر پائی جائیں گی اس نے ایمان کا مزہ چکھا۔ ایک وہ جس کو اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو، دوسرا وہ جس نے کسی آدمی سے محبت کی اور یہ محبت للہ فی اللہ ہے، اور تیسرا وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے کفر سے نجات دی ہو اور وہ کفر میں واپس لوٹنے کو اسی طرح ناگوار سمجھے جیسے وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناگوار سمجھتا ہے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اوپر باب ۸: حلاوۃ الایمان میں گزر چکی ہے۔

۱۴ : باب: تَفَاضُلِ اَهْلِ الْاِيْمَانِ فِي الْاَعْمَالِ

باب: اہل ایمان کا اعمال کے لحاظ سے ایک دوسرے سے افضل ہونا

۱۵۔ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَ اَهْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: اَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ، فَيُخْرَجُوْنَ مِنْهَا قَدِ اسْوَدُّوْا فَيُلْقَوْنَ فِي نَهَرِ الْحَيَاءِ. اَوِ الْحَيَاةِ، شَكَّ مَالِكٌ. فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِي جَانِبِ السَّيْلِ، اَلَمْ تَرَ اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً؟ قَالَ وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو: الْحَيَاةِ وَقَالَ: خَرْدَلٍ مِنْ خَيْرٍ.

﴿ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل دوزخ دوزخ میں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے اس کو دوزخ سے نکالو، تو وہ اس حالت میں نکالے جائیں گے کہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے۔ پھر ان کو نہر حیا یا نہر حیات (امام مالک کو شک ہے) میں ڈال دیا جائے گا تو وہ وہاں سے اس طرح اگیں گے کہ جیسے دانے کسی نم زمین کے کنارے پر اگ پڑتے ہیں۔ دیکھا نہیں وہ کس طرح لپٹے ہوئے زرد زرد نکلتے ہیں۔ وھیب کہتے ہیں کہ عمرو نے حیاۃ کا لفظ استعمال کیا ہے اور خردل من ایمان کی جگہ خردل من خیر کہا۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں بہت بڑا اشکال ہے جس کے باعث یہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ وہ اشکال یہ ہے کہ اس میں مجرمین کے دوزخ سے نکالے جانے کا تصور دیا گیا ہے جب کہ اس تصور کا قرآن میں کہیں اشارہ تک نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہود کے عقائد کے ضمن میں جہاں آیت قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَعْدُوْدَةً میں ان کے جہنم میں بس چند روز وسزا پانے کے عقیدہ کا ذکر کیا ہے تو وہاں اس کو ان کا من گھڑت عقیدہ بتایا ہے، جس کی بنیاد کسی وحی آسمانی

پر نہیں ہے۔

قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ آخرت میں ایک ایسی ترازو نصب کرے گا جو اعمال کی حقیقی قدر و قیمت کو تول کر بتا دے گی اور یہ ممکن نہیں ہوگا کہ رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی خیر یا کوئی شر ایسا رہ جائے جس کا لحاظ نہ کیا گیا ہو۔ اس ترازو میں اعمال کے تلنے کے بعد جن لوگوں کی میزان بھاری ہوگی وہ جنت میں اور جن کی میزان ہلکی ہوگی وہ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ واما من خفت موازینہ فامہ ھاویۃ'' (القارعۃ: ۷۔۸) ''تو جس کے پلے بھاری ہوں گے وہ تو دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے پلے ہلکے ہوئے تو اس کا ٹھکانا کھڈ ہوگا''۔ جنت اور دوزخ میں یہ داخلہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ خالدین فیھا کے الفاظ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے آئے ہیں۔ لہذا قرآن کی رو سے جن لوگوں کے لیے جہنم کی سزا کا فیصلہ ہوگا وہ اس سے کبھی بھی نکل نہ سکیں گے۔

جہنم کے کسی دور میں ٹھنڈا ہو جانے کا تصور بھی قرآن میں کہیں موجود نہیں، البتہ باطنیہ کے ہاں پایا جاتا ہے۔ وہیں سے ابن عربی اور دوسرے صوفیوں کی تحریروں کے ذریعے یہ تصور ہمارے دینی لٹریچر میں بھی آ گیا ہے۔ اس زمانے میں سید سلیمان ندوی مرحوم نے اس کی وکالت کی ہے۔ ان کے استدلال کی بنیاد قرآن کے الفاظ الا ماشاء ربک. (ہود: ۱۰۷) ''مگر جو تیرا رب چاہے'' پر ہے۔ حالانکہ اس موقع پر یہ الفاظ جس طرح جہنم کے متعلق آئے ہیں اسی طرح جنت کے متعلق بھی آئے ہیں۔ ان الفاظ سے خلود فی النار کے اس عقیدہ کی نفی نہیں ہوتی جو قرآن میں متعدد مقامات پر نہایت غیر مبہم طریقہ سے بیان ہوا ہے، بلکہ مشیت الٰہی کے فیصلہ کن ہونے کا اثبات ہوتا ہے۔

اس روایت کے مضمون میں یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ خیر کا کوئی ذرہ اگر اتنا قیمتی تھا کہ اس کی بناء پر مجرمین کو دوزخ سے نکالا جا سکتا تھا تو وہ خدا کی میزان سے پہلے کیوں نظر انداز ہو گیا۔ نیز جہاں تک عقائد کا تعلق ہے ان کا تجزیہ کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں آدمی میں اتنے فیصد توحید ہے، باقی شرک ہے۔ یا تو آدمی میں پوری توحید ہوگی یا پورا شرک ہوگا۔ اگر کسی شخص کے عقیدے کو شرک قرار دے دیا جائے گا تو قرآن کی رو سے یہ بات حتمی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کبھی معاف کرنے والا نہیں۔ اس لیے ایسے شخص کا دوزخ سے نکالے جانے کا کوئی امکان نہیں۔ اس طرح عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے اس حدیث میں بیان کردہ عقیدہ سمجھ میں نہیں آتا۔

خاص اس روایت میں یہ اشکال بھی ہے کہ جہنم میں جلنے کے بعد مجرمین نہر حیاۃ میں ڈالے جائیں گے تو زرد زرد اگیں گے۔ اس کے بعد ان کا کیا بنے گا اس کی کوئی تفصیل بیان نہیں ہوئی۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ عقائد کی بنیاد لازماً قرآن پر ہونی چاہیے۔ کوئی عقیدہ خبر واحد سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہاں اس خبر واحد کا عقیدہ چونکہ قرآن کے بیانات سے متناقض ہے لہذا اس معاملے میں قرآن ہی

کے بیان کو حاکم سمجھا جائے گا۔

۱۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ اَبِي اُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ: اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا سَعِيْدِ الْخُدْرِيَّ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ"، رَاَيْتُ النَّاسَ يُعْرَضُوْنَ عَلَيَّ وَ عَلَيْهِمْ قُمُصٌ" مِنْهَا مَا يَبْلُغُ الثُّدِيَّ، وَمِنْهَا مَا دُوْنَ ذٰلِكَ، وَ عُرِضَ عَلَيَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ عَلَيْهِ قَمِيْصٌ" يَجُرُّهُ قَالُوْا: فَمَا اَوَّلْتَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الدِّيْنَ

﴿حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا تو رویا دیکھی کہ لوگ میرے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں اور ان کے جسم پر قمیصیں ہیں۔ جن میں سے بعض چھاتی تک اور بعض اس سے بھی کم ہیں۔ پھر میرے سامنے عمر بن خطاب پیش کیے گئے تو ان کی قمیض اتنی لمبی تھی کہ وہ گھسٹ رہی تھی۔ لوگوں نے سوال کیا کہ حضور، آپ نے اس قمیض کی کیا تعبیر فرمائی تو آپ نے فرمایا کہ دین۔﴾

وضاحت:

یہ واقعہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ علم دین کے اعتبار سے نہایت بلند ہے۔ ان کے لیے روایات میں آتا ہے کہ وہ "محدث" بھی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کا تیر دینی امور میں بے خطا ہوتا تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنا علم کس طریقے سے ان کو ملا تھا۔ ان کو قرآن و حدیث کا اصل علم حاصل تھا اور اسی کی روشنی میں انہوں نے پوری مملکت کے انتظامات کیے اور اس طرح کیے کہ کسی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

امام بخاریؒ یہ روایت تفاضل اعمال کے باب کے تحت یہ ثابت کرنے کے لیے لائے ہیں کہ جس طرح علم کسی کا کم اور کسی کا زیادہ ہوتا ہے اسی طرح ایمان بھی کسی کا کم اور کسی کا زیادہ ہوتا ہے۔ ہمارے زمانے میں صدقی صد کرامیہ کا مذہب اختیار کر لیا گیا ہے جس میں عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ نجات کے لیے قول ہی کافی ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ ایمان گھٹتا بھی ہے، بڑھتا بھی ہے اور فنا بھی ہو جاتا ہے۔

ایمان کی طرح گناہ بھی چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ بڑے اور چھوٹے گناہ کا مطلب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ گناہ وہ چیز ہے جس سے خالق یا مخلوق کے حقوق پر کوئی زد پڑتی ہے۔ اس کے واقع ہونے کا ایک طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ جذبات میں آدمی گناہ کر جاتا ہے۔ اگر وہ فوراً توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ پر واجب ہو جاتا ہے کہ اسے معاف کر

دے۔ اگر وہ اسی گناہ پر مرجاتا ہے تو قرآن میں صاف صاف بیان ہوا ہے کہ اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ چھوٹے گناہ مل کر بڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک شخص زندگی بھر ایک گناہ کرتا رہے اور اسی کو اوڑھنا بچھونا بنالے تو گناہ آکاس بیل کی طرح اس پر مسلط ہو جاتا ہے۔ جس درخت پر یہ بیل چڑھ جائے اس کو فنا کر دیتی ہے اسی طرح قرآن مجید کی رو سے کسی گناہ نے آپ کا احاطہ کر لیا تو وہ اگرچہ چھوٹا ہو بڑا بن جائے گا اور آپ کے ایمان کی جڑیں کھوکھلی کر دے گا۔

۱۵۔ باب: اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ

باب: حیا ایمان کے تقاضوں میں سے ہے

اس باب میں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ آیا حیا ایمان کا جزو ہے یا اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ یا اس کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہے۔ میں نے اپنی کتاب تزکیہ نفس میں ایمان کی مقتضیات بیان کی ہیں۔ وہاں میں نے حیاء کو ایمان کا جزو نہیں مانا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان کے فروع ہیں، اس کی شاخیں ہیں، اس کے تقاضے ہیں، اس کے مطالبے ہیں، لیکن اگر آپ ان کو جزو کہیں تو ایک منطقی بحث چھڑ جاتی ہے۔ ہمارے متکلمین یہ مانتے ہیں کہ ایمان ''جزو لا یتجزیٰ'' ہے اس لیے ایمان کا تجزیہ نہیں ہو سکتا۔ حیا کو ایمان کا جزو ماننے کے بعد کرامیہ اور مرجئہ کے مذہب کی تائید نکل آتی ہے، اس لیے کہ وہ بھی یہی بات کہتے ہیں۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حیا ایمان کا تقاضا اور مطالبہ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو ایمان پورا نہیں ہوتا۔ اسی لیے میں نے باب کی عبارت کا ترجمہ ''حیا ایمان کے تقاضوں میں سے ہے'' کیا ہے۔

۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ: اَخْبَرَنَا مَالِكُ بْنُ اَنَسٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ اَبِيْهِ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ، وَهُوَ يَعِظُ اَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ

﴿ سالم بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انصار کے ایک شخص پر گزرے تو وہ آدمی اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں تنبیہ کر رہا تھا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو، حیاء تو ایمان کا ایک تقاضا ہے۔ ﴾

وضاحت:

اس روایت کے دو مطلب نکل سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ آدمی بھائی کو ملامت کر رہا ہو گا کہ تو نالائق ہے، عورتوں کی طرح شرماتا ہے، دنیا کا کیا کام کرے گا۔ بہادر مرد ہو۔ دوسرا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس کو بے حیائی

پر سرزنش کر رہا تھا۔ میں پہلے مطلب ہی کو ترجیح دیتا ہوں۔ یعنی یہ کہ وہ صحابی بھائی کے زیادہ شرمیلے پن پر ملامت کر رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: چھوڑو حیا ایمان کے تقاضوں میں سے ہے۔ اب رہ گیا کہ حیا کیوں ایمان کے تقاضوں میں سے ہے، اس کے کیا لوازم ہیں اور اس کی زندگی پر کیا اثرات پڑتے ہیں تو یہ مفصل بحث چاہتا ہے۔ یہ بحث میں اپنی کتاب تزکیۂ نفس میں لکھ چکا ہوں۔

۱۲ باب: فَاِنْ تَابُوا وَ اَقَامُوا الصَّلَاةَ وَ آتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيْلَهُمْ (التوبہ: ۵)

باب: پس اگر مشرکین توبہ کرلیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو

یہ سورہ توبہ کی آیت نمبر ۵ کا ایک ٹکڑا ہے۔ خلوا سبیلھم سے مراد یہ ہے کہ پھر ان سے تعرض نہ کرو یعنی ان سے قتال کا حکم باقی نہ رہے گا۔

۱۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُسْنَدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُو رَوْحٍ الْحَرَمِيُّ بْنُ عُمَارَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ وَاقِدِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ: سَمِعْتُ اَبِي يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ، وَيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَاِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ، وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ

﴿ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم ہوا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں اس وقت تک جب تک وہ شہادت نہ دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب یہ کام کرنے لگیں تب ان کا خون اور مال مجھ سے محفوظ ہے، الا یہ کہ اسلام کے حق کے تحت ہو۔ اور ان (کے باطنی امور) کا حساب اللہ پر ہے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں ''الناس'' سے اگر سب لوگ مراد لے لیے جائیں یعنی مشرکین عرب بھی اور یہود و نصاریٰ، مجوس اور ہندو بھی تب تو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کا عمل اس کے خلاف پڑتا ہے۔ اس لیے کہ اس روایت کا تقاضا ہے کہ جب تک سب لوگ اللہ اور اس کے رسول کی شہادت اور نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی نہ کریں ان کی جان نہ چھوڑی جائے۔ لیکن عملاً ایسا نہیں کیا گیا۔ کتنی قومیں ہیں جو اہل صلح میں شامل ہیں اور ان سے معاہدے کیے گئے۔ صحابہ کے دور

میں مجوس کا معاملہ پیش آیا تو ان کو بھی مشابہ اہل کتاب قرار دے کر معاہدہ کیا گیا اور پھر تمام غیر مسلموں کو مشابہ اہل کتاب قرار دے کر یہی معاملہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ "الناس" کا لفظ ہے تو عام، لیکن مفہوم اس کا خاص ہے۔ آنحضرت کا فرمان سورۃ توبہ کی آیت ۵ پر مبنی ہے۔ یہ سورہ اتری ہی مشرکین مکہ کے بارے میں ہے اس لیے یہاں پر مشرکین مکہ کے سوا کسی اور کو مراد لینے کا موقع ہی نہیں ہے۔ چونکہ مشرکین مکہ کی طرف آنحضرت ﷺ کی بعثت خصوصی اور براہ راست تھی اور آپ نے خود براہ راست ان پر حجت تمام کی تو سنت الٰہی یہ ہے کہ جس قوم کی طرف رسول براہ راست بھیجا جاتا اور اس کے ذریعے سے حجت تمام کر دی جاتی ہے تو پھر رسول کی نافرمانی کی صورت میں اس قوم کے لیے دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ کا کوئی عذاب آ کر ان کو ختم کر دیتا ہے، جس کی مثال عاد، ثمود، مدین وغیرہ کے ہاں ملتی ہے۔ یہ سب قومیں عذاب الٰہی سے ختم ہوئیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نبی کے ساتھی اتنی طاقت اور جمعیت رکھتے ہوں کہ لڑ کر مشرکین کو ختم کر سکیں تو لڑ کر ختم کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کے ہاں ملتی ہے۔ اس معاملہ میں معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت میں لوگوں پر حجت تمام کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ان کے اندر رسول مبعوث کر دینا ہے۔ اس کے بعد تو صرف کشف حقیقت باقی رہ جاتا ہے اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے۔ لہٰذا رسول کی تکذیب کے بعد قوم کے لیے یہی مقدر ہوتا ہے کہ اس کو ختم کر دیا جائے۔ چاہے عذاب الٰہی سے، یا رسول اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ قتال میں۔ مشرکین مکہ کا مقدر یہی قتال تھا۔

دوسری اہم بات، جو اس روایت سے معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ اسلام میں مکمل شہریت کے حقوق حاصل کرنے کے لیے صرف کلمہ ادا کرنا کافی نہیں بلکہ اقامت صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا منکر باغی قرار پائے گا اور اس سے جنگ ہوگی جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کیا۔ کسی اسلامی حکومت میں اس چیز کی گنجائش نہیں کہ کوئی شخص نماز کو یا زکوٰۃ کو علانیہ چھوڑ دے۔ ایسا شخص کتنا ہی بڑا آدمی ہو حکومت اس سے لازماً باز پرس کرے گی۔

۱۷۔ باب: مَنْ قَالَ اِنَّ الاِیْمَانَ هُوَ العَمَلُ

لِقَولِ اللّٰہِ تَعالَی وَتِلْکَ الْجَنَّۃُ الَّتِی اُورِثْتُمُوھَا بِمَا کُنْتُم تَعْمَلُونَ وَ قَالَ عدۃ من اَھلِ العِلم فی قولہ تعالی فَوَ رَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ عَمَّا کَانُوا یَعْمَلُونَ عَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَقَالَ لِمِثْلِ ھٰذَا فَلْیَعْمَل العَامِلُون

باب: جن لوگوں کا دعوی یہ ہے کہ ایمان عمل کا نام ہے

دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون" (الزخرف: ۷۲) "یہ جنت، جو تم کو وراثت میں ملی ہے بوجہ اس عمل کے ہے جو تم کرتے تھے"۔ اور متعدد اہل علم نے اللہ تعالیٰ کے قول "فو ربک لنسئلنھم اجمعین عما کانوا یعملون" (الحجر: ۹۳) "تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور پوچھیں گے جو کچھ وہ عمل کرتے رہے" کے متعلق یہ کہا ہے کہ اس سے مراد لا الہ الا اللہ، ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے "لمثل ھذا فلیعمل العاملون" (الصافات: ۶۱) "عمل کرنے والوں کو اسی طرح عمل کرنا چاہیے"۔

پہلی آیت میں جنت کی وراثت کا تعلق دین پر عمل کرنے سے ہے۔ اس کو صرف ایمان سے تعبیر کرنا مناسب نہیں۔ البتہ اس سے یہ بات نکلتی ضرور ہے کہ عمل ایمان کے مقتضیات میں سے لازم ہے۔ دوسری آیت "جو کچھ عمل وہ کرتے رہے" سے لا الہ الا اللہ پر ایمان مراد لینا صحیح نہیں۔ متعدد اہل علم کی رائے ہو تو ہوا کرے۔ بخاری میں تفسیر کے متعلق اس طرح کی جو روایات آئی ہیں وہ بیشتر اہل تاویل کے اقوال ہیں جن میں بعض کی نسبت بھی مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ اس آیت میں "یعملون" سے ایمان مراد لینے کا کوئی تک نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس لفظ میں دین کے سب اعمال مراد ہیں جن میں ایمان بھی شامل ہے اور ان سب کے متعلق آخرت میں سوال ہوگا تو آیت کی یہ تعبیر درست ہوگی۔

۱۹۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ یُونُسَ وَ مُوسَی بْنُ اِسْمَاعِیلَ قَالَا: حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیمُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ سَعِیدِ بْنِ الْمُسَیِّبِ، عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ: اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ؟ فَقَالَ: اِیْمَانٌ بِاللّٰهِ وَ رَسُولِهِ. قِیلَ: ثُمَّ مَاذَا؟. قَالَ: اَلْجِهَادُ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ. قِیلَ: ثُمَّ مَاذَا؟. قَالَ: حَجٌّ مَبْرُورٌ"

﴿حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے اوپر ایمان۔ پھر سوال کیا گیا، اس کے بعد؟ فرمایا، اللہ کے راستے میں جہاد۔ پھر پوچھا گیا، اس کے بعد کون سا؟ فرمایا، حج خالص۔﴾

وضاحت:

حج مبرور سے مراد ایسا حج ہے جس میں گناہ یا کسی کی حق تلفی کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔ اس روایت میں یہ مشکل ہے کہ ایسے ہی سوالات آنحضرت ﷺ سے مختلف مواقع پر کیے گئے تو آپ نے ان کے مختلف جواب دیے، تو یہ

اختلاف کیوں ہے؟ اس روایت میں ایک خاص بات یہ ہے کہ ایمان باللہ کے بعد جہاد کا ذکر ہے حالانکہ ایمان اور جہاد میں بڑا فاصلہ ہے۔ جہاد زندگی کے ان اعمال میں سے نہیں جن پر زندگی میں مداومت واجب ہے۔ یہ ان اعمال میں سے ہے کہ جب ضرورت پیش آئے تو بڑی نیکی، اور جب نفیر عام ہو جائے تو سب سے بڑا فرض بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس نماز، روزہ، زکوۃ روزمرہ کی چیزیں ہیں جن پر مداومت دین میں مطلوب ہے۔ اس سے بھی عجیب تر یہ بات ہے کہ روایت میں جہاد کے بعد حج مبرور کا ذکر آیا ہے، حالانکہ حج بھی بعض حالات میں فرض نہیں ہوتا۔ اس کی فرضیت کی بہت سی شرطیں ہیں۔ پھر یہ کہ زندگی میں یہ ایک مرتبہ کافی ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ بہت بڑی نیکی ہے لیکن دوسری عبادتوں کے مقابل میں اس کو افضل ترین تو قرار نہیں دیا جا سکتا۔

میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ سوالوں کے جواب سائل کے لحاظ سے دیے جاتے ہیں۔ سائل کا سوال کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن جواب دینے والا حکیم ہو تو وہ جانتا ہے کہ اس کا کیا جواب دینا ہے۔ اس کی نظیریں حدیث میں بہت ملتی ہیں۔ اہل بدو میں سے کوئی آتا ہے تو نبی ﷺ اس کا جواب اور طریقے سے دیتے ہیں تاکہ وہ واپس جا کر لوگوں کو سکھائے۔ اہل علم میں سے کوئی بات پوچھتا ہے تو حضور اسی سوال کا جواب اور طریقے سے دیتے ہیں۔ میرے نزدیک اس روایت کی کوئی معقول توجیہ ہو سکتی ہے تو یہی ہے کہ آنحضرت نے جواب سوال کرنے والے شخص اور موقع کے لحاظ سے دیا ہے۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ روایت نامکمل ہو اور اس میں تمام پہلو صحیح طور پر تعبیر نہ کیے جا سکے ہوں۔

۱۸۔ باب: اِذَا لَمْ یَکُنِ الْاِسْلَامُ عَلَی الْحَقِیْقَةِ وَ کَانَ عَلَی الْاِسْتِسْلَامِ اَوِ الْخَوْفِ مِنَ الْقَتْلِ

لِقَولِهٖ تَعَالٰی قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا فَاِذَا کَانَ عَلَی الْحَقِیْقَةِ فَهُوَ عَلٰی قَوْلِهٖ جَلَّ ذِکْرُهٗ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ

باب: جب اسلام حقیقی نہ ہو بلکہ اطاعت پر مجبوری یا قتل کا خوف اس کا باعث ہو،

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (الحجرات:۱۴) (بدو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ ان کو بتا دو کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم نے اطاعت کر لی ہے)۔ جب اسلام حقیقی ہو گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطابق ہو گا کہ: اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰهِ الْاِسْلَامُ، نیز وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ" (آل عمران:۱۹) "اللہ کے

نزدیک اصل دین اسلام ہے اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا''۔

باب کی عبارت میں جن دو آیات کا حوالہ ہے وہ الحجرات کی آیت ۱۴ اور آل عمران کی آیت ۱۹ ہیں۔ جہاں تک ان آیات کی تفسیر کا معاملہ ہے اس کے لیے تفسیر کی کتابیں دیکھنی چاہئیں۔ اہل تاویل میں سے ہوسکتا ہے کسی کا قول وہ ہو جو امام صاحب نے بیان کیا ہے۔ اپنی جگہ یہ بات ٹھیک ہے کہ ایمان حقیقی بھی ہوتا ہے اور غیر حقیقی بھی۔ ظاہر عمل کو ایمان نہیں کہا جاسکتا، ہوسکتا ہے کہ طمع، آزمائش یا خوف کے سبب سے آدمی اسلام کا اظہار کر رہا ہو۔ آج کل اسلام ایک زبانی دعویٰ ہے۔ نہ اس میں کچھ حقیقت ہے، نہ ایمان، نہ اسلام۔

۲۰۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْیَمَانِ قَالَ: اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ' عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ: اَخْبَرَنِیْ عَامِرُ بْنُ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ، عَنْ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَعْطٰی رَهْطًا وَ سَعْدٌ' جَالِسٌ' فَتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَجُلًا هُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَیَّ، فَقُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَالَکَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا؟ فَقَالَ: اَوْ مُسْلِمًا فَسَکَتُّ قَلِیْلًا ثُمَّ غَلَبَنِیْ مَا اَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِیْ فَقُلْتُ: مَالَکَ عَنْ فُلَانٍ؟ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرَاهُ مُؤْمِنًا: فَقَالَ: اَوْ مُسْلِمًا، فَسَکَتُّ قَلِیْلًا، ثُمَّ غَلَبَنِیْ مَا اَعْلَمُ مِنْهُ فَعُدْتُ لِمَقَالَتِیْ، وَ عَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: "یَا سَعْدُ اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ، وَ غَیْرُهٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْهُ خَشْیَةَ اَنْ یَکُبَّهُ اللّٰهُ فِی النَّارِ". وَرَوَاهُ یُوْنُسُ وَ صَالِحٌ' وَ مَعْمَرٌ' وَابْنُ اَخِی الزُّهْرِیِّ عَنِ الزهری.

﴿ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو عطیہ دیا جب کہ سعد وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو چھوڑ دیا جب کہ میرے نزدیک وہ بڑا پسندیدہ آدمی تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ، کیا بات ہے کہ آپ فلاں آدمی سے اعراض فرما رہے ہیں۔ خدا کی قسم میں تو ان کو مومن خیال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا مسلم کہو۔ میں تھوڑی دیر خاموش رہا لیکن پھر اس شخص کے بارے میں میری معلومات مجھ پر غالب آ گئیں اور میں نے اپنی بات دہرائی۔ کہا، کیا بات ہے آپ فلاں سے اعراض کر رہے ہیں۔ خدا کی قسم میں ان کو مومن خیال کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا، مسلم کہو۔ میں تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر میری معلومات میرے اوپر غالب آ

تیں اور میں نے پھر اپنی وہی بات دہرائی اور رسول اللہ نے بھی وہی جواب دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اے سعد! میں بسا اوقات ایک شخص کو دیتا ہوں درآں حالیکہ دوسرا مجھے زیادہ محبوب ہوتا ہے، محض اس اندیشے کی وجہ سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں اوندھا نہ کر دے۔ ؎

وضاحت:

آنحضرت ﷺ نے تین بار حضرت سعدؓ سے یہ فرمایا کہ قطعیت کے ساتھ کسی آدمی کو مومن کہنے کی بجائے مسلم کہو۔ اگر ایمان ہوگا تو مسلم کہنے میں خود ہی مراد ہوگا اور اگر نہیں ہوگا تو ایک غلط دعویٰ کا الزام نہیں آئے گا۔ ایمان قلبی یقین سے پیدا ہوتا ہے جبکہ ایمان کا اظہار محض زبانی دعویٰ سے بھی کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اسلام کامل فرمانبرداری اور سرافگندگی کے لیے تو آتا ہی ہے لیکن اس لفظ کا ایک استعمال ظاہری اطاعت کے لیے بھی ہے جو کسی غالب قوت کے لیے کی جاتی ہے۔ لہذا کسی شخص کو مومن کہنے کی نسبت مسلم کہنا زیادہ حقیقت پسندانہ بات ہے۔

نبی ﷺ نے کمتر محبوب آدمی کو عطیہ دینے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر اس کو نہ دیا تو اس کے بدگمانی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ ممکن ہے کہ طرح طرح کی تہمتیں تراشے۔ مجھے جانبدار کہے اور دوسروں کی رعایت کرنے والا سمجھے اور یہ چیز اس کو جہنم میں لے جائے۔ یعنی ایسے آدمی کو حضور تالیف قلب کی غرض سے دیتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ بہتر آدمی کو اپنی اعتبار سے اس کی کسی خامی کے باعث نظر انداز کیا جا رہا تھا۔ یوں بھی دیکھا جائے تو ایک حقیقی مومن سے یہ بات بعید ہے کہ وہ نبی ﷺ کے کسی فعل کو جانب داری پر محمول کرے۔

۱۹۔ باب: إِفْشَاءُ السَّلَامِ مِنَ الْإِسْلَامِ

وَقَالَ عَمَّارٌ: ثَلَاثٌ مَنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْإِيمَانَ: الْإِنْصَافُ مِنْ نَفْسِكَ، وَبَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ، وَالْإِنْفَاقُ مِنَ الْإِقْتَارِ.

باب: سلام کا پھیلانا اسلام میں سے ہے

اور عمارؓ کہتے ہیں کہ تین چیزیں جس نے جمع کر لیں تو اس نے ایمان کو جمع کر لیا۔ ایک یہ کہ خود اپنے نفس کے بارے میں انصاف کرے۔ دوسرے سلام کو پھیلائے تمام عالم کے لیے اور تیسرے غربت کے باوجود انفاق کرے۔

حضرت عمارؓ کی روایت مرفوع معلوم نہیں ہوتی۔ یہ ان کا قول ہے۔ جہاں تک سلام کے پھیلانے کا تعلق ہے اس کی روایت اوپر باب ۵ میں گزر چکی ہے۔ دیکھیے روایت ۵۔ حضرت عمارؓ کے قول میں بیان کردہ تینوں چیزیں

معاشرے کے تعلق سے بڑی نمایاں خوبیاں ہیں۔ افشائے سلام کیا جائے تو یہ اللہ کی برکت اور اسلامی اخوت کا بڑا ذریعہ ہے۔ اپنے نفس کے بارے میں انصاف کرنا عدل کا بڑا اعلیٰ معیار ہے۔ لوگ دوسروں کے بارے میں تو عدل کر لیتے ہیں لیکن اپنے نفس کا احتساب نہیں کرتے۔ غربت میں انفاق کی تحسین قرآن مجید نے بھی کی ہے۔ یہ تینوں باتیں عمارؓ نے بڑی حکیمانہ کہی ہیں۔

۲۱۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ أَبِي الْخَيْرِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَيُّ الْإِسْلَامِ خَيْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَمْ تَعْرِفْ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا اسلام سب سے اچھا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کھانا کھلاؤ اور سلام کہو ان سے بھی جن کو تم جانتے ہو اور ان سے بھی جن کو نہیں پہچانتے ہو۔﴾

وضاحت:

یہ روایت نمبر ۵ پر گزر چکی ہے۔ کھانا کھلانے سے مراد مطلب براری کے لیے ہوٹلوں میں پارٹیاں دینا نہیں بلکہ اس ارشاد نبوی میں غریبوں کو کھانا کھلانے کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

دوسری فضیلت سلام کرنے کی ہے۔ میرے نزدیک اس میں زور اس بات پر ہے کہ سلام کرنے میں واقف اور ناواقف میں تفریق نہیں کرنی چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ آپ صرف اپنے جانے پہچانے لوگوں کو سلام کریں اور دوسروں سے اعراض کریں۔ حکم کا یہ منشا نہیں کہ آپ ہر راہ چلتے کا پیچھا کر کے اس کو جا سلام کریں۔ سلام کا ایک موقع و محل ہوتا ہے۔ آپ کسی سے ملنے جائیں تب سلام کرنے کا موقع ہے۔ مسجد میں یا کسی مجلس میں جائیں تب سلام کا موقع ہے۔ ایسے مواقع پر صرف شناسا آدمی کو سلام کرنا صحیح نہیں۔ البتہ حکم کا مدعا یہ ہے کہ سلام عام ہونا چاہیے۔ یہ بات آداب میں سے ہے کہ سب کو سلام کریں اور پھر مجلس میں جو واقف ہوں ان سے مصافحہ بھی کر لیں۔

۲۰۔ باب: كُفْرَانِ الْعَشِيرِ وَ كُفْرٍ دُونَ كُفْرٍ فِيهِ أَبُو سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

باب: خاوند کی ناشکری اور ایک کفر کا دوسرے کفر سے کم ہونا۔ یہ بات حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کی۔

مطلب یہ ہے کہ اس باب میں دو قسم کی روایات ہیں۔ ایک تو خاوند کی ناشکری کی کہ وہ بھی کفر میں شامل ہے، حالانکہ یہ چیز اصلی کفر سے بہت ہلکی ہے۔ دوسری قسم کی روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک کفر دوسرے کفر سے کم و بیش ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح ایمان کے مدارج ہیں اسی طرح کفر کے بھی مدارج ہیں۔

۲۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اُرِيْتُ النَّارَ فَاِذَا اَكْثَرُ اَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ"، قِيْلَ: اَيَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ؟ قَالَ: يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ، وَ يَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ، لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ: مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ.

﴿حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا تو میں نے دیکھا کہ اس میں اکثریت ان عورتوں کی ہے جو کفر کرتی ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیا وہ اللہ کا کفر کرتی ہیں۔ فرمایا نہیں وہ شوہر کی اور احسان کی ناقدری کرتی ہیں۔ اور ان کا حال یہ ہے کہ زندگی بھر ان پر احسان کرو، پھر وہ تم میں ذرا سی بات دیکھ لیں تو کہیں گی کہ تم سے میں نے کبھی کوئی نیکی دیکھی ہی نہیں۔﴾

وضاحت:

اس روایت کا مفہوم واضح ہے کہ آنحضرت ﷺ کو دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا۔ آپ نے دیکھا کہ وہاں اکثریت عورتوں کی ہے جن کا گناہ یہ ہے کہ وہ خاوندوں کی ناشکری کرتی رہیں اور اس احسان کی ناقدری کرتی تھیں جو ان کے شوہروں نے ان پر کیا۔

اس روایت میں کئی پہلوؤں سے اشکال موجود ہیں۔ مثال کے طور پر آنحضرت ﷺ نے خود ہی شوہر کی ناشکری کو عورتوں کی ایک عام عادت بیان فرمایا ہے۔ شوہر سے ذرا سی کوتاہی ہو جائے تو بہت سی عورتیں عادتاً اس طرح کے جملے بولتی ہیں کہ تمہارے جیسا نالائق میں نے عمر بھر نہیں دیکھا، تمہارے ہاتھوں کوئی خیر بھی دیکھا ہی نہیں، وغیرہ۔ یہ بات غلط اور مبالغہ آمیز ہوتی ہے لیکن بالعموم وقتی جذبے کے تحت منہ سے نکل جاتی ہے۔ خود یہ بات کہنے والی عورتوں کے نزدیک بھی اس کے کچھ حقیقی معنی نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ اس کا کوئی مستقل اثر باقی رکھتی ہیں۔ فوراً ہی ان کا رویہ شوہر سے پہلے کا سا ہو جاتا ہے۔ تو کیا عادتاً کہی ہوئی یہ بات فی الواقع اس قدر سنگین ہے کہ وہ عورتوں کو جہنم میں لے جائے گی؟

سورہ قارعہ کی روشنی میں جس شخص کے اعمال میزان میں ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا۔ قرآن

میں یہ بات بھی واضح طور پر فرمائی گئی ہے کہ جو شخص ایک دفعہ جہنم میں داخل ہو گیا تو اس کے لیے اس میں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔ قرآن نہایت قطعیت کے ساتھ کہتا ہے خالدین فیھا (اس میں ہمیشہ رہیں گے) لابثین فیھا احقابا (اس میں مدتوں رہیں گے) اس طرح جہنم میں بظاہر اتنے ہلکے جرم کی بنا پر ڈالا جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ روایت میں شوہر کی ناشکری کو کفر کہا گیا ہے جب کہ حقیقی کفر اللہ کا انکار اور اللہ کی ناشکری ہے۔ شوہر کی ناشکری اگر ہے تو گناہ صغیرہ ہے تو کیا گناہ صغیرہ دخول اور خلود فی النار کا سبب ہوگا؟

میرے نزدیک روایت میں کچھ جھول ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شوہر کی ناشکری کی جو ملامت کی ہو وہ ہو تو لگ بھگ اسی طرح کی، لیکن راوی نے بات ٹھیک ٹھیک اخذ نہ کی ہو۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی توجیہ اذا کثرت الصغیرہ صارت کبیرہ (چھوٹے گناہ زیادہ ہوکر بڑے بن جاتے ہیں) کے اصول پر کرتے ہیں۔ اس اصول کی دلیل سورہ بقرہ کی آیت مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ (جس شخص نے گناہ کیا اور اس کے گناہ نے اس کا احاطہ کر لیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں) میں موجود ہے۔

خَطِيْٓـَٔتُهٗ گناہ کے لیے معمولی لفظ ہے، کوئی بڑا سنگین لفظ نہیں۔ احاطہ کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے گناہ پر اصرار کرتا رہے، اس کو توبہ کی توفیق نہ ہو اور اسی گناہ پر مرے۔ جس طرح آکاس بیل کسی پودے پر چڑھ جائے تو اس کو چوس کر اس کا رس ختم کر دیتی ہے اور وہ پودا سوکھ جاتا ہے، اسی طرح کسی معصیت کو اوڑھنا بچھونا بنا لینا انسان کو لے ڈوبتا اور اس کو جہنم میں پہنچا دیتا ہے۔ اس آیت کی روشنی میں روایت کی توجیہ یہ ہوگی کہ جو عورتیں زندگی بھر شوہر کی ناشکری پر مصر رہتی ہیں وہ اس کو اپنے لیے ایسی معصیت بنا لیتی ہیں جس کا انجام بڑے گناہوں جیسا ہوتا ہے۔

حضور ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ جہنم میں اکثریت عورتوں کی تھی تو معلوم ہوتا ہے آپ کا یہ تبصرہ اس حصہ دوزخ پر ہے جس کا مشاہدہ آپ کو کرایا گیا۔ اس حصہ میں آپ کو وہ لوگ دکھائے گئے ہوں گے جو چھوٹے گناہوں پر اصرار کرنے کے نتیجہ میں دوزخ کے مستحق بن گئے ہوں گے۔ اس گروہ میں عورتوں کی اکثریت رہی ہوگی۔ معراج کی روایت میں اس بات کی مثالیں موجود ہیں کہ حضور کو مختلف اقسام کے گناہوں کے نتائج کا مشاہدہ کرایا گیا۔

۲۱۔ باب: اَلْمَعَاصِي مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَ لَا يُكَفَّرُ صَاحِبُهَا بِارْتِكَابِهَا اِلَّا بِالشِّرْكِ لقول النبی ﷺ اِنَّكَ امْرُؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ" و قال الله عزوجل اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

باب: چھوٹے گناہ امر جاہلیت میں سے ہیں۔ ان کے مرتکب کی تکفیر نہیں کی جائے

گی الا آنکہ وہ شرک کرے۔ اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد (حضرت ابوذر غفاریؓ سے) ہے
اِنَّکَ امْرُؤٌ "فِیْکَ جَاهِلِيَّةٌ" (تم ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت کی بو ہے) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان
ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ" (النساء:۴۸)
(اللہ شرک کو نہیں بخشے گا اور دوسرے چھوٹے گناہ جس کے چاہے گا بخش دے گا۔)

امام صاحب نے یہ بات معتزلہ کے رد میں کہی ہے۔ معتزلہ معاصی یعنی چھوٹے گناہوں پر تکفیر کرتے تھے۔ امام صاحب نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ معاصی کا شمار امور جاہلیت میں ہے۔ ان کے ارتکاب پر تکفیر کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ گناہ تو آدمی سے ہوتے ہی رہتے ہیں، کبھی جہل سے، کبھی غفلت سے۔ تکفیر اس وقت ہوتی ہے جب ایک شخص جرم کرتا ہے اور اس کو وہ جرم نہیں مانتا، بلکہ اس کو نیکی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، جیسے کہ اس زمانے کے ملاحدہ ہیں۔

۲۳۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ وَاصِلٍ، عَنِ الْمَعْرُوْرِ قَالَ: لَقِيْتُ اَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلٰى غُلَامِهٖ حُلَّةٌ" فَسَاَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ. فَقَالَ: اِنِّيْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهٗ بِاُمِّهٖ، فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ ﷺ: "يَا اَبَا ذَرٍّ اَعَيَّرْتَهٗ بِاُمِّهٖ؟ اِنَّكَ امْرُؤٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ"، اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ، فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَاَعِيْنُوْهُمْ"

﴿معرور سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوذر غفاریؓ سے ربذہ میں ملاقات کی تو ان کا اور ان کے غلام کا سوٹ ایک جیسا تھا۔ میں نے اس کا سبب معلوم کیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک شخص سے گالم گلوچ کی اور اس کو اس کی ماں کا طعنہ دے بیٹھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے ابوذر، تم نے اس کی ماں کے بارے میں اس پر فقرہ چست کیا ہے۔ تم ایک ایسے شخص معلوم ہوتے ہو جس میں ابھی جاہلیت کی بو باقی ہے۔ یہ سن لو کہ تمہارے بھائی ہیں یہ تمہارے غلام۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ میں دے دیا ہے تو جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو تو اس کو چاہیے کہ اسے کھلاوے جو خود کھاتا ہے اور پہناوے جو خود پہنتا ہے۔ اول تو ان کو ایسے کام کی تکلیف نہ دو جو ان کو دبا دے، اور اگر کوئی ایسا کام ان کے ذمہ لگا ہی بیٹھو تو اس میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔﴾

وضاحت:

''حلہ'' عربی میں اس سوٹ کو کہتے ہیں جس کی قمیض اور تہمد ایک ہی کپڑے اور رنگ کی ہو۔

حضرت ابوذر غفاریؓ مساوات کے بڑے علمبردار تھے۔ ان کو اور ان کے غلام کو ایک ہی سوٹ میں دیکھ کر معرورؓ کو یہ بات کھٹکی کیونکہ اس زمانے میں غلام اور آقا کا بڑا فرق ہوتا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے۔ اس پر حضرت ابوذر غفاریؓ نے بیان کیا کہ دراصل بات یہ ہے کہ ایک دفعہ میں ایک غلام سے گالم گلوچ کر بیٹھا اور اس پر اس کی ماں کے متعلق فقرہ چست کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے سن لیا اور فرمایا کہ تم نے اس کو ماں کے تعلق سے عار دلایا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم میں ابھی جاہلیت کی بو باقی ہے۔ تمہارے بھائی ہیں یہ تمہارے غلام۔ ان غلاموں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھ میں دیا ہے تو چاہیے کہ مالک ان کو کھلائے اور پہنائے اس میں سے جو خود کھاتا یا پہنتا ہے۔ اخوانکم خولکم کے جملے میں زور اخوانکم پر دینے کے لیے اس کو خولکم سے پہلے کر دیا ہے۔ اس کی بہت عمدہ مثالیں قرآن مجید اور حدیث میں موجود ہیں۔ اس کے زور کو اردو میں منتقل کرنا مشکل ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر آپ کو یہ توفیق دی ہے کہ کوئی شخص آپ کے لیے کھانا پکا دیتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ کھانے میں شریک نہ ہو اور اس گوشت کباب میں سے نہ کھائے جو اس نے خود آپ کے لیے تلا ہے۔ اگر کوئی مالک اس کو محروم رکھے گا تو وہ کھانا اس کے اندر ایمان نہیں پیدا کرے گا۔ جن لوگوں نے حضور کے اس ارشاد کی تاویلیں کی ہیں یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے غلامی کے مسئلے میں اسلام کی ساری اصلاحات کو مٹا کر رکھ دیا۔

حضور ﷺ کے ارشاد کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ کوئی کام غلاموں کے سر پر ایسا نہ ڈالو جو ان کو دبا لے یعنی ان کو بھاری کام پر نہیں لگانا چاہیے۔ اور اگر یہ ناگزیر ہو تو پھر ایسے کام میں ان کی مدد کرو اور ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے۔ اس میں بھی مختلف تاویلیں کی گئی ہیں جن کی ضرورت نہیں۔ یہ الفاظ کسی شرح کے محتاج نہیں ہیں۔

حضور ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو یہ جو فرمایا کہ تمہارے اندر جاہلیت کی بو ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام نے تم کو مہذب بنایا ہے لیکن تم میں ابھی تک جاہلیت کی لٹک چلی آ رہی ہے۔ یہ کسی شخص کو اس کی غلط عادت پر متنبہ کرنے کا نہایت شائستہ طریقہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں بھی مثل مشہور ہے کہ آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن ناک لگی رہ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے دور کے فقرے ابھی تمہاری زبان پر جاری ہیں، یہ باتیں اسلام کے بعد باقی نہیں رہنی چاہئیں۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کو جو تنبیہ ہوئی اس پر انہوں نے فوراً عمل کر لیا۔ وہ وہی کچھ کھاتے اور پہنتے جو اپنے غلام کو کھلاتے اور پہناتے۔ یہ باتیں اسلامی اخلاق میں سے ہیں۔ آج اگر مارکس کے پیرو اس سے یہ استدلال کریں کہ حضرت ابوذر غفاریؓ مساوات کے علمبردار تھے تو یہ حماقت کی بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی عام تعلیم یہی ہے

اور ہر مسلمان کو یہی کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہے جو ضرورت کے وقت آپ کی مدد کرتا ہے تو سمجھئے کہ وہ آپ کا بھائی ہے اس لیے کہ وہ بھی اور آپ بھی آدم وحوا کی اولاد ہیں۔

۲۲. باب: وَ اِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوا فَاَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَسَمَّاهُمُ الْمُؤْمِنِيْنَ.

باب: اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں لڑ پڑیں تو ان دونوں میں صلح کرا دو۔ تو ان لڑنے والوں کو بھی مومنین کا نام دیا ہے

یہ سورہ الحجرات: ۹ کا حوالہ ہے۔

۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، حَدَّثَنَا اَيُّوبُ وَ يُوْنُسُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنِ الْاَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: ذَهَبْتُ لِاَنْصُرَ هٰذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِي اَبُوبَكْرَةَ فَقَالَ: اَيْنَ تُرِيْدُ؟ قُلْتُ: اَنْصُرُ هٰذَا الرَّجُلَ، قَالَ: اِرْجِعْ فَاِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: "اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ؟ قَالَ: اِنَّهٗ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ.

﴿احنف بن قیس کہتے ہیں کہ میں نکلا کہ فلاں صاحب کی مدد کروں تو مجھے ابوبکرہؓ ملے۔ انہوں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہا کہ میں ان حضرت کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا لوٹ چلو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا جب دو مسلمان اپنی تلواریں سونت کر نکل کھڑے ہوں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے۔ میں نے کہا یارسول اللہ! قاتل کی بات تو ٹھیک ہے لیکن مقتول کا یہ حال کیوں ہوگا۔ فرمایا کہ وہ بھی تو اپنے ساتھی کے قتل کا حریص تھا۔﴾

وضاحت:

حضرت احنف بن قیسؒ جس شخص کی مدد کے لیے نکلنا چاہتے تھے ان کا نام روایت میں نہیں آیا۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حضرت علیؓ ہیں، اور یہ واقعہ ان کے زمانۂ خلافت کا ہے جب مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی تھی۔

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کہ قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں، کا ایک خاص محل ہے۔ یہ اس شکل میں ہے جب دونوں کا ارادہ ایک دوسرے کو قتل کرنے کا ہو۔ اس صورت میں اگر ایک کا داؤ چل گیا اور اس نے اپنے مخالف کو قتل کر دیا تو اس سے مقتول مظلوم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس کا داؤ بھی تو کامیاب ہو سکتا تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتا تو اس کے بجائے اس کا قاتل بھی قتل ہو سکتا تھا۔

حضرت ابوبکرہؓ نے روایت کا جو مفہوم لیا ہے وہ قرآن میں بیان کردہ ہابیل اور قابیل کے قصہ کے خلاف ہے۔ اس میں ہابیل اپنے بھائی سے یہ کہتے ہیں کہ اگر تم مجھے قتل کرتے ہو تو بہر حال میں تمہارے اوپر قتل کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لو اور جہنم میں جاؤ۔ ہابیل اس قول میں مدافعت کے حق کا انکار نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ مدافعت کی صورت میں اگر تم میرے ہاتھوں مارے گئے تو گناہ تمہی پر ہوگا کیونکہ میرا ارادہ تمہیں قتل کرنے کا نہیں۔ معلوم ہوا کہ دو لڑنے والوں میں سے ایک اگر اپنا دفاع کر رہا ہے تو اس صورت پر آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا اطلاق نہیں ہوگا۔ یہی تعلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کے قتل کے واقعہ سے ملتی ہے۔ ان کا ارادہ قبطی کو قتل کرنے کا نہ تھا۔ بس ان کا گھونسا کچھ ایسا پڑ گیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

ابوبکرہؓ نے حضور ﷺ کے ارشاد کا نہ صحیح محل سمجھا اور نہ احنف بن قیسؓ کو صحیح مشورہ دیا۔ دو مسلمانوں کی لڑائی میں تیسرا مسلمان غیر جانبدار تماشائی نہیں بن سکتا۔ اس کے فرائض میں ہے کہ مداخلت کرے۔ قرآن مجید کا حکم ہے کہ لڑنے والوں میں صلح کراؤ اور اگر اس کے بعد بھی ایک فریق دوسرے فریق پر تعدی کرے تو اس سے جنگ کرو تا آنکہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف رجوع کرے۔ اس حکم کا صاف مدعا یہ ہے کہ پہلے مصالحت کی تدبیر کی جائے۔ جب صلح کا نقطہ پیدا ہو جائے تو اس کے بعد جو فریق ضد کرے اس کے مقابلہ میں مظلوم کا ساتھ دے کر جنگ کی جائے۔ میرے نزدیک دو مسلمانوں کو لڑتے چھوڑ کر گھر چلنے کے مشورہ میں علم نبوت کی روشنی نہیں ہے۔

فرض کریں ایک شخص دونوں فریقوں کو باطل سمجھتا ہے۔ وہ یہ پالیسی تو رکھ سکتا ہے کہ دونوں میں سے کسی کا ساتھ نہ دے لیکن اس صورت میں بھی اس کا اخلاقی اور ایمانی فرض یہ ہے کہ حق نصیحت ادا کرے۔ وہ غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔

۲۳۔ باب: ظُلْمٌ دُونَ ظُلْمٍ

باب: ظلم بڑا بھی ہوتا ہے اور چھوٹا بھی

اس باب میں امام صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جیسے کفر چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی، اسی طرح ظلم بھی چھوٹا بڑا ہوتا ہے۔ یہ باب بھی مرجئہ کی تردید میں ہے۔

۳۵۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ (ح) قَالَ: وَحَدَّثَنِي بِشْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا

مُحَمَّدٌ'' ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ اِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ: ''اَلَّذِيْنَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ'' قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ؟. فَاَنْزَلَ اللّٰهُ: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ'' عَظِيْمٌ''.

﴿حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت اتری کہ اَلَّذِيْنَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُوْنَ. (جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کو نہیں ملایا، تو ان کے لیے امن ہے اور وہ ہدایت پانے والے ہیں) تو رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے پوچھا، ایسا کون ہوسکتا ہے جو ظلم سے بچ رہا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ'' عَظِيْمٌ'' (شرک بہت بڑا ظلم ہے)۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں جن دو آیات کا حوالہ ہے وہ انعام ۸۲ اور لقمان ۱۳ ہیں۔ روایت میں یہ اشکال ہے کہ کیا صحابہ ظلم کا مفہوم نہیں جانتے تھے کہ انہوں نے آیت نازل ہونے پر رسول اللہ ﷺ سے سوال کردیا کہ کون ہے جو اپنے آپ کو ظلم سے بچالے۔ پھر رسول اللہ ﷺ بھی ان کے سوال کا جواب نہ دے سکے اور وحی کے ذریعے مفہوم کو واضح کرنا ضروری ہوا۔ اصل میں یہ بات نہیں بلکہ صحابہ کرام کے سوال کا مدعا یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ کی زبان سے ظلم کی تعریف جاننا چاہتے تھے کیونکہ اس سے ان کے علم میں اضافہ ہوتا تھا۔ رہا یہ سوال کہ کیا سورہ لقمان کی آیت ۱۳ صحابہ کرام کے مذکورہ سوال کے جواب میں اتری تو آیت کا یہ شان نزول صحیح نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی صحابہؓ کے سوال کا جواب تشنہ ہی رہا۔

حقیقت میں ظلم کا لفظ تین معنوں میں قرآن مجید میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ ایک یہ کہ شرک کرکے اپنی جان پر ظلم ڈھانا، دوسرے کسی کی حق تلفی کرنا یا اس پر زیادتی کرنا، اور تیسرے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہ کرنا۔ ہمارے ہاں یہ لفظ اگر صرف دوسروں کی حق تلفی یا ان پر زیادتی کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے تو یہ عجمی ذوق کے سبب سے ہے۔ ورنہ عربی میں یہ اپنے تینوں معنوں میں بلاتکلف مستعمل ہے اور صحابہ کرام اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے۔

۲۴. بَاب: عَلَامَاتِ الْمُنَافِقِ

باب: منافق کی علامتیں

۲۶۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ اَبُو الرَّبِيْعِ قَالَ: حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا نَافِعُ بْنُ

مَالِکُ بْنُ اَبِیْ عَامِرٍ اَبُوْ سُهَیْلٍ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ، وَ اِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَ اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی علامتیں تین ہیں۔ جب کوئی بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، وعدہ کرے گا تو خلاف ورزی کرے گا، اس کے پاس امانت رکھی جائے گی تو خیانت کرے گا۔﴾

وضاحت:

ایمان کے لیے عقیدے اور قول وفعل کی سچائی ضروری ہے۔ جو شخص ان سچائیوں سے خالی ہے وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے۔ عقیدے کا اظہار کرے گا تو وہ جھوٹ ہوگا، کہے گا کہ میں مومن ہوں لیکن حقیقت میں مومن نہیں ہوگا۔ نماز پڑھے گا تو محض ریاکاری کے لیے۔ اس کے کسی وعدہ پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ بڑی آسانی سے وعدہ خلافی کر دے گا۔ اسی طرح جب آپ اس کے پاس امانت رکھیں گے تو اس میں اس کو صادق اور امین نہ پائیں گے بلکہ وہ خیانت کرے گا۔ اصل میں نفاق صدق کی ضد ہے۔ اس لیے منافق کا کردار ہر اعتبار سے صدق کے تقاضوں کے برعکس ہوتا ہے۔

اگر بالفرض کسی دوسری روایت میں منافق کی تین سے زائد علامات آ جائیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ زیر بحث روایت اور اس دوسری روایت میں تضاد ہے۔ بلکہ یہ ہوگا کہ اس قدر مشترک کے تحت مزید پہلو واضح ہو جائیں گے جو اوپر بیان کی گئی۔ اسی طرح اگر کوئی منافق سچ بول دے تو یہ ایک اتفاقی امر ہوگا جو اس کے کردار سے مطابقت نہیں رکھتا۔

۲۷۔ حَدَّثَنَا قَبِیْصَةُ بْنُ عُقْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُرَّةَ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ کَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا، وَمَنْ کَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ کَانَتْ فِیْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی یَدَعَهَا: اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ کَذَبَ، وَ اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ تَابَعَهُ شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ چار باتیں جس کے اندر ہوں گی وہ پورا منافق ہے۔ اور جس کے اندر ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو اس میں

نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ نہ دے۔ جب امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو بے وفائی کرے، اور جب جھگڑے تو بے ہودہ گفتگو کرے۔

وضاحت:

اس روایت میں منافق کی علامتوں کی ترتیب بدل گئی ہے۔ ایسا روایت بالمعنی ہونے کے باعث ہے۔ راوی سب ایک ہی درجے کے نہیں ہوتے کہ وہ ترتیب کو ٹھیک طرح یاد رکھیں۔ ترتیب بدل دینے سے مفہوم میں فرق بھی پڑ سکتا ہے۔ میرے نزدیک پچھلی روایت کی ترتیب زیادہ قرین قیاس ہے۔

دوسری چیز اس روایت میں یہ ہے کہ اس میں ایک علامت کا اضافہ ہے۔ اس اضافے کو اسی اصول پر حل کریں گے جو میں نے پچھلی روایت کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی راوی نے از خود اضافہ کیا ہو۔ اس کا اسے حق حاصل نہیں۔ اس نے اپنی سمع کے مطابق روایت کی ہے۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ پچھلی روایت کے راوی نے چوتھی خصلت کو اہمیت نہ دی ہو اور حذف کر دیا ہو۔

چوتھی علامت میں فجر کے معنی ہیں اناپ شناپ بالکل جھوٹ جتھیں جڑنا۔ مطلب یہ ہے کہ جھگڑے کی صورت میں منافق غصے میں آ کر زبان پر قابو نہیں رکھتا۔ جو بات منہ میں آتی ہے بک دیتا ہے۔ اصل میں غصے میں آدمی کی صداقت کا سب سے زیادہ امتحان ہوتا ہے۔ اگر غصے میں وہ اپنی زبان پر قابو رکھ سکے اور جب سخت بات کہنے کا موقع ہو تب بھی وہی بات کہے جو کہنے کی ہے اور جھوٹ جتھیں نہ لگائے تو یہ اس کی صداقت کی دلیل ہے۔

منافق میں اور کافر میں صرف الفاظ کا فرق ہے، حقیقت کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔ البتہ منافق اور کافر کے کردار کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے۔ کافر جری ہوتا ہے اور مخالفت علانیہ کرتا ہے۔ منافق بزدل ہوتا ہے وہ مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ مومن نہیں ہوتا۔ وہ زبان سے سمع و طاعت کا اقرار کرتا ہے لیکن عمل سے حکم عدولی کرتا ہے۔

اس لحاظ سے منافق آدمی ایک کافر کے مقابلے میں اخلاقی اعتبار سے بہت گرا ہوا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں منافق کا لفظ بہت اہون ہے لیکن دین میں کردار کے لحاظ سے یہ بہت غلیظ ہے۔

۲۵۔ باب: قِيَامُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ مِنَ الْاِيْمَانِ

باب: لیلۃ القدر کا قیام ایمان میں سے ہے

۳۸۔ حَدَّثَنَا اَبُوْ الْيَمَانِ قَالَ: اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ

اَبِی هُرَیْرَۃَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : مَنْ یَقُمْ لَیْلَةَ الْقَدْرِ، اِیْمَانًا وَ احْتِسَابًا، غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان اور احتساب کے ساتھ قیام کرے گا تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔﴾

وضاحت:

اس روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک چھوٹے عمل کے بدلے میں بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے اور یہ چیز ان اسباب میں سے ہے جن کی بنا پر کوئی روایت مشتبہ ہو جاتی ہے لیکن میرے نزدیک اس روایت کو مشتبہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس میں ایمان اور احتساب کی صراحت بھی موجود ہے۔ ان دو لفظوں کے اندر پوری کائنات بند ہے۔ ایمان کے یہ معنی ہیں کہ یہ قیام صرف اللہ اور اس کی رضا کے لیے ہو۔ اس کا کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔ ریاکاری کا شائبہ نہ ہو بلکہ خالصتاً مخلصاً اللہ کے لیے ہو۔ احتساب کا مفہوم یہ ہے کہ آپ اس رات میں پوری زندگی کا احتساب کریں کہ کس کس طریقے سے گزاری ہے، کیا غلطیاں اور جرائم کیے ہیں، حقوق العباد اور حقوق اللہ میں سے کیا ادا ہوئے اور کیا باقی ہیں۔ ماضی میں غلطیاں ہوئی ہوں تو ان کے متعلق قرآن کی ہدایت کے مطابق توبہ کریں، استغفار کریں اور ساتھ ہی اصلاح کریں۔ اللہ سے معافی مانگیں اور اس کو راضی کریں۔ جب آپ اس طریقے سے لیلۃ القدر میں قیام کریں گے تو روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ آپ کے سابقہ گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ دوسری روایت میں ایمان اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھنے کا بھی یہی اجر بیان ہوا ہے۔ ایک آدمی اپنی زندگی بطالت میں گزار دیتا ہے لیکن کسی وقت اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو ارادہ کرتا ہے کہ اے رب آئندہ میں تیری مرضی کے مطابق زندگی بسر کروں گا۔ اور اس کا اہتمام یوں کرتا ہے کہ اپنے اقوال، اعمال اور تمام چیزوں کا احتساب کرتا رہتا ہے تو امید ہے کہ قرآن مجید میں توبہ کا جو قانون بیان ہوا ہے اس کے مطابق اس کو معاف کر دیا جائے گا۔

جہاں تک لیلۃ القدر کی اہمیت کا تعلق ہے اس کو یوں سمجھئے کہ خاص خاص چیزوں کے لیے خاص وقت بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جس طرح سے دنیا کے کاروبار میں وقت اور موسم کا لحاظ ہے مثلاً گندم کی تخم ریزی خاص ایام ہی میں مفید ہوتی ہے اسی طرح سے روحانیت میں بھی اوقات کا لحاظ ہے۔ عرفہ کے دن کی خاص اہمیت ہے۔ تہجد کے وقت کی خاص قدر و قیمت ہے۔ نمازوں کے اوقات کے تعین میں بھی خاص رمز ہے۔ اسی طریقے سے شب قدر بھی کائنات میں اہم مقام رکھتی ہے۔ اس رات میں عالم لاہوت سے عالم ناسوت کے لیے تمام فیصلے سماء دنیا پر نازل ہو جاتے ہیں اور ہر محکمے کو احکام مل جاتے ہیں۔ اس وجہ سے اس کے اندر برکت بہت بڑھ جاتی ہے۔ اس رات کے ملنے سے گویا تخم ریزی کا صحیح موسم آپ کو مل جاتا ہے اور یہ ایمان و احتساب کے ساتھ کی جانی چاہیے۔ جس طرح آپ موسم کا فائدہ نہ اٹھائیں تو فصل نہیں ملے گی اسی طرح ایمان و احتساب کے بغیر آدمی شب قدر کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

غفرله ما تقدم من ذنبه کی خبر کو بعض لوگ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے گناہوں تک محدود مانتے ہیں۔ میرے نزدیک اس تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب بھی آپ نے ایمان واحتساب کا فیصلہ کر لیا اور آپ اس میں مخلص ہیں تو پچھلی ساری زندگی کا حساب بے باق ہو جائے گا۔

لیلۃ القدر کے وقوع کے متعلق اتنے اختلافات ہیں کہ اس رات کو معین کرنا ممکن نہیں ہے۔ شارحین حدیث بھی ان اختلافات سے گھبرا جاتے ہیں۔ اس کے متعلق جو بات میں قطعی طور پر کہہ سکتا ہوں وہ صرف اتنی ہے کہ قرآن مجید کا نزول لیلۃ القدر میں ہوا جو رمضان میں تھی۔ یہ خبر قرآن میں ہے اور قطعی ہے۔ رمضان کے آخری عشرے میں بالعموم اور ۲۷ رمضان کو بالخصوص اس رات کا حق ادا کریں تو انشاء اللہ مفید ہوگا۔ اس سے زیادہ میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

۲۶ . باب: اَلْجِهَادُ مِنَ الْاِيْمَانِ

باب: جہاد ایمان کے تقاضوں میں سے ہے

پچھلا باب لیلۃ القدر سے متعلق تھا۔ اب باب الجہاد آ گیا۔ جہاد اور ایمان میں ایک قدر مشترک یہ ہے کہ جہاد بھی ایمان میں شامل ہے۔ لیکن ایمان میں شامل ہونے والی چیزوں کے بیان میں بھی جو منطقی ترتیب ہونی چاہیے امام بخاریؒ نے اس کا خیال نہیں رکھا۔

۳۹۔ حَدَّثَنَا حَرَمِيُّ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَارَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُو زُرْعَةَ بْنُ عَمْرِو بْنِ جَرِيرٍ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِنْتَدَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيْلِهِ، لَا يُخْرِجُهُ اِلَّا اِيْمَانٌ" بِي وَ تَصْدِيْقٌ" بِرُسُلِي، اَنْ اُرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِيْمَةٍ، اَوْ اُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، وَلَوْ لَا اَنْ اَشُقَّ عَلَى اُمَّتِي مَا قَعَدْتُ خَلْفَ سَرِيَّةٍ، وَلَوَدِدْتُ اَنِّي اُقْتَلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْيَا، ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْيَا، ثُمَّ اُقْتَلُ

﴿ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ضمانت دی ہے کہ جو شخص میری راہ میں نکلتا ہے، محض مجھ پر ایمان کے تقاضے سے اور رسولوں کی تصدیق کی بنا پر، تو میں اس کو اس کے اجر کے ساتھ یا غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں گا یا اس کو جنت میں داخل کروں گا۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنی امت کو مشکل میں ڈال دوں گا تو کوئی سریہ بھیج کر میں اس کے پیچھے نہ رہتا۔ میری تمنا یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر

شہید کیا جاؤں۔﴾

وضاحت:

جہاد کے لیے بھی ایمان کی شرط ہے۔ جہاد کے لیے نکلنا خالصتاً اللہ کی رضا کے لیے ہونا ضروری ہے۔ جو شخص غنیمت یا نمائش کے لیے نکلے گا تو ایسا نکلنا معتبر نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جہاد کے لیے نکلنا رسولوں کی تصدیق کے لیے ہو۔ یہاں لفظ رسلی کھٹکتا ہے۔ ہوسکتا ہے راویوں سے غلطی ہوگئی ہو اور اصل میں رسلی کی بجائے برسولی ہو۔ کیونکہ موقع تو برسولی ہی کا ہے یعنی نبی ﷺ کی تائید ونصرت کے لیے جہاد ہو۔ لیکن لفظ رسلی سے بھی مفہوم میں فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ ایک رسول کی تصدیق تمام رسولوں کی تصدیق ہے۔ اخلاص کے ساتھ جہاد کے لیے نکلنے والے کے لیے اجر یا غنیمت کی ضمانت ہے۔ اجر تو لازمی چیز ہے، غنیمت کا معاملہ قدرے مختلف اور حالات پر منحصر ہے۔ اگر مجاہد شہید ہوگیا تو جنت میں جائے گا۔ جہاد کے لیے جو شخص بھی جان کا نذرانہ لے کر نکلتا ہے اس کا یہی اجر ہونا چاہیے کہ جنت میں جائے اور یہ ایسا اجر ہے جس کی تمنا ہونی چاہیے۔ اور اسی تمنا کا اظہار نبی ﷺ نے بھی فرمایا۔ ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ وہ کھڑے کھجوریں کھا رہے تھے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں جہاد میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ جنت میں۔ انہوں نے کہا کہ تب کھجوریں کھانے میں تو دیر لگے گی۔ وہ کھجوریں وہیں چھوڑ کر جہاد کے لیے چلے گئے اور شہید ہوگئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بات کی آرزو رکھتا ہوں کہ ہر سریہ کے ساتھ نکلوں لیکن اس لیے نہیں نکلتا کہ ایسا کرنے سے ہر شخص کی آرزو ہوگی کہ وہ بھی میرے ساتھ نکلے۔ اور یہ امت کے لیے شاق ہوگا۔ سریہ سے مراد وہ جنگی مہم ہے جس میں آنحضرت ﷺ خود شریک نہیں ہوتے تھے۔

۲۷۔ باب: تَطَوُّعُ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنَ الْاِيْمَانِ

باب: رمضان میں نفلی قیام کرنا ایمان میں سے ہے

قیام کے تطوع سے مراد رمضان کی راتوں میں نوافل پڑھنا ہے۔

۳۰۔ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ، اِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے رمضان کے مہینے میں ایمان و احتساب کے ساتھ قیام کیا تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔﴾

۲۸ . باب: صَوْمُ رَمَضَانَ احْتِسَابًا مِنَ الْإِيْمَانِ

باب: احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھنا ایمان میں سے ہے

۳۱۔ حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، إِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب سے رکھے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔﴾

وضاحت:

مذکورہ دونوں باب اور ان کے تحت ایک ایک روایت رمضان ہی سے متعلق ہیں جب کہ رمضان ہی سے متعلق لیلۃ القدر کے بارے میں ایک الگ باب اور روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔

ان روایات میں اصل چیز ایمان اور احتساب کی شرط ہے جس کی وضاحت لیلۃ القدر کی روایت میں ہو چکی ہے۔ جس طرح دنیا کے کاروبار میں وقت اور موسم کا لحاظ ہے، اسی طرح سے روحانیت میں بھی اوقات کا لحاظ ہے۔ ماہ رمضان کی خاص برکات ہیں جس وجہ سے اس ماہ میں عبادت کرنا اور روزے رکھنا گزشتہ گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے۔

قیام رمضان سے بعض لوگوں نے تراویح مراد لی ہے۔ میرے نزدیک یہ صحیح نہیں، اس لیے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف تہجد ہی کی نماز پڑھی ہے۔ تہجد کے سوا اور کوئی نماز آپ سے ثابت نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں تہجد ہی کی نماز پڑھتے تھے۔ اس کی رکعتوں کی تعداد طبیعت اور حالات کے لحاظ سے ہوتی تھی۔ پہلے آپ تہجد گھر پر پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ جب مسجد میں آ کر پڑھنا شروع کیا تو لوگ آپ کی امامت میں نماز ادا کرنے کے لیے مسجد کی طرف دوڑ پڑے اور دو ہی دنوں میں بھیڑ ہو گئی۔ اس پر آپ نے مسجد میں آنا بند کر دیا اور فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ تہجد کی نماز تم پر واجب کر دی جائے۔ بعد میں لوگ اپنے طور پر مسجد میں آتے رہے۔ تہجد کی نماز میں قرأت بالجہر بھی ہے اس لیے کہ رتل القرآن ترتیلا کا مقصد اس کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ قرآن مجید کی ترتیل کے ساتھ تلاوت کی جائے تب جا کر ان قرآن الفجر کان مشہودا کا مقام حاصل ہوتا ہے اور آدمی محسوس کرتا ہے کہ قرآن اس کے دل پر نازل ہو رہا ہے۔ اس لیے مسجد نبوی میں عملاً یہ شکل پیدا ہو گئی کہ دو آدمی کہیں نماز پڑھ رہے ہیں، چار کہیں پڑھ رہے ہیں اور سب بالجہر پڑھ رہے ہیں تو یہ بات اسلام کے مزاج کے خلاف تھی۔ سیدنا عمرؓ نے یہ حالت دیکھی تو آپ

نے تمام لوگوں کے لیے ایک امام بنادیا۔ اسی نماز کو تراویح کا نام دیا گیا۔

میرے نزدیک رمضان میں بھی تہجد کی نماز اصل ہے اور اس کی عظمت اور قدروقیمت الگ ہے۔ نماز تراویح کو فقہاء نے جو اہمیت دی ہے وہ صحیح نہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اس پر اعتراض ہے۔ تراویح پڑھنا دین کے خلاف نہیں۔ جو لوگ تہجد کا اہتمام نہیں کر سکتے ان کے لیے قیام رمضان کا یہی طریقہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے بھی اسی حکمت سے اس کو جاری رہنے دیا۔

تہجد میں اصل چیز قرآن مجید کی تلاوت ہے اور سورہ مزمل میں اس کے بارے میں ہدایت ہے کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ یعنی اتنا قرآن پڑھو جو سہولت سے پڑھ سکتے ہو۔ اس لیے میرے نزدیک نماز کی رکعتوں کی تعداد پر الجھنا صحیح نہیں۔ جتنی رکعتیں پڑھ سکتے ہیں پڑھیں۔ اصل چیز قرآن مجید کی تلاوت ہے۔

۲۹. باب: اَلدِّیْنُ یُسْرٌ"

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَى اللّٰهِ الْحَنِيْفِيَّةُ السَّمْحَةُ

باب: دین آسان ہے

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ محبوب ترین دین اللہ کے نزدیک نہایت معتدل دین حنفی ہے۔

۳۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ مُطَهَّرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ مَعْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغِفَارِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ"، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ" اِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَ اَبْشِرُوا، وَاسْتَعِيْنُوا بِالْغُدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: دین آسان ہے اور جو کوئی دین سے دھینگا مشتی کرے گا تو یہ دین اس کو پچھاڑ دے گا۔ لوگو، سیدھی راہ اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو، اللہ سے رحمت کی امید رکھ کر بڑھو اور دین کی راہ میں اس مسافر کی روش اختیار کرو جو اپنا کچھ سفر صبح کو، کچھ سفر شام کو، اور کسی قدر رات کے آخری حصہ میں کر لیتا ہے۔﴾

وضاحت:

اللہ کا دین اپنے مزاج کے لحاظ سے بہت سہل ہے کیونکہ یہ دین فطرت ہے۔ اس میں ایسی بات کیوں کر ہو

سکتی ہے جو سب کو اڑنگا دے کر پچھاڑ دے۔ لیکن جو شخص اس کے ساتھ دھینگا مشتی کرے گا تو یہ اس کو پچھاڑ دے گا۔ وہ دین پر غالب نہیں آ سکتا۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص یہ ارادہ کرلے کہ میں تو ہر معاملہ میں آخری نقطہ پر ہی قدم رکھوں گا تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ روایت میں آیا ہے کہ بعض صحابہؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کا کیا ہے، آپ کے تو سارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ لہٰذا ہم تو ساری ساری رات نماز پڑھیں گے، زندگی بھر روزہ رکھیں گے، شادی بیاہ نہیں کریں گے۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اس زمانہ میں صوفیا کے اس طرح کے واقعات کا بہت چرچا کیا جاتا ہے کہ وہ حج کے لیے پیدل گئے تو ہر قدم پر نفل پڑھے۔ لوگ ایسے ایسے فضائل بیان کرتے ہیں جو نہ قابل یقین ہی نہیں نا قابل عمل بھی ہیں۔ اسی طرح کی چیزوں کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ دین سے دھینگا مشتی نہ کرو ورنہ مار کھا جاؤ گے۔

''سددوا'' کے معنی ہیں اسی سیدھی راہ پر چلو جو دین میں ہے۔ اس میں مبالغہ نہ کرو۔ کج پیچ نہ پیدا کرو۔ جس چیز کی جو اہمیت ہے اتنی ہی رکھو۔ پاؤ کو سیر بھر نہ بناؤ۔ دین کا مقصد خدا تک پہنچنا ہے اور خدا کے متعلق یہ آیا ہے کہ وہ راہ بھی ہے اور منزل بھی۔ لہٰذا جن لوگوں نے قطب و ابدال وغیرہ سے رشتے جوڑ رکھے ہیں تو ان کو بھی خدا کی راہ نصیب نہیں ہوگی۔ یہ دین کی سیدھی راہ میں کج پیچ پیدا کرتا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ خدا کی راہ بتانے والے رسول کے حکم کے مطابق اس راستے پر چلیے جو خدا تک پہنچانے والا ہے۔

''قاربوا'' کے معنی ہیں کہ الگ الگ مت رہو۔ قریب قریب رہو۔ نہ آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور نہ ہی پیچھے رہو۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ میانہ روی اختیار کرو، اصل منزل کو سامنے رکھو اور میانہ روی سے منزل پر پہنچو۔

''ابشروا'' کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے رب کی رحمت پر بھروسہ کر کے حوصلہ مند رہو۔ اللہ سے نا امید نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اس کے فضل و کرم اور رحمت پر انحصار کرنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ شکوک و شبہات میں مبتلا رہیں کہ معلوم نہیں میری نماز ہوئی یا نہیں۔ میرا روزہ ہوا یا نہیں۔ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ ان کا وضو ہی نہیں ہوتا۔ پانی انڈیلے چلے جاتے ہیں۔ آدمی کو اپنے رب پر بھروسا کرنا چاہیے۔ خامیاں اور کوتاہیاں تو انسان سے ہوتی رہتی ہیں۔ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اپنے عمل کو درست کریں۔ کوشش کے باوجود اگر نہ کر سکیں تو توقع رکھیں کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ اگر آپ اس بات کا یقین رکھیں تو آپ اپنی طبیعت میں بڑا اطمینان اور شرح صدر محسوس کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ نہایت سننے والا، جاننے والا، بڑا مہربان اور بے حد کریم ہے۔ آپ کے عمل سے اس کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ آپ کا عمل آپ ہی کے لیے ہے۔ اس میں جتنا بھی قابل قبول ہوگا وہ نکال لے گا اور ہمارے ساتھ اس کا معاملہ بے حد کریمانہ ہوگا۔

''غدوۃ'' صبح کے سفر کو، ''روحہ'' شام کے سفر کو اور ''دلجہ'' رات کے پچھلے حصہ کے سفر کو کہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے دین کے مسافر کی مثال صحرا کے اس مسافر سے دی ہے جو کچھ سفر صبح کے ٹھنڈے وقت میں کر لیتا ہے، پھر دوپہر کو آرام کرنے کے بعد کچھ سفر شام کو کر لیتا ہے، پھر ستانے کے بعد کچھ سفر رات کو کر لیتا ہے اور آخر کار سلامتی کے ساتھ اپنی منزل کو پالیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی صاحب یہ ارادہ کر لیں کہ میں تو دن رات چلتا رہوں گا اور ایک ہی رات میں ساری منزل طے کر لوں گا تو ایسا شخص اگر خود نہیں مرے گا تو اس کا اونٹ مر جائے گا اور اگر اونٹ نہیں مرے گا تو وہ خود مر جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ منزل پر نہیں پہنچ پائے گا۔ جب کہ میانہ روی اختیار کرنے والا شخص مایوسی اور شبہات سے بھی بچا رہتا ہے اور منزل کو بھی پالیتا ہے۔

عمل میں اصل چیز میانہ روی اور مداومت ہے۔ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ جب دین کا غلبہ ہوتا ہے تو کمرہ صاف کیا، جانماز بچھائی، وضو کے لیے لوٹا وغیرہ رکھ لیا اور دو چار دن نمازوں میں خوب لگے رہے۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو سارا سارا دن اٹا غفیل پڑے سوتے ہیں، سارا انظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ علی ھذا القیاس دوسرے کاموں میں بھی ان کا یہی حال ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کا حکم ہے کہ تھوڑا کریں لیکن مداومت کے ساتھ کریں تو پھر اس کی برکتیں دیکھیے۔

۳۰. باب: الصَّلاةُ مِنَ الایْمَانِ

وَ قَوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیعَ اِیْمَانَکُمْ (البقرہ:۱۴۳) یَعْنِی صَلَاتَکُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ.

باب: نماز ایمان میں سے ہے

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ہے'' یعنی تمہاری اس نماز کو جو اللہ کے گھر میں پڑھی گئی۔

یہ باب مرجئہ کی تردید میں ہے جو عمل کو داخل ایمان نہیں سمجھتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہر عمل کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ یہ ایمان میں سے ہے۔ یہاں یہ دکھانے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ نے خود نماز کو ایمان سے تعبیر کیا ہے انہوں نے سورہ بقرہ کی اس آیت کا حوالہ دیا ہے جو تحویل قبلہ کے سلسلے کی ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں سے فرمایا گیا ہے کہ نمازوں میں پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کی ہدایت دے کر اور اب بیت اللہ کو قبلہ قرار دے کر قبلہ کے امتحان میں تمہیں اس لیے ڈالا گیا کہ تمہارے ساتھ جو یہودی شامل ہو گئے ہیں ان کے چھٹ جانے کا بہانہ ہو۔ یہ مقصد نہیں تھا کہ تمہارا ایمان ضائع ہو۔

پہلے قبلہ کے مشترک ہونے کے باعث یہودی یہ سمجھتے تھے کہ ہمارا اور مسلمانوں کا مذہب ایک ہی ہے اور یہ ظاہر بھی کرتے رہے ہوں گے کہ ہم ایک ہی ملت ہیں۔ لیکن تحویل قبلہ کے بعد ان کا تعصب ان کے لیے حجاب بن گیا اور وہ مسلمانوں سے چھٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کا فلسفہ یہ بیان کیا ہے کہ ہمارا مقصد مسلمانوں کے ایمان کو

ضائع کرتا نہیں بلکہ ناپاک لوگوں کو الگ کرتا تھا۔ گویا یہ امتحان ان خام قسم کے لوگوں کے لیے رکھا گیا جو ایمان میں پختہ نہ تھے۔ آیت کی اس تفسیر کی روشنی میں اس میں ایمان کا لفظ نماز کے لیے نہیں آیا۔

۳۳۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحَاقَ، عَنِ الْبَرَاءِ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ: كَانَ اَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ نَزَلَ عَلٰى اَجْدَادِهٖ، اَوْ قَالَ اَخْوَالِهٖ مِنَ الْاَنْصَارِ، وَ اَنَّهٗ صَلّٰى قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا، اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا، وَكَانَ يُعْجِبُهٗ اَنْ تَكُوْنَ قِبْلَتُهٗ قِبَلَ الْبَيْتِ، وَ اَنَّهٗ صَلّٰى اَوَّلَ صَلَاةٍ صَلَّاهَا صَلَاةَ الْعَصْرِ، وَ صَلّٰى مَعَهٗ قَوْمٌ"، فَخَرَجَ رَجُلٌ" مِمَّنْ صَلّٰى مَعَهٗ، فَمَرَّ عَلٰى اَهْلِ مَسْجِدٍ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ، فَقَالَ: اَشْهَدُ بِاللّٰهِ لَقَدْ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قِبَلَ مَكَّةَ، فَدَارُوْا كَمَا هُمْ قِبَلَ الْبَيْتِ، وَكَانَتِ الْيَهُوْدُ قَدْ اَعْجَبَهُمْ اِذْ كَانَ يُصَلِّيْ قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، وَ اَهْلُ الْكِتَابِ، فَلَمَّا وَلّٰى وَجْهَهٗ قِبَلَ الْبَيْتِ، اَنْكَرُوْا ذٰلِكَ. قَالَ زُهَيْرٌ": حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحَاقَ عَنِ الْبَرَاءِ فِيْ حَدِيْثِهٖ هٰذَا: اَنَّهٗ مَاتَ عَلَى الْقِبْلَةِ قَبْلَ اَنْ تُحَوَّلَ رِجَالٌ" وَ قُتِلُوْا، فَلَمْ نَدْرِ مَا نَقُوْلُ فِيْهِمْ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى: "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ".

﴿براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اول اول جب مدینہ آئے تو آپ اپنے اجداد (ننھیال) کے پاس اترے، یا یوں کہا کہ انصار میں سے اپنے ماموؤں کے پاس اترے، اور آپ نے ۱۶یا ۱۷ مہینے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ آپ کو یہ بات پسند تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو۔ آپ نے اس قبلہ پر جو پہلی نماز پڑھی وہ عصر کی نماز تھی۔ بہت سے لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ یہ نماز پڑھی۔ ان لوگوں میں سے ایک شریک نماز کا گزر ایک مسجد والوں پر ہوا جو نماز پڑھ رہے تھے تو اس نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ کے رخ پر نماز پڑھی ہے۔ اس پر لوگ اسی حالت میں قبلے کی طرف گھوم گئے۔ یہود اور اہل کتاب کو آپ کی وہ بات پسند تھی جب آپ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ نے اپنا رخ بیت اللہ کی طرف کر لیا تو ان کو یہ بات بری لگی۔ اس حدیث میں زہیر اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ کتنے لوگ قبلہ کی تحویل سے پہلے وفات پا گئے یا شہید ہو گئے تھے۔ ہم کو معلوم نہ تھا کہ ان کے بارے میں ہم کیا کہیں۔ اس پر اللہ

تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ". (اللہ تعالیٰ تمہارا ایمان ضائع کرنے والا نہیں تھا۔)

وضاحت:

آیت کا شان نزول، جو زہیر کی روایت میں بیان کیا گیا ہے، یہ ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے کے بعد لوگوں میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ ان لوگوں کا کیا بنے گا جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور اب یا تو وفات پا چکے ہیں یا شہید ہو چکے ہیں۔ ان کی نمازیں قبول ہوئیں یا نہیں۔ میرے نزدیک یہ سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا، نہ ہو سکتا تھا، نہ اسے پیدا ہونا چاہیے تھا اور نہ ہی قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ لوگ صدق دل سے اس حکم پر عمل پیرا تھے جو رسول اللہ نے ان کو دیا تھا۔ اس صورت میں نمازیں قبول نہ ہونے کا کیا سوال ہے۔ ہم نے باب کے تحت آیت کا صحیح شان نزول، جو خود قرآن سے مستنبط ہوتا ہے، بیان کر دیا ہے۔

اس روایت میں معاملہ کا یہ پہلو مبہم چھوڑ دیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو یہ بات کیوں پسند تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی بعثت ملت ابراہیمی پر ہوئی تھی اور آپ جانتے تھے کہ ابراہیمی مرکز عبادت بیت اللہ ہے۔ لیکن اس وقت اہل کتاب کا معروف قبلہ بیت المقدس تھا۔ جب تک وحی کے ذریعے واضح ہدایت نہ آ جاتی آپ اہل کتاب کے مسلک پر عمل فرماتے تھے، لہٰذا آپ نے اسی کو قبلہ قرار دیا۔ البتہ منتظر رہے کہ کب ابراہیمی قبلہ اختیار کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ جب تک آپ مکہ میں رہے تو نمازوں میں یہ شکل ہوتی کہ آپ کا رخ بیت المقدس کی طرف ہوتا لیکن کعبہ بھی سامنے ہوتا۔ اس طرح آپ کے لیے بیک وقت بیت اللہ اور بیت المقدس دونوں قبلہ بن جاتے۔ ہجرت کے بعد ایسا کرنے کا امکان نہ رہا کیونکہ مدینہ سے بیت المقدس شمال کو اور بیت اللہ جنوب کو ہے۔ اس لیے مدینہ میں ابراہیمی قبلہ سے انقطاع آپ کے اوپر سخت شاق ہوتا۔ اسی حوالے سے قرآن مجید میں یوں آیا ہے: قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا (ہم آسمان کی طرف تمہارے رخ کی گردش دیکھتے رہے ہیں، سو ہم نے فیصلہ کر لیا کہ ہم تمہیں اس قبلہ کی طرف پھیر دیں جس کو تم پسند کرتے ہو) یہ حکم سترہ ماہ کے انتظار کے بعد آیا جس میں یہود سے آئے ہوئے لوگوں کے لیے بڑی سخت آزمائش تھی۔ اس پر وہ لوگ پورے نہ اتر سکے جن کا ایمان خام تھا۔ روایت میں سورہ بقرہ کی آیت کا حوالہ اسی حقیقت کے بیان کے لیے ہے۔

۳۱. باب: حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ

باب: آدمی کے اسلام کی خوبی

۳۴۔ قَالَ مَالِکٌ: أَخْبَرَنِي زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ: أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ

الْخُدْرِیَّ اَخْبَرَهُ: اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: اِذَا اَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ اِسْلَامُهُ، یُکَفِّرُ اللّٰهُ عَنْهُ کُلَّ سَیِّئَةٍ کَانَ زَلَفَهَا، وَکَانَ بَعْدَ ذٰلِکَ الْقِصَاصُ: اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، وَالسَّیِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ یَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا

﴿حضرت ابوسعید خدریؓ نے عطاء ابن یسار کو خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جب آدمی اسلام لاتا ہے اور اس کا اسلام ٹھیک ہو جاتا ہے تب اللہ تعالیٰ اس کی ہر برائی، جس کا وہ مرتکب ہوا ہوتا ہے، اس سے دور کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اس کے ساتھ معاملہ بدلے کی بنیاد پر ہوتا ہے کہ اس کی نیکیاں دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک معاوضہ پاتی ہیں اور برائی کا بدلہ اسی کے مثل ہوتا ہے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر فرمائے۔﴾

وضاحت:

یہاں امام صاحب نے پوری حدیث باب ہی میں نقل کر دی ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر اخلاص کے ساتھ ٹھیک ٹھیک اسلام لایا ہے تو قبل از اسلام اس کے جتنے گناہ ہوتے ہیں اسلام ان کا ہادم بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اس سے معاملہ اس اصول پر ہوتا ہے کہ جب نیکی کرے گا تو اس کا صلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک پائے گا۔ لیکن برائی کا بدلہ اس برائی کے بقدر ہوگا۔ نیکی کے اجر میں دس سے لے کر سات سو گنا تک کی نسبت مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ نیکی نیکی میں فرق ہوتا ہے۔ ایک نیکی عام حالات کے تحت کی جاتی ہے لیکن وہی نیکی نہایت ہی تنگ اور مشکل حالات میں بھی ہو سکتی ہے۔ ایک زمانہ ہوتا ہے جب کہ نیکیوں کا موسم بہار ہوتا ہے۔ اس میں ہر شخص کے لیے نیکی کرنا آسان ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ایک زمانہ وہ ہوتا ہے جب نیکی کرنا جرم بن جاتا ہے یا نیک آدمی کو اپنے لوگوں کی نظروں میں ہی تماشا بنا دیتا ہے۔ اسی طرح نیکی اپنے مفادات کو خطرے میں ڈال کر اور بہت بڑی قربانی دے کر بھی کی جا سکتی ہے۔ تو ایسے حالات میں نیکی کے اجر میں بڑا اضافہ ہو جائے گا۔ اس اجر کی مقدار کتنی ہوگی؟ یہ جاننا اس دنیا میں ممکن نہیں۔ اس کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اس کے بارے میں آخرت میں ہی معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کس نیک عمل کی کتنی قدر افزائی فرمائی ہے۔

برائی کے متعلق فرمایا کہ اس کا بدلہ اس کے بقدر ہی ملے گا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی درگزر فرمائے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس بات کی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے کیونکہ بعض اوقات برائی کے محرکات اور احوال ایسے ہوتے ہیں جس سے برائی برائی میں بڑا فرق ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم ہے، لوگوں کو بہت زیادہ مشکل میں

نہیں ڈالتا۔ لیکن اگر اس نے گرفت کی تو برائی کا بدلہ اسی کے ہم پلہ ہوگا۔ اس بدلہ کی حقیقت بھی اس دنیا میں جاننا ہمارے لیے ممکن نہیں۔

۳۵۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذَا أَحْسَنَ أَحَدُكُمْ إِسْلَامَهُ: فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، وَكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا تُكْتَبُ لَهُ بِمِثْلِهَا

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے اسلام کو ٹھیک رکھے تو جو کوئی نیکی کرے گا وہ لکھی جائے گی، دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک، اور جو برائی کرے گا وہ لکھی جائے گی جتنی وہ کرے گا۔﴾

وضاحت:

اوپر والی روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے تھی اور یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ہے۔ مضمون دونوں کا ایک ہی ہے۔

۳۲. باب: أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللَّهِ أَدْوَمُهُ

باب: اللہ کے ہاں سب سے زیادہ محبوب دینداری وہ ہے جس پر آدمی مداومت کرے

۳۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ، قَالَ: مَنْ هَذِهِ قَالَتْ فُلَانَةُ تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا، قَالَ: مَهْ، عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيقُونَ، فَوَاللَّهِ لَا يَمَلُّ اللَّهُ حَتَّى تَمَلُّوا. وَكَانَ أَحَبُّ الدِّينِ إِلَيْهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ان کے پاس آئے تو ان کے پاس ایک خاتون تھیں۔ آپ نے پوچھا، یہ کون ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ فلاں بی بی ہیں، ان کی نماز کا بڑا چرچا ہے۔ آپ نے فرمایا، چھوڑو۔ تمہارے اوپر اتنا ہی ضروری ہے جس کی تم طاقت رکھو۔ خدا کی قسم! اللہ آزردہ نہیں ہوتا جب تک تم خود کسی عمل سے آزردہ نہ ہو جاؤ۔ اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب دین وہ ہے جس

کے اوپر اس کا عمل کرنے والا مداومت کرے۔

وضاحت:

معلوم ہوتا ہے کہ ان خاتون کی نمازوں کی بڑی دھوم تھی۔ حضرت عائشہؓ نے ان کی کثرت نماز کا ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، چھوڑو۔ یہ لفظ خاصا سخت ہے۔ گویا آپ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ تمہارے اوپر فرض اتنا ہی ہے، جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے دین جتنا بھی فرض کیا ہے وہ آدمی کی فطرت اور طاقت کو ناپ کر فرض کیا ہے۔ اس کے کسی حکم میں ذرا بھی سختی نہیں۔ اس پر عمل کرنا ہر انسان کے بس میں ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی عارضی حالت ایسی پیش آجائے کہ کسی حکم پر عمل مشکل ہو تو اس حکم میں بھی رعایت کر دی جاتی ہے۔ اس کی مثال وضو کی بجائے تیمم، حالت سفر میں نماز کی قصر اور روزے کی قضا وغیرہ کے احکام ہیں۔ غرض ہر چیز میں حالات کے لحاظ سے رعایتیں ہیں۔ لہٰذا آدمی کے لیے مناسب یہی ہے کہ جتنا حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرے، خواہ مخواہ دین داری کے خبط میں مبتلا ہو کر اپنے اوپر بہت سارا بوجھ اپنی طرف سے نہ لادے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ یاد رکھو جب تم خود کسی عمل سے تنگ آجاتے ہو، آزردہ ہو جاتے ہو، تھک کر بے بس ہو جاتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس وقت آزردہ ہو جاتا ہے اور بندے پر ناراض ہوتا ہے کہ اس نے اپنی طاقت سے بڑھ کر بوجھ اٹھایا ہی کیوں تھا جس کو بعد میں اتار دینا پڑا۔ ظاہر ہے کہ ایک نیکی بڑی مہنگی ہے۔ اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہوگی کہ نیکی بھی کی اور خدا کی ناراضگی بھی مول لی۔

آگے آپ نے مزید وضاحت فرمائی کہ محبوب ترین دین داری اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے، جس کے اوپر آدمی مداومت کرے، جس کی پابندی کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں کہ شیخی میں اپنا گول وہاں باندھتے ہیں جہاں پہنچنا مشکل ہوتا ہے۔ دو تین روز تک بڑی بڑی لمبی نمازیں اور وظیفے کرتے ہیں پھر تھک کر ٹانگ پھیل پڑے سوتے ہیں۔ دوسرے صوفیا، لوگ ہیں ان کا میدان ہی مشکل پسندی ہے۔ رسالہ قشیریہ پڑھیے۔ بہت ہی ثقہ بزرگوں کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نیت کی ہے کہ حج کے لیے سفر کروں گا تو ہر قدم پر دو رکعت نفل پڑھوں گا۔ ایسے لوگوں کی نیکی کے بڑے چرچے ہوتے ہیں۔ ایک صاحب نے، جن سے مجھے کچھ عقیدت تھی، بیان کیا کہ ان کے والد ماجد کو میزبانی کا بڑا شوق تھا۔ ایک روز ایک صاحب ان کے مہمان ہوئے تو حضرت نے ان کی بڑی خدمت کی یہاں تک کہ رات کو جب سب لوگ سو گئے تو حضرت نے آکر ان کے پاؤں دبانے شروع کر دیے۔ دین داری کا یہی حد سے بڑھا ہوا تصور ہے، جس کو اس حدیث نے غلط بتایا ہے۔

پیچھے روایت گزر چکی ہے کہ الدین یسر (دین آسان ہے)۔ دین کے ساتھ دھینگا مشتی کرنے والا خود ہی

مارکھا جاتا ہے۔ صحیح طرز عمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا حکم دیا ہے اتنا ہی کرو۔ لیکن خوبی کے ساتھ کرو اور پابندی اور باقاعدگی سے کرو کیونکہ مداومت میں بڑی برکت ہے۔

۳۳. باب: زِيَادَةِ الْإِيْمَانِ وَ نُقْصَانِهِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَزِدْنَاهُمْ هُدًى وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِيْمَانًا وَقَالَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ فَإِذَا تَرَكَ شَيْئًا مِنَ الْكَمَالِ فَهُوَ نَاقِصٌ"

باب: ایمان میں زیادتی اور کمی

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا حوالہ کہ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (الکہف: ۱۳) "ہم نے ان کی ہدایت زیادہ کی" اور "وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِيْمَانًا" (المدثر: ۳۱) "اللہ تعالیٰ زیادہ کرے گا ایمان والوں کے ایمان میں" اور "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" (المائدہ: ۳) "اب میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے کامل کر دیا"۔ ظاہر ہے کہ جب کمال میں سے کچھ چھوڑ ا جائے گا تو وہ چیز ناقص ہوگی۔

۳۷۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ فِي قَلْبِهِ وَزْنُ شَعِيْرَةٍ مِنْ خَيْرٍ، وَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ فِي قَلْبِهِ وَزْنُ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ، وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ فِي قَلْبِهِ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ. قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ: قَالَ أَبَانُ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ"، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: مِنْ إِيْمَانٍ مَكَانَ مِنْ خَيْرٍ

﴿حضرت انسؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا وہ شخص جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں جو کے برابر بھی نیکی ہے، اور دوزخ سے نکال لیا جائے گا وہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر بھی بھلائی ہے، اور دوزخ سے نکالا جائے گا اس شخص کو جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے قلب میں ذرہ بھر بھی بھلائی ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ ابان کے واسطے سے اس روایت میں خیر کی بجائے ایمان کا لفظ آیا ہے۔﴾

وضاحت:

اس روایت کا مفہوم تو واضح ہے کہ یہ ہر اس شخص کے دوزخ سے نکالے جانے کی خبر دیتی ہے جس نے کلمہ لا

الٰہ الا اللہ کا اقرار کرلیا اور اس کے دل میں ایمان یا نیکی کی معمولی سے معمولی مقدار بھی موجود تھی، لیکن یہ مفہوم لینے میں بڑی دشواری ہے۔ اس روایت کی بڑی مشکل یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس بات کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے کہ دوزخ میں داخل کیے جانے کے بعد کسی مجرم کو اس میں سے نکالا بھی جائے گا۔ قرآن میں خلود فی النار کا ذکر بڑے محکم الفاظ میں ہے، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جس مجرم کی شامت اعمال اس کو دوزخ میں ڈلوادے گی وہ کبھی اس سے نکل نہیں پائے گا۔ اس کو یہ سزا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ بعض صوفیوں نے اگر دعویٰ کیا ہے تو اس بات کا کہ ایک دن دوزخ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ ٹھنڈی ہونے کے بعد کیا بنے گا وہ میرے خیال میں صوفیوں کے بیان کے مطابق بھی بہت مایوس کن ہے۔ لیکن میں قرآن مجید میں اس بات کا بھی کوئی اشارہ نہیں پاتا۔

اس روایت کی دوسری مشکل یہ ہے کہ بھلائی یا ایمان کا کوئی ذرہ خدا کی میزان سے بچ کیسے گیا ہوگا کہ اس کو بعد میں نکال لیا جائے گا۔ جنت اور دوزخ میں داخل کرنے کا فارمولا جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ۔ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُمُّہٗ ھَاوِیَۃٌ"۔ وَمَا اَدْرٰکَ مَاھِیَۃٌ نَارٌ" حَامِیَۃٌ۔ (تو جس کے پلے بھاری ہوں گے وہ تو دل پسند عیش میں ہوگا اور جس کے پلے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانا کھڈ ہوگا اور تم کیا سمجھے کہ وہ کیا ہے! دہکتی آگ) سورہ زلزال میں بھی صاف طور پر آیا ہے فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ، وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ۔ (پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ بھی اس کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھے گا) سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے اس نظام میں کوئی ایسا رخنہ ہوگا کہ جو یا گندم کے دانے کے برابر کوئی نیکی چھپی رہ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔

ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے نامہ اعمال میں نیکی کا ذرہ اتنا قیمتی تھا جو دوزخ سے اس کے نکالے جانے کا سبب بن سکتا تھا تو ایسا شخص دوزخ میں ڈالا ہی کیوں جائے گا۔ کیا اللہ تعالیٰ کو پہلے اس کا علم نہ تھا جو اس کو دوزخ میں ڈال دیا تھا۔ کسی کو دوزخ میں ڈال دینا اور پھر ذرہ برابر نیکی کے بدلے نکال لینا اللہ تعالیٰ کے علم، عدل اور حکمت کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ مجرم کو برائیوں کی سزا دینے کے لیے کچھ عرصہ جہنم میں رکھ کر پاک کر کے نکال لے گا تو اس بات کا قرآن مجید میں کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا۔ اس طرح کا عقیدہ یہود کے ہاں پایا جاتا ہے اور قرآن نے اس کا حوالہ دے کر اس کی دوٹوک انداز میں تردید کی ہے۔ قرآن کی تردید کے باوجود یہ روایت اس عقیدے کی تصدیق کرتی ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک بات سمجھنے یا روایت کرنے میں کسی راوی کو غلط فہمی ہوئی ہے کیونکہ اللہ کے رسول وحی الٰہی کے متناقض کوئی بات نہیں کیا کرتے۔

معلوم ہوتا ہے لوگوں کو یہ غلط فہمی بھی ہے کہ نیکی کوئی مفرد چیز ہے۔ آدمی کے ماحول اور طبیعت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ بات درست نہیں۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ آدمی کے اندر اگر کوئی نیکی موجود ہوتی ہے لیکن مجموعی طور

پر اس کا مزاج فاسد اور اعمال فاسد ہوتے ہیں تو وہ نیکی اس کے اندر ختم ہو جاتی ہے۔ وہ باقی رہ سکتی نہ پروان چڑھ سکتی ہے۔ قرآن مجید نے برائیوں کے متعلق چھوٹی یا بڑی برائی کی قید کے بغیر یہ بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور کرتا چلا جاتا ہے تو وہ برائی اس کا احاطہ کر لیتی ہے۔ یعنی وہ اس پر اتنی حاوی ہو جاتی ہے کہ اس کے اندر نیکی کی کوئی رمق باقی نہیں رہ جاتی۔ ایسا شخص ہمیشہ کے لیے دوزخ میں پڑے رہنے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ ماننا صحیح نہیں ہے کہ برے سے برے آدمی کے اندر بھی نیکی کے کچھ ذرات باقی رہ جاتے ہیں۔ نیکی کے سب ذرات اس کی بدیوں کے اندر دب کر بالکل برباد ہو جاتے ہیں۔ اسی کو قرآن مجید نے آیت احاطت بہ خطیئتہٗ (اس کی برائیاں اس کا احاطہ کر لیتی ہیں) میں احاطہ سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ اگر آدمی کسی چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بھی اوڑھنا بچھونا بنالے گا تو اس رائی کو پہاڑ بنالے گا۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ گناہ کبیرہ ہی ہو۔ اسی لیے متقین کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے آل عمران آیت ۱۳۵ میں فرمایا کہ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ (کہ جانتے بوجھتے اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے) قرآن میں اس شرط کے ہوتے ہوئے یہ بات ماننا بجائے خود غلط ہے کہ برے آدمی کے اندر نیکی کے ذرات رہ جاتے ہیں جو اس کے دوزخ سے نکالے جانے کا سبب بن سکتے ہیں۔

اس مضمون کی حدیث باب ۱۴ میں گزر چکی ہے۔

۳۸۔ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ الصَّبَّاحِ، سَمِعَ جَعْفَرَ بْنَ عَوْنٍ، حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ، أَخْبَرَنَا قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ: أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ قَالَ لَهُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، آيَةٌ فِي كِتَابِكُمْ تَقْرَؤُونَهَا، لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُودِ نَزَلَتْ، لَاتَّخَذْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ عِيدًا قَالَ: أَيُّ آيَةٍ؟ قَالَ: "الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا". قَالَ عُمَرُ: قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ الْيَوْمَ، وَالْمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ.

٭ طارق بن شہاب حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ یہود میں سے ایک شخص نے ان سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ کی کتاب میں ایک آیت ایسی ہے جس کو آپ پڑھتے ہو، اگر وہ یہود پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ آپ نے فرمایا کون سی آیت۔ اس نے کہا اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (اب میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو

کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند فرمایا) حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہمیں وہ دن بھی معلوم ہے اور وہ جگہ بھی جس میں یہ آیت نبی ﷺ پر اتری۔ آپ اس وقت عرفات میں مقیم تھے اور جمعہ کا دن تھا۔ ؎

وضاحت:

اس روایت کا تعلق بھی ایمان کی کمی اور زیادتی کے باب سے ہے۔ باریکی کی بات یہ ہے کہ آیت اکملت لکم دینکم میں دین کی تکمیل کی خبر خود یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس میں پہلے کوئی کمی تھی جس کو اب دور کر دیا گیا۔

حضرت عمرؓ نے یہودی کی بات کا بڑا حکیمانہ اور لطیف جواب دیا کہ جناب ہم جانتے ہیں کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی۔ یہ عرفات میں نازل ہوئی جہاں نبی ﷺ نے قیام فرمایا تھا اور یہ جمعہ کا دن تھا۔ مطلب یہ ہے کہ عید تو پہلے سے بنی ہوئی ہے۔ حج میں جہاں اور ہزاروں برکتیں ہیں وہاں یہ عید بھی منائی جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہودی سے یہ فرما کر اس کو لاجواب کر دیا۔

آیت میں الیوم کا جو لفظ آیا ہے اس کو بعض لوگ آج کے معنی میں لیتے ہیں لیکن الیوم صرف 'آج' ہی کے معنی میں نہیں آتا 'اب' کے معنی میں بھی آتا ہے۔ گویا آیت کا مطلب ہے کہ اب دین تمہارے لیے مکمل کر دیا گیا ہے۔ یعنی مراد ایک خاص دن نہیں بلکہ وہ وقت اور زمانہ ہے جس میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس بارے میں اگر کسی کی تاویل مختلف ہو تو اس کی گنجائش موجود ہے۔

٣٤. باب: الزَّكَاةُ مِنَ الإِسْلَامِ.

وقوله وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَ يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ

باب: زکوٰۃ اسلام کا تقاضا ہے

اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَ يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ''ان (اہل کتاب) کو حکم یہی ہوا تھا کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں، اسی کی خالص اطاعت کے ساتھ، بالکل یکسو ہو کر، اور نماز کا اہتمام رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور یہی سیدھی ملت کا دین ہے'' (البینہ: ۵)

یہ باب بھی مرجئہ کے رد میں ہے کہ اسلام صرف عقیدے کا نام نہیں بلکہ اس کے عملی تقاضے ہیں جن میں نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی واجبات میں سے ہے۔ اس ضمن میں قرآن مجید کی جو آیت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے وہ بالکل بے محل ہے کیونکہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں ہے جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ کو ضائع کر دیا اگرچہ ان کو ان باتوں کی تاکید کی گئی تھی۔

۳۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ عَمِّهِ أَبِي سُهَيْلِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ سَمِعَ طَلْحَةَ بْنَ عُبَيْدِاللَّهِ يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ، ثَائِرَ الرَّأْسِ، نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ، حَتَّى دَنَا، فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ. فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: وَصِيَامُ رَمَضَانَ. قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ. قَالَ: وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الزَّكَاةَ، قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ. قَالَ: فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ: وَاللَّهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا وَلَا أَنْقُصُ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ.

﴿مالک بن ابی عامر نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نجد کے لوگوں میں سے ایک شخص آنحضرت ﷺ کے پاس آیا۔ اس کے سر کے بال پریشان تھے اور اس کی کمزور آواز تو ہم سنتے تھے لیکن اس کی بات نہیں سمجھتے تھے۔ جب وہ قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ اسلام کے بارے میں پوچھ رہا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ رات دن میں پانچ نمازیں ادا کرنی ہیں۔ اس نے کہا، ان کے علاوہ اور تو نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ تم نفل پڑھو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ رمضان کے روزے رکھنا ہیں۔ اس نے کہا، ان کے علاوہ اور تو نہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تم نفل روزے رکھو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔ اس نے کہا اس کے علاوہ اور تو نہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ تم خیرات کرو۔ طلحہؓ کہتے ہیں کہ وہ شخص یہ کہتے ہوئے پلٹ کر چلا کہ اللہ کی قسم، میں اس پر زیادہ کروں گا نہ کم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہو گیا۔﴾

وضاحت:

معلوم ہوتا ہے نجدی شخص سفر کر کے آ رہا تھا اور اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے سوالات کیے تو وہ

اس کی آواز کی کمزوری یا گنگناہٹ کے باعث کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ اس کے قریب آنے پر سوالات کو سمجھنا ممکن ہوا اور یہ تمام کے تمام فرائض اسلام کے بارے میں تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا شافی جواب دیا۔

روایت میں زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے ارکان اسلام یعنی نماز اور رمضان کے روزوں کا بھی ذکر ہے۔ لیکن امام بخاریؒ نے یہ روایت باب 'الزکوۃ من الاسلام' کے تحت یہاں نقل کی ہے۔ یہ روایت آگے کتاب الزکوٰۃ میں بھی آئے گی لیکن وہاں راوی دوسرے ہیں اور کچھ الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔

یہ روایت بڑی اہم ہے اور اسلام کا جو کم سے کم مطالبہ ایک مسلمان سے ہے اس کو واضح کرتی ہے۔ اس میں ارکان اسلام پر عمل کو اسلام کا لازمی تقاضا بتایا گیا ہے۔ اس پر کوئی شخص اضافہ کرنا چاہے تو وہ نفل کی شکل میں ہوگا۔ جو شخص ان ارکان پر صداقت سے عمل پیرا ہو اس کے لیے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

اس روایت میں حج اور جہاد کا ذکر نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حج تو صرف صاحب استطاعت پر واجب ہے اور جہاد ایک ہنگامی عمل ہے جو صرف نفیر عام کے وقت فرض ہوتا ہے۔ اس لیے ان دونوں کو بیان نہیں کیا گیا۔

نجدی نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ وہ ان فرائض پر نہ تو کچھ زیادہ کرے گا اور نہ ہی ان میں کمی کرے گا۔ یہ الفاظ اس کے عزم کو ظاہر کرتے ہیں کہ اب جب کہ واجبات دین کی تعلیم اس کو دے دی گئی ہے تو وہ اس میں کمی بیشی کے بغیر ان پر عمل کرے گا۔ بنیادی اور اصولی باتیں مان لینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی ان تمام باتوں کو مان رہا ہے جو ان کے تحت شمار ہوتی ہیں۔ نجدی کے جملے کا یہ مفہوم لینا بالکل غلط ہوگا کہ اب وہ مزید کسی حکم کو نہیں مانے گا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ آدمی اپنے قول میں سچا ہے یعنی یہ فرائض دیانت داری سے ادا کرتا رہے گا تو کامیاب و بامراد رہے گا۔ یعنی جنت میں داخل ہوگا۔

۳۵. باب: اِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ مِنَ الْاِیْمَانِ

باب: جنازوں کے ساتھ جانا ایمان کا تقاضا ہے

۴۰۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَلِيِّ الْمَنْجُوفِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا رَوْحٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، عَنِ الْحَسَنِ وَ مُحَمَّدٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ، اِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا، وَكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا، فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ، كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ، وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ، فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ. تَابَعَهٗ عُثْمَانُ الْمُؤَذِّنُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ

النَّبِيِّ ﷺ، نَحْوَهُ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ایمان اور احتساب کے ساتھ جائے، اس کی نماز جنازہ میں ساتھ رہے اور اس کے دفن سے فارغ ہو کر لوٹے تو اس کو دو قیراط کا اجر ملے گا جب کہ ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ اور جو صرف نماز جنازہ ادا کر کے دفن کرنے سے پہلے لوٹ آئے گا تو اس کا اجر ایک قیراط کے برابر ہوگا۔ اس روایت کی متابعت عثمان مؤذن نے کی ہے۔ اس کے مطابق حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اسی طرح روایت کی۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں بھی اصل اہمیت ایمان اور احتساب کو حاصل ہے۔ یہاں ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اس بات کی یاد دہانی حاصل کرے کہ دنیا کی زندگی اس کی اصل زندگی نہیں ہے بلکہ اصل زندگی مرنے کے بعد حاصل ہوگی۔ اس میں اس دنیا میں کیے گئے اعمال کا جواب دہ ہونا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت عدالت کے تقاضے سامنے آئیں گے اور اس کے فیصلے بندوں پر لاحق ہوں گے۔ اسی طرح یہاں احتساب کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی موت کو یاد کرے کہ ایک روز اس کا جنازہ بھی اسی طرح اٹھے گا، پھر یوم حساب ہوگا اور اس کو اپنے اعمال سے سابقہ پیش آئے گا۔ نماز جنازہ اور تدفین کے تمام مراحل میں شامل ہو کر وہ اپنے انجام کو برابر یاد کرتا رہے۔ اگر یہ یاد دہانی اس کو اپنے محاسبہ کی اہمیت کا احساس دلا دے تو اس میں خیر ہی خیر ہے۔ قیراط چھوٹا بڑا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا چھوٹا بڑا ہونا ایمان اور احتساب کی نوعیت پر منحصر ہے۔ احتساب کا احساس جتنا قوی ہوگا اسی قدر قیراط بڑا ہوگا اور یہ بڑا ہو کر احد پہاڑ کے برابر ہو جائے گا۔ ہر فرد کے احساس کے لحاظ سے اس کی مقدار مختلف ہوگی۔

٣٦۔ باب: خَوفِ الْمُؤْمِنِ مِنْ اَنْ يَحْبَطَ عَمَلُهُ وَهُوَ لَا يَشْعُرُ

وَقَالَ اِبْرَاهِيمُ التَّيْمِيُّ: مَا عَرَضْتُ قَوْلِي عَلَى عَمَلِيْ اِلَّا خَشِيْتُ اَنْ اَكُونَ مُكَذِّبًا، وَقَالَ ابْنُ اَبِي مُلَيْكَةَ: اَدْرَكْتُ ثَلَاثِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ، مَا مِنْهُم اَحَدٌ يَقُولُ اِنَّهُ عَلَى اِيْمَانِ جِبْرِيلَ وَ مِيكَائِيلَ، وَيُذْكَرُ عَنِ الْحَسَنِ: مَا خَافَهُ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا اَمِنَهُ اِلَّا مُنَافِقٌ. وَمَا يُحْذَرُ مِنَ الْاِصْرَارِ عَلَى التَّقَاتُلِ وَالْعِصْيَانِ مِنْ

غَيرِ تَوبَةٍ لِقَولِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: "وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ"

باب: مومن کا ڈر کہ اس کے اعمال کہیں حبط نہ ہو جائیں اور اس کو خبر بھی نہ ہو

ابراہیم تیمی کہتے ہیں کہ جب بھی میں نے اپنے قول اور عمل کو ملا کر دیکھا تو مجھے خدشہ ہوا کہ میں کہیں جھوٹوں میں نہ شمار ہو جاؤں۔ اور ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے تیس صحابہ کو اس حالت میں پایا کہ ان کو اپنے بارے میں نفاق کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو یہ کہتا ہو کہ میرا ایمان جبریل اور میکائیل جیسا ہے۔ اور حسن سے منقول ہے کہ نفاق سے مومن ہی ڈرتا ہے، منافق تو اس سے نڈر رہتا ہے۔ اور آپس کی لڑائی اور گناہ پر بغیر توبہ کے اڑے رہنے سے جو ڈرایا گیا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "وہ جان بوجھ کر غلط کام پر اصرار نہیں کرتے"۔ (آل عمران: ۱۳۵)

یہ باب کا عنوان ہے۔ اس میں کوئی حدیث یا اثر نہیں۔ اس میں ابراہیم تیمی کے ایک قول کا حوالہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی واعظ یا خطیب تھے جو اپنے وعظ اور عمل کا برابر مقابلہ کرتے رہتے تھے تا کہ قول وعمل کے تضاد کا شکار نہ ہو جائیں۔ اس کے بعد ابن ابی ملیکہ کا ایک اندازہ بتایا ہے کہ انہوں نے کم وبیش تیس اصحاب رسول ﷺ ایسے پائے جو اپنے بارے میں نفاق سے ڈرتے تھے۔

ایک مومن کے لیے نفاق سے ڈرتے رہنا ایک مستحسن چیز ہے۔ یہی بات دوسرے صحابہ سے بھی منقول ہے۔ مثلاً ایک صحابی نے کہا کہ ہماری حالت جو رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں ہوتی ہے وہ آپ سے الگ ہونے کے بعد نہیں رہتی۔ اس پر ان کو نفاق کا خدشہ ہوا جو نبی ﷺ نے رفع فرما دیا۔

صحابہ کرام کا یہ کہنا کہ ہمارا ایمان جبرئیل یا میکائیل جیسا نہیں ہو سکتا اپنی جگہ پر درست ہے لیکن اس میں نفاق کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مسلمان صرف ایمان بالغیب کے مکلف ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں کو، جو ان کے اردگرد اور خود ان کے اندر موجود ہیں، دیکھ کر اپنے ایمان کو مضبوط کرتے ہیں۔ اس کے برعکس فرشتوں کو حضوری حاصل ہے۔

حسن کی بات مبنی برحقیقت ہے کہ مومن کو نفاق سے ڈرتے رہنا چاہیے اور منافق ہی اپنے نفاق پر جری ہوتا ہے۔ عنوان کے آخر میں آیت کا حوالہ بے محل ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۵ مومنین کی اس خصوصیت کو بیان کرتی ہے کہ اگر وہ کوئی غلط اور ناروا کام کر بیٹھیں تو فوراً استغفار کرتے ہیں اور جان بوجھ کر کسی غلط کام پر اصرار نہیں کرتے۔

۴۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ زُبَيْدٍ قَالَ: سَأَلْتُ اَبَا وَائِلٍ عَنِ الْمُرْجِئَةِ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُاللهِ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ" وَقِتَالُهُ كُفْرٌ"۔

﴿زبید سے روایت ہے کہ میں نے ابو وائل سے مرجئہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن مسعودؓ نے بتایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کو گالی دینا فسق اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بھی مرجئہ کے رد میں ہے۔ ان کا مسلک یہ تھا کہ اصل چیز عقیدہ ہے، عمل کی کوئی اہمیت نہیں، لہذا گناہ کا ارتکاب کرنے سے آدمی فاسق نہیں ہو جاتا۔ روایت میں اس عقیدہ کا رد ہے۔ اس میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ مسلمان کو گالی دینے سے آدمی فسق کا اور اس کے خلاف تلوار اٹھانے سے کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ خالی ایمان اسے گناہوں اور ان کے نتائج سے بچا نہیں سکتا جب تک توبہ استغفار اور اصلاح نہ کر لے۔

اس روایت کا باب سے تعلق میری سمجھ میں نہیں آیا۔

۴۲۔ اَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنِي اِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ اَنَسٍ قَالَ: اَخْبَرَنِي عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ خَرَجَ يُخْبِرُ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَقَالَ: "اِنِّي خَرَجْتُ لِاُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ، وَ اِنَّهُ تَلَاحَى فُلَانٌ" وَ فُلَانٌ" فَرُفِعَتْ وَعَسَى اَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَكُمْ، اِلْتَمِسُوهَا فِي السَّبْعِ وَالتِّسْعِ وَالْخَمْسِ"۔

﴿حضرت عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ لیلۃ القدر کے متعلق خبر دینے کے لیے نکلے۔ اتنے میں دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں نکلا تھا کہ آپ لوگوں کو خبر دوں کہ شب قدر کب ہوتی ہے لیکن فلاں فلاں دو مسلمان آپس میں لڑ پڑے تو اس کا علم مجھ سے اٹھا لیا گیا۔ شاید اس میں تمہاری بہتری ہو۔ تو شب قدر کو ستائیسویں، انتیسویں اور پچیسویں رات میں تلاش کرو۔﴾

وضاحت:

معلوم ہوتا ہے نبی ﷺ تعیین کے ساتھ بتانا چاہتے تھے کہ لیلۃ القدر رمضان کی کس تاریخ کو آتی ہے لیکن دو مسلمانوں کے باہمی جھگڑے کو نمٹانے میں آپ سے، اس کا علم اٹھا لیا گیا۔ لہذا حضورؐ نے فرمایا کہ اس رات کو رمضان

کی مختلف طاق راتوں میں تلاش کرو۔

یہ روایت بھی باب سے غیر متعلق ہے۔ اس کو لیتے وقت خیال ہوتا ہے کہ امام صاحب نے یہ نکتہ مدنظر رکھا ہے کہ جب دو مسلمانوں کی آپس میں لڑائی سے شب قدر کے متعلق علم نبی ﷺ سے اٹھالیا گیا تو اسی طرح لوگوں کے برے اعمال کے نتائج ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ بات میرے نزدیک محل نظر ہے کیونکہ خود آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شاید اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

لیلۃ القدر کی تاریخ متعین ہونے کی صورت میں ہوسکتا تھا کہ آدمی اس کو پا کر عجب یا سستی کا شکار ہو جاتا اور اس کا ہر رمضان میں شب قدر کو تلاش کرنے کا شوق ختم ہو جاتا یا بالکل ماند پڑ جاتا۔ لہذا اس رات کے متعلق ابہام ہی میں خیر ہے۔ آدمی اس کو پا کر بھی برابر اس کا اسی شوق سے متلاشی رہتا ہے۔

۳۷. باب: سُؤَالِ جِبْرِيلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الاِيْمَانِ وَالاِسْلَامِ وَالاِحْسَانِ وَعِلْمِ السَّاعَةِ وَ بيان النبی ﷺ له . ثم قال جاء جبريل عليه السلام يعلمكم دينكم فجعل ذلک كله دينا و ما بين النبی ﷺ لوفد عبدالقيس من الايمان و قوله تعالى وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الاِسْلَامِ دِيناً فلن يُقْبَلَ مِنْهُ. (آل عمران:۸۵)

باب: جبریل علیہ السلام کا نبی ﷺ سے ایمان، اسلام، احسان اور قیامت کے متعلق سوال اور نبی ﷺ کی وضاحت۔

اس کے بعد آپ نے بتایا کہ جبریل علیہ السلام تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ اس طرح تمام بیان کو آپ نے لفظ دین میں شامل کیا۔ نیز جو کچھ نبی ﷺ نے عبدالقیس کے وفد کے سامنے وضاحت فرمائی وہ بھی ایمان میں سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ''جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین پسند کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا''۔

یہ باب کا عنوان ہے۔ اس میں امام صاحب نے تین مختلف تعلیقات نقل کی ہیں جن کی مدد سے وہ مرجئہ کے خلاف اپنے مقدمہ کو مدلل کر کے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تعلیق حضرت جبریل علیہ السلام کا آنحضرت ﷺ سے ایک مکالمہ ہے جو حدیث جبریل کے نام سے معروف ہے اور اس باب کے تحت پہلی حدیث کے طور پر درج کی گئی ہے۔ دوسری تعلیق عبدالقیس کے وفد کے ساتھ آپ کی گفتگو ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے ایمان کے تقاضے بتائے ہیں۔ اس حدیث کو امام صاحب نے آگے باب اداء الخمس من الایمان کے تحت نقل کیا ہے۔ تیسری تعلیق سورہ

آل عمران کی آیت ۸۵ ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اسلام کے سوا کوئی اور دین اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوگا۔

امام صاحب نے ان تعلیقات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ تمام چیزیں دین ہیں۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام آپ لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے۔ بلاشبہ یہ سب باتیں دین میں شامل ہیں تاہم یہ مکمل دین نہیں ہیں۔ کیونکہ دین میں ایمان واسلام کے علاوہ معاملات، تعلقات اور اخلاق وکردار وغیرہ بھی شامل ہیں اور اس کی تفصیل قرآن میں بھی موجود ہے اور حدیث کے آگے کے ابواب میں بھی ان کو واضح کیا گیا ہے۔

۴۳۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو حَيَّانَ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ رَجُلٌ" فَقَالَ: "مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: اَلْإِيمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَبِلِقَائِهِ، وَ رُسُلِهِ. وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ، قَالَ: مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهِ، وَ تُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤَدِّيَ الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَ تَصُومَ رَمَضَانَ، قَالَ: مَا الْإِحْسَانُ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. قَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ قَالَ: مَا الْمَسْئُوْلُ بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، وَ سَأُخْبِرُكَ عَنْ أَشْرَاطِهَا: إِذَا وَلَدَتِ الْأَمَةُ رَبَّهَا، وَإِذَا تَطَاوَلَ رُعَاةُ الْإِبِلِ الْبُهْمِ فِي الْبُنْيَانِ فِي خَمْسٍ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ"، ثُمَّ تَلَا النَّبِيُّ ﷺ "إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ" (لقمان: ۳۴) ثُمَّ أَدْبَرَ فَقَالَ: رُدُّوهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ: "هٰذَا جِبْرِيلُ جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ". قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ: جَعَلَ ذٰلِكَ كُلَّهُ مِنَ الْإِيمَانِ.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی ﷺ لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اللہ کی ملاقات اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور قیامت کے روز اٹھائے جانے پر ایمان لاؤ۔ اس نے پوچھا، اسلام کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا، اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو، فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اس نے پوچھا، احسان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی عبادت کرو اس طرح کہ جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ اگر تم اسے نہ دیکھ پاؤ تو وہ تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔ اس نے پوچھا، قیامت کب ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا، جس سے پوچھا

جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ اس کی کچھ نشانیاں بتائے دیتا ہوں۔ جب لونڈی اپنے آقا کو جنے گی اور جب کالے اونٹوں کے چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنوا کر فخر کریں گے۔ قیامت ان پانچ امور میں سے ایک ہے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے آیت "اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ" تلاوت فرمائی۔ پھر وہ آدمی پیٹھ موڑ کر چل دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، اس کو لوٹا کر میرے پاس لاؤ تو لوگوں نے کسی کو نہ پایا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا، یہ جبریل علیہ السلام تھے۔ وہ لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس سب کو ایمان میں سے قرار دیا۔ ﴾

وضاحت:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب میں جن تین تعلیقات کا ذکر کیا تھا ان میں سے پہلی تعلیق یہ حدیث ہے۔ یہ ایک شاندار روایت ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب آدمی اسلام قبول کرتا ہے تو اسے کن چیزوں پر ایمان لانا ہوتا ہے۔ ارکان اسلام کیا ہیں، جن پر عمل اس کے لیے ضروری ہوتا ہے اور وہ اپنی دینی کیفیت کو کس طرح بہتر بنا سکتا ہے۔

اس تعلیم کا ذریعہ جبریل امینؑ بنے ہیں جو ایک اجنبی آدمی کی طرح حضور کی مجلس میں پہنچے اور آپ سے سوالات کیے۔ جس طرح وحی کے نزول کے مختلف طریقے ہیں اسی طرح بسا اوقات فرشتہ انسانی شکل میں لوگوں کے سامنے آ کر ان کی رہنمائی کا ذریعہ بنتا ہے۔

روایت میں ایمان و اسلام کے بارے میں سوال و جواب مفصل اور واضح ہیں۔ اسلام کے ضمن میں حج اور جہاد کا ذکر نہیں۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ حج اور جہاد مستقل ارکان اسلام نہیں۔ حج صرف اہل استطاعت پر فرض ہے اور جہاد کا ایک خاص موقع ہوتا ہے۔ جہاد کے لیے جب نفیر عام ہو جائے تب یہ فرض ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ روایت کے بعض حصے نقل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ مثلاً اس واقعہ کی جو روایت حضرت عمرؓ سے ہے اس میں تقدیر پر ایمان کا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح بعض راویوں نے حج کا ذکر بھی کیا ہے۔ لہٰذا امکان اس بات کا ہے کہ راویوں نے پوری تفصیل کو محفوظ نہ رکھا ہو۔

قیامت واقع ہونے کے وقت کے بارے میں حضورؐ نے لاعلمی کا اظہار فرمایا البتہ اس کی دو نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ لونڈی اپنے آقا کو جنم دے گی۔ دوسری یہ کہ اونٹوں کے چرواہے بلند و بالا عمارتوں میں فخر کریں گے۔ لونڈی کے اپنے آقا کو جننے کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے کی سب اقدار تلپٹ ہو جائیں گی۔ عزت و عظمت کے رشتے بے قدری کی نذر ہو جائیں گے۔ چرواہوں کے بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کرنے سے شاید یہ اشارہ ہے کہ

کمینہ لوگ امیر ہو جائیں گے۔ ثقافت و تمدن میں غیر معمولی تبدیلی آ جائے گی۔ آج عربوں کا دارومدار اونٹ چرانے پر ہے لیکن وقت آئے گا کہ وہ بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کر کے فخر سے ان میں رہیں گے۔

حضور ﷺ نے جو آیت تلاوت فرمائی وہ سورہ لقمان کی آخری آیت ہے۔ اس میں فرمایا ہے کہ قیامت کا علم صرف خدا کو ہے اور یہ علم نبی کو نہیں دیا گیا۔ جب وہ شخص چل دیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو لوٹاؤ تو لوگوں کو وہ نظر ہی نہیں آیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ یہ جبریل علیہ السلام تھے جو لوگوں کو سوال و جواب کی صورت میں دین سکھانے آئے تھے۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت جبریل علیہ السلام کو پہچان نہ سکے اور جب وہ چلے گئے تب آپ کو یہ علم ہوا۔ یہ بلا دلیل بات ہے۔ حضور ﷺ کے کلام سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ کو علم نہ تھا کہ سائل جبریل علیہ السلام ہیں، بلکہ قیامت کے متعلق جواب تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ یہ سوال جبریل علیہ السلام کر رہے ہیں۔ بعد میں آپ نے بلاتکلف لوگوں کو بتایا کہ یہ جبریلؑ تھے جو آپ کو دین سکھانے آئے تھے۔

آخر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی طرف سے یہ استدلال کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان تمام باتوں کو ایمان میں سے قرار دیا۔ حالانکہ آنحضرت ﷺ نے جو بات فرمائی وہ یہ ہے کہ جبریل دین سکھانے آئے تھے۔ یعنی ایمان نہیں بلکہ ایمان کے عملی تقاضے اس حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔

۴۴۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِاللَّهِ بْنِ عَبْدِاللَّهِ: أَنَّ عَبْدَاللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُوسُفْيَانَ: أَنَّ هِرَقْلَ قَالَ لَهُ: سَأَلْتُكَ هَلْ يَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ؟ فَزَعَمْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ، وَكَذٰلِكَ الْإِيمَانُ حَتّٰى يَتِمَّ. وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَرْتَدُّ أَحَدٌ" سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ؟ فَزَعَمْتَ أَنْ لَا، وَكَذٰلِكَ الْإِيمَانُ، حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ لَا يَسْخَطُهُ أَحَدٌ".

﴿حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھے ابوسفیان بن حرب نے بتایا کہ ہرقل نے ان سے کہا کہ میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ کیا مسلمان تعداد میں بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں۔ تو تم نے جواب دیا کہ وہ زیادہ ہو رہے ہیں۔ تو ایمان کا یہی حال ہوتا ہے جب تک کہ وہ کامل نہ ہو جائے۔ پھر میں نے تم سے پوچھا کہ کیا کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس کو برا جان کر اس سے پھر جاتا ہے۔ تم نے کہا کہ نہیں۔ تو ایمان کی لذت کا یہی حال ہوتا ہے جب وہ دل میں اتر جاتی ہے۔ کوئی اس سے دل برداشتہ نہیں ہوتا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اس بڑی روایت کا ایک ٹکڑا ہے جو نبی ﷺ کا مکتوب ملنے پر شاہ روم ہرقل کے ابوسفیان کے ساتھ مکالمہ سے متعلق ہے۔ پیچھے کتاب الوحی میں اس کی ضروری وضاحت ہو چکی ہے۔

یہاں پر اس روایت کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس وجہ سے لائے ہیں کہ اس میں ہرقل نے ایمان کے کم یا زیادہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ ہرقل ایک مدبر بادشاہ تھا۔ بلاشبہ اس نے ابوسفیان سے بہت ہی حکیمانہ سوالات کیے اور ابوسفیان کے جوابات کا نہایت فلسفیانہ تجزیہ کیا۔ لیکن ہرقل کی باتیں مسلمانوں کے لیے حجت تو نہیں اور نہ ہی یہ روایت فنی طور پر حدیث ہے۔ بس ایک تاریخی روایت ہونے کے لحاظ سے اس کا اپنا ایک مقام ہے۔ لہٰذا اصولاً امام صاحب کو یہاں اس سے استدلال نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس استدلال کے لیے بہت سا مواد خود ذخیرۂ حدیث میں موجود ہے جس سے امام صاحب اپنا موقف ثابت کرتے آ رہے ہیں۔

۳۸. باب: فَضْلِ مَنِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ

باب: اس شخص کی فضیلت جو اپنے دین پر قائم رہنے کے لیے گناہ سے بچے

۴۵۔ حَدَّثَنَا أَبُونُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا، عَنْ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ"، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ"، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ" لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ" مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ، أَلَا وَ إِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا إِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً: إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَ إِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے لیکن ان کے درمیان بعض شبہ کی چیزیں ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جو بھی ان مشتبہ باتوں سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شبہات میں پڑ گیا اس کی مثال اس چرواہے کی ہے جو اپنا گلہ شاہی چراگاہ کے ارد گرد چراتا ہے۔ قریب ہے کہ گلہ چراگاہ میں گھس جائے۔ سن لو، ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے۔ سن لو کہ اللہ کی محفوظ کی ہوئی چراگاہ اس زمین پر اس کے محارم ہیں۔ جان لو

کہ جسم میں ایک ایسا لوتھڑا ہے کہ اگر وہ درست ہو تو تمام جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارے جسم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ سن لو کہ وہ دل ہے۔

وضاحت:

یہ بڑی پرحکمت روایت ہے۔ اس میں نبی ﷺ نے یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حقیقی حلال اور حقیقی حرام کا علم واضح طور پر عطا فرمایا ہے۔ یہ انسان کی فطرت میں بھی ہے اور انبیاء پر اتاری گئی وحی کی تعلیم میں بھی موجود ہے۔ لیکن احوال و افعال کی شکلیں چونکہ لاتعداد ہیں اس لیے ان کے اوپر حرام یا حلال کا حکم لگانے میں بسا اوقات شبہ ہو سکتا ہے۔ ان میں سے بعض چیزوں کے متعلق زیادہ گمان ان کے حلال ہونے کا ہوتا ہے اور بعض حرام سے زیادہ مشابہ ہوتی ہیں۔ ان مشتبہ چیزوں کے بارے میں یہ طرز عمل صحیح نہیں کہ آدمی ان سے فائدہ اٹھانے میں آزاد ہو جائے بلکہ دین کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف واضح حرام افعال اور واضح حرام چیزوں سے بچے بلکہ جن چیزوں کی نوعیت حرام سے مشابہ کی ہے ان سے بھی اپنے آپ کو بچائے۔

ایک اور روایت میں اس بارے میں یہ رہنما اصول بھی بیان فرمایا کہ "دع ما یریبک الی مالا یریبک" (جو چیز دل میں کھٹکے اس کو چھوڑ دے اور اس کو اختیار کر جو دل میں نہ کھٹکے) جب آدمی کا قلب سلیم ہو تو اس کا نفس لوامہ، جو انسان کو اس کی غلطیوں پر خبردار کرنے کے لیے ہی رکھا گیا ہے، ایک مشتبہ کام کے بارے میں فیصلہ کر دیتا ہے کہ وہ کام درست نہیں۔ یہ چیز مشتبہات سے بچنے میں بڑی مدد دیتی ہے اور اسی سے دین کی حفاظت ہوتی ہے۔

حدیث میں چرواہے کی مثال کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر محارم سے بچنا چاہے تو اس کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف ان کے قریب ہی نہ پھٹکے بلکہ ایسے طریقے بھی اختیار کرے جو محارم کی حدود تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کریں۔ اسی بنا پر دین کے بہت سے احکام صرف سد اللذریعہ کی نوعیت کے ہیں یعنی ان کے ذریعے محرمات کی جانب لے جانے والے راستوں کو بند کیا گیا ہے۔ مثلاً معاشرہ میں زنا اور بے حیائی کی راہ روکنے کی خاطر عورتوں کے لیے پردہ کی پابندی کی نوعیت یہی ہے۔ اسی طرح ربا سے بچانے کے لیے شریعت نے بعض ایسے معاملات پر بھی پابندی عائد کی ہے جو اگرچہ صریح ربا نہیں ہیں لیکن اس کی راہ کھولنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

جسم کے اندر دل انسان کے تمام اعمال کا سرچشمہ ہے۔ دل میں جب کوئی غلط یا صحیح بات ٹھک جاتی ہے تو اس کو کر گزرنے میں تمام تدابیر بروئے کار لاتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دل کو ہی تمام ہدایت اور گمراہی کا منبع قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ دل کا نیت اور ارادے کے ساتھ گہرا تعلق ہے اس لیے نبی ﷺ نے آخر میں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ دل کو درست رکھو۔ دل کا فساد تمام اعمال کو بگاڑ دینے کا باعث ہوگا۔

٣٩. باب: اَدَاءُ الْخُمُسِ مِنَ الْاِيْمَانِ

باب: مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ دینا ایمان کا تقاضا ہے

٤٦۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ: اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ اَبِي جَمْرَةَ قَالَ: كُنْتُ اَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَيُجْلِسُنِي عَلَى سَرِيرِهِ، فَقَالَ: اَقِمْ عِنْدِي حَتَّى اَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَالِي، فَاَقَمْتُ مَعَهُ شَهْرَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: اِنَّ وَفْدَ عَبْدِالْقَيْسِ لَمَّا اَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنِ الْقَوْمُ؟ اَوْ مَنِ الْوَفْدُ؟ قَالُوا: رَبِيعَةُ. قَالَ: مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ، اَوْ بِالْوَفْدِ، غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى. فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اِنَّا لَا نَسْتَطِيعُ اَنْ نَاْتِيَكَ اِلَّا فِي شَهْرِالْحَرَامِ، وَبَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ، فَمُرْنَا بِاَمْرٍ فَصْلٍ، نُخْبِرْبِهِ مَنْ وَرَاءَ نَا، وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ. وَسَاَلُوهُ عَنِ الْاَشْرِبَةِ: فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ، وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ، اَمَرَهُمْ: بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ، قَالَ: اَتَدْرُونَ مَاالْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهُ. قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَعْلَمُ، قَالَ: شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَ اِقَامُ الصَّلَاةِ، وَاِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَ صِيَامُ رَمَضَانَ، وَ اَنْ تُعْطُوا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ: عَنِ الْحَنْتَمِ وَالدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُزَفَّتِ. وَرُبَّمَا قَالَ: الْمُقَيَّرِ وَقَالَ: احْفَظُوهُنَّ وَ اَخْبِرُوا بِهِنَّ مَنْ وَرَاءَ كُمْ.

﴿ حضرت ابوجمرہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ وہ مجھے اپنے پلنگ پر بٹھالیا کرتے تھے۔ ایک روز انہوں نے کہا کہ میرے پاس کچھ قیام کرو تا کہ میں اپنے مال میں سے کچھ حصہ تمہیں دوں تو میں ان کے پاس دو ماہ رہا۔ پھر انہوں نے بتایا کہ نبی ﷺ کے پاس عبدالقیس کا وفد آیا۔ جب وہ لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ نے پوچھا کون لوگ ہیں (راوی کو شبہ ہے کہ قوم کہا یا وفد کہا) انہوں نے کہا ہم ربیعہ قبیلے کے لوگ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا مرحبا۔ مبارک ہو آپ لوگوں کی تشریف آوری۔ تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ، ہم آپ کے پاس صرف محترم مہینوں میں ہی آسکتے ہیں اس لیے کہ ہمارے درمیان اور آپ کے درمیان کفار کا قبیلہ مضر حائل ہے۔ لہذا ہمیں کچھ قطعی باتیں بتا دیجئے کہ ہم اپنے لوگوں کو جو ہمارے پیچھے ہیں ان سے باخبر کریں اور ان کے ذریعے سے ہم جنت حاصل

کریں۔ انہوں نے اسی سلسلے میں مشروبات کے متعلق سوال کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا۔ آپ نے ان کو اللہ واحد پر ایمان کا حکم دیا۔ پھر ان سے پوچھا کہ تم اللہ واحد پر ایمان لانے کا مطلب سمجھتے تو انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا اس کا مطلب ہے یہ شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز کا اہتمام کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ مال غنیمت میں سے خمس حکومت کو پیش کرنا ہوگا۔ پھر آپ نے ان کو حنتم، دباء، نقیر، اور مزفت کے استعمال سے منع فرمایا۔ (راوی نے کبھی نقیر کے بجائے مقیر کا نام لیا) پھر آپ نے فرمایا کہ ان چیزوں کو یاد کرلو اور اپنی قوم کے ان لوگوں کو بھی اس سے آگاہ کرو جو تمہارے پیچھے ہیں۔ ؎

وضاحت:

یہ وہ روایت ہے جس کا ذکر امام صاحب نے باب ۳۶ کے عنوان میں بطور تعلیق کیا تھا۔ خمس، مال غنیمت میں سے پانچویں حصے کو خمس کہتے ہیں۔ سورہ انفال میں یہ حکومت کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ جو اس میں چوری کریں گے وہ خائن قرار پائیں گے۔

مرحبا غیر خزایا ولا ندامی: یہ اھلا وسھلا کی طرح کے خیر مقدم کے کلمات ہیں جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مروج تھے۔ ایسے کلمات کو لفظی مفہوم میں نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ ان کو لغت سے زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔ بس ایک طرح کی اصطلاح بن جاتی ہے۔

بیننا و بینک ھذا الحی من کفار مضر: وفد کے ارکان نے آپ ﷺ کے پاس اکثر نہ آسکنے کی یہ وجہ بتائی کہ اگر وہ اشہر حرم کے علاوہ ادھر آئیں تو عین ممکن ہے کہ قبیلہ مضر کے کفار ان کو لوٹ لیں۔ اشہر حرم کے علاوہ یہ لوگ غارت گری کرتے تھے۔ اسی لیے وفد نے عرض کیا کہ ہم کو چند جامع اور قطعی باتیں بتا دی جائیں جو ہماری نجات کے لیے ضروری ہیں۔

حنتم: اس شراب کو کہتے تھے جو کھجور کی لکڑی کو کھوکھلا کر کے اس کے اندر بنائی جاتی تھی۔

مزفت: اس شراب کو کہتے تھے جو ایسے برتنوں میں تیار کی جاتی جن کے اوپر تارکول لیپ کر کے ان کے مسام بند کر دیے جاتے تاکہ اس میں خمیر جلدی اٹھ جائے۔ اسی طرح نقیر اور دبا بھی شراب تیار کرنے والے برتنوں کی رعایت سے معروف شرابیں تھیں۔ کسی میں خمار کم کسی میں زیادہ ہوتا تھا۔ مشروبات کے متعلق سوال کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے مشروبات میں سے حنتم، دبا، نقیر اور مزفت کو ناجائز قرار دیا۔ کیونکہ اس بات کا اندیشہ تھا کہ مشروب اگر زیادہ دیر ان برتنوں میں پڑا رہے تو زیادہ نشہ آور ہو جائے گا۔

یہ احکام گناہ کا ذریعہ بند کرنے کے لیے دیے گئے۔ اسلام میں یہ اصول ہے کہ جو چیزیں گناہ کا ذریعہ بن سکتی ہیں وہ بھی ممنوع قرار دے دی جاتی ہیں اگرچہ وہ بجائے خود گناہ نہیں ہوتیں۔ پھر جب لوگوں پر واضح ہو گیا کہ جو چیز مسکر ہے وہ حرام ہے، خواہ گندم یا جو سے تیار کی جائے یا انگور اور کھجور سے، تو آپ نے مذکورہ قسم کے برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی۔

نبی ﷺ نے جب ان لوگوں سے سوال کیا کہ اللہ واحد پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ گفتگو کا یہ مؤدبانہ انداز رسول اللہ ﷺ کی مجلس کے آداب میں سے تھا۔ جب بھی آنحضرت ﷺ کوئی سوال پوچھتے تھے تو صحابہ کرام معاملہ آپ کو تفویض کرتے تھے۔ وہ اپنی رائے ظاہر کرنے کی بجائے یہ چاہتے کہ معلوم کریں کہ حضور کیا فرماتے ہیں۔

نبی ﷺ نے جو باتیں بتائی ہیں وہ دین پر کوئی جامع خطبہ نہیں بلکہ سائل کے سوال کے مطابق ہیں۔ دین میں اصولی بات جو کرنے کی تھی وہ آپ نے بتادی اور اپنے مشروبات کے بارے میں وفد کے لوگ جو کچھ زیادہ تفصیل چاہتے تھے اور جس کے متعلق ان کو اضطراب تھا اس کی وضاحت آپ نے برتنوں کے نام لے کر کر دی۔ جن چار چیزوں کا آپ نے حکم دیا اس میں نماز، زکوۃ، ماہ رمضان کے روزے اور خمس شامل تھا۔ اس میں حج کا حکم نہیں تھا کیونکہ حج کا حکم فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ دین کی اصولی باتیں ظاہر ہے کہ ساری ایک دفعہ تو نہیں بتائی جا سکتیں۔

٤٠۔ باب: مَاجَاءَ اَنَّ الْاَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ وَالْحِسْبَةِ، وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى فَدَخَلَ فِيهِ الْاِيْمَانُ، وَالْوُضُوءُ، وَالصَّلَاةُ، وَالزَّكَاةُ، وَالْحَجُّ، وَالصَّوْمُ، وَالْاَحْكَامُ. وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: "قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهِ" (الاسراء: ٨٤) عَلٰى نِيَّتِهِ. نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلٰى اَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا صَدَقَةٌ". وَقَالَ: وَلٰكِنْ جِهَادٌ" وَ نِيَّةٌ

باب: وہ روایات جو اعمال کا تعلق نیت سے ہونے، احتساب کرنے اور ہر شخص کا اجر اس کی نیت کے مطابق ہونے کے بارے میں ہیں۔

لہٰذا اس میں ایمان، وضو، نماز، زکوۃ، حج، روزہ اور دوسرے سارے احکام بھی داخل کیے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ" کہو ہر آدمی عمل کرے گا اپنی شاکلہ پر" یعنی نیت پر۔ اور آدمی کا اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرنا، اگر وہ صدقہ کی نیت سے ہو، وہ بھی اس میں شامل ہوا اور نبی ﷺ کا یہ فرمانا بھی کہ" لیکن جہاد اور نیت باقی ہے"۔

جس طرح کوئی شخص نوٹ کرتا ہے کہ میں اس باب میں یہ یہ باتیں ذکر کروں گا تو یہ اسی طرح کے اشارات ہیں جو امام صاحب نے باب کا عنوان بنائے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ ایسی تمام حدیثیں اس باب کے تحت لائے بھی ہوں۔ مثال کے طور پر نہ انہوں نے شاکلہ کے معنی نیت لینے کی کوئی دلیل پیش کی ہے اور نہ وہ روایت لائے ہیں جس میں فتح مکہ کے بعد ہجرت کا باب بند ہونے اور جہاد اور نیت کا ثواب برقرار رہنے کا ذکر ہے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک عمل بھی ایمان ہے۔ اس لیے اگر یہ کہا جائے کہ اعمال کا تعلق نیت سے ہے تو اس بات میں تمام اعمال شامل ہوں گے۔ منجملہ ان کے ایمان بھی شامل ہوگا۔ یہ بات درست ہے۔ ایمان وہی معتبر ہوگا جو مخلصانہ ہوگا۔ اور ہمارے نزدیک بھی ایمان کی سب سے بڑی شہادت آدمی کے اعمال ہی ہیں۔ اگر اعمال نہیں تو ایمان کی کوئی شہادت نہیں۔ دوسرے احکام کے سمجھنے میں کسی کو شاید کوئی اشکال ہو لیکن نماز اور زکوۃ تو اسلامی ریاست کی شہریت کے لیے ضروری ہیں۔ اسلامی ریاست میں کسی ایسے شخص کو مسلمان شہری کے حقوق نہیں مل سکتے جو نماز نہ پڑھتا اور زکوۃ نہ دیتا ہو۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو عملاً بھی مانعین زکوۃ سے جنگ کا اعلان کیا۔ امام صاحب نے اللہ تعالیٰ کے قول کا جو حوالہ دیا ہے وہ اس ضمن میں درست نہیں۔ یہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۴ جہاں آئی ہے وہاں شاکلہ نیت کے معنی میں نہیں بلکہ اپنی روش پر چلنے کے معنی میں ہے۔ آیت کا مفہوم وہی ہے جو آیت لکم دینکم ولی دین کا ہے۔ مطلب یہ کہ تمہارا راستہ اور ہے اور ہمارا راستہ اور ہے۔ تم اپنی روش پر چلنا چاہتے ہو تو چلو۔ ہم تمہارے لیے اپنی راہ کھوٹی نہیں کرنا چاہتے۔ اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ کرے گا کہ سیدھی راہ پر کون چلا۔

۴۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: اَخْبَرَنَا مَالِکٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ اِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ، عَنْ عُمَرَ: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا، اَوِ امْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ اِلَى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ.

﴿حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر شخص کا عمل اس کی نیت کے مطابق مانا جائے گا۔ جس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا کا مال حاصل کرنے کے لیے یا کسی عورت سے نکاح کے لیے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی۔﴾

وضاحت:

یہ روایت کتاب بدء الوحی کی پہلی روایت کے طور پر گزر چکی ہے۔ وہاں اس کی تشریح ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۴۸۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنهَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: اَخْبَرَنِی عَدِیُّ بْنُ ثَابِتٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ یَزِیْدَ، عَنْ اَبِی مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا اَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلٰی اَھْلِہٖ یَحْتَسِبُھَا فَھُوَ لَہٗ صَدَقَۃٌ"۔

﴿حضرت ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر اللہ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ بنے گا۔﴾

۴۹۔ حَدَّثَنَا الْحَکَمُ بْنُ نَافِعٍ قَالَ: اَخْبَرَنَا شُعَیْب" عَنِ الزُّھْرِیِّ قَالَ: حَدَّثَنِی عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِی وَقَّاصٍ: اَنَّہٗ اَخْبَرَہٗ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اِنَّکَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَۃً تَبْتَغِی بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ اِلَّا اُجِرْتَ عَلَیْھَا، حَتّٰی مَا تَجْعَلُ فِی فِی امْرَاَتِکَ۔

﴿حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ کی رضا چاہتے ہوئے جو کچھ بھی خرچ کرو گے تو تم کو اس پر اجر ملے گا۔ یہاں تک کہ اس خرچ کرنے پر بھی جو تم اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالتے ہو۔﴾

وضاحت:

اہل خانہ پر خرچ کرنا اور ان کی ضروریات پوری کرنا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرائض اور واجبات میں سے ہیں۔ بعض لوگ تو یہ خرچ نمائش کے لیے یا اپنی امارت کی دھونس جمانے کے لیے یا بیگم صاحبہ اور بچوں کو عیش وعشرت کی زندگی مہیا کرنے کے لیے کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا کچھ اجر نہیں۔ اس کے برعکس اگر آدمی یہ سمجھ کر خرچ کرتا ہے کہ یہ میرے بیوی بچے ہیں، ان کی کفالت خدا نے میرے ذمہ کی ہے۔ وہ نہایت کفایت شعاری کرتا ہے کہ اس کے مال میں دوسروں کے بھی حقوق ہیں تب اس کا عمل نیکی بن جاتا ہے۔ بیوی بچوں پر خرچ ان کا واجب حق ہے۔ اگر آپ للہ فی اللہ کفایت شعاری سے اور ریاکاری اور نمائش سے بچتے ہوئے خرچ کریں تو یہ خرچ آپ کے لیے صدقہ ہوگا یعنی ہم خرما و ہم ثواب۔ اس انفاق میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول بنیادی شرط ہے۔

۴۱۔ باب: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ الدِّينُ النَّصِيحَةُ: لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ. وَقَوْلِهِ تَعَالٰى: "اِذَا نَصَحُوا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ" (التوبہ: ۹۱)

باب: نبی ﷺ کا فرمان کہ دین نام ہے خیر خواہی کا جو اللہ، اس کے رسول ﷺ، مسلمانوں کے امراء اور عوام کے لیے ہو اور اسی سلسلے کی یہ آیت کہ "جب وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیر خواہی کرتے رہیں"۔

اس باب میں امام صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے عوام و خواص کی خیر خواہی بھی ایمان کا تقاضا ہے۔

اللہ و رسول ﷺ کی خیر خواہی ان کا وفادار ہونا اور ان کے احکام بجالانا ہے۔ حاکم کی خیر خواہی اس کو اس کے فرائض یاد دلاتے رہنا اور غلط روش پر ٹوکنا ہے، کیونکہ حکام کے اعمال کا نفع و نقصان بہت وسیع ہوتا ہے۔ عوام کی خیر خواہی ان کو ان کے فرائض سے آگاہ کرنا، ظلم و زیادتی سے روکنا اور نصیحت کرتے رہنا ہے۔ سورہ توبہ کی آیت ۹۱، جس کا حوالہ امام صاحب نے دیا ہے، ان مسلمانوں کے بارے میں ہے جو وسائل کے حصول پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شرکت سے قاصر رہے تھے۔ بتایا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خیر خواہی کرتے رہیں تو ان پر کوئی الزام نہیں۔ البتہ اگر وہ نیک نیت نہ ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کے بدخواہ ہوں تو خواہ وہ کسی دوسرے سبب سے غزوہ میں ساتھ دینے سے قاصر رہے ہوں ان کا شمار منافقین میں ہوگا۔

۵۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيٰى، عَنْ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنِي قَيْسُ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

﴿حضرت جریر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر۔﴾

وضاحت:

بیعت کا مفہوم معاہدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی مواقع پر مسلمانوں سے عہد لیا۔ اسی طرح کے ایک عہد کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت جریر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے نماز کا اہتمام کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے علاوہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کا عہد بھی لیا۔ خیر خواہی کا مفہوم اوپر بیان ہو چکا ہے۔

۵۱۔ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُو عَوَانَةَ، عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ: سَمِعْتُ جَرِيرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ يَقُولُ يَوْمَ مَاتَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ، قَامَ فَحَمِدَاللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ، وَقَالَ: عَلَيْكُم بِاتِّقَاءِ اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَالْوَقَارِ، وَالسَّكِينَةِ، حَتّٰى يَاْتِيَكُمْ اَمِيرٌ"، فَاِنَّمَا يَاْتِيكُمُ الْآنَ. ثُمَّ قَالَ: اسْتَعْفُوا لِاَمِيرِكُمْ، فَاِنَّهُ كَانَ يُحِبُّ الْعَفْوَ. ثُمَّ قَالَ: اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّي اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ قُلْتُ: اُبَايِعُكَ عَلَى الْاِسْلَامِ، فَشَرَطَ عَلَيَّ: وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فَبَايَعْتُهُ عَلٰى هٰذَا، وَرَبِّ هٰذَا الْمَسْجِدِ اِنِّي لَنَاصِحٌ" لَكُمْ. ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ.

﴿حضرت زید بن علاقہؒ کہتے ہیں کہ جس روز حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کا انتقال ہوا میں نے حضرت جریر بن عبداللہؓ کو خطبہ دیتے سنا۔ وہ کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور کہا لوگو! تم پر اللہ وحدہ لاشریک سے ڈرنا اور اس وقت تک متانت اور سکینت کی زندگی بسر کرنا واجب ہے جب تک تمہارا امیر نہ آ جائے۔ اور وہ آیا ہی چاہتا ہے۔ پھر کہا کہ تم اپنے سابق امیر کے لیے مغفرت مانگو کیونکہ وہ عفو کو پسند کرتا تھا۔ پھر کہا کہ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ، میں آپ سے اسلام کی بیعت کرتا ہوں تو آپ نے میرے اوپر ہر مسلمان کی خیر خواہی کی شرط لگا دی۔ چنانچہ میں نے اسی شرط پر آپ سے بیعت کی۔ اس مسجد کے رب کی قسم! میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ پھر انہوں نے مغفرت کی دعا کی اور منبر سے اتر گئے۔﴾

وضاحت:

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ وہ حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے امیر تھے۔ ان کے انتقال پر حضرت معاویہؓ نے جریر بن عبداللہؓ کو امیر نامزد کیا۔ کوفہ کی سرزمین شروع ہی سے فتنوں کا شکار رہی تھی،

وہاں کا امیر بننا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اہل کوفہ کے سامنے حضرت جریرؓ نے جو پہلا خطبہ دیا ہے، بہت سلیقے کا دیا ہے اور یہ ان کی سیاسی بصیرت کی دلیل ہے۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میں گورنر بن کر آیا ہوں، یہ کردوں گا وہ کردوں گا۔ اگر کسی نے گڑبڑ کی تو اس کی ٹھکائی کر کے اس کو درست کردوں گا وغیرہ۔ بلکہ اصل بات جو کہی وہ نصح لکل مسلم یعنی ہر مسلمان کی خیر خواہی کی اہمیت بتائی۔ امارت کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ یہ کہا کہ تمہارا امیر آنے ہی والا ہے، اس کے متعلق تم بھی خیر خواہی کی روش اختیار کرنا۔ پھر دعا کر کے منبر سے اتر گئے۔

بنوامیہ کے عاملین سیاست میں بہت زیرک اور ہوشیار تھے۔ اس لیے سیاسی حیثیت میں ان کا بڑا نام تھا۔ اس نا تمام خطبہ کے نکات سے جریرؓ بھی بے حد زیرک اور سمجھدار معلوم ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امیر کا انتقال ہوگیا ہے تو فکر نہ کرو بلکہ وقار اور سکینت سے زندگی بسر کرو۔ کیونکہ متانت اور سکینت کی زندگی اسلام کا حکم ہے۔ پھر کہا کہ اپنے مرحوم امیر کے لیے مغفرت کی دعا کرو کیونکہ وہ عفو و درگزر کو پسند کرنے والا تھا۔ پھر اپنے مسلک کے متعلق بتایا کہ میں نے نبی ﷺ سے اسلام پر بیعت کرنی چاہی تو آپ نے اس پر شرط لگادی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی بھی کروگے۔ گویا بتایا کہ میری سیاست تمہاری خیر خواہی ہوگی۔ پھر دعا مانگ کر منبر سے اتر گئے۔

كتاب العلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب العلم

۱۔ باب: فَضْلِ الْعِلْمِ وَقَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ". و قولہ رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا

باب: علم کی فضیلت کا بیان اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ". (المجادلہ:۱۱) "تم میں سے جو ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا اللہ ان کے درجات بلند کرے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے" اور یہ دعا: وَقُلْ رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا (طٰہٰ:۱۱۴) "اے میرے رب میرے علم میں زیادتی کر"۔

اس عنوان میں یہ چیز غور طلب ہے کہ علم سے مراد کیا ہے۔ ہمارے ہاں معاش و معیشت، سیاست، ریاضی، سائنس وغیرہ ہر چیز کے علم کو علم ہی کہتے ہیں۔ امام صاحب کے ہاں علم سے مراد وہ علم ہے جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور بندوں کو رسول کے ذریعے ملتا ہے۔ آیت میں اس کو "العلم" کہا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری چیزوں کا علم تو اضافی اور نسبتی چیز ہے اور اس کی بنیاد تمام تر تجربے اور قیاس پر ہوتی ہے لیکن علم وحی براہ راست اس کے پاس سے آتا ہے جو تمام علم کا مخزن اور ذریعہ ہے، اور اس ذریعہ سے آتا ہے جو بالکل محفوظ ذریعہ ہے۔ دوسرے جتنے بھی علوم ہیں ان کا تعلق اسی زندگی کی ضروریات اور مایحتاج سے ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کو مکان کی ضرورت ہے تو اس کے لیے تعمیرات کا علم ہے، کپڑے کی ضرورت ہے تو پارچہ بافی کا علم ہے۔ لیکن جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے وہ دنیاوی زندگی اور اس کے بعد آنے والی زندگی دونوں پر حاوی ہوتا ہے، دوسرا کوئی بھی علم اس طریقے سے زندگی کے دونوں ادوار پر حاوی نہیں ہوتا۔

غور کیجئے تو دنیاوی زندگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ایک تقاضا اور ایک داعیہ ودیعت کر دیا ہے اور اس کے لیے ضروری رہنمائی انسان کے دل میں ڈال دی ہے۔ کیا چیزیں کھانے کی ہیں اور وہ کس طرح کھائی

جائیں یا گردو پیش کی اشیا کی کیا افادیت ہے اور ان کو کس طرح استعمال میں لایا جائے۔ چونکہ ان چیزوں کی فوری ضرورت ہوتی ہے تو انسان نے اپنے تجربے سے ان کے بارے میں معلومات فراہم کرلیں اور اس میں خوب ترقی کی۔ ان چیزوں میں انسان کی فطری ضرورت ہی اس کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ لیکن جہاں تک آخرت کا تعلق ہے اس کے علم کا کوئی فوری تقاضا یا داعیہ انسان کے اندر نہیں ہے۔ اس لیے اس نے اس علم کو اہمیت ہی نہیں دی۔ اس کے بارے میں بالعموم انسان کا رویہ یہ رہا کہ جب وہ زندگی آئے گی تو دیکھ لیں گے۔ ابھی سے اس کی خاطر اپنے عیش کو مکدر کرنے کی ضرورت نہیں۔ لہذا وحی کے علم میں اخروی زندگی کے عقیدہ کو پیدا کرنے کے لیے بھی علم دیا گیا ہے تا کہ لوگ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ یہی چند روزہ زندگی ہے اور بس، بلکہ یہ جانیں کہ اصل زندگی آگے آنے والی ہے۔ موجودہ زندگی تو اس کی تمہید ہے۔ وحی کے ذریعے آئندہ زندگی کے تمام حالات بھی بیان کیے گئے، جزئیات بھی اور تفصیلات بھی، اور اس کے ایسے دلائل بھی دیے گئے جو انسان کی فطرت کے اندر ودیعت تھے اور مزید یہ انتظام فرمادیا کہ یہ علم نہایت قطعی ذریعے سے دے دیا تا کہ اشتباہ نہ رہے۔

یہ خیال بالکل احمقانہ ہے کہ قرآن مجید میں آخرت کے علاوہ دنیا کا سارا علم بھی موجود ہے۔ جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا، دنیا کے علوم کا تقاضا تو ہمارے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اس میں صرف یہ بتانے کی ضرورت تھی کہ دنیا کی نعمتیں کس نے عطا کیں اور ان پر منعم کا شکر کیوں واجب ہے، ان نعمتوں میں کس کا کیا حق ہے اور ان کے صحیح استعمال کے لیے جائز امور کی حدیں کہاں تک ہیں۔ زندگی گزارنے کے لیے چاروں گوشوں کی حد بندی بھی وحی کے ذریعے کردی گئی تا کہ انسان ظلم وزیادتی یا بغاوت کی راہ پر نہ چلے۔

پس باب کے عنوان میں علم کا لفظ العلم کے لیے آیا ہے اور العلم وہ علم قطعی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری دنیاوی زندگی کے مختلف گوشوں کی حد بندی اور آخرت سے متعلق تمام ضروری علوم بیان کردیے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اس باب میں کوئی روایت نقل نہیں کی۔ اس کی توجیہ اگر یہ کی جائے کہ چونکہ یہ نہایت واضح بات تھی اس لیے کوئی روایت لانے کی ضرورت نہیں تھی تو یہ بات صحیح نہیں اور نہ ہی یہ کسی کو اپیل کرسکتی ہے۔ باب میں انہوں نے دو آیات کا حوالہ دیا ہے جن میں علم سے مراد علم وحی ہے اور پیغمبر کی اطاعت پر اس کے حاملین کو درجات کی بلندی کی خبر دی گئی ہے۔ دوسری آیت ایک دعا پر مشتمل ہے جو نبی ﷺ کو علم وحی میں اضافہ کے لیے سکھائی گئی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ آیات ہی باب کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے کافی تھیں تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ بخاری شریف کوئی تفسیر کی کتاب تو نہیں، یہ تو احادیث کا مجموعہ ہے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ کتاب کی تکمیل سے پہلے ہی صحیح بخاری کی روایت شروع ہو گئی۔ امام صاحبؒ اس کی تہذیب وتکمیل نہ کرسکے۔ اس لیے بعض ابواب قائم تو ہو گئے لیکن ان کے تحت روایات جمع ہونے کی نوبت نہ آئی۔

٢. باب: مَنْ سُئِلَ عِلْمًا وَهُوَ مُشْتَغِلٌ فِي حَدِيثِهِ، فَأَتَمَّ الْحَدِيثَ ثُمَّ أَجَابَ السَّائِلَ.

باب: جس شخص سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ گفتگو میں مشغول ہو تو وہ اپنی بات پوری کرے، پھر سائل کو جواب دے

١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ (ح)، وَحَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُلَيْحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي قَالَ: حَدَّثَنِي هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ فِي مَجْلِسٍ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ، جَاءَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ فَمَضَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُحَدِّثُ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: سَمِعَ مَا قَالَ فَكَرِهَ مَا قَالَ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ لَمْ يَسْمَعْ. حَتَّى إِذَا قَضَى حَدِيثَهُ قَالَ: أَيْنَ أُرَاهُ السَّائِلُ عَنِ السَّاعَةِ. قَالَ: هَا أَنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ ، قَالَ: فَإِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟ قَالَ: إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مجلس میں لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ ایک بدو آیا اور اس نے سوال کیا کہ قیامت کب آنی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی بات کرتے رہے۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ اس کا سوال تو آپؐ نے سنا لیکن اس کو برا جانا۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ آپ نے سنا ہی نہیں۔ لیکن جب آپؐ نے اپنی بات پوری کر لی تو فرمایا کہ وہ صاحب کہاں ہیں جو قیامت کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ بدو نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں یہاں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت ضائع کر دی جائے گی تب تم قیامت کا انتظار کرنا۔ اس نے کہا کہ امانت کیسے ضائع ہو گی۔ آپ نے فرمایا جب لوگوں کے معاملات نااہلوں کے سپرد کیے جانے لگیں تب قیامت کا انتظار کرنا۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ نے قیامت کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف علامات بتائی ہیں۔ یہاں یہ بات فرمائی کہ نااہل لوگوں کو امانتیں سپرد کی جائیں گی جیسا آج کل ہے کہ جانتے کچھ نہیں لیکن وزیر مالیات کا منصب

سنبھالے ہوئے ہیں۔ بات کرنے کا شعور نہیں لیکن ادب وانشاء کے انچارج ہیں۔ فوج کے متعلق کچھ علم نہیں لیکن وزیر دفاع ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ جاننے والے ہوتے ہیں وہ اس قابلیت کے وزراء سے کان پکڑ کر دستخط کرواتے ہیں۔ یہ صورت حال ہر اس انتظام میں ہوگی جس میں اشخاص تولے نہیں جاتے بلکہ گنے جاتے ہیں۔ حدیث کا زور اصل میں اس بات پر ہے کہ جب عدل وانصاف کی بساط لپیٹ دی جائے، تمام اخلاق واقدار تلپٹ ہو جائیں، یعنی عدل کا تصور، ظلم کا تصور، نیکی کا مفہوم بدل جائے، تعلیم وتعلم کے اصول بدل جائیں، ہر گوشہ زندگی میں اعلیٰ اقدار تلپٹ ہو جائیں تب قیامت کا انتظار کرنا۔ یہ مفہوم آنحضرت ﷺ نے مختلف طریقوں سے مختلف مواقع پر سمجھایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک نظام عدل وقسط اپنی جگہ پر قائم رہے اس وقت تک اس دنیا کی بساط پلٹنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ جن قوموں کا تاریخ میں فیصلہ ہوا ہے ان کے متعلق یہ معلوم ہے کہ ان کے ہاں مجموعی طور پر اخلاقی اقدار تلپٹ ہو گئی تھیں۔ اسی طرح جب ساری دنیا کے محاسبے کا وقت آئے گا تو ہر شعبہ زندگی کا سارا انتظام تلپٹ ہو چکا ہوگا۔

یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ اگر اس وقت یہ باتیں سمجھ میں نہ آسکیں تو ان کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ علم میں، تہذیب میں، تمدن میں آئندہ جو تبدیلیاں ہوں گی ان کا اس وقت تصور نہیں کیا جا سکتا۔ قیامت کے متعلق بس اتنی بات ہی واضح ہے کہ جب تمام اخلاقی اقدار تلپٹ ہو جائیں گی تو وہ زمانہ قیامت آنے کے لیے موزوں ہوگا۔

یہ حدیث بہت اہم اور علوم کا خزانہ ہے لیکن امام صاحب اس کو انتہائی غیر اہم باب میں لائے ہیں یعنی یہ کہ اگر بات کرنے کے دوران کوئی سوال پوچھ لے تو مسئول پہلے اپنی بات ختم کرے، پھر سائل کو جواب دے۔

٣. باب: مَنْ رَفَعَ صَوْتَهُ بِالْعِلْمِ

باب: جو شخص علم کی بات بلند آواز میں کہے

٣۔ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ عَارِمُ بْنُ الْفَضْلِ قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُو عَوَانَةَ، عَنْ اَبِي بِشْرٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: تَخَلَّفَ عَنَّا النَّبِيُّ ﷺ فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا، فَاَدْرَكَنَا. وَقَدْ اَرْهَقَتْنَا الصَّلَاةُ . وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ، فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى اَرْجُلِنَا، فَنَادَى بِاَعْلَى صَوْتِهِ: وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ. مَرَّتَيْنِ اَوْثَلَاثًا.

﴿ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص؄ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی ﷺ ذرا پیچھے رہ گئے۔ آپ ہم سے اس وقت آ ملے جب نماز کا وقت تنگ ہو رہا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے۔ ہم جلدی

جلدی اپنے پاؤں پونچھنے لگے تو نبی ﷺ نے بلند آواز سے پکارا "ایڑیوں کو ہلاکی ہوگی دوزخ سے" اور آپ نے یہ بات دو یا تین مرتبہ کہی۔

وضاحت:

یہ حدیث بھی اپنی جگہ پر بہت اہم اور نماز کے لیے وضو کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ لیکن امام صاحب نے باب یہ باندھا ہے کہ علم کی بات پہ آواز بلند کہی جا سکتی ہے۔ اس واقعہ میں ایک سفر کے دوران نماز کا وقت تنگ ہو گیا۔ وقت کی تنگی کے باعث صحابہ نے جلدی جلدی وضو کیا۔ اس طرح کے وضو میں اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ اعضائے وضو پوری طرح دھوئے نہ جا سکیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے وضو میں جلدی کرنے سے صحابہ کو منع فرمایا اور کہا کہ ایڑیاں خشک نہ رہیں۔ جلدی میں وضو کو ادھورا، ناقص یا نامکمل نہیں چھوڑنا چاہیے۔

۴۔ باب: قَوْلِ الْمُحَدِّثِ حَدَّثَنَا اَوْ اَخْبَرَنَا وَ اَنْبَأَنَا

وقال الحميدى كان عند ابن عيينة حدثنا و اخبرنا و انبأنا و سمعت واحدا و قال ابن مسعود حدثنا رسول الله ﷺ وهوالصادق المصدوق و قال شقيق عن عبدالله سمعت النبى ﷺ كلمة و قال حذيفة حدثنا رسول الله ﷺ حديثين و قال ابوالعالية عن ابن عباس عن النبى ﷺ فيما يرويه عن ربه عزوجل و قال انس عن النبى ﷺ يرويه عن ربه عزوجل و قال ابوهريرة عن النبى ﷺ يرويه عن ربكم عزوجل

باب: محدث کے قول حدثنا، اخبرنا اور انبانا کی حقیقت کیا ہے

حمیدی کے قول کے مطابق ابن عیینہ کے نزدیک حدثنا، اخبرنا، انبانا اور سمعت سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ ﷺ، جو صادق اور مصدوق ہیں، کے متعلق بھی حدثنا رسول اللہ کے الفاظ استعمال کیے۔ شقیق کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کہتے تھے کہ میں نے نبی ﷺ کو کلمہ حدثنا کہتے سنا۔ حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے دو حدیثیں بیان کیں۔ ابوالعالیہ ابن عباسؓ کے حوالہ سے وہ چیزیں بیان کرتے تھے جو نبی ﷺ نے اپنے رب سے روایت کی ہیں۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ روایت فرماتے ہیں تمہارے رب عز و جل سے۔

یہ طویل عبارت باب کا عنوان ہے۔ اس کے مضمون کا تقاضا ہے کہ یہ چیزیں اصول حدیث کے تحت بیان کی جائیں لیکن امام صاحب نے یہاں ان کے لیے عنوان قائم کر دیا ہے۔ اس میں انہوں نے بعض روایتوں کے حوالے جمع کیے ہیں جن کو وہ استدلال کے لیے لانا چاہتے تھے لیکن اس کی نوبت نہیں آسکی اور کتاب کی روایت شروع ہوگئی۔

امام صاحب کی یہ بات درست ہے کہ حدثنا، اخبرنا اور انبانا، سمعت اور حدثنی سب کا مفہوم ایک ہی ہوتا ہے۔ اگر کہیں فرق ہوگا تو اتنا ہوگا کہ اگر راوی نے اپنے شیخ سے تنہا روایت سنی ہے تو حدثنی اور سمعت کہہ سکتا ہے لیکن اگر مجمع میں روایت سنی ہے تو حدثنا وغیرہ کہے گا۔ باقی رسول اللہ ﷺ کے قول مبارک کے لیے بھی حدثنا کا لفظ مستعمل تھا اور اس کے حوالے امام صاحب نے دیے ہیں۔

بعض حدیثوں میں کسی ایسے قول کا حوالہ ہے جو براہ راست اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے اور نبی ﷺ اس کو نقل کرتے ہیں۔ اس کو عرف عام میں حدیث قدسی کہتے ہیں۔ ان میں بڑی معرکے کی حدیثیں ہیں۔ اس کے لیے بھی لفظ حدثنا ہی آیا ہے۔

۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَ إِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ، فَحَدِّثُونِي مَا هِيَ. فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي، قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، فَاسْتَحْيَيْتُ، ثُمَّ قَالُوا: حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: هِيَ النَّخْلَةُ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان کی مانند ہے تو تم لوگ بتاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے۔ لوگوں کا ذہن جنگلوں کے درختوں کی طرف گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں کھجور کے درخت کا خیال آیا لیکن میں شرما گیا۔ پھر لوگوں نے کہا کہ آپ ہی فرمائیں یارسول اللہ کہ وہ کون سا درخت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔﴾

وضاحت:

مومن کی مثال سدا بہار درخت کی ہے اور یہ بات قرآن مجید کی آیت اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ (۱۴:۲۴) پر مبنی ہے۔ اس مقام پر صحیح و پاکیزہ کلمہ کی مثال اس درخت سے دی گئی ہے جس کی جڑیں پاتال میں ہیں اور شاخیں فضا میں۔ وہ سدا بہار ہے، ہر موسم

میں پھل دیتا ہے، اس کو زمین سے غذا مل رہی ہے اور فضا سے بھی برکتیں حاصل ہو رہی ہیں۔ چونکہ ایک مومن حق اور فطرت پر مبنی اس صحیح و پاکیزہ کلمہ ہی کو قبول کرتا اور اسی کو رہنما بناتا ہے لہذا اسی بات کو حضور ﷺ نے مومن کی اس تمثیل میں بیان فرمایا۔

امام بخاریؒ یہاں اس روایت سے بس یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے لیے صحابہ نے حدثنا کا جملہ استعمال کیا گیا تو اس کا استعمال حضور ﷺ کے لیے درست ہے۔

۵. باب: طَرْحِ الإِمَامِ الْمَسْأَلَةَ عَلَى أَصْحَابِهِ لِيَخْتَبِرَ مَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

باب: شاگردوں کا علم آزمانے کے لیے استاد کا ان سے سوال کرنا

۴۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَ إِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ، حَدِّثُونِي مَا هِيَ. قَالَ: فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَوَادِي، قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: فَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، ثُمَّ قَالُوا: حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: هِيَ النَّخْلَةُ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان کی مانند ہے۔ تو تم لوگ بتاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے۔ لوگوں کا ذہن جنگلوں کے درختوں کی طرف گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں کھجور کے درخت کا خیال آیا لیکن میں شرما گیا۔ پھر لوگوں نے کہا کہ آپ ہی فرمائیں، یارسول اللہ! کہ وہ کون سا درخت ہے۔ آپ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔﴾

وضاحت:

یہ وہی روایت ہے جو اوپر مذکور ہوئی لیکن اس کی سند قدرے مختلف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک صحیح روایت کی شرط یہ ہے کہ وہ کم از کم دو طریقوں سے مروی ہو۔ پہلی روایت قتیبہ بن سعید سے تھی جب کہ یہ روایت خالد بن مخلد سے ہے لیکن اصل راوی دونوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی ہیں۔ امام صاحب نے باب یہ باندھا ہے کہ امام اپنے ساتھیوں سے سوالات پوچھا کرے تاکہ ان کے علم کا امتحان ہو۔ معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے۔ لوگوں کے آگے علم انڈیلنے کی بجائے سوالات رکھتے کہ وہ ان سوالات کا جواب دیں تاکہ ان کے ذہن

کی تربیت ہو۔ وہ غور کرنا سیکھیں اور مشکل معاملات کو حل کرنے کی ان میں عادت پیدا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے اس طریقہ سے جتنے سوالات کیے وہ تمام زندگی کے نہایت اہم پہلوؤں سے متعلق ہیں۔

تعلیم کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ لوگوں کے اندر سوالات پیدا کیے جائیں۔ پھر ان کے جوابات سنے جائیں۔ ان پر جرح کرکے آہستہ آہستہ ان کی تربیت کی جائے۔ اس طریقہ تعلیم کی ایک اچھی مثال یونان کے حکیم سقراط کے ہاں ملتی ہے جس کے مکالمات افلاطون نے مرتب کیے۔ افسوس کی بات ہے کہ آج ہمارے طریقہ تعلیم میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ذہن دن بدن پست ہوتے جارہے ہیں اور جدید مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ناپید ہو گئے ہیں۔

٦. باب: اَلْقِرَاۃِ وَالْعَرضِ عَلَى الْمُحَدِّثِ

و رای الحسن و سفیان و مالک القرء ۃ جائزۃ قال ابو عبداللہ سمعت ابا عاصم یذکر عن سفیان الثوری و مالک الامام انہما کانا یریان القراء ۃ والسماع جائزۃ حدثنا عبیداللہ بن موسیٰ عن سفیان قال اذا قرئ علی المحدث فلا باس ان یقول حدثنی وسمعت واحتج بعضہم فی القراء ۃ علی العالم بحدیث ضمام بن ثعلبہ انہ قال للنبی ﷺ اللہ امرک ان تصلی الصلوات قال نعم قال فہذہ قراء ۃ علی النبی ﷺ اخبر ضمام قومہ بذلک فاجازوہ واحتج مالک بالصک یقرا علی القوم فیقولون اشہدنا فلان و یقرء ذلک قراء ۃ علیہم و یقرأ علی المقرئ فیقول القاری اقرأنی فلاں۔

باب: قرأت اور اس کو محدث پر پیش کرنے کی نوعیت

حسن، سفیان ثوری اور مالک کی رائے یہ ہے کہ قرأت جائز ہے۔ ابو عاصم کا بیان ہے کہ سفیان ثوری اور امام مالک قرأت اور سماع دونوں کو جائز کہتے تھے۔ سفیان سے روایت ہے کہ جب محدث کے سامنے قرأت کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی حدثنی یاسمعت کے الفاظ استعمال کرے۔ بعض لوگوں نے عالم کے سامنے قرأت کے متعلق حدیث ضمام بن ثعلبہ سے استدلال کیا ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا کہ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم پانچ نمازیں پڑھیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ وہ کہتے ہیں یہ قرأت ہے نبی ﷺ پر۔ پھر ضمام نے جاکر اپنی قوم کو خبر دی تو

انہوں نے اس کو منظور کر لیا۔ امام مالک نے قرأت پر استدلال دستاویزات سے کیا ہے کہ لوگوں کو پڑھ کر سنائی جائیں اور وہ یہ شہادت دیں کہ فلاں نے ہم کو سنائی۔ اسی طریقے سے پڑھانے والے کے سامنے جو کچھ پڑھا جاتا ہے تو پڑھنے والا کہتا ہے کہ مجھے فلاں نے پڑھایا۔

یہ بیان بھی اصول حدیث سے متعلق ہے۔ امام صاحب نے حدیث ضمام بن ثعلبہ سے استدلال کیا ہے جو آگے آ رہی ہے۔ ضمام بن ثعلبہ نے نبی ﷺ سے سن کر جو بات اپنی قوم پر پیش کی تو انہوں نے اس کو منظور کر لیا۔ اسی طریقے سے شاگرد اگر استاد کے سامنے پڑھے یا استاد خود پڑھے تو شاگرد کا حدثنی فلاں کہنا درست ہے۔ دوسرا استدلال دستاویز سے ہے جو کسی معاملے کے بارے میں لکھی گئی ہو۔ اس کو اگر کسی نے لوگوں کے سامنے گواہی کے طور پر پڑھا اور انہوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں تو یہ معتبر گواہی کی ایک شکل ہے۔ اسی طرح اگر استاد کے آگے کوئی شاگرد پڑھے اور استاد اس کی تصدیق کر دے تو شاگرد کے لیے اس کی روایت جائز ہونی چاہیے۔

امام صاحب کے یہ دونوں استدلال صحیح ہیں۔ عملاً حدیث کی تعلیم اسی طریقے سے ہوتی ہے۔ اس بات کے لیے امام صاحب نے جو تکلف کیا ہے اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ یہ بات عقل عام کی ہے۔

۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْوَاسِطِيُّ، عَنْ عَوْفٍ، عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ عَلَى الْعَالِمِ. وَ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: إِذَا قُرِئَ عَلَى الْمُحَدِّثِ فَلَا بَأْسَ أَنْ يَقُولَ: حَدَّثَنِي. قَالَ: وَسَمِعْتُ أَبَا عَاصِمٍ يَقُولُ عَنْ مَالِكٍ وَ سُفْيَانَ: الْقِرَاءَةُ عَلَى الْعَالِمِ وَقِرَاءَتُهُ سَوَاءٌ".

﴿حسن سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ عالم (یعنی محدث) کے سامنے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور عبید اللہ بن موسیٰ سفیان سے بیان کرتے ہیں کہ کوئی شخص جب محدث کے سامنے حدیث پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ کہے کہ حدثنی (انہوں نے مجھ سے حدیث بیان کی) اور کہتے ہیں کہ میں نے ابو عاصم کو یہ کہتے سنا کہ وہ مالک اور سفیان سے بیان کرتے تھے کہ محدث کے سامنے حدیث پڑھنا یا محدث کا خود پڑھنا برابر ہے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اصطلاحی معنوں میں حدیث رسول نہیں ہے بلکہ محدثین کے اقوال ہیں جن کا تعلق اصول حدیث سے ہے۔

حسن اور سفیان کے اقوال کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ایک روایت محدث کے سامنے پڑھتے ہیں تو گویا آپ کو اس کی سند مل گئی۔ اب آپ کو حق حاصل ہوگیا کہ آپ یہ کہیں کہ حدثنی فلاں یعنی فلاں نے مجھ سے حدیث بیان کی اور اس معاملے میں خواہ محدث خود پڑھے یا شاگرد پڑھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جن لوگوں نے فرق کیا ہے اس سے بڑے جھگڑے پیدا ہوئے ہیں۔

٢۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيدٍ، هُوَ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ شَرِيكِ ابْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي نَمِرٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ، دَخَلَ رَجُلٌ عَلَى جَمَلٍ، فَأَنَاخَهُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَقَلَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُمْ: أَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ؟ وَالنَّبِيُّ ﷺ مُتَّكِئٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ، فَقُلْنَا: هٰذَا الرَّجُلُ الْأَبْيَضُ الْمُتَّكِئُ. فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: ابْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: قَدْ أَجَبْتُكَ فَقَالَ الرَّجُلُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنِّي سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَيْكَ فِي الْمَسْأَلَةِ، فَلَا تَجِدْ عَلَيَّ فِي نَفْسِكَ. فَقَالَ: سَلْ عَمَّا بَدَا لَكَ. فَقَالَ: أَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ مَنْ قَبْلَكَ، آللّٰهُ أَرْسَلَكَ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ؟ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. قَالَ: أَنْشُدُكَ بِاللهِ، آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ نُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ؟ قَالَ: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. قَالَ أَنْشُدُكَ بِاللهِ، آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ نَصُومَ هٰذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ؟ قَالَ: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. قَالَ: أَنْشُدُكَ بِاللهِ، آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تَأْخُذَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِنَا فَتَقْسِمَهَا عَلَى فُقَرَائِنَا؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَللّٰهُمَّ نَعَمْ. فَقَالَ الرَّجُلُ: آمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِهِ، وَأَنَا رَسُولُ مَنْ وَرَائِي مِنْ قَوْمِي، وَ أَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ، أَخُو بَنِي سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ. رَوَاهُ مُوسَى وَ عَلِيُّ بْنُ عَبْدِالْحَمِيدِ، عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهٰذَا.

﴿ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے تو ایک شخص اونٹ پر آیا۔ اس نے اونٹ کو مسجد میں بٹھایا پھر اس کو باندھ دیا۔ پھر اس نے سوال کیا کہ آپ لوگوں میں سے محمد ﷺ کون ہیں۔ اور حال یہ تھا کہ نبی ﷺ لوگوں کے درمیان ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ ہم نے کہا کہ یہی حضرت ہیں جو گورے چٹے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔ اس پر اس شخص

نے آنحضرت ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ اے عبدالمطلب کے بیٹے! نبی ﷺ نے جواب دیا ہاں، بول رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا دیکھیے جی! میں آپ سے کچھ باتیں پوچھوں گا لیکن پوچھوں گا ذرا اکھڑ انداز میں، تو برا نہ مانیے گا۔ آپ نے فرمایا پوچھو جو کچھ پوچھنا ہے۔ اس نے کہا، میں آپ کو آپ کے رب اور آپ سے پہلے والوں کے رب کا حوالہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا، میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم پانچ نمازیں دن اور رات میں پڑھیں۔ آپ نے کہا کہ ہاں اللہ گواہ ہے۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ صدقہ ہمارے امراء سے وصول کریں اور ہمارے غریبوں پر تقسیم کریں۔ آپ نے کہا کہ اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ ہاں۔ اس پر اس شخص نے کہا، جو کچھ آپ لائے ہیں اس پر میں ایمان لایا۔ میں اپنی قوم کے لوگوں کا نمائندہ ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہے اور بنو سعد بن بکر کے خاندان سے ہوں۔ ؓ

وضاحت:

یہ وہ مکمل روایت ہے جس کا ایک ٹکڑا امام صاحب نے باب ۶ میں اس بات کے استدلال میں نقل کیا تھا کہ عالم کے سامنے قرأت پیش کرنے والا حدثنا، اخبرنا وغیرہ کہہ سکتا ہے درآں حالیکہ یہ روایت اپنے معانی اور مطالب کے لحاظ سے نہایت اہم اور دین کے بنیادی تقاضوں پر مشتمل ہے۔

یہ ضمام بن ثعلبہؓ بڑے پائے کے صحابی ہیں۔ ان کی بڑی تعریف آئی ہے۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم اس انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی دانشور سائل آئے اور تمام معاملات کی کرید کرے اور واضح سوالات کرے تاکہ ہم ان کے جوابات سنیں اور ان پر عمل کریں۔ ضمام بن ثعلبہ نے یہ کام نہایت شاندار طریقے سے انجام دیا۔ اگرچہ ان کا طریقہ خطاب اور انداز گفتگو بہت اکھڑ تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے بہت اعلیٰ سوالات کیے اور نہایت سائنٹفک ترتیب سے کیے۔ پہلے تو آنحضرت ﷺ کی رسالت کے متعلق سوال کیا کہ کیا واقعی آپ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ یہ سوال بنیادی ہے۔ جب تک رسالت کا اقرار نہ ہو عبادات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر سب سے مقدم عبادت نماز پنج گانہ ہے۔ اس کے بعد رمضان کے روزے اور زکوٰۃ آتی ہے۔ ہر مسلمان سے اسلام کا کم سے کم مطالبہ یہی ہے۔ ان چیزوں کے بغیر کسی کا اسلام معتبر نہیں۔ اور نہ ہی وہ اسلامی مملکت کی شہریت کا حق دار ہے۔ آج کے نام نہاد

مسلمانوں کو اس روایت کی روشنی میں اپنے دین و ایمان کا حال معلوم کر لینا چاہیے تا کہ کسی غلط فہمی میں نہ رہیں۔

امام بخاریؒ نے اس روایت کو اصول حدیث کے طور پر پیش کیا ہے۔ وہ یہ کہ قرأت جائز ہے اور روایت کو محدث پر پیش کرنا اس روایت کی رو سے ثابت ہے۔ کیونکہ ضمام بن ثعلبہ نے آنحضرت ﷺ سے تصدیق چاہی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم پانچ وقت نمازیں پڑھیں۔ آپؐ نے تصدیق فرمائی کہ ہاں۔ یہ قرأت ہوئی نبی ﷺ پر اور جب نبی ﷺ نے تصدیق کر دی تو سائل کو حق ہے کہ دوسری جگہ جا کر بیان کرے جیسا کہ ضمام نے قوم کے سامنے جا کر بیان کیا۔ یہ استدلال اپنی جگہ پر جتنا نازک ہے وہ ظاہر ہے۔ ایک طریقہ یہ ہوتا ہے کہ استاد کسی چیز کو پڑھتا ہے اور ہم اس کو یاد کر لیتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم استاد کے سامنے پڑھتے ہیں اور وہ ہمارے پڑھنے کی تصدیق کر دیتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں یہ عقل عام کی بات ہے جس کو ثابت کرنے کے لیے دلیلوں کی ضرورت نہیں۔

۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ قَالَ ثنا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرة قَالَ ثنا ثَابِت" عَنْ اَنَسٍ قَالَ نُهِينَا فِي الْقُرآنِ اَنْ نَسْاَلَ النَّبِيَّ ﷺ وَكَانَ يُعْجِبُنَا اَنْ يَجِئَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَيَسْئَلُهُ وَ نَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُل" مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ اَتَانَا رَسُولُكَ فَاَخْبَرَنَا اِنَّكَ تَزعَمُ اِنَّ اللّٰهَ عزوجل اَرْسَلَكَ قَالَ صَدَق ، قَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ قَالَ اللّٰهُ عِزَّوَجَل قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالْجِبَالَ قَالَ اللّٰهُ عزوجل، قَالَ فَمَنْ جَعَلَ فِيهَا الْمَنَافِعَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَل، قَالَ فَبِالَّذِى خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْاَرْضَ وَنَصَبَ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيهَا الْمَنَافِعَ اللّٰهُ اَرْسَلَكَ قَالَ نَعَم، قَالَ زَعَمَ رَسُولُكَ اَنَّ عَلَيْنَا صَومَ شَهْرٍ فِى سَنَتِنَا قَالَ صَدَق، قَالَ فَبِالَّذِى اَرْسَلَكَ اللّٰهُ امرکَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ، قَالَ وَ زَعَمَ رَسُولُك اَنَّ عَلَيْنَا حَجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا قَالَ صَدَق قَالَ فَبِالَّذِى اَرْسَلَكَ اللّٰهُ اَمَرَ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَوَالَّذِى بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِيدُ عَلَيْهِنَّ شَيًا وَلَا اَنْقُصُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ.

﴿ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن نے ہم کو نبی ﷺ سے سوال کرنے سے منع کر دیا تھا اس لیے ہم کو یہ بات بہت پسند تھی کہ دیہاتیوں میں سے کوئی شخص آئے، وہ آنحضرت ﷺ سے سوالات کرے جب کہ ہم سن رہے ہوں۔ آخر ایک دیہاتی آیا۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کا ایلچی ہمارے

پاس آیا۔ اس نے ہم کو خبر دی کہ آپ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس نے سچ کہا۔ وہ کہنے لگا کہ آسمان کس نے پیدا کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے۔ پھر کہنے لگا کہ زمین اور پہاڑ کس نے بنائے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے۔ اس نے کہا کہ ان میں فائدے کس نے رکھے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے۔ پھر کہنے لگا کہ اس ذات کی قسم جس نے آسمان و زمین بنائے اور زمین میں پہاڑ گاڑے اور ان میں فائدے رکھے کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ وہ کہنے لگا کہ آپ کے ایلچی نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمارے اوپر پانچ وقت کی نمازیں اور ہمارے مال کی زکوٰۃ لازم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں اس نے سچ کہا۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو بھیجا، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا۔ آپ نے جواب دیا، ہاں۔ اس نے پھر کہا کہ آپ کا ایلچی یہ بھی کہتا ہے کہ ہمارے اوپر سال میں سے ایک ماہ کے روزے فرض ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ اس نے پوچھا کہ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو بھیجا ہے کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم بھی دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس نے پھر کہا کہ آپ کے ایلچی کا کہنا ہے کہ ہم میں سے ہر اس شخص پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ آپ نے فرمایا وہ درست کہتا ہے۔ اس نے پوچھا، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا، کیا اللہ نے اس کا حکم بھی دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس پر اس آدمی نے کہا، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں ان کاموں پر نہ کچھ بڑھاؤں گا اور نہ کمی کروں گا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ شخص اپنی بات پر پکا رہا تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ ؎

وضاحت:

امام بخاری نے اس روایت کو بھی قرأت علی المحدث کے باب میں لیا ہے۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس شخص نے نبی ﷺ کے سامنے سوالات کیے۔ جب آنحضرت ﷺ نے اس کی تصدیق کر دی تو اب اس شخص کو حق حاصل ہو گیا کہ وہ دوسروں کے آگے روایت کر سکے۔ امام بخاری کا یہ مقدمہ، جیسا کہ پچھلی روایت میں وضاحت کی جا چکی ہے، عقل عام کی بات ہے۔ اس پر اس قدر دلائل لانے کی ضرورت تب ہوتی جب یہ کوئی اختلافی مسئلہ ہوتا۔

رہی روایت تو یہ اپنی جگہ پر بہت اہم ہے۔ اس آدمی نے دین کے بنیادی مسائل اٹھائے اور آنحضرت

ﷺ نے تصدیق فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ارض وسماء ہے۔ اسی نے آنحضرت ﷺ کو مبعوث فرمایا اور نماز، زکوۃ، روزہ اور صاحب استطاعت پر حج فرض فرمایا۔ پھر جب اس شخص نے یہ فرائض ادا کرنے کا عزم ظاہر کیا تو آنحضرت ﷺ نے بشارت دی کہ اگر اس نے ان تمام کاموں پر استقامت دکھائی تو یہ ضرور بہشت میں داخل ہوگا۔ دین کا ایک مسلمان سے یہ کم سے کم مطالبہ ہے۔ جو لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہو گئے ہیں، کلمہ پڑھ لیا ہے اور سال بعد عیدین کی نمازیں پڑھ لیتے ہیں یا جمعہ کے جمعہ مسجد کی حاضری دے دیتے ہیں تو ان کی نجات کے لیے یہ بہت کافی ہے، اس حدیث کی روشنی میں ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اتنا کافی نہیں۔ نماز پنجگانہ، زکوۃ اگر صاحب نصاب ہو اور روزہ اور صاحب استطاعت کے لیے حج یہ تمام لازمی کرنے کے کام اور ایمان کا کم از کم تقاضا ہیں۔ ان کے بغیر ایمان کا پایا جانا مشتبہ ہے بلکہ ایسا ایمان ٹھونٹھ درخت ہے جو آہستہ آہستہ فنا ہو جائے گا۔

اس شخص نے بھی ضمام بن ثعلبہ کی طرح سوالات بڑے تیکھے انداز میں کیے لیکن نہایت ہی اعلیٰ ترتیب سے کیے اور ہر بات اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھی جو اس کی حق پسندی پر دلالت کرتی ہے۔

بدو کے الفاظ "لا ازید ولا انقص" اس کے اس عزم کو ظاہر کرتے ہیں کہ جب اس کو دین کے اصول و مبادی کی تعلیم دے دی گئی ہے تو وہ اس میں کمی بیشی کیے بغیر ان پر عمل کرے گا۔ دوسرے ہر معاملے کی طرح دین کے اصول ومبادی کا معاملہ بھی ایسا ہے کہ ان میں ہر ضروری چیز شامل ہو گئی ہے۔ ان میں سے کسی چیز کو کم کرنا بغیر اس کے ممکن نہیں ہوتا کہ دین کے ایک حصہ کو ضائع کر دیا جائے اور ان میں اضافہ کرنا بھی دین کا حلیہ بگاڑے بغیر ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا ایک شخص جب یہ عزم ہو کہ وہ اصولی چیزوں میں کمی بیشی کے بغیر ان پر عمل کرے گا تو یہ اس کی سلیم الفطرتی کی دلیل ہے۔ ایسا آدمی دین کی صحیح شاہراہ پر رہتا ہے۔

بدو کے الفاظ کا یہ مفہوم لینا بالکل غلط ہوگا کہ اب وہ مزید کسی حکم کو نہیں مانے گا۔ اصول کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے تحت ایک شہر معانی آباد ہوتا ہے۔ بنیادی بات مان لینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی ان تمام باتوں کو مان رہا ہے جو اس کے تحت شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً نماز کا حکم ایک بنیادی حکم ہے۔ اس کو مان لینے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی مسجد، اذان، جماعت، طہارت، وضو وغسل، اوقات نماز، غرض نماز کے تمام متعلقات کو مان رہا ہے۔ یہ چیزیں بنیادی حکم کے علاوہ نہیں بلکہ اسی میں شامل ہیں۔ علی ہذا القیاس دوسرے امور میں بھی بدو نے گویا یہ اقرار کیا کہ وہ ان اصولی احکام کے تمام متعلقات پر بھی عمل پیرا ہوگا۔

صحابہ کرام کو کیوں یہ بات پسند تھی کہ اہل بادیہ میں سے کوئی آئے اور وہ سوال کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منع کر دیا تھا کہ لوگ زیادہ سوال نہ کریں۔ کیونکہ بنی اسرائیل نے زیادہ سوالات کر کے اپنے لیے دین کو بے حد مشکل بنا لیا تھا۔ اسلام فطری دین ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کی فطری سادگی پر رکھا

ہے۔ چونکہ اہل بادیہ کو اس حکم کا علم نہیں تھا تو وہ ایسے سوالات کرنے میں حق بجانب تھے۔ یہ ان کی تربیت اور اطمینان کے لیے ضروری بھی تھے، اور ان کا فائدہ حاضرین مجلس اور سوال کرنے والے سب کو ہوتا تھا۔ اسی لیے صحابہ کرام کی خواہش ہوتی کہ وہ اہل بادیہ کے سوالات کے وقت نبی ﷺ کی مجلس میں موجود ہوں۔

۷. باب: مَا يُذْكَرُ فِي الْمُنَاوَلَةِ، وَكِتَابِ اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْعِلْمِ اِلَى الْبُلْدَانِ.

وقال انس نسخ عثمان المصاحف فبعث بها الى الافاق ورای عبدالله بن عمرؓ و يحيیٰ بن سعيد و مالک ذالک جائز اواحتج بعض اهل الحجاز فی المناولة بحديث النبی ﷺ حيث كتب لامير السرية كتابا و قال لا تقراه حتی تبلغ مكان كذا و كذا فلما بلغ ذالک المكان قراه علی الناس و اخبرهم بامر النبی ﷺ.

باب: مناولہ کا بیان اور اہل علم کا علمی باتوں کو لکھ کر دوسرے شہروں کو بھیجنا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید لکھوائے اور ان کو اسلامی مراکز میں بھیجا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، یحییٰ بن سعیدؒ اور امام مالکؒ نے اس کو جائز قرار دیا۔ اور اہل حجاز کے بعض علماء نے مناولہ پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں نبی ﷺ نے ایک فوجی دستے کے امیر کو خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ اس کو نہ کھولنا جب تک کہ فلاں جگہ نہ پہنچ جاؤ۔ جب وہ اس جگہ پہنچے تو انہوں نے اس خط کو لوگوں کے سامنے پڑھا اور ان کو نبی ﷺ کے حکم کی خبر دی۔

پچھلے چند ابواب سے امام صاحب حدیث کی روایات کے ذرائع بتا رہے ہیں۔ جس طرح حدثنا، اخبرنا، قراۃ علی اور قرأت علیہ حدیث منتقل کرنے کے ذرائع ہیں اسی طرح مناولہ بھی حدیث کی روایت کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ مناولہ کا اصل مفہوم تو لین دین ہے مگر جس طرح آپ خط لکھ کر ایک چیز منتقل کر دیتے ہیں کہ یہ روایت میں نے فلاں سے سنی ہے اور وہ معتبر طریقہ سے ملی ہے اور اگر وہ خط پہنچ گیا تو جس کو خط لکھا گیا اس کو حق حاصل ہو جائے گا کہ وہ اس کو روایت کرے۔ اس طریقہ کو مناولہ کہا جاتا ہے۔ اس پر حضرت انسؓ نے اس بات سے استشہاد کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید لکھوا کر اس کے نسخے دوسرے شہروں کو بھجوائے۔ اس طرح سے حدیث یا حدیث کی کسی کتاب یا مجموعے کو منتقل کر سکتے ہیں۔ حضرت انس کا یہ استدلال ٹھیک ہے۔ اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔

امام صاحب نے اسی مناولہ پر نبی ﷺ کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ آپ نے ایک دستے

کے امیر کو ایک خط لکھ کر دیا کہ اس کو فلاں جگہ پر پہنچنے سے پہلے نہ کھولنا۔ جب اس جگہ پہنچے تو اس خط کو کھولا اور دستے والوں کو سنایا کہ یہ نبی ﷺ کی ہدایت ہے اور انہوں نے اس کو تسلیم کرلیا۔ یہ واقعہ سریہ عبداللہ بن جحش سے متعلق ہے۔ آنحضرت ﷺ نے امیر کو مکہ سے قریب نخلہ کے مقام پر گھات لگانے کا حکم دیا تھا۔ آپ نے ان کو یہ خط دیا۔ اس میں یہ لکھا تھا کہ مہم پر اپنے ساتھیوں میں سے انہی لوگوں کو لے جائیں جو خوش دلی سے جانا چاہیں۔ کسی کو مجبور کر کے ساتھ نہ لے جائیں۔ امام صاحب نے اس واقعہ کو مناولہ کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ میرے نزدیک مناولہ کا طریقہ روایت کو منتقل کرنے کا ایک صحیح طریقہ ہے۔

۸۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَ بِكِتَابِهِ رَجُلًا، وَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ، فَدَفَعَهُ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرَى، فَلَمَّا قَرَأَهُ مَزَّقَهُ، فَحَسِبْتُ أَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ: فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ.

﴿حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک نامہ لکھ کر ایک شخص کے حوالے کیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ اس کو بحرین کے گورنر کے حوالے کرے۔ بحرین کے گورنر نے اس کو کسریٰ کے پاس پہنچایا۔ کسریٰ نے جب اس کو پڑھا تو چاک کردیا۔ میرا گمان یہ ہے کہ ابن مسیب نے یہ بات کہی کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بددعا دی کہ یہ لوگ بھی اسی طرح پارہ پارہ کردیے جائیں۔﴾

وضاحت:

نبی ﷺ کے زمانے میں بحرین پر ایرانیوں کا اقتدار تھا اور وہاں کا گورنر شاہ ایران کسریٰ کا نمائندہ ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو ذریعہ بنایا کہ وہ آپ کا خط کسریٰ تک پہنچادے گا۔

یہ واقعہ ایک حقیقت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بادشاہوں کو نامے ارسال کیے تھے۔ ان بادشاہوں میں ایران کا بادشاہ کسریٰ بھی شامل تھا۔ کسریٰ نے آنحضرت ﷺ کا نامہ مبارک پھاڑ دیا۔ اسی واقعہ کا ذکر اس روایت میں ہے۔ روایت کے آخر میں ابن المسیب کے حوالہ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے ایرانیوں کے لیے بددعا کی۔ روایت کا یہ حصہ تحقیق طلب ہے کہ یہ کس کا قول ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ابن عباس کا قول نہیں

ہے۔ میرے نزدیک یہ قول ابن شہاب کا ہے جو اس طرح کے ادراج کے ماہر ہیں۔ وہ کہتے ہیں حسبت (میرا گمان یہ ہے) یہ لفظ کوئی مضبوط لفظ نہیں بلکہ ظنیت سے بھی کمزور ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے یوں فرمایا ہو کہ یہ لوگ بھی اسی طرح پارہ پارہ ہو جائیں گے جس طرح انہوں نے میرا نامہ چاک کیا۔ اس طرح یہ جملہ خبریہ ہوسکتا ہے اور یہی اقرب ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت ﷺ اس طرح کی باتوں پر بددعا نہیں فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا طریقہ یہ نہیں تھا۔ عبارت سے واضح ہے کہ راوی کو بھی اس بارے میں پورا یقین نہیں۔

امام صاحب یہ روایت مناولہ کے تحت لائے ہیں۔ میرے نزدیک یہ اس مقصد کے لیے بالکل بے معنی ہے۔ مناولہ تو یہ ہے کہ مجھے مکتوب کے ذریعے ایک روایت پہنچی ہے تو پھر مجھے اس کی روایت کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس واقعہ میں یہ مفہوم نہیں پایا جاتا۔ دوسرا شخص جو بیچ میں ہے وہ کافر ہے اور خود اس نے وہ پیغام قبول بھی نہیں کیا جو مکتوب کے ذریعے بھیجا جا رہا ہے۔ لہٰذا اس واقعہ کو محدثین کی مناولہ کی اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں۔

۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ: أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَتَبَ النَّبِيُّ ﷺ كِتَابًا - أَوْ أَرَادَ أَنْ يَكْتُبَ - فَقِيلَ لَهُ: إِنَّهُمْ لَا يَقْرَؤُونَ كِتَابًا إِلَّا مَخْتُومًا، فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ، نَقْشُهُ: "مُحَمَّدٌ" رَسُولُ اللّٰهِ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي يَدِهِ. فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ: مَنْ قَالَ نَقْشُهُ "مُحَمَّدٌ" رَسُولُ اللّٰهِ؟ قَالَ: أَنَسٌ".

﴿حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک نامہ لکھایا لکھنے کا ارادہ کیا تو آپؐ سے کہا گیا کہ یہ لوگ ایسے خط پر اعتماد نہیں کرتے جس پر مہر نہ لگی ہو۔ اس پر آپ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس کے اوپر "محمد رسول اللہ" کا نقش کندہ کیا گیا تھا۔ اس وقت بھی میں گویا حضور ﷺ کے ہاتھوں میں اس کی چمک دیکھ رہا ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ سے پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا کہ اس پر محمد رسول اللہ کا نقش تھا تو انہوں نے کہا کہ انسؓ نے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے مختلف بادشاہوں کو دین کی دعوت دینے کے لیے خطوط لکھوانے چاہے تو آپ کو مشورہ دیا گیا کہ یہ لوگ مہر شدہ خطوط کو اہمیت دیتے ہیں چنانچہ حضورؐ نے خاص اس مقصد سے مہر تیار کروائی۔

میرے نزدیک مناولہ میں طریقہ قابل اعتماد ہونا چاہیے جو شبہ سے بالاتر ہو ورنہ بیچ میں خلل پیدا ہو سکتا ہے۔ کوئی دوسرا شخص مضمون میں تھوڑی سی تبدیلی بھی کر دے تو بات کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس بات کا اہتمام فرمایا کہ تمام سرکاری خطوط کے لیے مہر تیار کروائی اور تحریر کے خاتمہ پر یہ مہر لگادی جاتی تھی۔

٨. باب: مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ، وَمَنْ رَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا

باب: جو شخص مجلس کے آخر میں بیٹھ جائے اور جو حلقے کے اندر گنجائش پائے تو وہاں بیٹھ جائے

اس باب میں امام صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر درس حدیث کا حلقہ ہو تو اس مجلس میں آنے والوں کا کیا طریقہ ہونا چاہیے۔ دوسرے پر بیٹھ جائیں یا حلقہ کے اندر گنجائش پائیں تو وہاں جگہ بنا لیں۔ میرے نزدیک یہ کوئی خاص نکتہ نہیں۔ لوگ مجالس میں آ کر جہاں جگہ ملتی ہے بیٹھ ہی جاتے ہیں۔ البتہ آگے جو حدیث آ رہی ہے وہ نہایت قیمتی ہے۔

١٠۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ: أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ: عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ وَالنَّاسُ مَعَهُ، إِذْ أَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَذَهَبَ وَاحِدٌ، قَالَ: فَوَقَفَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا: فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا، وَ أَمَّا الْآخَرُ: فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ، وَ أَمَّا الثَّالِثُ: فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلَاثَةِ؟ أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللّٰهِ فَآوَاهُ اللّٰهُ، وَ أَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللّٰهُ مِنْهُ، وَ أَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ.

﴿ حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپؐ کے ارد گرد بیٹھے تھے کہ تین آدمی نمودار ہوئے۔ دو تو رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھے لیکن ایک چل دیا۔ کہتے ہیں کہ پہلے دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکے۔ پھر ایک نے حلقے کے

اندر کچھ گنجائش پائی تو وہاں جا کر بیٹھ گیا۔ دوسرے نے جگہ نہ پائی تو وہ لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا واپس چلا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو ان اصحاب کی عاقبت کی خبر نہ دوں۔ ایک نے اللہ کی طرف پناہ لی تو اللہ نے اس کو پناہ دی۔ دوسرا خدا سے شرمایا تو اللہ بھی اس سے شرمایا۔ رہا تیسرا تو اس نے اللہ سے اعراض کیا تو اللہ نے بھی اس سے اعراض کیا۔ ﴾

وضاحت:

پیغمبر ﷺ کے اس ارشاد سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی ایسی مجلس میں جو قرآن اور حدیث کے علم کے لیے منعقد ہو، جا کر آدمی اگر یہ رویہ اختیار کرے کہ یہاں جگہ تنگ ہے، جوتوں میں کون بیٹھے، واپس چلتے ہیں تو یہ بے نیازی اعراض کی دلیل ہے۔ اگر پیچھے ہی جگہ مل جائے تو وہیں بیٹھ جانا چاہیے اور اگر اندر جگہ مل جائے تو فبہا۔ اس بات کو آنحضرت ﷺ نے یوں تعبیر فرمایا کہ ایک نے اللہ کی طرف پناہ لی تو اللہ نے اس کو پناہ دے دی یعنی جہاں اس کو گنجائش مل گئی بیٹھ گیا اور اس کے بیٹھنے کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔ دوسرے نے کہا کہ آگے جگہ نہیں ملتی، پائیں میں ملتی ہے وہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی مجلس کو چھوڑ کر جائیں تو یہ بڑی محرومی ہوگی۔ ایسے شخص کے رویہ پر اللہ تعالیٰ نے بھی شرم رکھی کہ اس بندے کو اس کی نیت کا اچھا پھل دیا اور اس کو قبول فرمالیا۔ تیسرے آدمی نے مجلس سے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو رد کر دیا۔ اس طرح کی بات آنحضرت ﷺ ہی کہہ سکتے تھے۔ ہم تو اس پوزیشن میں نہیں ہوتے کہ کسی شخص پر کوئی حکم لگا سکیں۔ مثلاً ہو سکتا ہے ایک شخص کسی شدید ضرورت کے تحت مجلس سے واپس گیا ہو۔ ہم اس کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ معرض ہے۔ تاہم اس روایت سے یہ بات ضرور نکلتی ہے کہ قرآن وحدیث کی مجلس سے اعراض نہیں کرنا چاہیے۔ جس طریقہ سے بھی ممکن ہو وہاں گنجائش پیدا کرنی چاہیے۔ اگر اندر جگہ نہ ملے تو آدمی پائیں میں ہی بیٹھ جائے۔ اس کی یہ خاکساری اور تواضع اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقبول ہوگی۔ اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرم کی اور پائیں میں ہی بیٹھنا گوارا کر لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے گا۔

یہ حدیث بہت اعلیٰ درجے کی ہے۔ مجلسی آداب کے بارے میں بھی اس کی اہمیت واضح ہے۔ دینی مجالس کے علاوہ دوسری مجالس کے آداب میں بھی یہ بات ہے کہ جہاں کہیں جگہ ملے آدمی وہیں بیٹھ جائے اور صدر جگہ کی طرف اقدام نہ کرے۔ اگر وہ دیر سے آیا ہے تو اپنا قصور تسلیم کرے۔ مساجد میں بھی یہ خیال ہونا چاہیے کہ آدمی اگر دیر سے آئے تو صفوں کو پھلانگتا ہوا آگے جانے کی کوشش نہ کرے بلکہ جہاں جگہ میسر ہو وہیں بیٹھ جائے۔

روایت کی جامعیت کے مقابلہ میں امام بخاریؒ نے جو باب باندھا ہے وہ نا تمام ہے۔

۹. باب: قَوْلُ النَّبِيِّ ﷺ: رُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ

باب: نبی ﷺ کا ارشاد کہ اکثر اشخاص براہ راست سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں

۱۱. حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ: ذَكَرَ النَّبِيُّ ﷺ قَعَدَ عَلَى بَعِيرِهِ، وَأَمْسَكَ إِنْسَانٌ بِخِطَامِهِ - أَوْ بِزِمَامِهِ - قَالَ: أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا. فَسَكَتْنَا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ سِوَى اسْمِهِ، قَالَ: أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ. قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: فَأَيُّ شَهْرٍ هٰذَا. فَسَكَتْنَا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ سَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ، فَقَالَ: أَلَيْسَ بِذِي الْحِجَّةِ. قُلْنَا: بَلَى، قَالَ: فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ، وَ أَمْوَالَكُمْ، وَ أَعْرَاضَكُمْ، بَيْنَكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ مِنْهُ.

﴿عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے ذکر کیا کہ نبی ﷺ اپنے اونٹ پر سوار تھے اور ایک آدمی اونٹ کی نکیل یا باگ پکڑے ہوئے تھا۔ آپ نے پوچھا جانتے ہو کہ آج کا دن کون سا دن ہے تو ہم سب خاموش رہے۔ ہم نے گمان کیا کہ آج آپ اس کو کسی اور نام سے تعبیر کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا آج یوم نحر (قربانی کا دن) نہیں؟ ہم نے عرض کی جی، وہی ہے۔ پھر آپ نے پوچھا یہ کون سا مہینہ ہے۔ ہم خاموش رہے۔ ہمیں خیال ہوا کہ آپ اس کو کسی اور نام سے تعبیر کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا یہ ذی الحجہ کا مہینہ نہیں؟ ہم نے کہا جی، وہی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا، یاد رکھو کہ تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری آبروئیں، تمہارے لیے اسی طرح محترم ہیں جس طرح آج کا دن محترم ہے، یہ مہینہ محترم ہے اور یہ شہر محترم ہے۔ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان کو میرا پیغام پہنچا دیں جو موجود نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حاضر ہونے والے کسی بات کو ان لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ سننے سمجھنے والے ہوتے ہیں۔﴾

وضاحت:

اس حدیث کے ایک ٹکڑے سے امام بخاریؒ نے باب باندھ دیا ہے۔ یہ ٹکڑا واقعی حدیث کی جان ہے۔ ایک کلمۂ حق جو کسی کے کان میں پڑے اس کو دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل سامع کے علاوہ بھی ایسے قابل جوہر ہوتے ہیں جن کو بات پہنچ جائے تو وہ قطرے کو دریا بنالیں اور محفوظ کرلیں گے۔ اگر کسی تک براہ راست بات پہنچی ہے تو اس کو یہ شرف تو ضرور حاصل ہو چکا کہ وہ پہلا سننے والا ہے لیکن اس کو یہ گمان بھی رکھنا چاہیے کہ اگر میرے ذریعے سے یہ بات دوسروں تک پہنچ جائے گی تو ان میں سے کوئی ایسا شخص بھی ہوسکتا ہے جو اس بات کی قدر و قیمت کو، اس کے جوہر کو، مجھ سے زیادہ سمجھ سکے اور اس سے صحیح فائدہ اٹھائے۔

یہ روایت حجۃ الوداع کے خطبے کی ہے، جس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کیا گیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس خطبہ میں جو زور خطابت ہے وہ خطابت سے آشنا لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اگر دنیا میں بہترین، جامع ترین اور مکمل ترین خطبے کی کوئی مثال دی جائے تو وہ یہ خطبہ ہے۔ خطابت کے اعتبار سے بھی اور اپنے معارف اور علوم کے اعتبار سے بھی اس سے بڑا آسمان کے نیچے اور کوئی خطبہ نہیں۔

یہ سب کو معلوم تھا کہ ذی الحجہ کا مہینہ محترم ہے۔ شہر حرام کا احترام تو جاہلیت کے زمانے سے چلا آرہا تھا۔ ان مہینوں کے احترام میں سب اپنی تلواریں میان میں کر لیتے تھے۔ اسی طرح قربانی کے دن اور مکہ مکرمہ کی عظمت سے بھی لوگ آگاہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے سوال کر کے لوگوں کو گویا جگا دیا کہ کان کھول کر سن لو کہ آج کا دن مبارک دن ہے۔ یہ قربانی کا دن ہے اور آج کا مہینہ اور یہ شہر جس میں مسجد حرام ہے سب محترم ہیں۔ تمہارے جان و مال اور عزت و آبرو کی حرمت بھی اس دن، مہینہ اور شہر کی حرمت کی مانند ہے۔ پھر فرمایا کہ جو لوگ آج یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں کو میرا پیغام پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔ یہ ابلاغ کی ذمہ داری آپ نے سننے والوں پر اس لیے ڈالی کہ حاضر لوگ بسا اوقات کسی بات کو ان لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو ان سے زیادہ عاقل، عالم، فقیہ اور حکیم ہوتے ہیں۔ لہذا وہ بات ان کو زیادہ نفع پہنچاتی ہے۔

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا اطلاق روایت حدیث پر بھی ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرۃ حدیث کے بہت بڑے راوی ہیں لیکن متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان پر اعتراض کیا کہ وہ نبی ﷺ کے ارشاد کو نہیں سمجھے۔ راویان حدیث میں فقیہ اور غیر فقیہ راوی کی تقسیم اسی لیے کی گئی ہے کہ ہر راوی کا مقام ایک جیسا نہیں ہے۔ انہوں نے سامع کی حیثیت سے ابلاغ کی ذمہ داری ادا کردی لیکن ان کی روایت سے صحیح استفادہ علمائے ربانی نے کیا۔ امام مالکؒ تک جو روایات پہنچیں انہوں نے ان کو موطا میں جمع کر کے اپنی فقہ کی بنیاد رکھ دی۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے روایات کا ایک عمدہ ذخیرہ مرتب کر کے امت کے ہاتھوں میں دے دیا۔

١٠. باب: اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ

لقول الله عزوجل فَاعْلَمْ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فبدا بالعلم و ان العلماء هم ورثة الانبياء ورثوا العلم من اخذه اخذ بحظ وافر و من سلک طريقا يطلب به علما سهل الله له طريقا الى الجنة و قال اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا و قال و وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ قال وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ وَ قَالَ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ وقال النبى ﷺ من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين و انما العلم بالتعلم و قال ابوذر لو وضعتم الصمصامة على هذه و اشار الى قفاه ثم ظننت انى انفذ كلمه سمعتها من النبى ﷺ قبل ان تجيزوا على لا نفذتها و قول النبى ﷺ ليبلغ الشاهد الغائب و قال ابن عباس كونوا ربانيين حلماء و علماء و فقهاء و يقال الربانى الذى يربى الناس بصغار العلم قبل كباره.

باب: کہنے اور عمل کرنے سے پہلے علم ضروری ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَاعْلَمْ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" (محمد:١٩) جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس آیت کا آغاز علم سے کیا ہے۔ نیز علماء ہی کا یہ مقام ہے کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔ ان کو پیغمبروں کے علم کی وراثت ملی۔ اس میں سے جس نے علم حاصل کیا اس نے حصہ وافر حاصل کیا اور جو کوئی علم حاصل کرنے کے لیے راستہ چلے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" (فاطر:٢٨) (درحقیقت اللہ تعالیٰ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو عالم ہوتے ہیں) نیز فرمایا "وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ" (العنکبوت:٤٣) (یہ باتیں وہی سمجھتے ہیں جو عالم ہیں) پھر ارشاد ہے "وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ" (الملک:١٠) (اگر ہم سنتے اور سمجھتے تو ہم جہنم والوں میں نہ بنتے) نیز فرمایا "هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ" (الزمر:٩) (کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں) اور آنحضرت ﷺ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے بھلائی چاہتا

ہے اس کو دین کی سمجھ دے دیتا ہے۔ اور یہ کہ علم سیکھنے سے ہی آتا ہے۔ ابوذر کا قول ہے کہ اگر تم تلوار یہاں رکھ دو (اور اشارہ اپنی گردن کی طرف کیا) پھر میں یہ گمان کروں کہ میں ایک کلمہ جو میں نے نبی ﷺ سے سنا اپنی گردن مارے جانے سے پہلے لوگوں کو منتقل کرسکوں گا تو ضرور کر دوں گا۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ حاضر کو چاہیے کہ میری بات غائب کو پہنچا دے۔ اور ابن عباسؓ نے کہا کہ تم ربانی بن جاؤ۔ یعنی حلیم، عالم اور سمجھدار۔ بعضوں نے کہا کہ ربانی وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو علم کی بڑی بڑی باتیں سکھانے سے پہلے چھوٹی چھوٹی باتیں سکھا کر ان کی تربیت کرے۔

یہ باب کا عنوان ہے۔ اس میں قرآن مجید کی آیات بھی ہیں، حدیثیں بھی ہیں اور صحابہ کے اقوال بھی۔ لیکن امام صاحب نے اس باب کے تحت کوئی روایت نقل نہیں کی۔ عنوان میں جو روایات نقل کی ہیں ان کی نوعیت تعلیق یا صرف ایک حوالے کی ہے۔ باب کے تحت روایت نہ لانے کی وجہ یہ نہیں ہوسکتی کہ امام صاحب کو اتنی ساری باتیں ثابت کرنے کے لیے اپنے معیار پر کوئی روایت نہیں ملی یا یہ کہ اس موضوع کی روایات جو انہوں نے عنوان کے اندر ہی نقل کردی ہیں اسی کو انہوں نے کافی خیال کیا ہے اور مزید کی ضرورت نہیں محسوس کی۔ میرے نزدیک عنوان کے مطابق ان کو روایات جمع کرنے کی فرصت نہ ملی اور کتاب کی روایت شروع ہوگئی۔ بڑے لوگوں کے ہاں ایسا ہو جاتا ہے۔

امام صاحب کا یہ فرمانا کہ کہنے اور عمل کرنے سے پہلے علم ضروری ہے، نہایت قیمتی بات ہے۔ اس زمانے میں مقتدا اور امام بننے کے لیے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن دین میں یہ ہے کہ پہلے جانو، پھر کچھ کہو۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہود کے پیشواؤں کو "اندھے راہ دکھانے والے" کہا۔ مطلب یہ کہ خود کو کچھ نظر نہیں آتا لیکن دوسروں کو راستہ دکھانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ایک مشہور قول ہے کہ "طبیب پہلے تو اپنا علاج کر" اس کا مفہوم بھی یہی ہے۔ ایک ایسا طبیب جسے آتا کچھ نہ ہو اور وہ نسخہ لکھنے بیٹھ جائے تو وہ لوگوں کے لیے ہلاکت ہی کا باعث بنے گا۔ لیکن ہمارے بعض مذہبی لیڈر کہتے ہیں کہ خلق کی خدمت کرنی چاہیے، پڑھنے میں کون وقت ضائع کرے۔ اس باب میں امام بخاریؒ ایسے لیڈروں کی فکری غلطی کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ وہ اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب سب سے بڑی حقیقت بیان کی تو فرمایا یہ بات جان لو کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ تعالیٰ۔ یعنی اس حقیقت کے بیان کا آغاز لفظ اعلم (جان لو) سے کیا ہے۔

پھر امام صاحب نے ایک روایت کا حوالہ دیا ہے کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علم رکھنے والوں ہی کو انبیاء کی وراثت منتقل ہوگی۔ یہ نہیں کہ خطیبوں، قلم بازوں اور لیڈروں کو منتقل ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے علماء ہی نے یہ وراثت پائی ہے اور جس نے اس وراثت کو پایا وہ بڑا خوش قسمت ہے۔ اس نے نیکی کا

بہت بڑا حصہ پایا۔ بڑی سے بڑی جائیداد کے مقابل میں علم کی وراثت افضل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بڑی سے بڑی بادشاہی بھی اس کے مقابل میں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی، اگرچہ اہل دنیا کی نگاہوں میں اس علم کی ٹکے کی قیمت نہیں۔

پھر امام صاحب نے ایک اور روایت کا حوالہ دیا ہے کہ جو شخص علم کے راستے میں جدوجہد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستے کو آسان کردے گا۔ یعنی جنت کا راستہ علم ہی سے کھلتا ہے۔ ظاہر ہے کہ علم ہوگا تو آدمی کا عقیدہ و عمل درست ہوگا اور عقیدہ و عمل کی درستی ہی پر جنت کی راہ کھلتی ہے۔ لہٰذا علم کے لیے جدوجہد کرنے والا اپنے لیے جنتی ہونے کی راہ ہموار کرتا ہے۔

اس کے بعد امام صاحب نے آیات نقل کی ہیں جو ان کے نزدیک ان کے دعوی پر دلیل ہیں۔ سورہ فاطر کی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اس کے وہ بندے جو عالم ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ جتنا کسی کے اندر صحیح علم ہوگا اتنا ہی اس کے اندر اللہ کی خشیت ہوگی، اور خشیت سے عاری شخص محض ایک جانور ہے، چاہے دنیا کی نگاہوں میں کتنا ہی معزز ہو۔

سورہ ملک کی آیت میں جہنم واصل ہونے والوں کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ اگر ہم سننے والے اور سمجھنے والے ہوتے تو ہم جہنم میں نہ جاتے۔ مطلب یہ کہ آخرت کی کامیابی کے لیے سننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ یعنی علم حاصل کر کے اس پر عمل کرنا ہی آخرت کی فلاح کا ضامن ہے۔

سورہ زمر سے نقل کردہ آیت کی رو سے جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں یکساں نہیں ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ عالم باعمل ہی کامیاب ہوں گے۔ یہ تمام آیات علم کی فضیلت کے حق میں دلیل ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عمل پر علم مقدم ہے۔ اس کے بعد امام صاحب نے تحصیل علم کے حق میں روایت نقل کی ہے اور پھر صحابہ کرامؓ کے اقوال درج کیے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر میری گردن پر تلوار رکھی ہوئی ہو اور مجھے گردن اڑائے جانے سے پہلے اس بات کا موقع مل جائے کہ میں کوئی ایک بات جو نبی ﷺ سے میں نے سنی ہو کسی دوسرے تک منتقل کردوں تو میں ضرور کردوں گا۔

امام صاحب نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ ربانی بنو اور ربانی ہونے کا مطلب ہے حلیم (بردبار) عالم اور فقیہ ہے۔ گویا دین کا فہم اور دین کی بصیرت رکھنے والے بنو۔

امام صاحب کے بقول بعض نے ربانی سے وہ عالم مراد لیے ہیں جو بڑے بڑے مسائل سے پہلے لوگوں کو چھوٹی چھوٹی اور سہل باتیں سکھا کر ان کی تربیت کرتے ہیں۔ ربانی کی یہ تعریف کسی غیر معروف شخص کی خود ساختہ ہے۔ ربانی کے معنی علماء کے ہیں اور یہ لفظ اہل کتاب سے آیا ہے۔ اس لیے حضرت ابن عباسؓ کی بیان کردہ تفصیل صحیح ہے۔ اس بات کا تعلق کہ پہلے چھوٹی چھوٹی باتیں بتائی جائیں تاکہ سننے والا ان سے مانوس ہو جائے، بعد میں بڑی بڑی

باتیں بتائی جائیں، آداب تعلیم سے ہے۔

۱۱. باب: مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُهُمْ بِالْمَوْعِظَةِ وَالْعِلْمِ كَيْ لَا يَنْفِرُوا

باب: نبی ﷺ موقع اور وقت کا لحاظ کر کے صحابہ کو نصیحت کرتے اور علم سکھاتے تاکہ وہ بیزار نہ ہوں

۱۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْأَيَّامِ، كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا.

﴿حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اس بات کا اہتمام رکھتے تھے کہ ہمیں نصیحت ایسے مواقع پر کریں کہ ہم لوگ بے زار نہ ہوں۔﴾

وضاحت:

یتخولنا کا ٹھیک ترجمہ یتخذنا سے کیا جاتا ہے لہذا اس کے معنی ہوں گے کہ حضور ﷺ اہتمام رکھتے تھے کہ صحابہ کو اس طور پر نصیحت کریں کہ وہ "بور" نہ ہونے پائیں۔ یعنی متنفر یا بیزار نہ ہوں۔ علم سکھانے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ٹھونسنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ ناغہ کر کے لوگوں کو نصیحت یا تعلیم دی جائے۔ آنحضرت ﷺ حالات کو بھی ملحوظ رکھتے اور یہ بھی دیکھ لیتے کہ وقت موزوں ہے یا نہیں۔

۱۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا.

﴿حضرت انسؓ راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ آسانی پیدا کرو، تنگی پیدا نہ کرو، خوشخبری دیا کرو، بیزار نہ کیا کرو۔﴾

وضاحت:

اسلام فطری دین ہے۔ اس میں ہر چیز کو انسانی فطرت سے قریب تر رکھا گیا ہے۔ دوسرے مذاہب کی طرح نہایت مشکل مجاہدات اور عبادات کا غیر معمولی بوجھ اس میں نہیں ہے۔ لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں بھی اسی بات کو ملحوظ رکھنے کا حکم ہے کہ آپ تعلیم کو لوگوں کے لیے مصیبت نہ بنا دیں۔ سہولت کے ساتھ ان کو دین سکھائیں اور ایسا

رویہ اختیار نہ کریں جس سے لوگ بیزار ہونے لگیں۔

یہ حدیث اسلام کے مزاج کو واضح کرتی ہے۔ پیچھے ایک روایت گزر چکی ہے جس کے مطابق نبی ﷺ کے سامنے ایک خاتون کا ذکر کیا گیا جس کے عبادات میں انہماک کا بڑا چرچا تھا۔ حضورؐ نے اس کو ناپسند فرمایا۔ اسی طرح کچھ صحابہ نے اپنے اوپر کثرت عبادات کی پابندیوں کا ارادہ کیا تو آپ نے ان کو روک دیا۔

۱۲. باب: مَنْ جَعَلَ لِاَهْلِ الْعِلْمِ اَيَّامًا مَعْلُومَةً

باب: جو لوگ اہل علم کے لیے معین ایام ٹھہرا لیتے ہیں

۱۴۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ اَبِي وَائِلٍ قَالَ: كَانَ عَبْدُاللّٰهِ يُذَكِّرُالنَّاسَ فِي كُلِّ خَمِيسٍ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ، لَوَدِدْتُ اَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا كُلَّ يَوْمٍ؟ قَالَ: اَمَا اِنَّهُ يَمْنَعُنِي مِنْ ذٰلِكَ اَنِّي اَكْرَهُ اَنْ اُمِلَّكُمْ، وَ اِنِّي اَتَخَوَّلُكُمْ بِالْمَوْعِظَةِ، كَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَخَوَّلُنَا بِهَا، مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا.

﴿ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ ہر جمعرات کو لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے۔ ان سے ایک آدمی نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن! میری خواہش ہوتی ہے کہ آپ روزانہ ہمیں نصیحت فرمایا کریں۔ انہوں نے کہا کہ میرے لیے جو چیز اس سے مانع ہے یہ ہے کہ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں تمہیں بیزار کر دوں۔ میں وعظ و نصیحت کے لیے موقع تلاش کرتا ہوں، بالکل اسی طرح جیسے نبی ﷺ ہمارے لیے موقع تلاش کیا کرتے تھے، اس اندیشے سے کہ نصیحت ہمارے اوپر گراں نہ گزرے۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ ایک عالم موقع و محل دیکھ کر اور ضرورت کے بقدر نصیحت کرتا ہے۔ اس کی یہ خواہش نہیں ہوتی کہ لوگ سننا چاہتے ہوں یا نہ سننا چاہتے ہوں وہ لازماً اپنے وعظ ان کو سنائے۔ ہمارے ہاں واعظین جب اسٹیج پر قبضہ جما لیتے ہیں تو پھر اس کو چھوڑنے کا نام نہیں لیتے۔ لوگوں کا موڈ خواہ کیسا ہو، وہ اپنی تقریر انہیں سنا کر رہتے ہیں اور اگر مجبوری ہو تو اس کو دوسری قسط کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ یہ طرز عمل نبی ﷺ اور صحابہ کے طریقہ سے نابلد ہونے کا نتیجہ ہے۔

۱۳ . باب: مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ

باب: اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے

۱۵۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ: سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ خَطِيبًا يَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ، وَ إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ" وَاللّٰهُ يُعْطِي، وَلَنْ تَزَالَ هٰذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللّٰهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ.

﴿حمید بن عبد الرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے امیر معاویہؓ کو خطبہ دیتے سنا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ جس کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں، عطا کرنے والا اللہ ہے۔ یہ امت اللہ کے دین پر قائم رہے گی تو جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا امر آ جائے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بڑی اہم ہے اور اس کی روایت بھی امیر معاویہؓ نے اپنے خطبہ کے دوران کی جب ایک مجمع ہمہ تن گوش ان کی طرف متوجہ تھا۔

اس روایت کی رو سے حضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص پر اللہ کا خاص فضل اور اس کی عنایت ہو اور وہ اس کی بھلائی چاہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کی عنایت کی دلیل کسی آدمی کے پاس مال کی فراوانی یا دنیاوی تزک و احتشام نہیں۔ یہ چیزیں قریش کے سرداروں کے پاس وافر مقدار میں تھیں اور وہ کمزور مسلمانوں کے مقابل میں ان چیزوں کو خدا کی نظروں میں اپنے مرتبہ اور قرب کی دلیل کے طور پر پیش بھی کرتے تھے۔ لیکن قرآن نے بتایا کہ اللہ کے محبوب بندے وہ ہیں جو اللہ کے دین کو قبول کیے ہوئے ہیں اور مستعدی کے ساتھ اس کو سیکھ رہے ہیں۔ سورہ عبس میں عبد اللہؓ بن ام مکتوم کے جس واقعہ کا ذکر ہے اس میں ہمیں یہی سبق دیا گیا ہے کہ قدر افزائی جن لوگوں کی مطلوب ہے وہ وہ ہیں جو دین سیکھنے کے متمنی ہیں، نہ وہ جو تکبر سے ان غریبوں کا مذاق اڑاتے اور دین سے بے رخی اختیار کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دین کے حصول کی توفیق پانے والا شخص اپنے مقصد حیات کو پا لیتا ہے۔ وہ اس کی روشنی میں اپنے علم و عمل کی اصلاح کر لیتا اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات سے آگاہ ہو کر اپنی زندگی کو سنوار لیتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے خیر کو حاصل کر لیتا ہے۔

نبی ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ میں تقسیم کرنے والا ہوں، عطا کرنے والا خدا ہے، تو اس میں آنحضرت ﷺ نے یہ حقیقت بیان فرمائی کہ میری ذمہ داری تو اس پیغام کو ہر شخص تک پہنچا دینے کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میرے حوالہ کیا ہے۔ میں سب کو یکساں طور پر اس سے آگاہ کر رہا ہوں۔ کون اس دولت کو سمیٹتا ہے یہ اللہ کے اختیار کی چیز ہے۔ وہ جس کو توفیق دے گا وہ اس کو حاصل کر سکے گا۔ یہ وہی مضمون ہے جو قرآن مجید میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (بے شک تو ہدایت نہیں دے سکتا جس کو تو پسند کرتا ہو، یہ تو اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے)

روایت کا آخری حصہ یہاں پورا نقل نہیں ہوا۔ دوسری اسناد سے اس کی روایت بہتر طور پر سامنے آتی ہے۔ اس میں نبی ﷺ نے اس امت کی یہ خصوصیت بیان فرمائی ہے کہ اس کا ایک حصہ ہر زمانہ میں حق کی شہادت دیتا رہے گا جس کی بدولت اللہ کا دین محفوظ رہے گا اور اس کو نقصان پہنچانے والے اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ دین کی حفاظت کا خدائی نظام ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے اسی طرح اس آخری امت میں اصلاح احوال کے لیے ایک قلیل گروہ برپا کرتے رہنے کا بھی ذمہ اٹھایا ہے۔ مخالفتوں اور مزاحمتوں کے باوجود یہ گروہ اپنا کام کرتا رہے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

۱۴. باب: اَلْفَهْمُ فِی الْعِلْمِ

باب: علم کے لیے عقل کی ضرورت

۱۶۔ حَدَّثَنَا عَلِیٌّ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ قَالَ: قَالَ لِی ابْنُ اَبِی نَجِیْحٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ اِلَی الْمَدِیْنَةِ، فَلَمْ اَسْمَعْهُ یُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلَّا حَدِیْثًا وَاحِدًا، قَالَ: کُنَّا عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَاُتِیَ بِجُمَّارٍ، فَقَالَ: اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً، مَثَلُهَا کَمَثَلِ الْمُسْلِمِ فَاَرَدْتُ اَنْ اَقُوْلَ: هِیَ النَّخْلَةُ، فَاِذَا اَنَا اَصْغَرُ الْقَوْمِ، فَسَکَتُّ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: هِیَ النَّخْلَةُ.

مجاہد کہتے ہیں کہ میں مدینے کے سفر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ رہا لیکن میں نے ان کو صرف ایک روایت بیان کرتے سنا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم نبی ﷺ کے پاس تھے۔ آپ کے پاس جمار (کھجور کا گابھا) لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے۔ میرے جی میں آیا کہ یہ کہوں کہ وہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے خیال کیا کہ میں سب سے چھوٹا

ہوں تو میں خاموش رہا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ ؎

وضاحت:

یہ روایت مختلف الفاظ اور بعض دوسرے راویوں کی سند سے پیچھے گزر چکی ہے۔ جمار خام کھجور کو کہتے ہیں جو آدھی پکی ہوئی اور آدھی نیم پختہ ہوتی ہے۔ اس میں ایک خاص قسم کا مزہ پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو یہ بات کہاں سے سوجھی؟ ظاہر ہے کہ جب جمار لائے گئے تو حضور ﷺ نے اسی کو سامنے رکھ کر سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ذہن فوراً کھجور کے درخت کی طرف منتقل ہو گیا لیکن انہوں نے بزرگوں کے ادب کی وجہ سے خاموشی اختیار کی۔ ان کا سوال کے صحیح جواب تک پہنچ جانا فہم علم کی دلیل ہے۔ گویا بات سے بات پکڑ لینے اور ذہن کو ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل کرنے سے علم کا فہم پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر بات کو ٹھونس دینے سے آدمی عاقل نہیں بنتا۔

١٥. باب: الاغْتِباطِ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ. وَقَالَ عُمَرُ: تَفَقَّهُوا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوا. وقال ابو عبدالله والعبدان تسودوا و قد تعلم اصحاب النبی ﷺ کبرسنهم.

باب: علم اور دانائی میں رشک کرنا۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ بوڑھا ہونے سے پہلے دین کا فہم پیدا کرو۔ امام بخاریؒ نے کہا کہ بوڑھا ہونے کے بعد بھی اور یہ کہ صحابہؓ نے بوڑھا ہونے پر بھی علم سیکھا ہے۔

علم اور حکمت میں رشک کرنا جائز ہے۔ کسی کو اللہ تعالیٰ نے علم اور حکمت عطا کی ہے اور آپ اپنے اندر اس کی کمی محسوس کرتے ہیں تو آپ اس کی آرزو کر سکتے ہیں کہ کاش اللہ تعالیٰ اس طرح کا علم و حکمت مجھے بھی دے۔ رشک میں یہ خواہش نہیں ہوتی کہ دوسرے سے یہ چیز چھن جائے۔ رشک اگر جائز ہے تو علم و حکمت ہی میں جائز ہے۔ باقی کپڑے، مال و دولت، گاڑی، مکان وغیرہ رشک کی چیزیں نہیں ہیں۔

حضرت عمرؓ کے قول میں فہم دین حاصل کرنے کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور یہ فرمانا بھی اس امت کے دوسرے بڑے آدمی کا ہے۔ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ دین کا فہم حاصل کرنے کے لیے یہ سوچ نہیں ہونی چاہیے کہ ابھی بڑا وقت پڑا ہے، علم بعد میں حاصل کر لیں گے۔ ایسا کرتے کرتے بڑھاپا آ جاتا ہے تو قویٰ کمزور پڑ جاتے ہیں اور آدمی خواہش کے باوجود اپنے ارادوں کی تکمیل سے قاصر رہ جاتا ہے۔ دوسرا قول امام بخاریؒ کا اپنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دین کا فہم ایک جہد مسلسل ہے۔ بوڑھا ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی اسے جاری رہنا چاہیے۔ اس کی تائید میں انہوں نے صحابہ کرام کی مثال دی ہے جو بلا لحاظ عمر دین کے فہم کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

۷۱۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي خَالِدٍ عَلَى غَيْرِ مَا حَدَّثَنَاهُ الزُّهْرِيُّ قَالَ: سَمِعْتُ قَيْسَ بْنَ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ " آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسُلِّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ " آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا

﴿حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے لیے رشک جائز نہیں مگر دو آدمیوں پر، ایک وہ جس کو اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے اور پھر اسے اس مال کو حق کی راہ میں خرچ کرنے پر مسلط کر دے، اور دوسرا وہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو حکمت عطا فرمائے اور وہ اس کی روشنی میں فیصلے کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔﴾

وضاحت:

روایت میں حسد کا لفظ آیا ہے لیکن وہ رشک کے معنی میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دو آدمیوں پر رشک کرنے کو پسند فرمایا۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال سے نوازا تو وہ اس کو سینت کر نہیں رکھتا یعنی مال کو اپنے اوپر مسلط نہیں کرتا بلکہ خود مال پر مسلط ہو کر اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال قابل تقلید ہے۔ آدمی اس کی آرزو کرے کہ اس کو بھی اگر اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے تو وہ بھی اس آدمی کی طرح راہ حق میں اس کو خرچ کرے گا۔ اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ تمنا کرے کہ مال دوسرے آدمی سے چھن جائے اور اسے مل جائے۔ ایسی آرزو بلاشبہ حسد کی تعریف میں آتی ہے جو ایک منفی جذبہ ہے۔

دوسری صفت جس میں رشک کیا جا سکتا ہے وہ حکمت ہے۔ اگر کسی کو حکمت عطا ہوئی ہے اور وہ اس کی روشنی میں فیصلہ کرتا اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیتا ہے تو دوسروں کے لیے جائز ہے کہ وہ بھی ایسی ہی حکمت پانے کی آرزو کریں۔ ان کی تمنا یہ ہونی چاہیے کہ اگر ان کو بھی حکمت عطا ہو جائے تو وہ بھی اس شخص کی طرح اس کی روشنی میں فیصلے کریں گے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دیں گے۔ حکمت کا فائدہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب اس کو فیصلے کرنے کے لیے استعمال کیا جائے اور دوسروں کو جو اس نعمت سے محروم ہیں، اپنی بساط کی حد تک تعلیم دی جائے۔ یہ خدا کے اس عطیے کا حق ہے جو حکیم کو ادا کرنا چاہیے۔ جو شخص یہ حق ادا نہیں کرتا اس کا حکیم ہونا مشتبہ ہے۔

١٦. باب: مَا ذُكِرَ فِي ذَهَابِ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْبَحْرِ إِلَى الْخَضِرِ

وَقَوْلِهِ تَعَالَى: "هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا" (الكهف:٦٦)

باب: حضرت موسیٰؑ کا حضرت خضرؑ کی تلاش میں سمندر میں جانے کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "کیا میں آپ کے ساتھ بایں شرط رہ سکتا ہوں کہ جو علم آپ کو عطا ہوا ہے آپ اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھائیں"۔

سورہ کہف میں یہ بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی تربیت کے لیے ان کو ایک ایسے شخص کے پاس جانے کا حکم دیا جس کو ایک خصوصی علم عطا ہوا تھا۔ اس شخص کا نام خضر بتایا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اس کی تلاش میں نکلے اور دو سمندروں کے یکجا ہونے کے مقام پر اس کو پالیا اور ان سے علم سیکھنے کی درخواست کی۔ اس باب میں اسی موقع سے متعلق روایت نقل کی گئی ہے۔ باب میں سورہ کہف کی آیت ٦٦ کا حوالہ ہے۔

١٨۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غُرَيْرٍ الزُّهْرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَهُ أَنَّ عُبَيْدَاللّٰهِ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ، أَخْبَرَهُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسَى: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هُوَ خَضِرٌ"، فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَ صَاحِبِي هٰذَا فِي صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ: هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: "بَيْنَمَا مُوسَى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ"، فَقَالَ: هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ؟ قَالَ مُوسَى: لَا، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَى مُوسَى: بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ"، فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ، فَجَعَلَ اللّٰهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً وَ قِيلَ لَهُ: إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ، وَ كَانَ يَتَّبِعُ أَثَرَ الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ لِمُوسَى فَتَاهُ: أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ، قَالَ: ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي، فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا مَا قَصَّ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ فِي كِتَابِهِ"

﴿ عبیداللہ بن عبداللہ کو حضرت ابن عباسؓ نے خبر دی کہ ان میں اور حر بن قیس ابن حصن فزاری میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر کے پاس جانے کے بارے میں بحث ہو رہی تھی کہ ابی ابن کعبؓ ان کے پاس سے گزرے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کو بلایا اور کہا کہ میں اور میرے یہ دوست حضرت موسیٰ کے اس ساتھی کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں جن سے ملنے کے لیے حضرت موسیٰ نے راستہ پوچھا تھا۔ کیا آپ نے نبی ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں، میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے سرداروں کی جماعت میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بڑا عالم ہو۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی کی کہ ہمارا بندہ خضر زیادہ علم رکھتا ہے تو حضرت موسیٰ نے اس تک پہنچنے کا راستہ پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو اس کی نشانی بنایا اور حضرت موسیٰ سے کہا کہ جب مچھلی غائب ہو جائے تب تم لوٹ آنا، اس وقت وہ بندہ تم کو ملے گا۔ حضرت موسیٰ سمندر میں مچھلی کے آثار تلاش کرتے روانہ ہوئے۔ تب حضرت موسیٰ کے خادم نے ان سے کہا کہ جب ہم نے چٹان کے پاس پناہ لی تو میں مچھلی کو بھول گیا۔ اور وہ شیطان ہی تھا جس نے اس کو یاد رکھنے سے غافل کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہی تو ہمیں مطلوب تھا۔ پس وہ اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے واپس لوٹے تو انہوں نے حضرت خضر کو پایا۔ پھر وہی قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا۔

وضاحت:

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کا قصہ سورہ کہف میں بیان ہوا ہے۔ روایت کے آخری حصہ میں 'جب ہم نے چٹان کے پاس پناہ لی' سے لے کر 'واپس لوٹے' تک آیات ہی کا ترجمہ ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا بیان جہاں موجود ہو وہی صحیح ہے۔ روایات کو اس پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

عنوان باب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے دریا میں سفر کیا تھا۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں، اس لیے کہ اگر دریا کا سفر ہوتا تب تو اس میں کسی کے نقش قدم تلاش کرنے کا امکان ہی نہیں تھا، جب کہ قرآن نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور ان کا خادم نقش قدم تلاش کرتے ہوئے واپس مڑے۔ مچھلی کو سمندر میں تلاش کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ یہ تو صرف اسی شکل میں ممکن ہو سکتا تھا جب دیکھتے کہ مچھلی تڑپ کر سمندر میں چلی گئی۔ تب حضرت موسیٰ کہتے کہ بس ٹھہر جاؤ۔ لیکن یہاں ایسا تو بیان نہیں ہوا۔

قرآن مجید کا بیان یہ ہے کہ حضرت موسیٰ مجمع البحرین کے پاس ایک پہاڑی کے دامن میں رکے۔ وہاں

سے چلے تو ناشتہ کے لیے جو مچھلی ساتھ لی تھی وہ لینا بھول گئے۔ جب سفر کرتے کرتے تھک گئے تو شاگرد سے ناشتہ طلب کیا۔ اس نے بتایا کہ پہاڑی کے پاس مچھلی نے نہایت حیرت انگیز طریقہ سے پانی میں اپنی راہ نکال لی تھی۔ چونکہ حضرت موسیٰ کو منزل مقصود کا یہی سراغ بتایا گیا تھا اس لیے وہ الٹے پاؤں، اپنے نقش قدم کو تلاش کرتے، اس مقام پر واپس آئے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ قرآن کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ کا سفر خشکی پر تھا۔

دوسری قابل غور بات حضرت موسیٰ کی طرف منسوب یہ قول ہے کہ اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے۔ اول تو حضرت موسیٰ ایسی بے محل بات فرماتے کیوں اور اگر انہوں نے فرمائی تو یہ غلط بات تو نہیں فرمائی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ رسول وقت کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے اور وہ اپنی پوری قوم کے سامنے اس حقیقت کا آشکارا طور پر اعلان کرتا ہے۔ یہ بات ہر رسول نے اپنی قوم سے کہی ہے کہ اِنِّیْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ (میں خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) رہے حضرت خضر تو ان کے بارے میں یہی طے نہیں کہ وہ کیا تھے۔ وہ فرشتہ تھے یا نبی، قطب تھے یا ابدال۔ ان کے بارے میں محدثین کی بھی بہت سی مختلف رائیں ہیں۔ اور صوفیاء کی تو ساری عمارت اس پر قائم ہے کہ وہ قطب اور ابدال میں سے تھے۔ ان کے ہاں قطب اور ابدال وہ ہوتے ہیں جو جس کو جو چاہیں کردیں۔ لیکن قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اگرچہ خضر کی شاگردی اختیار کی لیکن وہ ان کی ایک بات بھی ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ انہوں نے حضرت خضر کو غریب ملاحوں کی کشتی کو توڑتے دیکھا تو اس پر احتجاج کیا، جب انہوں نے بلاوجہ ایک لڑکے کی جان لے لی تو انہوں نے اسے برملا ایک غلط کام قرار دیا۔ جب انہوں نے ایک بستی کے بے مروت لوگوں کی گرتی ہوئی دیوار بلا معاوضہ درست کردی تو موسیٰ اس پر بھی چیں بجبیں ہوئے۔ غرض انہوں نے حضرت خضر کے ہر کام پر گرفت کی اور ان کی جان اس وقت تک نہیں چھوڑی جب تک حضرت خضر نے یہ نہیں کہا کہ یہ سب کچھ میں نے اپنے رب کے علم سے کیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ کو یہ معلوم بھی تھا کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اللہ نے ایک خاص مشن پر ان کو بھیجا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیل سورہ کہف کی تفسیر میں دیکھنی چاہیے۔ قرآن مجید کے بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر ایک نبی تھے جن کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے بعض ارادوں کے راز کھول دیے تھے۔ حضرت موسیٰ کو ان کے پاس حصول تربیت کے لیے بھیجا گیا۔ چنانچہ انہوں نے خدا کے حکم سے اس کے ارادوں کے چند اسرار بے نقاب کیے جو تربیت صبر و رضا کے پہلو سے نہایت اہم تھے۔

ہم ان لوگوں کی بات بالکل بے سروپا سمجھتے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہر دور میں حضرت خضر کی طرح کے کچھ اقطاب و ابدال ہوتے ہیں جو بجائے خود حق و باطل کی کسوٹی ہوتے ہیں اور ان کی باتیں شریعت پر نہیں پرکھی جاتیں۔ قرآن و حدیث دونوں سے اس تصور کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ خدا کی مرضیات و احکام معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ہمارے پاس کتاب و سنت ہے۔ اقطاب و ابدال کی اصطلاحات یک قلم باطل ہیں۔ میرے نزدیک یہ روایت از قبیل

اسرائیلیات ہے۔اس کے راوی بھی ابن شہاب ہیں جواوراج کے ماہر ہیں۔

۱۷. باب: قولِ النَّبِيِّ ﷺ: "اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ"

باب: نبی ﷺ کی دعا کہ اے اللہ اس کو قرآن کی تعلیم دے

۱۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: ضَمَّنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَ قَالَ: "اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ".

﴿حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے سینے سے لگا کر بھینچا اور یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو کتاب کا علم عطا فرما۔﴾

وضاحت:

بعض روایات میں الکتاب کی جگہ حکمت کا لفظ ہے اور بعض میں کوئی اور۔ ایسا روایت بالمعنی کی وجہ سے ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ دین سیکھنے کا بے حد شوق رکھتے تھے۔ ام المومنین حضرت میمونہؓ ان کی خالہ تھیں۔ ابن عباسؓ رات کو ان کے پاس جا کر آنحضرت ﷺ کے بستر پر لیٹ جاتے اور رات کو اٹھ کر دیکھتے کہ آنحضرت ﷺ کس طرح نماز پڑھتے ہیں۔ بعض مرتبہ وہ خود بھی آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز کے لیے کھڑے ہو جایا کرتے۔ ایک مرتبہ حضور کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو آپ نے ان کو کان سے پکڑ کر دائیں جانب کیا۔ اس طرح کے کئی واقعات نقل ہوئے ہیں، جن سے ان کا دین سیکھنے کا شوق معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال حضرت عباسؓ کے صاحبزادے ہونے، حضرت میمونہؓ سے قرابت رکھنے اور آنحضرت ﷺ سے نسبی تعلق اور ان کی اپنی خداداد ذہانت کی بدولت آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو کتاب کا علم عطا فرما۔ اور وہ یقیناً اس کے مستحق تھے۔

۱۸. باب: مَتَى يَصِحُّ سَمَاعُ الصَّغِيرِ

باب: کم عمر لڑکے کا سماع کب درست ہوتا ہے

۲۰۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ وَ أَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي بِمِنًى إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ، وَ أَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ، وَ دَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ.

﴿حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا اور اس وقت میں بالغ ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ منیٰ میں کھلے میدان میں نماز پڑھا رہے تھے۔ میں صف کے کچھ حصے کے آگے سے گزرا، گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور خود صف میں داخل ہو گیا۔ کسی نے میرے اس فعل پر نکیر نہ کی۔﴾

وضاحت:

امام بخاریؒ نے باب تو یہ باندھا ہے کہ بچے کی روایت کب جائز ہوتی ہے لیکن اس کے تحت جو روایت نقل کی ہے وہ بالغ لڑکے کی ہے۔ گویا یہ سوال باقی ہے کہ روایت کرنے کے لیے کیا عمر ہونی چاہیے۔ اس کے جواب میں لوگوں کا بڑا اختلاف ہے۔ زیادہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر ہونی چاہیے اور یہ خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ اس عمر سے پہلے کی روایت قبول کی جائے گی یا نہیں، اس میں بھی اختلاف ہے۔ اس کا عقلی جواب یہ ہے کہ اگر بات ایسی ہو جو ایک بچے کے کہنے اور سمجھنے کی ہو تو وہ قبول کر لی جائے گی لیکن اگر ایسی بات ہو جو صرف بڑوں ہی کے سمجھنے کی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ مثلاً بچہ اگر یہ کہے کہ میں نبی ﷺ کے پاس گیا تو آپ نے میرے کان اینٹھے تو اس روایت کو مان لیا جائے گا۔ لیکن وہی بچہ اگر ایسی بات کر دے کہ چالیس سال پہلے یوں ہوا تھا تو ظاہر ہے یہ روایت اس کے مشاہدے پر مبنی نہیں اور اسے محض بچے کے اعتماد پر قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ دیکھا جائے گا کہ اس کی تائید بڑے بھی کرتے ہیں یا نہیں۔

دوسری قابل غور بات اس روایت میں سترہ کی ہے۔ کھلی جگہ پر جہاں لوگ آگے سے گزر سکتے ہوں تو نمازی کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ اپنے سامنے کوئی چیز کھڑی کر لے جس کی اوٹ میں نماز ادا کرے۔ اس چیز کو سترہ کہا جاتا ہے۔ لق و دق میدان میں سترہ نہیں ہوتا۔ آپ نمازیوں کے سامنے سے اتنے فاصلے سے گزر جائیں جس سے ان کی نماز میں خلل پیدا نہ ہو تو کچھ حرج نہیں۔ دوسرے یہ کہ جماعت کی صورت میں سترہ صرف امام کا ہوتا ہے۔ اگر امام کے آگے سترہ ہے تو وہ سب کو کفایت کرتا ہے۔ اس روایت کی روشنی میں اگر ایک آدمی امام کے آگے سے نہیں گزرا تو صف کے کسی حصے کے آگے سے گزر جانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

۲۱۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُسْهِرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي الزُّبَيْدِيُّ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ قَالَ: عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ مَجَّةً مَجَّهَا فِي وَجْهِي وَ أَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِينَ مِنْ دَلْوٍ.

﴿حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی یہ بات مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ نے

ایک ڈول سے کلی کر کے میرے منہ پر اس سے چھینٹے مارے اور اس وقت میں پانچ سال کا تھا۔

وضاحت:

اس روایت کا مضمون نہایت واضح اور بات معقول ہے۔ نبی ﷺ کو بچوں کے ساتھ پیار تھا اور ان کے ساتھ آپ اس طرح کی دل لگی کیا کرتے تھے۔ صحابی نے یہ واقعہ اس وقت بیان کیا جب وہ عاقل و بالغ ہو چکے تھے، اگرچہ واقعہ ان کے بچپن کا ہے۔ اس لیے یہ روایت بھی باب کی ضرورت کو پورا نہیں کرتی۔ باب کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی ایسی روایت لائی جاتی جس سے معلوم ہو سکتا کہ روایت کرنے کے لیے کم سے کم کیا عمر ہونی چاہیے۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ یہ روایت قبول کی جائے گی یا نہیں تو میرے نزدیک قبول کی جائے گی۔ اس میں کوئی پیچ و خم نہیں اور بات ایسی ہے جو بچے کے بتانے کی ہے۔

۱۹۔ باب: الْخُرُوجِ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ. وَرَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، إِلَى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ فِي حَدِيثٍ وَاحِدٍ.

باب: علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا۔ جابر بن عبداللہ نے عبداللہ بن انیس سے ایک حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے ایک ماہ کا سفر کیا۔

حضرت جابرؓ کے عمل سے معلوم ہوا کہ علم کی تلاش میں جدوجہد مطلوب چیز ہے۔ مدینہ سے ایک ماہ کا سفر عراق یا شام دونوں کا ہو سکتا ہے۔ لیکن روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جابرؓ عبداللہ بن انیس کے پاس شام گئے تھے۔ صرف ایک حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے اس قدر مشقت اٹھانا علم کے لیے ایک غیر معمولی قربانی ہے۔ آج ہم کو روایات کتابوں میں سہولت سے مل جاتی ہیں۔ اس کے باوجود ہم ان پر غور کرنے کی تکلیف بھی گوارا نہیں کرتے۔

۷۲۔ حَدَّثَنَا أَبُوالْقَاسِمِ خَالِدُ بْنُ خَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَرْبٍ: قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ: أَخْبَرَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِي صَاحِبِ مُوسٰى، فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ، فَقَالَ: إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَ صَاحِبِي هٰذَا فِي صَاحِبِ مُوسٰى الَّذِي سَأَلَ السَّبِيلَ إِلٰى لُقِيِّهِ: هَلْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ؟ فَقَالَ أُبَيٌّ: نَعَمْ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ، يَقُولُ: بَيْنَمَا مُوسٰى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ" فَقَالَ: أَتَعْلَمُ

أحدًا أعلم منك؟ قال موسى: لا، فأوحى اللّٰه تعالى إلى موسى: بلى، عبدنا خضر" فسأل السبيل إلى لقيه، فجعل اللّٰه له الحوت آية: و قيل له: إذا فقدت الحوت فارجع فإنك ستلقاه، فكان موسى يتبع أثر الحوت في البحر، فقال فتى موسى لموسى: أرأيت إذ أوينا إلى الصخرة فإني نسيت الحوت وما أنسانيه إلا الشيطان أن أذكره. قال موسى: ذلك ما كنا نبغي، فارتدا على آثارهما قصصًا، فوجدا خضرًا، فكان من شأنهما ما قص اللّٰه في كتابه.

﴿عبیداللہ بن عبداللہ کو حضرت ابن عباسؓ نے خبر دی کہ ان میں اور حر بن قیس ابن حصن فزاری میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت خضر کے پاس جانے کے بارے میں بحث ہو رہی تھی کہ ابی ابن کعبؓ ان کے پاس سے گزرے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان کو بلایا اور کہا کہ میں اور میرے یہ دوست حضرت موسیٰ کے اس ساتھی کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں جن سے ملنے کے لیے حضرت موسیٰ نے راستہ پوچھا تھا۔ کیا آپ نے نبی ﷺ سے اس بارے میں کچھ سنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں، میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے سرداروں کی جماعت میں تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آپ کسی ایسے شخص کو جانتے ہیں جو آپ سے بڑا عالم ہو۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر وحی کی کہ ہمارا بندہ خضر زیادہ علم رکھتا ہے۔ تو حضرت موسیٰ نے اس تک پہنچنے کا راستہ پوچھا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو اس کی نشانی بنایا اور حضرت موسیٰ سے کہا کہ جب مچھلی غائب ہو جائے تب تم لوٹ آنا، اس وقت وہ بندہ تم کو ملے گا۔ حضرت موسیٰ سمندر میں مچھلی کے آثار تلاش کرتے روانہ ہوئے۔ تب حضرت موسیٰ کے خادم نے ان سے کہا کہ جب ہم نے چٹان کے پاس پناہ لی تو میں مچھلی کو بھول گیا۔ اور وہ شیطان ہی تھا جس نے اس کو یاد رکھنے سے غافل کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ یہی تو ہمیں مطلوب تھا۔ پس وہ اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے واپس لوٹے تو انہوں نے حضرت خضر کو پایا۔ پھر وہی قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا۔﴾

وضاحت:

بعینہ یہی روایت پیچھے باب ۱۹ کے تحت گزر چکی ہے۔ اس کی وضاحت وہاں ہو چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ

حضرت موسیٰ کا سفر بھی طلب علم کے لیے تھا۔

۲۰. باب: فَضْلِ مَنْ عَلِمَ وَ عَلَّمَ

باب: علم سیکھنے اور سکھانے والے کی فضیلت

۷۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللّٰهُ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ" قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ. وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَ سَقَوْا وَزَرَعُوا، وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرَى إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ" لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَأً، فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقِهَ فِي دِينِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهِ فَعَلِمَ وَ عَلَّمَ وَ مَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا وَ لَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ: قَالَ إِسْحَاقُ عَنْ أَبِي أُسَامَةَ وَكَانَ مِنْهَا طَائِفَةٌ" قَبِلَتِ الْمَاءَ، قَاعٌ" يَعْلُوهُ الْمَاءُ، وَالصَّفْصَفُ الْمُسْتَوِي مِنَ الْأَرْضِ.

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جس ہدایت اور علم کو میں دے کر بھیجا گیا ہوں اس کی مثال یوں ہے کہ کثیر بارش کسی علاقے پر برسے۔ اس میں سے کچھ تو جھاڑ جھنکار سے پاک زمین میں ہو تو وہ پانی کو قبول کرلے اور خوب گھاس اور سبزہ اگائے۔ اس میں ایسی زمین بھی ہو جو چکنی ہو اور پانی کو روک لے۔ اس پانی سے بہت سے لوگوں کو اللہ نے نفع پہنچایا، انہوں نے پیا، پلایا اور کھیتی بھی کی۔ بارش ایک اور قسم کی زمین کو بھی پہنچی جو بالکل چٹیل ہو، جو نہ پانی روکنے والی اور نہ سبزہ اگانے والی ہو۔ تو یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کی اور ان کو نفع پہنچایا اس چیز نے جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔ انہوں نے سیکھا اور سکھایا۔ پھر ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے بات سننے کے لیے نہ اپنا سر اٹھایا اور نہ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کیا جو میں دے کر بھیجا گیا تھا۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ اسحاق کی روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ زمین کا ایک حصہ جس پر پانی پڑا چٹیل ہو۔

پانی جس کے اوپر ہی رہ جائے اور وہ قطعہ زمین ہموار ہو۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں ''نقیہ'' کے معنی پر محدثین کا اختلاف ہے لیکن جو مشہور روایت ہو اس پر ہی تاویل کرنی چاہیے۔ نقیہ کے معنی میرے نزدیک صاف ستھری زمین کے ہیں جس میں جھاڑ جھنکار نہ ہو۔ یعنی ایسی ہموار اور زرخیز زمین جس میں اگر بیج نہ بھی ڈالا جائے تو سبزہ تو اگا ہی دے۔ یہ مثال ایسے لوگوں کی ہے جن کا دل صاف اور عقل صاف ہو جس میں کاٹھ کباڑ بھرا ہو نہ کسی کی تقلید میں پھنسے ہوئے ہوں۔ ایسے لوگوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ بات سن کر ان کے علم میں اضافہ ہوتا ہے تو اس پر غور کرتے ہیں، تحقیق کرتے ہیں، پاؤ سیر کو سیر بھر اور سیر کو من بھر بنا لیتے ہیں۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو علم کو جمع کر لیتے اور اس کو آگے نقل کر دیتے ہیں، چاہے اس میں اضافہ نہ کر سکیں۔ اس طرح وہ بات کو عاقلوں تک پہنچانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ہمارے محدثین حضرات اسی دوسرے گروہ میں ہیں۔ یہ روایات کو نقل کر دیتے ہیں لیکن ان میں غور وفکر نہیں کرتے۔ یہ کام اگر کرتے ہیں تو فقہاء کرتے ہیں، جو غور کرتے اور ایک ایک لفظ پر مورچے قائم کرتے ہیں۔ یہ بات میں آج کل کے مقلد جامد فقہاء کے بارے میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ اس دوسرے گروہ کی مثال آنحضرت ﷺ نے اس زمین سے دی جس نے پانی جمع کر لیا۔ لوگ اس سے پانی پئیں گے، اپنے کھیت سیراب کریں گے اور اپنے مویشیوں کو پلائیں گے۔

تیسرے گروہ میں وہ نالائق لوگ ہیں جو علم کے لیے کان ہی نہیں کھولتے اور اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں پر علم کی بات ضائع ہو جاتی ہے۔ وہ بیل کی مانند ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی مثال ایک چٹیل بنجر زمین سے دی جو پانی کو روکنے کے قابل بھی نہیں ہے۔

۲۱۔ باب: رَفْعِ الْعِلْمِ وَ ظُهُورِ الْجَهْلِ

وَقَالَ رَبِيعَةُ: لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ عِنْدَهُ شَيْءٌ مِنَ الْعِلْمِ أَنْ يُضَيِّعَ نَفْسَهُ.

باب: علم کا اٹھایا جانا اور جہل کا غالب ہونا

ربیعہ نے کہا کہ جس کے پاس علم کا کچھ بھی حصہ ہو اس کے لیے زیبا نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ضائع کرے۔

مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کچھ علم دیا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کا حق ادا کرے۔ وہ اس کی مدد سے اپنے علوم واخلاق کو سنوارے اور اس کو پھیلانے میں اپنا کردار ادا کرے۔ ورنہ وہ اپنی اس صلاحیت کو ضائع کر دے گا۔

۲۴۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَ يَثْبُتَ الْجَهْلُ، وَ يُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا".

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آثار قیامت میں سے یہ بات ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا، جہل اپنے ڈیرے ڈال دے گا، شراب پی جائے گی اور زنا عام ہو جائے گا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت مختلف الفاظ میں پہلے بھی گزر چکی ہے۔ قیامت کے آثار میں سے یہ ہے کہ ہر چیز میں فساد پیدا ہو جائے گا۔ خیر مغلوب ہو جائے گا۔ شر غالب آ جائے گا۔ الفاظ کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ اصل قدر مشترک یہی ہے کہ اس دنیا میں جس توازن کو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے وہ توازن ختم ہو جائے گا۔ چھوٹے پیمانے پر دنیا میں جو قیامتیں آتی رہیں ان میں قوموں کا فیصلہ ہو جاتا رہا۔ مجموعی دنیا کا فیصلہ اس وقت ہوگا جب اس طرح کا عمومی فساد ظاہر ہوگا۔

۲۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَا يُحَدِّثُكُمْ أَحَدٌ بَعْدِي، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ: أَنْ يَقِلَّ الْعِلْمُ، وَ يَظْهَرَ الْجَهْلُ، وَ يَظْهَرَ الزِّنَا، وَ تَكْثُرَ النِّسَاءُ، وَ يَقِلَّ الرِّجَالُ، حَتَّى يَكُونَ لِخَمْسِينَ امْرَأَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا کہ کوئی اور شخص میرے بعد بیان نہیں کرے گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے آثار میں سے یہ بات ہے کہ علم تھوڑا (یا ناپید) ہو جائے گا۔ جہل غالب آ جائے گا۔ زنا عام ہو جائے گا۔ عورتوں کی کثرت ہو جائے گی۔ مردوں کی کمی ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ پچاس عورتوں کے لیے ایک ہی سنبھالنے والا مرد ہوگا۔﴾

وضاحت:

حضرت انسؓ نے یہ جو فرمایا کہ میرے بعد یہ حدیث کوئی اور نہیں بیان کرے گا، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان کو خیال ہو کہ یہ روایت صرف ان ہی کے پاس ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ روایت انہوں نے اپنی عمر کے

آخری حصہ میں بیان کی ہو جب ان کو خیال ہو کہ میرا وقت اب پورا ہو چکا ہے اس لیے لوگ سن لیں۔ میرے بعد اس کو سنانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اغلب یہی دوسری بات ہے۔ قیامت کے آثار کے متعلق اس روایت میں بھی صرف الفاظ کا ہی فرق ہے، حقیقت کا نہیں۔ حقیقت مشترک ہے۔ یعنی زندگی کے ہر شعبہ میں عدم توازن پیدا ہو جائے گا۔ خیر مغلوب اور شر غالب ہو جائے گا۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ عورتوں کی زیادتی ہو جائے گی اور مرد کم ہو جائیں گے اور نسبت ایک اور پچاس کی ہوگی، پچاس عورتوں کو سنبھالنے والا مرد ایک ہوگا تو اس کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں۔ قرآن میں ذکر ہے کہ قرب قیامت میں دنیا کی قومیں آپس میں اس طرح ٹکرائیں گی جس طرح سمندر کی موجیں ٹکراتی ہیں۔ ہو سکتا ہے اس کے نتیجہ میں مردوں کی زبردست کمی ہو جائے۔ پچھلی جنگ عظیم میں بعض علاقوں میں عورتیں اتنی زیادہ ہو گئی تھیں کہ توازن درہم برہم ہو گیا تھا۔ اسی طرح روس کے بعض علاقوں میں حکومت نے حد بندی کر دی تھی کہ اتنے بچوں سے زیادہ بچے نہ پیدا کیے جائیں، تو اس کے نتیجہ میں ایسا عدم توازن پیدا ہو گیا کہ بعد میں زیادہ بچے پیدا کرنے والوں کو تمغے دینا پڑے تا کہ عورتیں بچے پیدا کریں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مصنوعی طریقوں سے یہ توازن پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث کے الفاظ کی ایک توجیہ یہ بھی ممکن ہے کہ مردوں میں عورتوں کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے گی اور کوئی کوئی مرد ہی ایسا نظر آئے گا جو ایسا کرنے پر قادر ہو۔

۲۲. باب: فَضْلِ العِلْمِ

باب: بچا ہوا علم

۲۶۔ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ، اُتِيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ، فَشَرِبْتُ حَتّٰى اِنِّي لَاَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِي اَظْفَارِي، ثُمَّ اَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ. قَالُوْا: فَمَا اَوَّلْتَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اَلْعِلْمَ

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے دودھ کا ایک پیالہ دیا گیا۔ میں نے اس میں سے پیا یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اس کی سیرابی محسوس کی۔ پھر بقیہ دودھ میں نے عمر بن خطاب کو دیا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپؐ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے علم مراد ہے۔﴾

وضاحت:

ری سے سیرابی کے علاوہ تازگی، طراوت، شادابی بھی مراد لے سکتے ہیں۔ دودھ کے پیالہ سے مراد علم کا پیالہ ہے۔

یہ روایت حضرت عمر بن خطابؓ کے علم سے متعلق ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کا علم نبوت کا سب سے بڑا فیضان ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں جو کام حضرت عمرؓ نے کئے وہ اتنے محکم، مضبوط اور اعلیٰ درجے کے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ ایک انسان تعلیم کے تمام شعبوں سے بے خبر ہوتے ہوئے کس طریقے سے اتنا بڑا حکمران بنا اور اتنی بڑی سلطنت کا انتظام اس قابلیت کے ساتھ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ کسی معاملے میں بھی ان کو کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ معاشی انتظام، ملکی انتظام، زمینوں کا انتظام، معاملات کا انتظام، امن کا قیام، جنگوں کا انتظام، ہر چیز میں کسی پہلو سے آپ ان کے ہاں خلا نہیں پائیں گے۔ یہ صرف فیضان نبوت ہی ہو سکتا ہے۔

۲۳۔ باب: اَلْفُتْيَا وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الدَّابَّةِ اَوْ غَيْرِهَا

باب: کسی جانور یا دوسری سواری پر بیٹھے ہوئے فتویٰ دینا

فتیا سے مراد فتویٰ دینا ہے۔ واقف سے مراد کسی جانور یا موٹر وغیرہ سواری میں سوار شخص ہے۔

اس باب کی اہمیت میری سمجھ میں نہیں آئی۔ فتویٰ دینے کے لیے کسی سواری پر سوار ہونا فتویٰ میں رکاوٹ بن سکنے کا یہ خیال شاید ہی کسی کے ذہن میں آئے۔ دین کی بات ہر جگہ کی جاسکتی ہے۔ جب نماز سواری پر ادا کرنا جائز ہے تو فتویٰ دینے میں کیا قباحت ہوسکتی ہے؟

۷۲۔ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عِيْسَى بْنِ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِاللّٰهِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَقَفَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بِمِنًى لِلنَّاسِ يَسْاَلُوْنَهُ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: لَمْ اَشْعُرْ فَحَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ؟ فَقَالَ: اذْبَحْ وَلَا حَرَجَ. فَجَاءَ آخَرُ فَقَالَ: لَمْ اَشْعُرْ فَنَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ؟ قَالَ: ارْمِ وَلَا حَرَجَ فَمَا سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا اُخِّرَ اِلَّا قَالَ: افْعَلْ وَلَا حَرَجَ

﴿حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ منیٰ میں ایک جگہ کھڑے ہوگئے تاکہ ان لوگوں کو جواب دیں جو آپ سے سوالات پوچھ رہے تھے۔ ایک شخص آیا، اس نے دریافت کیا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے ہی سر منڈا لیا۔ مجھے خیال ہی نہیں رہا۔

آپ نے فرمایا اب قربانی کرلو، کچھ حرج نہیں۔ دوسرا شخص آیا اس نے کہا مجھے یاد ہی نہیں رہا، میں نے ابھی رمی نہیں کی تھی کہ قربانی کرلی۔ آپ نے فرمایا، اب رمی کرلو، کوئی حرج نہیں۔ آپ سے کسی چیز کے بارے میں جو مقدم یا مؤخر ہوگئی ہو نہیں پوچھا گیا مگر آپ نے یہی فرمایا کہ اب کرلو، کچھ حرج نہیں۔

وضاحت:

یہ روایت حجۃ الوداع کے موقع کی ہے اور بڑی اہم ہے۔ منیٰ میں محدود وقت میں کئی مناسک ادا کرنے ہوتے ہیں جن میں لوگوں سے تقدیم و تاخیر ہو جاتی ہے۔ لوگوں کو مناسک کے بارے میں رہنمائی دینے کی غرض سے نبی ﷺ نے ان کو سوالات کرنے کا موقع دیا اور ان سوالات کے جوابات دیئے۔ مناسک میں تقدیم و تاخیر کے بارے میں ہر سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو عمل چھوٹ گیا ہے اب کرلو، ایسا کرنے میں حرج نہیں۔ آپ نے اس پر کفارہ کا حکم بھی نہیں دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کی تقدیم و تاخیر جو ایک فریضے کی ادائیگی میں خاص خلل نہ پیدا کرتی ہو اور عبادت کی روح کے نقطۂ نظر سے اس فریضہ میں کوئی فرق واقع نہ ہوتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر اس حقیقت کو دوسرے معاملات میں بھی بطور ایک اصول پیش نظر رکھا جائے تو بہت سے معاملات میں فقہا کی تشقیقات نے جو تنگی پیدا کردی ہے اس کا بڑی حد تک خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور نبی ﷺ نے جو یہ بات فرمائی کہ "یسروا ولا تعسروا، و بشروا ولا تنفروا" (آسانی پیدا کرو، تنگی مت کرو۔ لوگوں کو خوشخبری دو، ان کو بھگاؤ مت) تو اس کی روح بھی یہی ہے۔ حتی الوسع دین کے اس پہلو کو لوگوں کے سامنے لانا چاہیے جس میں ان کے لیے آسانی ہو بشرطیکہ اس سے روح دین میں کوئی خلل نہ پیدا ہوتا ہو۔ ہمارے ہاں فقہاء کی تشقیقات کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کے اوپر اس طرح کے معرکے قائم ہوئے ہیں کہ ان سے متاثر ہونے والا آدمی یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی ساری نمازیں باطل ہوگئیں یا فلاں بات نے اس کے سارے دین کا تیا پانچہ کردیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جو طریقہ اختیار کیا اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی عبادات کی صحت پر آدمی کو اعتماد ہوتا ہے۔

اس روایت میں ایک اور اہم نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک عبادت میں سنت ایک سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ جب مناسک میں تقدیم و تاخیر کی اجازت حضور ﷺ نے خود عنایت فرمادی تو ہر طریقہ سنت قرار پایا۔ اس نتیجہ میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔

امام صاحب کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے باب ان اہم چیزوں پر نہیں باندھا بلکہ یہ باندھا کہ سواری پر سوار ہو کر بھی فتویٰ دینا جائز ہے حالانکہ یہ عقل عام کی بات ہے کہ آپ بیٹھے، کھڑے اور سواری پر ہر حال میں فتویٰ دے سکتے ہیں۔ یہ شبہ کس کو ہوگا کہ اگر مفتی صاحب سواری پر ہوں تو وہ فتویٰ پوچھنے والے کو جواب دیں گے کہ ٹھہرو، میں ذرا سواری سے اتر لوں، پھر تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں۔

۲۴۔ باب: مَنْ اَجَابَ الْفُتْيَا بِاِشَارَةِ الْيَدِ وَالرَّأْسِ

باب: جو شخص فتوے کا جواب ہاتھ یا سر کے اشارے سے دے

۲۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا اَيُّوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ فِي حَجَّتِهِ فَقَالَ: ذَبَحْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ؟ فَاَوْمَاَ بِيَدِهِ، قَالَ: وَلَا حَرَجَ قَالَ: حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَذْبَحَ؟ فَاَوْمَاَ بِيَدِهِ: وَلَا حَرَجَ.

﴿حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے آپ کے حج کے موقع پر پوچھا گیا کہ میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کر لی۔ آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا، کچھ حرج نہیں۔ پھر پوچھا گیا کہ میں نے قربانی سے پہلے سر منڈوا لیا تو آپ ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا، کچھ حرج نہیں۔﴾

وضاحت:

یہ وہی پچھلی روایت ہی ہے۔ الفاظ بدلے ہوئے ہیں۔ جب سوال کرنے والے قدرے دور ہوں تو ہاتھ یا سر کے اشارے سے ان کو جواب دے دیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہجوم میں نبی ﷺ نے بعض سوالوں کا جواب اسی طرح دیا۔ اسی ضمنی بات پر امام صاحب نے باب باندھ دیا ہے، حالانکہ ہاتھی میں سب سے اہم اس کی دم نہیں ہوتی بلکہ دوسری چیزیں ہوتی ہیں۔

۲۹۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ اِبْرَاهِيمَ قَالَ: اَخْبَرَنَا حَنْظَلَةُ بْنُ اَبِي سُفْيَانَ، عَنْ سَالِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يُقْبَضُ الْعِلْمُ، وَ يَظْهَرُ الْجَهْلُ وَالْفِتَنُ، وَ يَكْثُرُ الْهَرْجُ قِيلَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَا الْهَرْجُ؟ فَقَالَ: هٰكَذَا بِيَدِهِ فَحَرَّفَهَا، كَاَنَّهُ يُرِيدُ الْقَتْلَ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ آئے گا کہ علم اٹھا لیا جائے گا، جہل پھیل جائے گا، فتنے زیادہ ہو جائیں گے اور ہرج کی زیادتی ہو جائے گی۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ ہرج سے کیا مراد ہے؟ آپ نے ہاتھ کو حرکت دے کر فرمایا ''یوں'' جیسے آپ نے قتل مراد لیا ہو۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بھی بہت اہم ہے۔ اس کے بعض حصوں کی وضاحت قیامت کی علامات کے طور پر کی جا چکی ہے۔ لیکن امام بخاری نے یہ روایت یہاں اس بات کو ثابت کرنے کے لیے نقل کی ہے کہ اشارے سے بھی مسئلے کا جواب دیا

جاسکتا ہے۔

"العلم" سے مراد دین کا علم ہے، جیسا کہ اوپر وضاحت کی جا چکی ہے۔ قیامت سے پہلے علم اٹھالیا جائے گا اور جہالت ہر طرف پھیل جائے گی۔ دین کی بات بتانے والے خال خال رہ جائیں گے۔ طرح طرح کے فتنے سر اٹھائیں گے اور بدامنی اور بدنظمی پھیل جائے گی جس کے نتیجہ میں قتل کی وارداتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

"ہرج" کا ترجمہ فساد اور شورش بھی کیا گیا ہے، یعنی خلفشار، ابتری، بدنظمی، بدامنی۔ اس سے مراد مار دھاڑ، قتل وغیرہ ہے۔ یہ معنی سمجھانے کے لیے آنحضرت ﷺ نے گردن پر ترچھا ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا۔ اس کے بغیر ہرج کے صحیح معنی سمجھ میں نہیں آسکتے تھے۔ ہاتھ کا اشارہ بسا اوقات کلام کے مقابلے میں زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

۳۰۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ"، عَنْ فَاطِمَةَ، عَنْ اَسْمَاءَ قَالَتْ: اَتَيْتُ عَائِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّي، فَقُلْتُ: مَا شَانُ النَّاسِ؟ فَاَشَارَتْ اِلَى السَّمَاءِ، فَاِذَالنَّاسُ قِيَامٌ"، فَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، قُلْتُ: آيَةٌ"؟ فَاَشَارَتْ بِرَاْسِهَا: اَیْ نَعَمْ، فَقُمْتُ حَتّٰى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، فَجَعَلْتُ اَصُبُّ عَلٰى رَاْسِي الْمَاءَ، فَحَمِدَاللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ النَّبِيُّ ﷺ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْ شَيْءٍ لَمْ اَكُنْ اُرِيتُهُ اِلَّا رَاَيْتُهُ فِي مَقَامِي، حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارُ، فَاُوحِيَ اِلَيَّ: اَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي قُبُورِكُمْ - مِثْلَ او - قَرِيبَ - لَا اَدْرِي اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ - مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ، يُقَالُ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ اَوِالْمُوقِنُ - لَا اَدْرِي بِاَيِّهِمَا قَالَتْ اَسْمَاءُ - فَيَقُولُ: هُوَ مُحَمَّدٌ" رَسُولُ اللّٰهِ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى، فَاَجَبْنَا وَاتَّبَعْنَا، هُوَ مُحَمَّدٌ"، ثَلَاثًا، فَيُقَالُ: نَمْ صَالِحًا، قَدْ عَلِمْنَا اِنْ كُنْتَ لَمُوقِنًا بِهٖ. وَ اَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِ الْمُرْتَابُ - لَا اَدْرِي اَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ - فَيَقُولُ: لَا اَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ.

﴿حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آئی جب کہ وہ نماز پڑھ رہی تھیں۔ میں نے پوچھا، یہ لوگوں کا معاملہ کیا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔ ناگاہ دیکھا کہ لوگ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے ہیں۔ حضرت عائشہؓ کی زبان سے نکلا، سبحان اللہ۔ میں نے پوچھا کہ کیا کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے۔ انہوں نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ پھر میں بھی نماز کے لیے کھڑی ہو گئی، یہاں تک کہ میرے اوپر غشی طاری ہونے لگی تو میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ پھر نبی ﷺ

نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کوئی چیز جو پہلے مجھے نہیں دکھائی گئی تھی، ایسی نہیں رہی جو میں نے اس مقام پر نہ دیکھ لی ہو۔ یہاں تک کہ مجھ کو جنت اور دوزخ بھی دکھائی گئی۔ پھر میرے اوپر یہ وحی کی گئی کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے، مسیح دجال کے فتنہ کی مانند یا اس کے قریب قریب۔ مجھے نہیں معلوم کہ اسماء نے ان میں سے کون سا لفظ کہا۔ پوچھا جائے گا کہ اس شخص کے متعلق تم کیا جانتے ہو۔ جو صاحب ایمان یا صاحب یقین ہوگا۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ اسماء نے ان میں سے کون سا لفظ بولا۔ وہ جواب دے گا کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو کھلی نشانیوں اور ہدایت کے ساتھ آئے۔ ہم نے ان کو لبیک کہا اور ان کی پیروی کی اور وہ محمدؐ ہیں۔ یہ وہ تین بار کہے گا تو اس کو کہا جائے گا کہ تم آرام سے سوؤ۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم ان پر یقین رکھتے ہو۔ اور جو منافق یا شکی ہوگا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اسماء نے ان میں سے کون سا لفظ بولا۔ تو وہ کہے گا میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا میں نے بھی وہی کچھ کہنا شروع کر دیا۔ ﴾

وضاحت:

اس روایت میں بہت سی باتیں محذوف ہیں جو سلسلہ کلام سے سمجھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً حضرت اسماءؓ نے مسجد میں لوگوں کا ہجوم دیکھا تو حضرت عائشہؓ سے ان کے جمع ہونے کی وجہ دریافت کی۔ وہ اس وقت نماز ادا کر رہی تھیں اس لیے جواب نہ دے سکتی تھیں۔ لہذا انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا تاکہ اسماء دیکھ لیں کہ گرہن ہو رہا ہے۔ انہوں نے اشارے کا مفہوم نہیں سمجھا۔ پھر پوچھا کہ کیا کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے پھر سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔ اتنے میں لوگ مسجد میں نماز خسوف کے لیے کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ اسماءؓ بھی اس نماز میں شریک ہو گئیں اور طول قیام کے باعث ان پر غشی طاری ہونے لگی۔ نماز سے فارغ ہو کر نبی ﷺ نے خطبہ دیا جس کے بعض حصے روایت میں نقل ہوئے ہیں۔

اس روایت میں راوی کو تین بار الفاظ پر شک ہوا ہے کہ اسماء نے یوں بیان کیا یا دوسرے الفاظ میں۔ انہوں نے احتیاط کے یہ پہلو جو اختیار کیے ہیں وہ روایت کو کسی قدر مشتبہ بنا دیتے ہیں۔

امام صاحب نے اتنی بڑی روایت محض یہ دکھانے کے لیے پیش کی ہے کہ کسی سوال کا جواب اشارے سے بھی دیا جا سکتا ہے کیونکہ حضرت عائشہؓ نے اسماءؓ کے سوالوں کے جواب اشاروں سے دیے۔ البتہ یہ روایت بڑے اہم مطالب پر مشتمل ہے۔

یہ موقع، معلوم ہوتا ہے، چاند گرہن کا تھا۔ اس موقع پر مسلمان نماز خسوف ادا کرنے کے لیے مسجد نبوی میں جمع ہوئے اور نبی ﷺ نے طویل قیام کے ساتھ نماز خسوف ادا کی۔ روزانہ دن اور رات کے ان اوقات میں پانچ نمازیں ادا کی جاتی ہیں جب کائنات میں تغیر بہت نمایاں ہوتا ہے، مثلاً طلوع وغروب آفتاب کا وقت یا زوال کے اوقات۔ علیٰ ہذا القیاس جب سورج گرہن یا چاند گرہن لگے تو یہ کائنات میں ایک غیر معمولی تغیر ہوتا ہے۔ ان اوقات میں بھی نماز ادا کرنے کا حکم ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر نبی ﷺ نے ایک تقریر فرمائی جس کے چند جملے روایت میں نقل ہوئے ہیں۔

خطبہ میں آنحضرت ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ تم قبروں میں جانچے جاؤ گے تو یہاں قبر سے مراد دو گز کی وہ زمین نہیں ہے جس میں انسان کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ عالم برزخ مراد ہے جس سے دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی کے درمیان کی منزل کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس عالم کی واردات کو عالم قبر کی واردات کہا جاتا ہے۔ اس عالم کے متعلق قرآن مجید سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کے مرنے پر موت صرف جسم کو آتی ہے، اس کی روح فنا نہیں ہوتی۔ مرنے والا اگر نیک اور صالح تھا تو عالم قبر میں اس کے نیک اعمال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی سیر کراتا ہے۔ چنانچہ راہ خدا میں قتل ہونے والوں کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ ان کو رزق پہنچایا جاتا ہے اور وہ خوش وخرم ہوتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء پر برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ مرنے والے برے لوگوں کو دوزخ میں ان کے ٹھکانے دکھائے جاتے ہیں۔ فرعون کے بارے میں قرآن نے بتایا ہے کہ صبح وشام اس کو دوزخ کے سامنے لایا جاتا ہے۔

جہاں تک فتنہ یعنی ابتلا کا تعلق ہے وہ دنیا کی زندگی تک محدود ہے۔ آزمائش کا مقصد یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ آدمی نیکی کا راستہ اختیار کرتا ہے یا بدی کا۔ مرنے کے بعد چونکہ نیکی یا بدی کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہ جاتا اس لیے مرنے کے ساتھ ہی آدمی کی آزمائش ختم ہو جاتی ہے۔ آخرت میں جزا وسزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اگر کسی چیز کا نشان ملتا ہے تو آخرت میں مجرمین پر حجت تمام کرنے یا ان کو رسوا کرنے کی غرض سے بعض چیزوں کا نشان ملتا ہے۔ مثلاً مشرکین سے کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو آواز دو۔ وہ ان کو پکاریں گے لیکن یہ صدا لا حاصل رہے گی۔ یا متکبرین سے کہا جائے گا کہ اللہ کو سجدہ کریں، وہ سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے تو ان کی کمر تختے کی مانند ہو جائے گی اور وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ لہٰذا زیر بحث روایت کا یہ جملہ کہ 'تم قبروں میں آزمائے جاؤ گے' محل نظر ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ عالم قبر میں مرنے والے سے اتمام حجت کی نوعیت کا سوال کیا جائے کہ اپنے پیغمبر کے بارے میں وہ کچھ جانتا ہے یا نہیں۔ صاحب ایمان لوگ تو ان کو پہچان لیں گے لیکن منافق ان کو پہچان نہ سکیں گے۔

المسیح الدجال کا ذکر اس روایت میں بطور ایک حوالے کے آیا ہے۔ یہ کون شخصیت ہے اور اس کے کیا کارنامے ہیں، ان سوالوں کا تعلق کتاب الفتن سے ہے جس میں مسیح الدجال کا ذکر مفصل آیا ہے۔ لہٰذا یہاں اس پر

بحث مناسب نہیں۔ البتہ مسیح الدجال کی ترکیب قابل غور ہے۔ دجال کے معنی لغت میں مکار اور جھوٹا کے ہیں اور مسیح کے معنی ہیں وہ جس کو مسح کیا گیا ہو۔ بنی اسرائیل میں ایک رسم تھی کہ ایک نبی اپنے بعد آنے والے نبی کے سر پر تیل مل کر اس کو اپنی موت کے بعد نبی نامزد کرتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اسی طرح مسح کیا تھا جس کے باعث ان کو مسیح بھی کہا جاتا ہے۔

المسیح الدجال کی ترکیب کو اگر صفت موصوف کی ترکیب مانیں تو معنی ہوں گے مکار مسیح۔ چونکہ اس میں صفت اور موصوف بالکل بے جوڑ ہو جاتے ہیں اس لیے لوگوں نے مسیح کے معنی کانا یا اندھا کے لیے ہیں، حالانکہ لغت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ بعض لوگوں نے اس کو مسخ یعنی مسخ شدہ کے معنی میں لیا ہے حالانکہ روایت میں یہ لفظ نہیں آیا۔ اگر مسیح الدجال کو مضاف ومضاف الیہ کی ترکیب مانا جائے تو بات کچھ بن جاتی ہے۔ اس صورت میں مراد ہوگی دجال والا مسیح۔

یہود کے ہاں مسیح کی آمد کی روایت موجود تھی۔ اس کے مطابق ان کے اندر ایک ایسے پیغمبر کی بعثت ہونے والی تھی جو داود علیہ السلام کی سلطنت کو قائم کرے گا اور اس کے عہد میں اسرائیل کو عظمت وشوکت ملے گی۔ اس پیغمبر کی آمد کی پیشنگوئیاں یسعیاہ اور یرمیاہ نبی کے صحیفوں میں موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اعلان کیا کہ میں تورات کی پیشنگوئیوں کے مطابق آیا ہوں۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے قرآن نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دعویٰ کو تسلیم نہ کیا بلکہ یہ کہا کہ مسیح کی آمد قیامت کے قریب ہوگی اور وہ دجال کو قتل کریں گے۔ اسی نسبت سے مسیح الدجال کی ترکیب کے معنی ہیں وہ مسیح جو دجال کو قتل کرنے والے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی یہی روایت ہمارے ہاں بھی مشہور ہوگئی ہے۔ ہمارے ہاں مسیح کے آنے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ دین کامل ہو چکا ہے۔ نبی کی ضرورت دین کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے۔ جب ہدایت محفوظ نہیں رہ جاتی تب پیغمبر آتا ہے تاکہ لوگوں کی رہنمائی کے لیے وہ دوبارہ راہ ہدایت کو روشن کردے۔ ہدایت پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا تعلق انسانوں سے ہوتا ہے۔ اب قرآن محفوظ ہے اس لیے قیامت تک کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۵. باب: تَحْرِيضِ النَّبِيِّ ﷺ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى أَنْ يَحْفَظُوا الْإِيمَانَ وَالْعِلْمَ، وَيُخْبِرُوا مَنْ وَرَاءَهُمْ.

وَقَالَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ: قَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ: ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ فَعَلِّمُوهُمْ

باب: نبی ﷺ کا وفد عبدالقیس کو اس بات پر ابھارنا کہ وہ ایمان اور علم کو محفوظ کریں اور جو لوگ ان کے پیچھے ہیں ان کو اس سے آگاہ کریں

مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ اپنے اہل وعیال میں واپس جاؤ اور ان کو تعلیم دو۔

اس باب کے تحت روایتوں میں یہ بات بیان ہو گی کہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس بات پر ابھارا ہے کہ جو دین وہ خود سیکھیں وہ دوسروں کو بھی سکھائیں۔ ذمہ داری صرف سیکھنے کی ہی نہیں، سکھانے کی بھی ہے۔

۳۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِی جَمْرَةَ قَالَ: كُنْتُ اُتَرْجِمُ بَيْنَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ بَيْنَ النَّاسِ، فَقَالَ: اِنَّ وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ اَتَوُالنَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: مَنِ الْوَفْدُ اَوْمَنِ الْقَوْمُ قَالُوا: رَبِيْعَةُ، فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ اَوْ بِالْوَفْدِ، غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى. قَالُوا: اِنَّا نَاْتِيْكَ مِنْ شُقَّةٍ بَعِيْدَةٍ ، وَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ هٰذَا الْحَیُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ، وَلَا نَسْتَطِيْعُ اَنْ نَاْتِيَكَ اِلَّا فِی شَهْرٍ حَرَامٍ، فَمُرْنَا بِاَمْرٍ نُخْبِرُ بِهٖ مَنْ وَرَاءَ نَا، نَدْخُلُ بِهِ الْجَنَّةَ، فَاَمَرَهُمْ بِاَرْبَعٍ وَ نَهَاهُمْ عَنْ اَرْبَعٍ: اَمَرَهُمْ بِالْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَحْدَهٗ، قَالَ: هَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ. قَالُوا: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، قَالَ: شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، وَ اِقَامُ الصَّلَاةِ، وَ اِيْتَاءُ الزَّكَاةِ، وَ صَوْمُ رَمَضَانَ، وَ تُعْطُوا الْخُمُسَ مِنَ الْمَغْنَمِ وَنَهَاهُمْ عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ. قَالَ شُعْبَةُ: رُبَّمَا قَالَ: النَّقِيْرِ وَرُبَّمَا قَالَ: الْمُقَيَّرِ. قَالَ احْفَظُوْهُ وَ اَخْبِرُوْهُ مَنْ وَرَائَكُمْ.

﴿ حضرت ابو جمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ابن عباسؓ اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کا فرض ادا کرتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ کے پاس جب عبدالقیس کا وفد آیا تو آپ نے پوچھا کون وفد ہے یا کس قوم کے لوگ ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ ربیعہ قبیلے کے لوگ ہیں۔ آپ نے فرمایا، مرحبا۔ مبارک ہو آپ لوگوں کی تشریف آوری۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم بہت دور سے آئے ہیں اور ہمارے اور آپ کے درمیان کفار کا قبیلہ مضر حائل ہے۔ ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم اشہر حرم کے سوا اور کسی موقع پر آ

سکیں۔ آپ ہمیں کچھ ایسی باتیں بتائیں جن سے ہم اپنے پیچھے والے لوگوں کو باخبر کریں اور ان کو ہم جنت میں داخل ہونے کا سامان فراہم کریں۔ آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع کیا۔ آپ نے ان کو ایک اللہ پر ایمان کا حکم دیا اور پھر آپ نے سوال کیا کہ ایک اللہ پر ایمان کا مطلب سمجھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز کا قیام، زکوۃ کی ادائیگی، رمضان کے روزے رکھنا اور یہ کہ جو غنیمت پاؤ تو اس میں خمس (پانچواں حصہ) ادا کرو۔ اور آپ نے ان کو دبا، حنتم، مزفت کے اندر نبیذ بنانے سے روکا۔ شعبہ کہتے ہیں کہ چوتھی چیز کا نام ابوجمرہ نے کبھی نقیر لیا اور کبھی مقیر۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دیکھو اس تعلیم کو اچھی طرح محفوظ کر لو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں ان کو سکھاؤ۔

وضاحت:

روایت میں غیر خزایا ولا ندامی کا محاورہ خوش آمدید کا مفہوم دیتا ہے۔ اس کے معنی ہیں ہر ناکامی و نامرادی سے محفوظ رہو۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہارا آنا مبارک ہو اور جانا بھی مبارک ہو۔ یہ روایت کتاب الایمان کے باب ۳۸ اداء الخمس من الایمان کے تحت گزر چکی ہے۔ وہاں اس کی وضاحت دیکھ لی جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ محض دین سیکھنے سے فرض ادا نہیں ہو جاتا۔ اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق دوسروں کو سکھانا بھی ضروری ہے۔

۲۶۔ باب: الرِّحْلَةِ فِي الْمَسْأَلَةِ النَّازِلَةِ

باب: پیش آنے والے مسئلہ کو معلوم کرنے کے لیے سفر کرنا

باب کے تحت آنے والی روایات میں مسئلہ کا حل معلوم کرنا، پھر اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو تعلیم دینا بھی شامل ہے۔ اگرچہ امام بخاریؒ نے باب صرف اس پر باندھا ہے کہ مسئلہ معلوم کرنے کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔

۸۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ أَبُو الْحَسَنِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عُمَرُ بْنُ سَعِيدِ ابْنِ أَبِي حُسَيْنٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ: أَنَّهُ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِأَبِي إِهَابِ بْنِ عَزِيزٍ، فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ أَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِي تَزَوَّجَ، فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ: مَا أَعْلَمُ أَنَّكِ أَرْضَعْتِنِي، وَلَا أَخْبَرْتِنِي، فَرَكِبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ

بِالْمَدِيْنَةِ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كَيْفَ وَ قَدْ قِيْلَ فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ، وَ نَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ.

﴿حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ابی اہاب بن عزیز کی ایک لڑکی سے نکاح کیا۔ ایک عورت ان کے پاس آئی اور کہا کہ میں نے عقبہ کو بھی دودھ پلایا ہے اور اس لڑکی کو بھی جس سے اس نے نکاح کیا ہے۔ عقبہ نے کہا مجھے تو علم نہیں کہ آپ نے مجھے دودھ پلایا اور نہ ہی آپ نے مجھے اس کی خبر دی۔ پھر عقبہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس مدینہ پہنچنے کے لیے سفر کیا اور آپ سے مسئلہ پوچھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات جب کہہ دی گئی ہے تو پھر کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ عقبہ نے بیوی کو علیحدہ کر دیا اور اس نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔﴾

وضاحت:

ہمارے ہاں اب رضاعت کا رواج نہیں رہا۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ بہت ہی اہم مسئلہ تھا۔ رضاعت کی وجہ سے لڑکی لڑکے میں نکاح کی حرمت لاحق ہو جاتی ہے اور وہ رضاعی بہن بھائی بن جاتے ہیں۔ ان کے درمیان زوجیت کا رشتہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے رضاعت کی گواہی ملنے پر عقبہ نے بیوی کو طلاق دے دی اور اس عورت نے دوسرا نکاح کر لیا۔

مسئلہ دریافت کرنے کے لیے سفر کرنا بالکل عقل عام کی بات ہے۔

۲۷۔ باب: التَّنَاوُبِ فِي الْعِلْمِ

باب: علم حاصل کرنے کے لیے باری مقرر کرنا

۳۳۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ: اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ (ح) قَالَ: اَبُو عَبْدِاللّٰهِ: وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ: اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي ثَوْرٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ عُمَرَ قَالَ: كُنْتُ اَنَا وَجَارٌ لِي مِنَ الْاَنْصَارِ، فِي بَنِي اُمَيَّةَ بْنِ زَيْدٍ، وَهِيَ مِنْ عَوَالِي الْمَدِيْنَةِ، وَكُنَّا نَتَنَاوَبُ النُّزُوْلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، يَنْزِلُ يَوْمًا وَ اَنْزِلُ يَوْمًا، فَاِذَا نَزَلْتُ جِئْتُهُ بِخَبَرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مِنَ الْوَحْيِ وَغَيْرِهٖ، وَاِذَا نَزَلَ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ، فَنَزَلَ صَاحِبِي الْاَنْصَارِيُّ يَوْمَ نَوْبَتِهٖ، فَضَرَبَ بَابِي ضَرْبًا شَدِيْدًا، فَقَالَ: اَثَمَّ هُوَ؟ فَفَزِعْتُ

فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ عَظِيمٌ". قَالَ: فَدَخَلْتُ عَلَى حَفْصَةَ فَإِذَا هِيَ تَبْكِي، فَقُلْتُ: طَلَّقَكُنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: لَا أَدْرِي. ثُمَّ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقُلْتُ وَ أَنَا قَائِمٌ": أَطَلَّقْتَ نِسَاءَكَ؟ قَالَ: لَا. فَقُلْتُ: اللهُ أَكْبَرُ.

﴿حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں اور میرے ایک انصاری پڑوسی بنو امیہ بن زید کے محلے میں، جو مدینہ کے بالائی حصہ میں تھا، رہتے تھے۔ ہم نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے باری ٹھہرائی تھی۔ ایک دن وہ وہاں جاتے اور دوسرے دن میں جاتا تھا۔ جب میری باری ہوتی تو میں ان کے پاس اس دن کی وحی اور دوسری چیزوں کی خبر لاتا۔ جب وہ جاتے تو وہ بھی ایسا ہی کرتے۔ ایک دن میرے یہ انصاری بھائی اپنی باری کے دن آئے اور انہوں نے بہت زور سے دروازہ پیٹا اور پوچھا کیا عمر یہیں ہیں۔ اس پر میں گھبرا کر باہر نکلا تو انہوں نے کہا کہ عظیم حادثہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ میں حفصہؓ کے پاس گیا تو وہ رو رہی تھیں۔ میں نے پوچھا، کیا تم لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے طلاق دے دی ہے؟ انہوں نے کہا، مجھے نہیں معلوم۔ پھر میں نبی ﷺ کے پاس گیا تو میں نے کھڑے ہی کھڑے یہ پوچھا کہ کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اس پر میں نے اللہ اکبر کہا۔﴾

وضاحت:

اس روایت کا عنوان باب تعلیم کے لحاظ سے مناسب ہے کہ حصول علم کے لیے باری مقرر کر لی جائے۔ اگر آپ روزانہ تعلیمی حلقے میں جانے کی فرصت نہیں پاتے تو اپنے کسی با اعتماد ساتھی سے، جس کو آپ خیال کرتے ہیں کہ یہ بات سمجھتا ہے، معاملہ کر لیں کہ ایک دن تم حلقے میں جایا کرو اور ایک دن میں جاؤں گا۔ اور جو تم سنو مجھے بتا دیا کرو اور جو میں سنوں گا میں تمہیں بتا دیا کروں گا۔ اگر یہ کام امت کے اتنے بڑے آدمی نے کیا ہے تو دوسرے لوگ بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ یہ بہت ہی مناسب طریقہ ہے۔

اس روایت میں امر عظیم یعنی بڑے حادثے کی اصلی بات ہی چھوڑ دی گئی ہے۔ یہ بیان نہیں کیا گیا کہ کیا حادثہ ہوا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس معاملے کا پہلے سے ذہنوں میں خیال ہو۔ خبر سنتے ہی حضرت عمرؓ تاڑ گئے ہوں اور فوراً حضرت حفصہؓ کے پاس پہنچے ہوں۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انصاری ساتھی نے حادثے کی وضاحت کی ہو لیکن کسی راوی نے اس کو نقل نہ کیا ہو۔ دوسری بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا

ہے کہ انصاری ساتھی نے فقرہ پورا کہا تھا کہ طلق النبی ﷺ نساء ہ (نبی ﷺ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی) اس حادثے سے واقعہ ایلاء کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن اس روایت میں اس کی تفصیل نہیں۔ دوسری روایات اور تاریخ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

۵ھ کے لگ بھگ منافقین کی ریشہ دوانیاں عام مسلمانوں کو نبی ﷺ سے بدگمان و برگشتہ کرنے کے لیے بہت بڑھ گئی تھیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی گھریلو زندگی کے سکون کو درہم برہم کرنے کے لیے بھی خطرناک مہم چلائی۔ منافق عورتیں ازواج مطہرات کے گھروں میں جاتیں اور نہایت ہمدردانہ انداز میں کہتیں کہ آپ لوگ معزز گھرانوں کی بیٹیاں ہیں لیکن آپ لوگوں کی زندگی ہر راحت ولذت سے محروم گزر رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس فتنے کا قلع قمع کرنے کے لیے ایک ایسا طریقہ اختیار کیا جس کے بعد سب کے دانت کھٹے ہو گئے۔ آنحضرت نے تخیر کا اعلان کیا اور ازواج کو خبر کر دی کہ ان کو اختیار ہے کہ خانہ نبوت میں رہنا چاہیں تو رہیں، ورنہ طلاق لے لیں۔ اس اعلان کے بعد آپ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے نہیں ملے۔ جس سے لوگوں کو خیال ہوا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی ہے۔ یہ روایت اس موقع کی ہے۔

۲۸. باب: اَلْغَضَبِ فِي الْمَوْعِظَةِ وَالتَّعْلِيمِ، إِذَا رَأَى مَا يَكْرَهُ

باب: تعلیم اور موعظت میں ناگوار چیز دیکھ کر غصے ہونا

۳۴. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ قَالَ: اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ اَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِي حَازِمٍ، عَنْ اَبِي مَسْعُودٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: "يَا رَسُولَ اللّٰهِ، لَا اَكَادُ اُدْرِكُ الصَّلَاةَ مِمَّا يُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ"، فَمَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمِئِذٍ، فَقَالَ: اَيُّهَا النَّاسُ، اِنَّكُمْ مُنَفِّرُونَ، فَمَنْ صَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَاِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيضَ وَالضَّعِيفَ وَ ذَا الْحَاجَةِ.

﴿حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ، فلاں صاحب نماز کو اتنا طول دیتے ہیں کہ میں تو باجماعت نماز سے محروم ہی رہوں گا۔ تو میں نے نبی ﷺ کو کسی وعظ میں اس دن سے زیادہ غضب ناک نہیں پایا۔ آپ نے لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا "اے لوگو! تم لوگوں کے اندر بیزاری پیدا کرنے والے ہو۔ جو کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے کیونکہ مقتدیوں میں مریض، ضعیف اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں"۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ کے پاس آنے والے نے کہا کہ فلاں صاحب اتنی لمبی نماز پڑھاتے ہیں کہ میرے لیے ممکن معلوم نہیں ہوتا کہ میں نماز باجماعت ادا کرسکوں، اگرچہ میری خواہش ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کروں۔ اس پر آنحضرت ﷺ غصے میں آگئے اور لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگوں کو دین سے بےزار نہ کرو۔ تم کو تو لوگوں کے لیے مبشر بننا چاہیے، ان کے لیے سہولت پیدا کرنی چاہیے، تاکہ ہر طرح کے لوگ آسانی سے نماز ادا کرسکیں۔ کیونکہ نمازیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں، بوڑھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور ایسے ضرورت مند بھی ہوتے ہیں جن کو اپنی ضروریات کے لیے وقت درکار ہوتا ہے۔

آج کل کے خطیب جمعہ کا خطاب نہایت طویل کرتے ہیں۔ یہ اگر حضور ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو ان کے متعلق معلوم نہیں آنحضرت کیا فرماتے۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ تقریر کے نشے میں بولتے ہی چلے جاتے ہیں۔ ان کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور مقتدیوں کے کیا مسائل ہیں۔

۳۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُو عَامِرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ الْمَدِينِيُّ، عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ اَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَأَلَهُ رَجُلٌ" عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: اِعْرِفْ وِكَاءَهَا، اَوْ قَالَ وِعَاءَهَا، وَ عِفَاصَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، ثُمَّ اسْتَمْتِعْ بِهَا، فَاِنْ جَاءَ رَبُّهَا فَاَدِّهَا اِلَيْهِ قَالَ: فَضَالَّةُ الْاِبِلِ؟ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ، اَوْ قَالَ احْمَرَّ وَجْهُهُ، فَقَالَ: وَمَالَكَ وَلَهَا، مَعَهَا سِقَاؤُهَا وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُالْمَاءَ وَتَرْعَى الشَّجَرَ، فَذَرْهَا حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا قَالَ: فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: لَكَ اَوْ لِاَخِيكَ اَوْ لِلذِّئْبِ

﴿ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے ایک شخص نے لقطہ (گری پڑی چیز) کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اس کا ڈھکنا (یا یہ کہ اس کا بندھن اور ظرف) پہچان لو اور پھر ایک سال تک اس کی منادی کراؤ، پھر اس سے فائدہ اٹھاؤ، اور اگر اس کا مالک آجائے تو اس کو لوٹا دو۔ اس نے پوچھا کہ گمشدہ اونٹ اگر مل جائے تو؟ اس پر آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: تمہیں اس سے کیا مطلب؟ اس کا مشکیزہ اور اس کا جوتا اس کے ساتھ ہے۔ چشمے پر پہنچ جائے گا۔ جنگل کی جھاڑیاں چرلے گا۔ تو اس کو چھوڑ دو، اس کا مالک جب چاہے گا اس کو تلاش کرلے گا۔ پھر اس نے

پوچھا کہ گمشدہ بکری کے متعلق کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا وہ یا تو تمہارے لیے ہے یا تمہارے بھائی کے لیے یا پھر بھیڑیے کے لیے ہے۔

وضاحت:

گمشدہ اشیاء یا جانور اگر کسی کو مل جائیں تو اس کے بارے میں اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس کی اصولی تعلیم اس حدیث میں ملتی ہے۔

لقطہ یا ضالہ سے متعلق یہ بات ضروری ہے کہ اس میں سہل انگاری کا رویہ اختیار نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ اخلاقی پہلو سے اس میں بڑے خطرے ہیں۔ اگر اس کے متعلق کوئی قید یا پابندی نہ ہو تو جو چیز کسی کو مل جائے ہڑپ کر لے گا، کہیں بکری مل جائے تو اس کو لاکر ذبح کرلے گا۔ لہٰذا یہ ضروری تھا کہ اس کے متعلق کوئی قید لگائی جاتی۔

گمشدہ سامان میں دو قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔ کہیں کسی کو ہمیانی مل گئی یا بٹوا، تھیلا یا بریف کیس مل گیا تو اس کے متعلق فرمایا کہ اس کا بندھن، ڈھکنا یا ظرف پہچان لو تاکہ اعلان کرسکو کہ مجھے ایسی چیز ملی ہے۔ جو صاحب اس کے مالک ہوں وہ علامات بتا کر لے لیں۔ اور یہ کام ایک سال تک کرنا ہوگا۔ اس کے بعد سامان پانے والا اس کو خود استعمال کرسکتا ہے۔ دوسری قسم میں جانور شامل ہیں۔ جب اس شخص نے اونٹ سے متعلق پوچھا تو آنحضرت ﷺ کو غصہ آگیا۔ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا تمہارا اس سے کیا مطلب؟ اس فقرے میں بڑی تیزی ہے۔ یعنی تم کو اس سے کیا تعلق؟ اس کا مشکیزہ اور اس کا جوتا اس کے پاس ہے۔ حذاء جوتے کو کہتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک اس سے مطلب یہ ہے کہ اس کا زادِ راحلہ اس کے پاس ہے، یہ کسی کا محتاج نہیں۔ جنگل کی جھاڑیاں چر لے گا۔ چشمے کا پانی پی لے گا۔ تم اس کو گھر میں لاکر کیا کروگے۔ اونٹ کو رکھنا آسان تو نہیں جب کہ مالک کے ملنے پر اس کو واپس بھی کرنا ہے۔ لہٰذا اس کو چھوڑ دو، اس کا مالک خود اسے تلاش کرلے گا۔ باقی رہ گئے چھوٹے جانور مثلاً بھیڑ بکری تو اس کو اگر چھوڑ دیا جائے تو کوئی بھیڑیا اس کو کھالے گا لہٰذا وہ تم گھر میں لے آؤ یا تمہارا کوئی اور ساتھی اپنے گھر لے جائے تو ایسا کرنا چاہیے اور مالک کے آنے پر جانور اس کے حوالہ کرنا چاہیے۔

موجودہ زمانے میں یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں رہا۔ شہروں میں کانجی ہاؤس یا مویشی خانے موجود ہوتے ہیں۔ اگر کوئی آوارہ مویشی ملے تو وہاں بھیج دیں۔ اگر مالک آئے تو چارہ وغیرہ کی قیمت ادا کرکے اور کچھ جرمانہ ادا کرکے لے جاسکتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کے زمانے میں مویشی خانے نہیں تھے۔ تب آپ نے یہ فرمایا۔

۳۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ: سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ أَشْيَاءَ كَرِهَهَا، فَلَمَّا أُكْثِرَ عَلَيْهِ غَضِبَ، ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ:

سَلُونِي عَمَّا شِئْتُمْ. قَالَ رَجُلٌ: مَنْ أَبِي؟ قَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ. فَقَامَ آخَرُ فَقَالَ: مَنْ أَبِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: أَبُوكَ سَالِمٌ مَوْلَى شَيْبَةَ. فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ مَا فِي وَجْهِهِ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّا نَتُوبُ إِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ.

﴿ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے کچھ ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا گیا جن کو آپ نے ناگوار محسوس کیا۔ جب اس پر زیادہ تکرار کیا گیا تو آپ کو غصہ آ گیا۔ پھر آپ نے لوگوں سے کہا پوچھو جو پوچھنا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ میرا باپ کون ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ دوسرا کھڑا ہوا۔ اس نے کہا میرے باپ کا نام بتایئے اے اللہ کے رسول۔ آپ نے فرمایا تمہارا باپ سالم مولی شیبہ ہے۔ جب حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرے کا رنگ دیکھا تو فوراً کہا یا رسول اللہ، ہم اللہ عز وجل کے آگے توبہ کرتے ہیں۔﴾

وضاحت:

معلوم ہوتا ہے کہ جن سوالوں سے آپ بے زار ہوئے وہ ان لوگوں کے تھے جو محض کٹ حجتی کے لیے یا آنحضرت ﷺ کو جانچنے کے لیے پوچھتے تھے کہ آپ غیب کا علم جانتے ہیں یا نہیں۔ جب آپ کو غصہ آیا تو آپ نے کہا پوچھو۔ اس کے بعد لوگوں کو چپ ہو جانا چاہیے تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو آنحضرت ﷺ کے تیور نہیں پہچان سکے اور فضول قسم کے سوالات کرنے لگے۔ اس پر آنحضرت ﷺ کو غصہ آنا قدرتی بات تھی۔ جب حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرے کو دیکھا تو فوراً اللہ کے حضور توبہ کی۔

رہی یہ بات کہ کیا آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کے باپوں کے نام معلوم تھے یا آپ نے غیبی اشارے سے بتایا تو انبیاء کے لیے ایسے غیبی اشاروں کا ہونا کوئی بعید نہیں۔

۲۹. باب: مَنْ بَرَكَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ عِنْدَ الإِمَامِ أَوِ الْمُحَدِّثِ

باب: امام یا محدث کے آگے دو زانو بیٹھنا

۳۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ، فَقَامَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ: مَنْ أَبِي؟ فَقَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ: سَلُونِي. فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَقَالَ: رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا، وَ

بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا، وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا، فَسَكَتَ.

انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو عبداللہ بن حذافہ کھڑے ہوئے اور آپ سے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے۔ آپ نے فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر بار بار فرمانے لگے پوچھو، پوچھو۔ حضرت عمرؓ دوزانو ہو بیٹھے اور کہنے لگے۔ ہم اللہ کو رب مان کر، اسلام کو دین مان کر اور محمد ﷺ کو نبی تسلیم کرکے راضی ہیں۔ یہ تین بار کہا۔ پھر آپ چپ ہوئے۔

وضاحت:

یہ روایت وہی ہے جو پچھلے باب کے تحت امام صاحب نقل کرآئے ہیں۔ اس میں انہوں نے حضرت عمرؓ کے رسول اللہ کے سامنے دوزانو بیٹھنے پر باب باندھ دیا ہے۔ اگرچہ یہاں امام سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں لیکن امام بخاریؒ نے محدث کو بھی اس میں شامل کرلیا ہے۔ دوزانو بیٹھنا اسی طرح ہے جس طرح ہم نماز میں التحیات کے وقت قعدہ میں بیٹھتے ہیں۔ انتہائی ادب سے اس طرح بیٹھا جاتا ہے۔

پہلی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جب غصے میں یہ کہا کہ پوچھو۔ تب بھی لوگ سوال کرتے رہے۔ لیکن اس روایت میں یہ ہے کہ عبداللہ بن حذافہؓ کے سوال کے بعد عمرؓ نے آپ کا غصہ تاڑلیا اور دوزانو بیٹھ کر وہ الفاظ کہے جو روایت میں آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے یہ کلمات پہلی روایت سے مختلف ہیں لیکن یہ زیادہ قرین قیاس ہیں، اگرچہ اس روایت کی ترتیب پہلی روایت کی نسبت قدرے غیر منطقی ہے۔

٣٠. بَاب: مَنْ اَعَادَ الْحَدِيثَ ثَلَاثًا لِيُفْهَمَ عَنْهُ

فَقَالَ النَّبِی ﷺ اَلَا وَقَوْلُ الزُّوْرِ فَمَا زَالَ يُكَرِّرُهَا. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ هَلْ بَلَّغْتُ. ثَلَاثًا

باب: بات کو سمجھانے کے لیے تین بار دہرانے والے کے بارے میں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا 'خبردار! جھوٹ کہنے سے بچو' اور اس کو بار بار دہراتے رہے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تین بار فرمایا 'کیا میں نے تم کو پہنچا دیا؟'

"الا و قول الزور" حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جسے کسی موقع پر آپ بار بار دہراتے رہے تاکہ لوگ اچھی طرح سمجھ لیں۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے آخر میں سامعین سے پوچھا تھا کہ کیا میں نے اللہ کا

پیغام دیا۔ اور یہ جملہ بھی آپ نے تین مرتبہ دہرایا تھا۔ امام بخاریؒ نے باب میں یہ دو تعلیقات نقل کی ہیں جو دوسری حدیثوں کے ٹکڑے ہیں۔ اس کے بعد روایت نقل کی ہے۔

۳۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالصَّمَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ: حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ اَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: اَنَّهُ كَانَ اِذَا سَلَّمَ سَلَّمَ ثَلَاثًا، وَ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلَاثًا.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب بھی سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کرتے اور جب بھی کوئی بات کرتے تو اس کو تین بار دہراتے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں چند مشکلیں ہیں۔ بڑی مشکل تو یہ ہے کہ باب اور روایت میں مطابقت نہیں۔ امام صاحب نے باب تو باندھا ہے کہ بات اس لیے دہرائی جائے تاکہ سمجھ میں آ جائے۔ یعنی یہ عمل مشروط ہے اس سے کہ بات سمجھانے کے لیے ایسا کیا جائے، لیکن روایت جو نقل کی ہے وہ غیر مشروط ہے، اور غیر مشروط بھی ایسی کہ "اذا تکلم" کہ "حضور جب بھی بات کرتے"، "اذا" استمرار کے لیے آتا ہے، جس سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ گویا کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی بات تین مرتبہ سے کم کہی ہو۔ باب میں جو تعلیق نقل کی ہے وہ ایسے مواقع کا حوالہ ہے جہاں تاکید ضروری تھی۔ مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے تین مرتبہ پوچھا کہ کیا میں نے پیغام پہنچا دیا۔ اسی طرح قول الزور والی بات کو تاکید کے لیے تین یا زیادہ مرتبہ دہرایا۔ تفہیم کے لیے اور شہادت کو موکد کرنے کے لیے تو بات دو تین مرتبہ کہی جا سکتی ہے لیکن ہر بات کو تین مرتبہ کہنا سمجھ میں نہیں آتا۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ یہ روایت حضرت انسؓ سے ہے۔ حضرت انسؓ ایسے آدمی نہیں کہ انہوں نے صرف چند مرتبہ ہی آنحضرت ﷺ کی خدمت کی ہو اور آدمی بھی وہ نہایت سمجھدار ہیں۔ جب وہ اس تاکید سے کہتے ہیں کہ جب بھی آپ بات کرتے تو تین مرتبہ کرتے تو یہ بات بڑی الجھن پیدا کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ روایت بالمعنی کرنے میں کسی راوی سے تسامح ہو گیا ہو۔ اگلی روایت میں یہ الجھن دور ہو جاتی ہے اور وہ باب سے مطابق بھی ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں حتی تفهم عنه کے الفاظ موجود ہیں۔

سلام کے بارے میں بات سمجھ میں آتی ہے۔ لیڈروں کا عام طریقہ ہے کہ وہ کسی مجلس میں پہنچتے ہیں تو حاضرین کو بار بار سلام کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے آنحضرت ﷺ کا طریقہ بھی یہ رہا ہوگا کہ پہلے سامنے والوں کو، پھر دائیں طرف والوں کو اور تیسری مرتبہ بائیں جانب والوں کو سلام کہتے ہوں۔

۳۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ :حَدَّثَنَا عَبْدُالصَّمَدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُثَنّٰى قَالَ: حَدَّثَنَا ثُمَامَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ اَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: اَنَّهُ كَانَ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ أَعَادَهَا ثَلاثًا، حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ، وَ اِذَا اَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلَاثًا.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب بھی بات کرتے تو اس کو تین مرتبہ دہراتے تا کہ اس کو سمجھ لیا جائے اور لوگوں کے پاس جب بھی جاتے اور ان کو سلام کرتے تو تین مرتبہ سلام کیا کرتے۔﴾

۴۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُو عَوَانَةَ، عَنْ اَبِي بِشْرٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهِكٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: تَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي سَفَرٍ سَافَرْنَاهُ، فَاَدْرَكَنَا وَقَدْ اَرْهَقْنَا الصَّلَاةَ، صَلَاةَ الْعَصْرِ، وَ نَحْنُ نَتَوَضَّأُ، فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلٰى اَرْجُلِنَا، فَنَادٰى بِاَعْلٰى صَوْتِهِ: وَيْلٌ" لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ. مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلاثًا.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ایک سفر میں پیچھے رہ گئے۔ آپ اس وقت ہمارے ساتھ آ ملے جب کہ نماز عصر کا آخری وقت ہو چکا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے۔ اس پر ہم نے جلدی جلدی اپنے پاؤں پر مسح کرنا شروع کیا تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا "ایڑیوں کو ہلاکی ہو دوزخ کی آگ سے"۔ آپ نے دو مرتبہ فرمایا یا تین مرتبہ۔﴾

وضاحت:

یہ دونوں روایات باب سے مطابقت رکھتی ہیں کہ آپ صحابہ کو سمجھانے کے لیے بات دو یا تین مرتبہ دہراتے تا کہ سب لوگ سن لیں اور سمجھ لیں۔ سفر کے دوران جلد بازی میں پاؤں مکمل طور پر دھونے میں کوتاہی نہ کرنے کی ہدایت بھی ایک مجمع کو تعلیم دینے کا اسی طرح کا ایک موقع تھا جیسا موقع حجۃ الوداع کا تھا۔ اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضور اپنی ہر بات تین مرتبہ دہرایا کرتے تھے۔

۳۱. باب: تَعْلِيمِ الرَّجُلِ اَمَتَهُ وَ اَهْلَهُ

باب: آدمی کا اپنی لونڈی اور گھر والوں کو تعلیم دینا

۴۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا صَالِحُ بْنُ حَيَّانَ قَالَ: قَالَ عَامِرٌ" الشَّعْبِيُّ: حَدَّثَنِي اَبُو بُرْدَةَ، عَنْ اَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "ثَلَاثَةٌ" لَهُمْ

اَجْرَانِ: رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَ آمَنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ، وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوكُ اِذَا اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ حَقَّ مَوَالِيْهِ، وَ رَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهُ اَمَةٌ فَاَدَّبَهَا فَاَحْسَنَ تَادِيْبَهَا وَ عَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ اَجْرَانِ. ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ: اَعْطَيْنَاكَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ، قَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيْمَا دُوْنَهَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ.

﴿حضرت ابو بردہؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک وہ شخص جو اہل کتاب میں سے ہو، جو اپنے نبی کے ایمان پر بھی قائم رہا اور محمد ﷺ پر بھی ایمان لایا۔ دوسرا وہ غلام جو اللہ کا حق بھی ٹھیک ٹھیک ادا کرے اور اپنے آقا کا حق بھی۔ اور تیسرا وہ شخص کہ جس کے پاس کوئی لونڈی ہو، وہ اس کو مہذب بنائے، اس کو اچھی طرح ادب سکھائے اور اس کو اچھی تعلیم دے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔ عامر نے صالح سے کہا کہ یہ حدیث ہم نے تم کو مفت سنا دی حالانکہ اس سے بھی معمولی باتوں کے لیے مدینہ کا سفر کرنا پڑتا تھا۔﴾

وضاحت:

اہل کتاب جو اپنے نبی پر ایمان لائے اور آنحضرت ﷺ پر بھی ایمان لائے ان کو تو دوہرا اجر ملنا چاہیے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے پہلے وقت کا حق بھی ادا کیا اور آپ کی آمد پر آپ کا حق بھی ادا کیا۔ یہ بات قرآن مجید میں بھی بیان ہوئی ہے کہ اہل کتاب نبی ﷺ کی رسالت پر ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کا دوگنا حصہ (كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ) عطا فرمائے گا۔ اہل کتاب کے علاوہ اس امت کا اجر بھی دوہرا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ امت تمام جہان کے اوپر گواہ بنائی گئی ہے تو جو اس کا حق ادا کرے گا اس کو دوہرا اجر ملے گا۔

وہ غلام جو اپنے رب کا حق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے آقا کا بھی، تو اس کو بھی دوہرا اجر ملنا قابل فہم ہے کہ اس نے اپنے حقیقی آقا اور دنیاوی آقا دونوں کا ٹھیک ٹھیک حق ادا کیا۔

اسلام نے غلامی کے سسٹم کو عارضی طور پر گوارا کر لیا تھا لیکن اس کو ختم کرنا بھی ضروری تھا۔ اس کو یک لخت ختم کرنا اس لیے ممکن نہ تھا کہ اس میں بڑی پیچیدگیاں تھیں۔ لہٰذا اسلام نے غلاموں کے حقوق بہت وضاحت سے ایسے قائم کر دیے تھے جن کا مقصد یہ تھا کہ آزادی کا نہایت ہی فراخ راستہ کھول دیا جائے۔ مکاتبت کے قانون کے تحت سب ذی صلاحیت غلام آزاد ہو سکتے تھے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر یہ فرمایا کہ لونڈی کو مہذب بنا کر، اس کی

اچھی تربیت وتعلیم کرے، پھر اس کو آزاد کرکے، اگر کوئی مالک اس سے نکاح کرے گا تو اس کو دوہرا اجر ملے گا۔

اس حدیث کے راوی عامر یہ کہتے ہیں کہ یہ روایت ہم نے آپ کو مفت سنا دی حالانکہ اس سے کم قیمت روایت کے لیے مدینہ کا سفر کرنا پڑتا تھا تو اس نعمت کی قدر کرو۔

۳۲. باب: عِظَةِ الاِمَامِ النِّسَاءَ وَتَعْلِيمِهِنَّ

باب: امام کا عورتوں کو نصیحت کرنا اور دین کی تعلیم دینا

۴۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَيُّوبَ قَالَ: سَمِعْتُ عَطَاءً، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ: أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ. أَوْ قَالَ عَطَاءٌ أَشْهَدُ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ. خَرَجَ وَ مَعَهُ بِلَالٌ فَظَنَّ أَنَّهُ لَمْ يُسْمِعِ النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَ أَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ، فَجَعَلَتِ الْمَرْأَةُ تُلْقِي الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ، وَ بِلَالٌ يَأْخُذُ فِي طَرَفِ ثَوْبِهِ. وَقَالَ إِسْمَاعِيلُ: عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَطَاءٍ. وَقَالَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَشْهَدُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ.

﴿حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ پر شہادت دیتا ہوں یا عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ میں حضرت ابن عباس پر شہادت دیتا ہوں کہ نبی ﷺ نکلے اور آپ کے ساتھ بلالؓ تھے۔ آپ کو گمان یہ ہوا کہ عورتوں تک آپ کی آواز سنائی نہیں دے رہی تو آپ نے ان کو الگ سے نصیحت فرمائی اور صدقہ کرنے کی ہدایت کی۔ عورتوں نے یہ کیا کہ اپنے کانوں کی بالیاں اور انگوٹھیاں نکال نکال کر دینے لگیں اور بلالؓ اپنے کپڑے کے پلو میں جمع کرتے رہے۔﴾

وضاحت:

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام یا امیر یا حاکم کا کام صرف ملک کا انتظام کرنا نہیں بلکہ اپنے عوام سے رابطہ قائم رکھنا بھی ہے۔ اس کا یہ کام بھی ہے کہ وہ براہ راست وقتاً فوقتاً لوگوں کو تعلیم دے اور معاملات میں ان کی رہنمائی کرے۔ اصل میں ساری ذمہ داری اس کی ذات میں مرتکز ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر کام کا کچھ نہ کچھ مظاہرہ اس کو کرنا پڑتا ہے۔ یہ کام سب خلفاء اور خود آنحضرت ﷺ کرتے رہے۔ روایت میں بیان کردہ موقع پر نبی ﷺ نے جب ایک اجتماع سے خطاب فرمایا تو لوگوں کو بعض چیزوں کی تعلیم دی۔ بعد میں آپ کو احساس ہوا کہ شائد آپ کی آواز اس جگہ تک نہ پہنچ پائی ہوگی جہاں خواتین بیٹھی تھیں۔ چنانچہ آپ خود ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو خطاب فرمایا

جس میں بطور خاص صدقہ کرنے کا شوق ابھارا۔

اس روایت سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عورتوں کو صدقے کی تلقین کی تو انہوں نے بڑی فیاضی دکھائی۔ انہوں نے اپنے زیور اتار اتار کر صدقہ کی مد میں دے دیے۔ آنحضرت ﷺ نے بلالؓ کو حکم دیا اور وہ ایک کپڑے میں ان کو جمع کرتے رہے۔

۳۳. باب: الحِرْصِ عَلَى الحَدِيْثِ

باب: حدیث کے لیے حرص کرنا

۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ عَنْ عَمْرِو بْنِ اَبِي عَمْرٍو عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِي سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّهُ قَالَ: قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَنْ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: "لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَنْ لَا يَسْاَلُنِي عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ اَحَدٌ" اَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَاَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيْثِ، اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ اَوْ نَفْسِهِ".

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! سب سے زیادہ خوش بخت آپ کی شفاعت کے معاملے میں قیامت کے دن کون ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے ابو ہریرہ! حدیث کی حرص جو تم رکھتے ہو اس کو دیکھتے ہوئے میرا گمان یہی تھا کہ کوئی دوسرا اس بارے میں تم سے پہلے یہ سوال نہیں کرے گا۔ سب سے زیادہ خوش بخت میری شفاعت کے معاملے میں قیامت کے دن وہ ہوگا جو اپنے دل وجان سے لا الہ الا اللہ کہے خلوص کے ساتھ۔﴾

وضاحت:

روایت میں نبی ﷺ سے سوال کرنے والے خود حضرت ابو ہریرہؓ تھے اس لیے مجہول کے صیغہ قیل سے روایت کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

اسعد عربی میں تفضیل کا صیغہ ہے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کے سوال کا مطلب یہ ہے کہ سب سے زیادہ خوش قسمت کون ہوگا چنانچہ آنحضرت ﷺ نے جواب میں یہ فرمایا کہ جو لوگ لا الہ الا اللہ کا اعتراف خلوص دل سے کریں گے وہ سب سے زیادہ خوش قسمت ہوں گے۔

اس روایت میں مشکل یہ ہے کہ اس میں کلمہ طیبہ کے دوسرے حصے محمد رسول اللہ کے اعتراف کا ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ کوئی شخص اگر لا الہ الا اللہ کا اعتراف کرے لیکن محمد رسول اللہ کا اعتراف نہ کرے تو وہ مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اسعد الناس ہیں تو کچھ اور لوگ بھی ہوں گے جو اس سے کم تر درجہ میں ہوں گے اور ان کو بھی شفاعت نصیب ہوگی۔ اس سے نیچے کا درجہ تو پھر یہ ہوا کہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ بھی نہیں کہیں گے اور ان کے لیے بھی آنحضرت ﷺ شفاعت کریں گے۔ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے کافر چچا ابو طالب کے لیے شفاعت کریں گے۔ تو یہ بات اس روایت کی رو سے بھی درست ہوئی۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ جو لوگ خلود فی النار کے مستحق ہوں گے صرف وہ شفاعت کے ذریعے جہنم سے نکالے جائیں گے اور امت کے گناہ گاروں کی کوئی حد ہی نہیں جن کے متعلق آنحضرت ﷺ شفاعت کریں گے۔ یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ جو لوگ نہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں اور نہ آپ پر ایمان رکھیں وہ صرف لا الہ الا اللہ کہنے سے شفاعت کے حق دار ہو جائیں۔ اور بعض لوگ لا الہ الا اللہ کے بھی قائل نہ ہوں اور محض رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ داری کے سبب سے شفاعت کے مستحق ہو جائیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ بھی سمجھا جائے گا تو آخر راوی نے اس کو کیوں حذف کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی رسالت کے بارے میں بھی یقیناً فرمایا ہوگا کیونکہ توحید کے بعد آپ اپنی رسالت کو رکھتے تھے لیکن یہ حصہ اس روایت میں غائب ہوگیا ہے۔ بعض دوسری روایات میں محمد رسول اللہ کے الفاظ موجود ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ روایات امام صاحب کے معیار پر پوری نہ اترتی ہوں تو میرے نزدیک سند کے معیار سے زیادہ جب مفہوم معیار پر پورا اترتا تھا تو امام صاحب کو وہ روایت لینی چاہیے تھی۔ اس مخدوش روایت کو مرجوح قرار دینا چاہیے تھا۔

شفاعت سے متعلق جو ضابطہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ یا کوئی بھی کسی کی شفاعت نہ کر سکے گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دے، اور وہ بھی صرف اسی شخص کے حق میں جس کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دے۔ نیز یہ بھی ہے کہ کوئی بھی شخص اللہ تعالیٰ کے علم میں اضافہ نہیں کر سکے گا اور نہ ہی یہ جرأت کر سکے گا کہ اس کے حضور کوئی غلط بات کہے۔ میرے نزدیک یہ روایت قرآن مجید کے منافی ہے۔ آنحضرت کی رسالت کے اقرار کے بغیر کوئی شخص آپ کی شفاعت کا حق دار اور اسعد الناس کیسے ہوسکتا ہے؟

یہ بات کہ شفاعت ہوگی قرآن مجید میں ہے۔ سورہ مائدہ میں ہے کہ خدا قیامت کے دن تمام انبیاء سے پوچھے گا کہ تم نے اپنی امتوں کو کیا پیغام پہنچایا تھا تو وہ کہیں گے کہ جو پیغام ہمیں دیا گیا تھا وہ ہم نے پہنچا دیا تھا۔ لوگوں نے ہمارے بعد کیا کیا، اس کا ہم کو علم نہیں۔ اس کے بعد ایک نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی امت کے حق میں شفاعت نقل کر دی ہے۔ وہ عرض کریں گے کہ اگر تو ان کو سزا دے تو تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو عزیز و

حکیم ہے۔صرف حضرت مسیح علیہ السلام ہی نہیں بلکہ تمام انبیا، اپنی اپنی امتوں کی اسی طریقے سے شفاعت کریں گے۔

انبیاء کی شفاعت کے علاوہ ایک دوسری شفاعت بھی ہے جو ہم آپ سب مومنین و مومنات کے لیے دعا کی صورت میں کرتے ہیں۔یہ ہماری طرف سے اپنے بھائیوں کی شفاعت ہوتی ہے،اس لیے کہ ہمارے اوپر ان کا حق ہے۔

شفاعت کے معنی تائید کرنے کے ہیں۔ایک آدمی نیکی کا کام کر رہا ہو تو آپ اس کی تائید کرتے ہیں۔لیکن ایک شخص خود اگر کچھ کرتا ہی نہیں اور آپ اس کے وکیل بنے پھرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہے گا کہ اس کو جہنم کے حوالے کرو۔اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی شخص بھی اس پوزیشن میں نہیں ہوگا کہ یہ کہہ سکے کہ حضور والا، آپ اس سے واقف نہیں ہیں۔میں اس کو خوب جانتا ہوں، بڑا ہی اچھا بندہ ہے۔اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے اس کو پیدا کیا، اس کو رزق دیا، ایک ایک سانس عطا کیا،تم مجھ سے زیادہ اس کو جانتے ہو؟ اللہ تعالیٰ کے پاس وہ علم ہے جو محیط کل ہے۔کوئی شخص اس میں اضافہ نہیں کر سکتا۔اس لیے ایسی شفاعت جو حقیقت کے برعکس ہو بالکل بے معنی ہوگی۔آنحضرت کے متعلق یہ عقیدہ کہ آپ شفیع المذنبین ہیں، جو چاہو کرو وہ بخشوالیں گے، کسی بنیاد پر قائم نہیں۔آپ کے لیے رحمۃ اللعالمین کی صفت آئی ہے۔جس طرح قرآن کو ہدیٰ اور رحمت کہا ہے اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی ہدایت پہنچانے والے اور جہان والوں کے لیے رحمت ہیں۔لیکن شفیع المذنبین کی صفت مجھے نصوص میں کہیں نہیں ملی، اگرچہ ہمارے ہاں اب اصل اعتماد اسی صفت پر کیا جانے لگا ہے۔

امام صاحب یہ روایت جس عنوان کے تحت لائے ہیں وہ حدیث کے لیے حرص ہونے کا ہے۔نبی ﷺ نے ابو ہریرہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ چونکہ تمہارے اندر حدیث کے لیے حرص پائی جاتی ہے تو میرا گمان یہی تھا کہ شفاعت کے بارے میں سوال تم ہی کرو گے۔

۳۴. باب: كَيْفَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ؟

وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ: اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاكْتُبْهُ، فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَ ذَهَابَ الْعُلَمَاءِ، وَلَا يُقْبَلْ إِلَّا حَدِيثُ النَّبِيِّ ﷺ وَلْيُفْشُوا الْعِلْمَ، وَلْيَجْلِسُوا حَتّٰى يُعَلَّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ حَتّٰى يَكُونَ سِرًّا.

باب: علم کس طرح اٹھالیا جائے گا

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ دیکھو رسول اللہ ﷺ کی جو حدیثیں ہیں ان کو لکھ رکھو کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے رخصت ہو جانے کا اندیشہ ہے۔اور دیکھو رسول اللہ ﷺ

کی حدیث کے علاوہ کوئی اور چیز قبول نہ کرنا۔ لوگ علم کو پھیلائیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے ان کو علم سکھانے کے لیے مجالس قائم کریں۔ یاد رکھو کہ علم فنا نہیں ہوگا جب تک کہ وہ راز نہ بن جائے۔

علم سے مراد قرآن و حدیث کا علم ہے جو نبی ﷺ سے امت کو ملا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ علماء نہیں رہیں گے تو علم ایسی چیز بن جائے گا جو نادر ہوگی۔ کوئی اس کو جاننے والا نہ ہوگا۔ اس صورت میں یہ مٹ جائے گا۔ یہ صورت حال تورات کے معاملہ میں پیش آئی۔ اس کے مختلف حصوں پر لوگ قابض ہو گئے اور عوام کے لیے اس کو سربستہ راز بنا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تورات کا علم چند لوگوں میں محدود ہو کر رہ گیا۔ لہٰذا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن حزم کو، جو مدینہ کے قاضی تھے، یہ ہدایت فرمائی کہ علم کو مرتب کرواؤ اور لوگوں میں پھیلاؤ تاکہ یہ سربستہ راز بن کر نہ رہ جائے اور اس طرح تلف نہ ہو جائے۔ علماء کو چاہیے کہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے مجالس قائم کریں۔

۴۴۔ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ بْنُ اَبِي اُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِکٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ الْعِبَادِ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى اِذَا لَمْ يُبْقِ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا، فَسُئِلُوا فَاَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوا وَ اَضَلُّوا. قَالَ الْفِرَبْرِيُّ: حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ قَالَ: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ هِشَامٍ نَحْوَهُ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں کرے گا کہ علم کو بندوں سے چھین کر اٹھا لے بلکہ ہوگا یہ کہ علماء کو اٹھا لینے سے علم اٹھا لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جب علماء نہیں رہیں گے تو لوگ جاہلوں کو سردار بنا لیں گے اور ان سے مسئلہ پوچھیں گے۔ وہ فتوے بغیر علم کے دیں گے۔ وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ فربری نے کہا کہ ہشام نے بھی اسی طرح روایت بیان کی۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ علم کو اٹھا لینے کی شکل یہ نہیں ہوگی کہ اس کو لوگوں کے سینوں سے نکال لیا جائے گا بلکہ علماء اٹھا لیے جائیں گے جس کے نتیجہ میں جاہل لوگ ان کی مسند سنبھال لیں گے۔ وہ زمانہ تو آئے گا ہی، لیکن اس وقت بھی یہ حال ہے کہ کثرت علماء نے علم کو غائب کر دیا ہے۔ زور خطابت میں ان کو فعل، فاعل، مفعول کی تمیز نہیں رہتی۔ وہ وہ عالم

بنا ہوا ہے کہ خیر اسی میں ہے کہ دم بخود ہو کر کسی گوشے میں جا بیٹھیں۔ ان جاہلوں کے منہ لگنا اپنی دنیا اور عاقبت دونوں کو خراب کرنا ہے۔ لیکن عوام ہیں کہ ان کے جھنڈے اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان کے اشارہ ابرو پر جانیں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ وہ ان کے فرمائے ہوئے کو اللہ اور رسول کے فرمان کی طرح مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے علماء خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

روایت کی عبارت میں کچھ جھول معلوم ہوتا ہے۔ صحیح عبارت یوں ہوگی اتخذ الناس جھالا رؤوسا (لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے)

۳۵۔ باب: هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمًا عَلَى حِدَةٍ فِي الْعِلْمِ؟

باب: کیا عورتوں کی تعلیم کے لیے ایک دن الگ مقرر کرنا ہوگا؟

۳۵۔ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ الْاَصْبَهَانِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا صَالِحٍ ذَكْوَانَ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: غَلَبَنَا عَلَيْكَ الرِّجَالُ فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِكَ، فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيْهِ فَوَعَظَهُنَّ وَ اَمَرَهُنَّ، فَكَانَ فِيْمَا قَالَ لَهُنَّ "مَا مِنْكُنَّ امْرَاَةٌ" تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا اِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ" فَقَالَتِ امْرَاَةٌ": وَاثْنَيْنِ؟ فَقَالَ: "وَاثْنَيْنِ".

﴿ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ عورتوں نے نبی ﷺ سے شکوہ کیا کہ مردوں نے آپ پر قبضہ جما لیا ہے۔ آپ اپنی طرف سے ہماری تعلیم کے لیے ایک خاص دن مقرر فرما دیں۔ آپ نے ایک دن مقرر کرنے کا وعدہ کر لیا۔ اس دن میں آپ ان سے ملے، ان کو وعظ کیا اور ان کو تلقین کی۔ آپ نے ان سے جو کچھ فرمایا اس میں یہ اشارہ بھی تھا کہ تم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں جو اپنے تین بچوں کو خدا کے سپرد کر چکی ہو کہ وہ اس کے لیے دوزخ سے آڑ نہ بنیں۔ ایک خاتون نے کہا کہ اگر کسی کے دو ہی ہوں تو؟ آپ نے فرمایا، دو بھی۔﴾

وضاحت:

سبحان اللہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ میرے خیال میں یہ ان بچوں کے متعلق ہے جو سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا گئے ہوں یا گناہ کرنے کی عمر کو نہ پہنچے ہوں۔ خاتون کے سوال کرنے پر آپ نے دو بچوں کے متعلق بھی تین

والا ہی معاملہ ہونے کی بشارت دی کہ وہ بھی دوزخ سے حجاب کا کام دیں گے۔ گو اتنا بڑا حجاب نہ ہو جتنا تین کا، بہرحال حجاب وہ بھی بنیں گے۔

۱۰۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَصْبَهَانِيِّ، عَنْ ذَكْوَانَ، عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ بِهٰذَا. وَ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَصْبَهَانِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا حَازِمٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: "ثَلَاثَةٌ" لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ".

﴿محمد بن بشار کی سند کے مطابق بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے یہی روایت بیان کی۔ عبدالرحمٰن بن اصبہانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوحازم کو سنا کہ حضرت ابوہریرہؓ یوں کہتے تھے کہ تین ایسے بچے ہوں جو ابھی گناہ کی عمر کو نہ پہنچے ہوں۔﴾

وضاحت:

روایت کا مضمون وہی اوپر والا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اپنی روایت میں یہ وضاحت کی ہے کہ مراد وہ بچے ہیں جو ابھی اس عمر کو نہ پہنچے ہوں کہ ان کو گناہ کا شعور ہوگیا ہو۔

۳۶۔ باب: مَنْ سَمِعَ شَيْئًا فَرَاجَعَ حَتّٰى يَعْرِفَهُ

باب: وہ شخص جس نے کوئی بات سنی تو مراجعت کر کے اس کو سمجھ لیا

باب کا عنوان ایک فطری بات پر مشتمل ہے۔ آدمی اگر کسی کی بات نہیں سمجھتا تو ظاہر ہے کہ وہ کہنے والے سے دوبارہ پوچھے گا لیکن امام صاحب نے اس بات کو روایت سے ثابت کیا ہے۔

۱۰۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِي مَرْيَمَ قَالَ: اَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ اَبِي مُلَيْكَةَ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَتْ لَا تَسْمَعُ شَيْئًا لَا تَعْرِفُهُ اِلَّا رَاجَعَتْ فِيْهِ حَتّٰى تَعْرِفَهُ، وَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ" قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ: اَوَلَيْسَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى: "فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا" (الانشقاق:۸) قَالَتْ: فَقَالَ: "اِنَّمَا ذٰلِكِ الْعَرْضُ، وَلٰكِنْ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَهْلِكْ"

﴿ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ جب کوئی بات ایسی سنتی تھیں جو سمجھ میں نہیں آتی تھی تو اس کے

بارے میں رجوع کر کے سمجھ لیتی تھیں۔ (ان کے عمل کی شہادت یہ ہے کہ) نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کا حساب ہوا وہ مارا گیا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں کہ "اس کا حساب بہت ہلکا اور آسان ہوگا"۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو پیشی کا ذکر ہے اور جس کے حساب میں کھوج کرید کی گئی وہ مارا گیا۔ ☆

وضاحت:

احادیث میں متعدد ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے بات کو سمجھنے کی خاطر نبی ﷺ سے سوال کیا اور حضور کے کسی ارشاد کی وضاحت چاہی۔ ابن ابی ملیکہ کی روایت میں اسی طرح کے ایک موقع کا حوالہ ہے۔

قیامت کے روز محاسبہ کے وقت ایک تو وہ لوگ ہوں گے جن کے نیکی کے اعمال بکثرت اور برائی کے معمولی ہوں گے۔ وہ پیش تو ہوں گے لیکن ان کے لیے کہا جائے گا کہ ان کو جنت میں لے جاؤ۔ یہ پیشی ہی ان کا حساب ہوگی۔ ان کا چھٹکارا نہایت آسانی سے ہو جائے گا۔ دوسرے وہ بدقسمت ہوں گے جن کے اعمال کا دفتر ہی سیاہ ہوگا۔ ان سے پوچھ گچھ ہوگی کہ فلاں کام کرتا تھا کیوں نہیں کیا۔ فلاں فریضہ عائد کیا گیا تھا اس کو کیوں ادا نہیں کیا گیا۔ یہ دغا بازی کی گئی اور وہ گناہ کیا گیا۔ جب حساب کتاب میں پوچھ گچھ شروع ہوگی تو ایسے لوگوں کا معاملہ خطرے میں ہوگا۔ حضرت عائشہؓ نے قرآن مجید کی جس آیت کی بنا پر سوال کیا تھا، آپ نے اس کی وضاحت فرما دی کہ میرا اشارہ دوسری قسم کے لوگوں کی طرف تھا اور یہ آیت پہلی قسم کے لوگوں کے بارے میں ہے۔

۳۷. باب: لِيُبَلِّغِ الْعِلْمَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

باب: حاضر شخص غیر موجود لوگوں تک علم کی بات پہنچائے۔ یہ بات ابن عباس نے نبی ﷺ سے نقل کی ہے

۴۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدٌ" عَنْ أَبِي شُرَيْحٍ أَنَّهُ قَالَ لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ، وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ إِلَى مَكَّةَ: ائْذَنْ لِي أَيُّهَا الأَمِيرُ أُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهِ النَّبِيُّ ﷺ الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ أُذُنَايَ، وَوَعَاهُ قَلْبِي، وَ أَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ، حِينَ تَكَلَّمَ بِهِ حَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: "إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللهُ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا، وَلَا يَعْضِدَ

بِهَا شَجَرَةً، فَإِنْ أَحَدٌ" تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِيهَا فَقُولُوا: إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ، وَ إِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ، وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ"، فَقِيلَ لِأَبِي شُرَيْحٍ: مَا قَالَ عَمْرٌو"؟ قَالَ: أَنَا أَعْلَمُ مِنْكَ يَا أَبَا شُرَيْحٍ، إِنَّ مَكَّةَ لَا تُعِيذُ عَاصِيًا وَلَا فَارًّا بِدَمٍ وَلَا فَارًّا بِخَرْبَةٍ.

﴿حضرت ابوشریح سے روایت ہے کہ عمرو بن سعید مکہ کو دستے بھیج رہے تھے تو ابوشریح نے ان کو کہا کہ اے امیر، اگر اجازت ہو تو میں آپ کو نبی ﷺ کا ارشاد سناؤں جو آپ نے ٹھیک فتح مکہ کی اگلی صبح کو فرمایا، جس کو میرے اپنے کانوں نے سنا، میرے اپنے دل نے سمجھا اور میری دونوں آنکھوں نے خود دیکھا ہے۔ جس وقت آپ نے یہ ارشاد فرمایا تو پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا کہ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے محترم بنایا ہے، اس کو لوگوں نے محترم نہیں بنایا۔ پس کسی شخص کے لیے، جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، یہ جائز نہیں کہ وہ اس میں خونریزی کرے اور نہ اس کو اس کے درخت کاٹنے کی اجازت ہے۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ کی اس جنگ کو مکہ میں جنگ کرنے کی دلیل بنائے تو اس کو یہ جواب دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی اجازت دے دی تھی لیکن تم کو اس کی اجازت نہیں دی اور یہ بھی بتا دینا کہ مجھے بھی (یعنی رسول اللہ ﷺ کو) ایک دن کے کچھ حصے میں اجازت دی گئی۔ پھر اس کی حرمت اسی طرح پلٹ آئی جیسے کہ پہلے تھی۔ ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ جو لوگ حاضر ہیں وہ ان لوگوں کو یہ بات پہنچا دیں جو موجود نہیں۔ ابوشریح سے پوچھا گیا کہ عمرو بن سعید کا ردعمل کیا تھا تو انہوں نے بتایا کہ عمرو کا جواب یہ تھا کہ ابوشریح، میں تم سے زیادہ واقف ہوں۔ حرم کا یہ کام نہیں کہ گناہ گاروں، خون ریزی کر کے اور لوٹ مار کا مال لے کر بھاگنے والوں کو پناہ دے۔﴾

وضاحت:

عمرو بن سعید مدینہ کے گورنر تھے۔ جب حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر یزید بن معاویہؓ کی بیعت نہ کی اور مکہ میں اپنی حکومت قائم کر لی تو عمرو بن سعید نے ان کو مکے سے بے دخل کرنے کے لیے دستے بھیجے۔ اس موقع پر حرم میں خونریزی کے امکان کے پیش نظر ابوشریح نے امیر مدینہ کو اس عمل کی سنگینی پر متنبہ کرنا چاہا۔ یہ روایت اس موقع کی ہے۔ جو کچھ ہوا وہ اب تاریخ کا حصہ ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ تھا جس میں شیطان نے لوگوں کو چکر میں ڈال دیا اور تاریخ

کا بہت بڑا حادثہ رونما ہوگیا۔ مکہ پر فوج کشی کے بارے میں اہل علم کی آرا الگ الگ ہیں۔ بعض لوگ عمرو بن سعید کے موقف کو درست سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے عبداللہ بن زبیرؓ کے موقف کو صحیح سمجھتے ہیں۔ بہرحال روایت سننے کے بعد امیر مدینہ نے ابوشریحؓ کو یہ جواب دیا کہ مکہ کی حرمت کے مسئلہ کو میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔ لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ حرم اس لیے نہیں کہ کوئی کسی کو قتل کرکے، یا لوٹ کا مال لے کر اس میں پناہ لے لے تو ہم اس کو پناہ دے دیں۔

روایت میں نبی ﷺ کے جس خطبہ کا حوالہ ہے یہ آپ نے فتح مکہ کے موقع پر دیا۔ اس موقع پر نبی ﷺ دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو اہل مکہ نے ہتھیار ڈال دیے۔ صرف چند قریشی نوجوانوں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حضرت خالدؓ بن ولید کے دستے کے ساتھ جھڑپ لی اور شکست کھائی۔ اس خونریزی پر بھی آنحضرت ﷺ بے حد ملول ہوئے۔ اسی فوج کشی کے بارے میں خطبہ میں آپ نے فرمایا کہ میرے لیے کچھ وقت کے لیے مکہ کی حرمت اٹھائی گئی۔

امام صاحب نے اس چیز پر باب باندھا ہے جو روایت کا ادنیٰ حصہ ہے۔ تاہم علم کے حصول کے سلسلہ میں یہ بھی اہم بات ہے۔ ہر شخص اپنے دائرے اور حدود میں اس کا ذمہ دار ہے کہ دین کی جو بات اس کے علم میں آچکی ہے وہ دوسروں تک پہنچا دے۔

۳۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ اَيُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ اَبِی بَكْرَةَ عَنْ اَبِی بَكْرَةَ: ذُكِرَ النَّبِیُّ ﷺ قَالَ: "فَاِنَّ دِمَاءَ كُمْ وَ اَمْوَالَكُمْ۔ قَالَ مُحَمَّدٌ": وَ اَحْسِبُهُ قَالَ: وَ اَعْرَاضَكُمْ۔ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِی شَهْرِكُمْ هٰذَا، اَلَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ"، وَ كَانَ مُحَمَّدٌ" يَقُوْلُ: صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَانَ ذٰلِكَ "اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟" مَرَّتَيْنِ.

۞ حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجلس میں نبی ﷺ کا ذکر چلا تو آپ نے فرمایا، تمہارا خون، تمہارا مال ــ اور محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ مجھے گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی کہا کہ ــ تمہاری عزت و آبرو تمہارے اوپر حرام ہیں، جس طرح یہ دن تمہارے لیے محترم ہے اس مہینے میں۔ سن لو کہ جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا اور یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ فرمایا کہ کیا میں نے پہنچا دیا؟

وضاحت:

یہ روایت حجۃ الوداع کے خطبہ سے متعلق ہے۔ باقی چیزیں راوی نے حذف کردی ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ جان، مال، عزت وآبرو کو حرمت حاصل ہے۔ چونکہ بعض چیزوں کا نفسیاتی اثر بہت زیادہ ہوتا ہے، جیسا کہ عربوں میں اشہر حرم کی حرمت دلوں میں مستقل بیٹھی ہوئی تھی اور ہر خاص وعام کو ان کی قدوسیت کا علم تھا، اس لیے آپ نے جان، مال اور آبرو کی حرمت کو اشہر حرم کی حرمت سے تشبیہ دی۔ جس چیز کا احساس لوگوں میں زیادہ ہو اس سے تشبیہ دینے سے معاملہ کی اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے اور بات اچھی طرح ذہن میں بیٹھ جاتی ہے۔

خطبہ کے آخر میں نبی ﷺ نے سامعین سے یہ سوال بھی دو مرتبہ کیا کہ کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم لوگوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ مجمع نے اس کا اقرار کیا تو آپ نے اس پر اللہ کو گواہ ٹھہرایا۔

۳۸۔ باب: اِثْمِ مَنْ كَذَبَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ

باب: جو شخص نبی ﷺ پر جھوٹ باندھے اس کے گناہ کا انجام

۵۰۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ: اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ: اَخْبَرَنِي مَنْصُورٌ قَالَ: سَمِعْتُ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ يَقُولُ: سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ.

﴿ابن حراش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ فرماتے سنا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ لوگو، میری طرف کوئی جھوٹ منسوب نہ کرنا کیونکہ میرے اوپر جس کسی نے جھوٹ بولا تو وہ آگ میں داخل ہوگا۔﴾

وضاحت:

جو بات نبی ﷺ نے نہیں فرمائی وہ بات آپ کی طرف منسوب کر دی جائے تو یہ آپ کے اوپر تہمت تراشنے کے مترادف ہے۔ ایسے مفتری شخص کو آگ میں داخل ہونا ہوگا۔ فلیلج اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن خبر کے معنی میں ہے یعنی یہ کہ وہ لازماً دوزخ میں پڑے گا۔ امر کے صیغے میں بیان کرنے کا فائدہ اس انجام کو قطعیت کے ساتھ بتانا ہے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر کوئی شخص نبی ﷺ کی طرف غلط بات منسوب کر دے تو اس سے بڑا کوئی حادثہ نہیں ہو سکتا کیونکہ پیغمبر کی بات شریعت کا حکم ہوتا ہے۔ ایک غلط بات کو ایک مؤکد حکم کے طور پر پیش کرنے سے بڑی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے اور اس طرح دین کو مسخ کیا جا سکتا ہے۔ اسی لیے ایسا کرنے کی ممانعت ہے اور اس حرکت پر

تحت عذاب کی وعید ہے۔

کچھ لوگوں کا قول ہے کہ "کذب علی" ممنوع ہے، "کذب لہ" ممنوع نہیں۔ یعنی اگر آپ دین کی حمایت میں کوئی جھوٹ تراشیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ یہ اسی قول کی برکت ہے کہ صوفیوں نے جھوٹی روایتوں کا انبار لگا دیا۔ کذب لہ کے تحت انہوں نے فضائل، ثواب اور اس طرح کی دوسری چیزوں کو اللہ کے دین کی حمایت کے لیے وضع کر کے سارے دین کا تیا پانچا کر دیا۔ اسلام کا مزاج معتدل ہے۔ اس میں انہوں نے رہبانیت کو بھی گھسا دیا، اور برہمیت اور افلاطونیت کو بھی۔ سب سے زیادہ اخلاقیات کو مسخ کیا۔ فی الجملہ ان لوگوں میں کوئی شخص زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے۔ لے دے کے امام غزالی ہیں۔ ان کو بھی پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جبریل امین بھی ان کے بتائے ہوئے معیار پر پورا نہیں اتر سکتے۔ جھوٹی اور فضول روایات ہر باب میں لا کر اخلاقیات کا معیار اتنا اونچا بنا دیتے ہیں کہ اس پر نہ خود لکھنے والے اور نہ ہی کوئی دوسرا پورا اتر سکتا ہے۔ یہ سب کچھ پیغمبر ﷺ کی تعلیم کے خلاف ہے۔ میرے نزدیک کذب لہ کا یہ فلسفہ سب سے بڑا کذب علی النبی ہے۔ تو جس نے دین کو اس طرح مسخ کیا، وہ دوزخ میں پڑے گا۔

۵۱۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَّادٍ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: قُلْتُ لِلزُّبَيْرِ: اِنِّي لَا اَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَمَا يُحَدِّثُ فُلَانٌ" وَ فُلَانٌ"؟ قَالَ: اَمَا اِنِّي لَمْ اُفَارِقْهُ، وَلٰكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

﴿حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے زبیرؓ سے پوچھا کہ میں آپ کو اس طریقے سے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے نہیں سنتا جس طرح کہ فلاں اور فلاں صاحب روایت کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ بھائی، میں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت نہیں چھوڑی لیکن یہ بات میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ جو میرے اوپر جھوٹی تہمت لگائے گا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔﴾

وضاحت:

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مذکورہ ارشاد کے بعد صحابہ کرام، خصوصاً جو قدیم الاسلام تھے، بہت محتاط ہو گئے تھے کہ مبادا منہ سے کوئی بات ایسی نکل جائے جو بالکل وہی نہ ہو جو نبی ﷺ نے فرمائی، اور اس پر مواخذہ ہو جائے۔ حضرت زبیرؓ کی اس بات میں یہ چوٹ بھی ہے کہ جو لوگ زیادہ بیان کرتے ہیں ان کے متعلق میری رائے اچھی نہیں۔

۵۲۔ حَدَّثَنَا اَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ، عَنْ عَبْدِالْعَزِيْزِ: قَالَ اَنَسٌ: اِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي اَنْ اُحَدِّثَكُمْ حَدِيْثًا كَثِيْرًا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّاْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

﴿حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے جو چیز حدیث کی زیادہ روایت کرنے سے روکتی ہے یہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عمداً میرے اوپر جھوٹ لگایا تو وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں عمداً کا لفظ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ سے روایت کرنے میں کوئی غلطی ہو گئی، آپ نے ایسا کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا تو اللہ تعالیٰ آپ کی وہ غلطی معاف فرما دے گا۔ لیکن جان بوجھ کر غلط روایت کرنے والے کا ٹھکانہ دوزخ میں ہے۔

روایت حدیث میں ایک اہم مسئلہ روایت بالمعنی کا ہے۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کے فرمودہ الفاظ میں روایت ایک بے حد مشکل کام تھا، اس لیے ہوا یہ کہ لوگوں نے ان الفاظ کے مفہوم کو اپنے فہم کے مطابق ادا کیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی کی وجہ سے کچھ کم غلطیاں نہیں ہوئیں، بہت ہوئی ہیں۔ راوی جب بالمعنی روایت کرتے ہیں تو یہ بہت مشکل ہوتا ہے کہ روایت بالمعنی میں ٹھیک ٹھیک مطلب ادا ہو جائے۔ ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بات کچھ تھی اور کہیں اور نکل گئی۔ روایت بالمعنی کا ایک اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ ہر راوی اپنے ذوق کے مطابق کلام کا جتنا حصہ ضروری سمجھتا ہے اتنا ہی روایت کرتا ہے۔ چونکہ ہر کلام کا ایک مخصوص موقع اور پس منظر ہوتا ہے، اگر اس کو نظر انداز کر دیا جائے یا موقع سے اس کو ہٹا کر ایک کلیدی اصول بنا لیا جائے تو اس سے بھی بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر حدیث الائمة من القریش کا ایک محل تھا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بات انصار کے مقابل میں ایک قضیہ طے کرنے کے لیے فرمائی تھی۔ کچھ لوگوں نے اس کو ایک اصول بنا دیا جس سے بہت سی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ روایت بالمعنی میں یہ بھی ہوتا ہے کہ روایت کے بعض ضروری اور لازمی حصے چھوڑ دیے جاتے ہیں تو اس سے بھی بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

روایت حدیث کی یہ عملی مشکلات دیکھتے ہوئے، اور غلط روایت کرنے پر آنحضرت ﷺ کی نہایت سخت وعید کو جانتے ہوئے، حدیث کی روایت کوئی آسان کام نہیں رہ جاتا۔ اور یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ قدیم الاسلام اکابر صحابہ کرام نے نہایت قلیل روایت کیوں کی۔

۵۳۔ حَدَّثَنَا مَكِّيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ اَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ قَالَ: سَمِعْتُ

النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

﴿سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو شخص مجھ سے وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔﴾

وضاحت:

یہ بھی وہی بات ہے جو اوپر والی روایت میں ہے۔ صرف الفاظ کا فرق ہے۔ کذب علی اور یقل علی مالم اقل میں کچھ فرق نہیں۔ کسی کو یہ حق نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی طرف وہ بات منسوب کرے جو آپ نے نہیں فرمائی کیونکہ آنحضرت ﷺ کی حیثیت شارع کی ہے اور آپ کا فرمانا واجب الاطاعت ہے۔ کسی دوسرے کی بات کی یہ حیثیت نہیں ہو سکتی۔

۵۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي حَصِينٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: تَسَمَّوْا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي، وَمَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِي صُورَتِي، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میرے نام پر نام تو رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ اختیار کرو، اور جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا، اور جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنائے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔ اس میں تین ٹکڑے ہیں اور تینوں بالکل الگ الگ ہیں۔ ایک سلسلے کا کلام معلوم نہیں ہوتا۔ امام مسلمؒ نے بھی اس روایت کو لیا ہے لیکن صرف اس کا آخری ٹکڑا ہی لیا ہے۔ یعنی من کذب علی سے آخر تک۔ یہ حصہ معروف بھی ہے اور مسلّم بھی۔ یہ پوری روایت صرف امام بخاریؒ نے لی ہے۔ اگر پہلے دو ٹکڑے اس میں شامل تھے تو امام مسلمؒ نے کیسے حذف کر دیئے۔ یہ بات قابل غور ہے۔

اس روایت کی رو سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے نام پر نام تو رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔ آپ نے اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ اس بات کو صرف شوافع مانتے ہیں لیکن مالکیہ اور جمہور فقہاء، جن میں امام ابوحنیفہ بھی شامل ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ اس حکم کا تعلق آنحضرت ﷺ کی زندگی تک تھا۔ اس کے بعد یہ منسوخ ہو گیا۔ اگر کنیت

رکھنے کی ممانعت آنحضرت ﷺ کی زندگی کے ساتھ مخصوص تھی اور اس کے بعد یہ بات نہیں رہی تو یہ چیز محمد ﷺ کے نام پر بدرجہ اولی صادق آتی ہے۔ پھر آپ نے کنیت پر کنیت رکھنے کو کیوں روکا۔ اس کی توجیہ جمہور فقہا یہ کرتے ہیں کہ یہود شرارت سے ایک دوسرے کو یا ابا القاسم کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ بالکل کمزوری توجیہ ہے۔ لیکن جب جمہور فقہاء خود ہی اس حکم کو آپ ﷺ کی زندگی کے بعد منسوخ مانتے ہیں تو مجھے تردید کی ضرورت نہیں۔

روایت کا دوسرا ٹکڑا یہ ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا۔ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ جس نے مجھے نیند میں دیکھا "لقد رانی حقا" تو اس نے مجھی کو دیکھا۔ اس ٹکڑے سے بڑے پیچیدہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص نے خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا تو کیا اس کے لیے صحابیت کا مقام پیدا ہو جائے گا؟ اور اگر دیکھا اور کچھ باتیں بھی کرلیں تو کیا وہ تعلیم بھی نبی ﷺ کی تعلیم تسلیم کرلی جائے گی؟ بالفرض اس میں ایسی باتیں بھی ہوں جن سے قرآن اور حدیث میں اضافہ یا کمی ہوتی ہو تو کیا یہ بھی مان لیا جائے گا۔ ایک بہت بڑے عالم کا قصہ مجھے یاد ہے۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے فرمایا: دیکھنا جی، میرے فلاں بدعتی دوست کو میرا سلام کہہ دینا۔ میں نے ان صاحب سے کہا کہ نبی ﷺ ہم کو تو یہ فرما گئے ہیں کہ بدعت جو کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اور خود وہاں بیٹھے بدعتیوں کو سلام کہلوا رہے ہیں۔ یہ کیا انقلاب ہوا؟ میں نے کہا، اس قسم کے خواب بیان کرنے سے ہمیں معاف ہی رکھیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں ایسے بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں جو آنحضرت ﷺ کو نیند میں دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ بہت ہی سادہ لوح اللہ والے لوگ ہیں۔ بعض یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ خواب میں تشریف لائے اور بشارت دی کہ تمہاری کتاب مقبول ہوگی۔ بعد میں اس بشارت نے اشتہار کا کام کیا۔ اس اشتہار بازی میں بڑے بڑے لوگوں کے نام آتے ہیں۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ شیطان آنحضرت ﷺ کی شکل اختیار نہیں کرسکتا۔ یہ آپ کا اختصاص ہے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا نہیں، صرف آپ کا سراپا کتابوں میں پڑھا ہے۔ اس سراپا کو پڑھ کر کوئی ماہر سے ماہر مصور بھی تصویر کشی کرے گا تو وہ یقیناً اصل سے مختلف ہو جائے گی۔ میں نے اس کو بہت غور سے پڑھا ہے لیکن کچھ آئیڈیا نہیں ہوتا۔ کچھ الفاظ نفی کے اور کچھ اثبات کے استعمال ہوئے ہیں جن کی روشنی میں کئی شکلیں فرض کی جاسکتی ہیں۔ اگر ہم خواب میں کوئی شکل دیکھتے ہیں تو ہمیں کیسے معلوم ہوگا کہ یہ اصل ہے یا نقل۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ شیطان آپ کی شکل پر متمثل نہیں ہوسکتا لیکن یہ تو نہیں کہ آپ کے نام پر کوئی چھل فریب بھی نہیں دے سکتا۔ اس بات کی آپ نے نفی نہیں فرمائی۔ شیطان کسی شکل میں آکر کہے کہ میں تمہارا نبی ہوں۔ آپ نیک آدمی ٹھہرے۔ خوش ہو کر کہیں گے کہ کچھ ارشاد فرمایئے۔ اب یہ بشارت ملے گی کہ آپ کی کتاب مقبول ہوگی۔ میرے نزدیک یہ روایت بہت پیچ و خم والی ہے۔ اس کو

قبول کرنے میں بڑے خطرے ہیں۔

صوفیوں کے ہاں دین کی بنیاد کتاب وسنت پر نہیں بلکہ رویا اور کشف پر ہے۔ اگر وہ کہہ دیں کہ آنحضرت ﷺ میرے پاس تشریف لائے تھے اور انہوں نے یوں نہیں بلکہ اس طرح فرمایا تو اپنے مریدوں کو تو وہ پھانس ہی لیں گے، ہم اور آپ کیا کر سکتے ہیں۔

روایت کے اس ابتدائی حصہ پر جو کچھ محدثین نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے میں نے بڑے غور سے پڑھا ہے لیکن میں ان لوگوں کی باتوں کو کچھ نہیں سمجھ سکا۔ میں اپنا عجز تسلیم کرتا ہوں۔ روایت کا آخری ٹکڑا مسلم ہے۔ اس کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

۳۹. باب: كِتَابَةِ الْعِلْمِ

باب: علم کی تحریر

۵۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ: هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا كِتَابُ اللّٰهِ، أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ، أَوْ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ. قَالَ: قُلْتُ: فَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: الْعَقْلُ، وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ، وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ.

﴿ابوجحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ لوگوں کے پاس کوئی تحریر ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ صرف اللہ کی کتاب ہے، یا وہ فہم جو اللہ کسی مرد مسلم کو عطا فرمائے، یا جو کچھ اس کاغذ میں ہے۔ میں نے پوچھا اس کاغذ میں کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ دیت کے احکام، قیدی کو چھوڑنے کی ہدایت اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔﴾

وضاحت:

باب کے عنوان میں "العلم" سے مراد حقیقی علم ہے یعنی قرآن وحدیث کا علم جو پیغمبرؐ سے ماثور ہے یا اللہ تعالیٰ کی وحی کی صورت میں ہے۔

صحیفہ سے مراد شیعہ حضرات وہ تحریر لیتے ہیں جس میں ان کے بقول حضرت علیؓ کی خلافت کی وصیت کی گئی تھی۔ لیکن حضرت علیؓ اس کی تحریر میں صرف تین چیزوں کے متعلق ہی بتاتے ہیں جو آگے آرہی ہیں۔ اگر خلافت کی بات بھی لکھی ہوتی تو ضرور اس کا تذکرہ بھی کر دیتے۔

اس صحیفہ میں صرف تین مسئلے قلمبند کر لیے گئے تھے۔ ایک مقتول کی دیت کا حکم کہ وہ کب اور کس شکل میں ادا کی جائے گی، دوسرے قیدی کو چھوڑنے کی ہدایت کیونکہ قیدی کا فدیہ دے کر اس کو چھڑانے کی کوشش کرنا بڑے ثواب کا کام ہے، تیسری بات یہ کہ مسلمان اگر کافر کو قتل کر دے تو مقتول کے بدلے میں اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ پہلی دونوں باتیں تو قرآن میں بھی بیان ہوئی ہیں لیکن تیسری بات ایک اختلافی مسئلہ ہے اور اس سادہ شکل میں دین کے نظام کے خلاف ہے۔ اہل ذمہ، اہل عہد، اہل صلح ان سب کی ذمہ داری اسی طرح ہے جس طرح کہ مسلمان کی جان کی ذمہ داری۔ اس میں کوئی فرق نہیں۔ اگر مسلمان کسی اہل ذمہ یا اہل صلح کو قتل کر دے اور وہ اس کے بدلے میں قتل نہ ہو تو ان کی جان کی ذمہ داری کیسے پوری ہوگی؟ جہاں تک مشرکین مکہ کا تعلق ہے ان کا معاملہ قدرے مختلف تھا۔ فتح مکہ کے بعد ان کے لیے صرف دو شکلیں باقی رہ گئی تھیں، یا ایمان لے آئیں یا تلوار سے ان کا سر قلم ہو۔ ان کے لیے کوئی تیسری شکل نہیں تھی اور اس کے وجوہ معقول تھے۔ ان کے متعلق اگر یہ بات کہی گئی ہو تو اس کا ایک محل ہے۔ باقی عام طور پر یہ بات صحیح نہیں۔ یہ اسلامی قانون کے خلاف ہے اور بین الاقوامی قانون کی زد میں آتی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے آپ کسی قوم کے ساتھ مساویانہ بنیاد پر کوئی معاہدہ نہیں کر سکتے، اس لیے کہ جب شریعت کا حکم یہ ہو کہ آپ ان کی جان کی حفاظت نہیں کریں گے تو وہ ایسا کیوں کریں گے۔ خلفائے راشدین نے اہل ذمہ اور اہل صلح کے بارے میں ایسی کوئی پالیسی نہیں بنائی جیسی اس روایت سے ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت علیؓ کی وضاحت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ان کو دوسرے صحابہ سے الگ کوئی خاص علم نہیں ملا تھا جس کا دعویٰ اہل تصوف کرتے ہیں۔ ان کی ہدایت کے لیے بھی قرآن مجید تھا یا پھر اس کا وہ فہم جو ہر مسلمان کو قرآن پڑھنے سے بقدر توفیق حاصل ہوتا ہے۔ حیرت ہے کہ اس وضاحت کے باوجود اہل تصوف اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت علیؓ کسی خاص علم کے وارث ہوئے اور اس کو انہوں نے سینہ بہ سینہ آگے منتقل کیا۔

۵۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ خُزَاعَةَ قَتَلُوا رَجُلًا مِنْ بَنِي لَيْثٍ – عَامَ فَتْحِ مَكَّةَ – بِقَتِيلٍ مِنْهُمْ قَتَلُوهُ، فَأُخْبِرَ بِذَلِكَ النَّبِيُّ ﷺ، فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ فَخَطَبَ، فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ حَبَسَ عَنْ مَكَّةَ الْقَتْلَ، أَوِ الْفِيلَ – شَكَّ أَبُو عَبْدِاللَّهِ – وَسَلَّطَ عَلَيْهِمْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَالْمُؤْمِنِينَ، أَلَا وَ إِنَّهَا لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ بَعْدِي، أَلَا وَ إِنَّهَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، أَلَا وَ إِنَّهَا سَاعَتِي هَذِهِ حَرَامٌ"، لَا يُخْتَلَى شَوْكُهَا، وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا تُلْتَقَطُ سَاقِطَتُهَا إِلَّا لِمُنْشِدٍ، فَمَنْ قُتِلَ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ: إِمَّا أَنْ يُعْقَلَ، وَ إِمَّا أَنْ يُقَادَ أَهْلُ الْقَتِيلِ فَجَاءَ رَجُلٌ"

مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ فَقَالَ: اكْتُبْ لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَقَالَ: اكْتُبُوا لِأَبِي فُلَانٍ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ: إِلَّا الْإِذْخِرَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوتِنَا وَ قُبُورِنَا؟ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا الْإِذْخِرَ إِلَّا الْإِذْخِرَ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ خزاعہ قبیلہ والوں نے بنی لیث کے آدمی کو فتح مکہ کے سال اپنے ایک مقتول کے بدلے میں، جس کو انہوں نے قتل کیا تھا، قتل کر دیا۔ اس واقعے کی اطلاع نبی ﷺ کو دی گئی۔ آپؐ اپنے ناقہ پر سوار ہوئے، پھر آپ نے خطبہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ سے قتل کو یا ہاتھیوں کو روک دیا (امام بخاری کو شک ہے) اور مسلط کر دیا رسول اللہ کو اور مومنین کو۔ سن لو کہ مکہ نہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہے۔ اور سن لو کہ میرے لیے بھی وہ صرف دن کے کچھ حصہ میں حلال ہوا۔ سن لو یہ گھڑی بھی محترم ہے۔ مکہ سے اس کی جھاڑیاں کاٹی جائیں گی نہ اس کے درخت تراشے جائیں گے۔ اس میں گری پڑی کوئی چیز نہیں اٹھائی جائے گی۔ مگر اس کا اعلان کرنے والے کے لیے یہ جائز ہے۔ جو اس میں قتل ہو گیا تو دو شکلوں میں سے ایک کا اس کو اختیار ہے۔ یا تو اس کو دیت دے دی جائے گی یا مقتول کے ورثا، کو اس کا قصاص دیا جائے گا۔ اتنے میں اہل یمن میں سے ایک شخص آیا اور کہا، یا رسول اللہ! میرے لیے اس کو لکھ دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ابوفلاں کو یہ لکھ کر دے دو۔ قریش میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! اذخر کو مستثنیٰ کر دیجیے کیونکہ ہم اس کو اپنے گھروں اور قبروں میں استعمال کرتے ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا، اذخر کے سوا، اذخر کے سوا۔﴾

وضاحت:

روایت میں بہت سا مضمون حذف ہے۔ ظاہر ہے قتل کی خبر سن کر آپ تشریف لے گئے تو آپ نے معاملہ کی تحقیقات کی ہوگی، معاملہ کا تصفیہ کیا ہوگا اور فیصلہ صادر کرنے کے بعد فریقین کے سامنے نصیحت کے طور پر خطبہ دیا ہوگا۔ راویوں نے یہ تمام تفصیلات چھوڑ دی ہیں۔

قتل اور فیل کے الفاظ کا فرق سماعت سے واقع ہونا بعید از قیاس ہے۔ یہ فرق نسخہ سے روایت کرنے کے باعث پیدا ہوا ہوگا۔ مناولہ میں حدیث کی اجازت کے طور پر نسخہ دے دیا جاتا ہے۔ اس میں کتابت کی غلطیاں بھی رہ

جاتی ہیں جو بعد میں روایت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ قتل اور فیل میں صرف نقطوں کا فرق ہے لہذا امام صاحب نے اپنا شک ظاہر کیا۔ یہ شک امام صاحب کے شیخ ابو نعیم کو تھا کہ لفظ قتل تھا یا فیل۔ دوسرے راویوں نے اسے فیل ہی کہا۔ قتل کے لفظ سے عبارت کمزور رہ جاتی ہے لہذا یہاں الفیل ہی زیادہ مناسب ہے اور اس سے اشارہ اصحاب الفیل کے واقعہ کی طرف مقصود ہے۔ یعنی ہاتھی والوں نے مکہ پر حملہ کیا تو اس کو اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔ اس کے برعکس اپنے رسول اور اس کے ساتھیوں کو اس پر غلبہ عطا فرمایا۔ کیونکہ یہی رسول اللہ کی جدوجہد کا منتہا تھا اور یہ ہدف خود اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا تھا۔ نبی ﷺ فتح مکہ کے لیے اپنے حملہ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دو گھڑی کے لیے مکہ کی حرمت اٹھالی اور رسول اور مومنین کے قبضہ کے بعد پھر یہ حرمت لوٹا دی جو قیامت تک باقی رہے گی۔ یہ امن کا شہر ہے۔ حدود حرم میں درختوں کا کاٹنا جائز ہے نہ گری پڑی چیزوں کا اٹھانا۔ گری پڑی چیز کے متعلق دوسری روایت میں وضاحت ہے کہ اٹھانے والا ایک مدت معینہ تک ڈھونڈوائے۔ پھر بھی اس کا طالب نہ آئے تو وہ اس کو استعمال میں لا سکتا ہے۔

اصل روایت میں یہ آیا ہے کہ جونہی آنحضرتؐ نے درخت کاٹنے کی وضاحت فرمائی حضرت عباسؓ نے اسی وقت درخواست کی کہ حضور اذخر کو مستثنیٰ کر دیں تو آپ نے ان کی توجہ دلانے پر اذخر کو مستثنیٰ کر دیا۔ اس روایت میں یہ بات بالکل الگ کر کے آخر میں بیان کی گئی ہے۔ اس سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ اس سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اذخر کو مستثنیٰ نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن لوگوں کے کہنے پر کر دیا۔ اگر یہ بات ساتھ ہی ہوتی تو شبہ نہ ہوتا۔ پھر اس میں حضرت عباسؓ کو رجل من قریش کہا ہے۔ حالانکہ حضرت عباسؓ قریش کے عام آدمی نہیں بلکہ رجل من الرجال ہیں۔ وہ بہت عالی مقام ہیں۔ عالم تھے اور ایک منفرد شخصیت تھے۔

۵۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ: أَخْبَرَنِي وَهْبُ ابْنُ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَخِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: مَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اَحَدٌ اَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي ، اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ، فَاِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا اَكْتُبُ. تَابَعَهُ مَعْمَرٌ ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کی روایتیں مجھ سے زیادہ نہیں بجز عبداللہ بن عمرو کے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔ معمر نے اس روایت کی متابعت کی ہے۔﴾

وضاحت:

اگرچہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایات میری روایات سے زیادہ ہیں لیکن یہ

بات حقیقت کے خلاف ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایات تین چار گنا زیادہ ہیں اور تمام محققین کا اس پر اتفاق ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایات زیادہ ہیں کیونکہ وہ لکھ لیتے تھے تو اس کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے؟

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض صحابہ نبی ﷺ سے سننے کے بعد یادداشت کے لیے حدیث کو اپنے پاس لکھ کر محفوظ بھی کر لیا کرتے تھے۔ البتہ حضرت ابوہریرہؓ کا انحصار محض اپنے حافظہ پر تھا۔

۵۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِاللَّهِ بْنِ عَبْدِاللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ ﷺ وَجَعُهُ قَالَ: ائْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوا بَعْدَهُ. قَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ غَلَبَهُ الْوَجَعُ، وَ عِنْدَنَا كِتَابُ اللَّهِ حَسْبُنَا، فَاخْتَلَفُوا وَكَثُرَ اللَّغَطُ، قَالَ: قُومُوا عَنِّي، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدِي التَّنَازُعُ. فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُولُ: إِنَّ الرَّزِيَّةَ كُلَّ الرَّزِيَّةِ مَا حَالَ بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَ بَيْنَ كِتَابِهِ.

﴿ابن شہاب روایت کرتے ہیں عبیداللہ بن عبداللہ سے اور وہ ابن عباسؓ سے۔ انہوں نے کہا کہ جب نبی ﷺ کی تکلیف زیادہ ہوئی تو آپ نے فرمایا، میرے پاس لکھنے کا سامان لاؤ، میں تمہارے لیے ایک دستاویز لکھ دوں کہ اس کے بعد تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ نبی ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے جو ہمارے لیے کافی ہے۔ اس کے بعد اختلاف رائے ہو گیا اور بہت تو تو میں میں شروع ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس سے چلے جاؤ۔ میرے پاس جھگڑا جائز نہیں۔ تو ابن عباسؓ یہ فرماتے ہوئے نکلے کہ قیامت ہو گئی وہ چیز جو اللہ کے رسول اور ان کی تحریر کے مابین حائل ہو گئی۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں نبی ﷺ کی جس تکلیف کا ذکر ہے وہ وہ بیماری ہے جس میں آپ کا بالآخر انتقال ہوا۔ روایت کے آخری حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ آنحضرتؐ کی بیماری کے اس مرحلہ کے وقت وہاں موجود تھے لیکن دوسری روایات کے مطابق وہ وہاں موجود نہ تھے۔ اس روایت کے الفاظ کے مطابق لوگوں کے شور کے بعد وہ مجلس سے اٹھ گئے۔ حالانکہ اگر ان کے سامنے یہ واقعہ پیش آتا تو وہ یہ بیان دیتے کہ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

راوی یہ نہ کہتے کہ وہ فلاں جملہ کہتے ہوئے نکل گئے۔ جملہ جو ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے وہ بھی قابل غور ہے کہ بڑی مصیبت یہ ہوگئی کہ جو کچھ حضور لکھوانا چاہتے تھے وہ لکھوا نہ سکے۔ یہ کسی موقع سے اٹھتے وقت کی بات نہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے برسوں بعد اس واقعہ پر اپنا تاثر ظاہر کیا گیا ہو کہ قیامت ہوگئی کہ وہ تحریر نہ لکھی جا سکی۔ ابن عباسؓ کی عمر حضورؐ کی وفات کے وقت دس یا تیرہ برس تھی۔ اس عمر کے بچے کے تاثرات کے اظہار کا وہ طریقہ نہیں ہوتا جو اس روایت میں سامنے آتا ہے۔ اکابر کی موجودگی میں اس عمر کا بچہ ویسے بھی خاموش رہتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ ابن عباسؓ کے منہ سے کہلوائے گئے ہیں۔

نبی ﷺ کیا لکھوانے والے تھے؟ شیعہ حضرات اور ہمارے علماء دونوں فریقوں نے اپنی مرضی کی قیاس آرائیاں کی ہیں۔ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، اور حضرت حسینؓ کی خلافت کی وصیت لکھوانی تھی اور ہمارے علماء کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ کی خلافت کے بارے میں لکھنا تھا، لیکن حضرت عمرؓ کے طرز عمل کے باعث کچھ لکھنے کی نوبت ہی نہ آ سکی۔

اس روایت میں مزید ستم یہ ہے کہ یہ واقعہ جمعرات کے روز کا ہے اور پیر کے روز آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی۔ ان چار دنوں کے وقفے میں آنحضرت ﷺ نے دوبارہ کچھ لکھوانے کا کبھی عندیہ نہیں دیا حالانکہ اگر یہ کوئی ضروری کام تھا تو آپ لوگوں کو باہر جانے کا حکم دے کر بھی یہ کام کروا سکتے تھے۔

ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گمراہ ہونے کے اسباب و عوامل کسی ہدایت کی موجودگی یا عدم موجودگی سے بالکل الگ ہیں۔ وحی کی تعلیم رکھتے ہوئے بھی امتیں گمراہ ہوئی ہیں۔ خود نبی ﷺ کو مخاطب کر کے قرآن میں یہ بتایا گیا کہ ہدایت و ضلالت کے معاملہ میں آپ کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اس صورت میں کسی تحریر کا اثر یہ بیان کرنا کہ تم پھر گمراہ نہ ہو گے، نبی ﷺ سے قرین قیاس نہیں۔

میرے نزدیک اس روایت کی کوئی اصل نہیں۔ یہ ابن شہاب نے شیعوں کا مقدمہ قائم کرنے اور حضرت عمرؓ کو مطعون کرنے کے لیے گھڑی ہے۔ حالانکہ اس سے ان کا مقدمہ قائم نہیں ہوتا کیونکہ کسی کو کیا معلوم کہ آنحضرت ﷺ کیا چیز تحریر کروانا چاہتے تھے۔ اور پھر چار روز تک آپؐ نے اس اہم معاملہ کے بارے میں کیوں کچھ نہ فرمایا۔

۴۰. باب: الْعِلْمِ وَالْعِظَةِ بِاللَّيْلِ

باب: رات کے وقت تعلیم اور وعظ

۵۹۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ: اَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ. ح وَ عَمْرٍو وَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ هِنْدٍ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ:

اسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَقَالَ: سُبْحَانَ اللهِ، مَا ذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْفِتَنِ، وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ، أَيْقِظُوا صَوَاحِبَاتِ الْحُجَرِ، فَرُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ" فِي الآخِرَةِ

﴿ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات نبی ﷺ بیدار ہوئے اور فرمایا سبحان اللہ! اس شب میں نہ جانے کتنے فتنے نازل ہوئے ہیں اور نہ جانے کتنے خزانوں کے دروازے کھولے گئے ہیں۔ ان حجروں والیوں کو جگاؤ کیونکہ قیامت کے دن کتنی ہی لباس پہننے والیاں عریاں ہو جائیں گی۔﴾

وضاحت:

خیر اور شر اوپر ہی سے نازل ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کی روح سے زیادہ بیدار اور کون سی روح ہو سکتی ہے جو اندازہ کر سکے کہ کیا کیا فتنے نازل ہوئے اور کیا کیا برکتیں نازل ہو رہی ہیں۔ یہاں آنحضرت ﷺ کی اس بیداری اور تنبہ کی صفت کی طرف اشارہ ہے جو آپ میں خصوصیت کے ساتھ تھی۔ آپؐ نے اس پر اپنے تاثر کا اظہار فرمایا۔ اس قسم کا تاثر ہر عاقل اور حکیم اور سوچنے والے ایسے ہر آدمی کا کسی نہ کسی وقت ہوتا ہے جس کی زندگی میں روحانیت ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا ہے: وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ روایت میں بیان کردہ نبی ﷺ کا تاثر اسی طرح کا ہے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔

آنحضرت ﷺ رات کو بیدار ہوئے تو یہ وقت تہجد کی نماز کا ہوگا۔ یہ وقت رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے اور استغفار کرنے کا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام فتنوں سے محفوظ رکھے اور جو برکتیں اس کی طرف سے نازل ہوں ان سے بہرہ مند کرے۔ اب یہ ہماری اور آپ کی قسمت ہے کہ غفلت میں رات گزار کر کے نہ جانے کتنے فتنوں کو پھیل جانے کا موقع دیں جن کی لپیٹ میں ہم خود بھی آ جائیں، یا بیدار ہو کر نہ جانے کتنے خزانوں میں سے اپنا حصہ بنا سکیں۔

اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ حجروں والیوں کو جگاؤ۔ یہ اشارہ امہات المومنین کی طرف تھا اور یہ بات ضروری بھی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ جتنے بھی صاحب توفیق ہیں وہ خود جاگیں اور ہر ایک اپنے اہل وعیال کو جگائے کیونکہ سب سے زیادہ حق ہر آدمی کے اوپر اس کے اپنے اہل وعیال کا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ان کو جگاؤ اور بتاؤ کہ وہ وقت آنے والا ہے جب دنیا میں زیب وزینت والی خواتین اس دن عریاں ہوں گی کیونکہ ان کے نیک اعمال کا خانہ خالی ہوگا۔ خدا کے آسمانی خزانوں میں سے انہوں نے کوئی برکت حاصل نہ کی ہوگی۔ اس دن کی عریانی سے بچنے کے لیے ابھی فکر کرنی چاہیے۔

اس طرح کا تفکر اور تنبہ ہر مسلمان کے اندر پیدا ہونا چاہیے۔ جس شخص کے اندر یہ نہ پیدا ہو سمجھ لے کہ اس

کی روح مردہ ہے، چاہے اس کی عقل زندہ اور بیدار ہو۔ یہ روایت بڑی ہی بابرکت ہے۔

۴۱۔ باب: السَّمَرِ فِي الْعِلْمِ

باب: رات کو علم کی باتیں کرنا

۶۰۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، وَ أَبِي بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ: صَلَّى بِنَا النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ، فَقَالَ: أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هٰذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا، لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ".

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو اٹھے اور کہا کہ لوگو، اپنی اس رات کا خیال کرو۔ یاد رکھو کہ ایک سو سال کے بعد ان لوگوں میں سے، جو آج روئے زمین پر ہیں، کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بھی پچھلی روایت کے زمرے کی چیز ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ روح جب بیدار ہو تو یہ ممکن نہیں کہ آدمی کے اندر یہ سوالات پیدا نہ ہوں۔ صرف غبی روح اس طرح کی باتیں نہیں سوچتی۔ اس میں شبہ نہیں کہ ہم کو خیال کرنا چاہیے کہ سو سال کے بعد ہم میں سے کوئی بھی دنیا میں نہ رہے گا۔ نئی دنیا پیدا ہو جائے گی۔ میں غور کرتا ہوں کہ میرے ہم عصروں کا دور تقریباً ختم ہو گیا ہے۔ اس دنیا کے تماشا نے اپنے اندر ہمیں اس قدر جذب کر رکھا ہے کہ ہم صرف اس کے ظاہر کو دیکھتے ہیں۔ اس کے پیچھے جو مخفی ہے وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ انسان بچے، بوڑھے، جوان، طاقتور، کمزور سبھی کو مرتے دیکھتا ہے لیکن اس کو خود اپنی موت بعید معلوم ہوتی ہے۔ یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم لوگ دنیا کی رنگینیوں میں گم رہتے ہیں اور زندگی کی ناپائیداری پر غور نہیں کرتے۔ قرآن مجید نے، آسمانی صحیفوں نے، حکماء نے، عارفین نے غرض سب نے اصل حقیقت کو واضح کرنے کی بہت کوشش کی ہے۔ پڑھیے تو تھوڑی دیر کے لیے طبیعت متاثر ہوتی ہے لیکن یہ تاثر زیادہ دیر قائم نہیں رہتا لیکن روح کی زندگی کے لیے اس تاثر کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ دن کی پانچ نمازوں میں یہ حقیقت یاد ہونی چاہیے۔ اگر چھ نمازوں میں یاد رکھی جائے تو کیا کہنے۔ میرے نزدیک اس روایت میں بھی اسی طرح کی بیداری کی تعلیم ہے جیسی کہ پچھلی روایت میں تھی۔ نبی ﷺ نے متنبہ کیا ہے کہ جاگتے رہو، موت کو یاد رکھو، ہوشیار رہو، غافل نہ ہو جاؤ۔ آپ کی روزمرہ زندگی میں اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے تھے اور آپ اپنے

احساسات کو اپنے صحابہ پر ظاہر کرتے رہتے تھے۔

٦١۔ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ عِنْدَهَا فِي لَيْلَتِهَا، فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الْعِشَاءَ، ثُمَّ جَاءَ إِلَى مَنْزِلِهِ، فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ، ثُمَّ قَالَ: نَامَ الْغُلَيِّمُ. أَوْ كَلِمَةً تُشْبِهُهَا، ثُمَّ قَامَ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ نَامَ، حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ أَوْ خَطِيطَهُ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ.

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں ایک رات اپنی خالہ میمونہ بنت حارث زوجہ نبی ﷺ کے پاس سویا۔ نبی ﷺ کا قیام اس رات انہی کے گھر میں تھا۔ آپؐ نے عشاء کی نماز پڑھی پھر گھر آئے۔ آپ نے چار رکعت نماز پڑھی، پھر سو گئے۔ پھر اٹھے۔ پھر پوچھا کہ کیا منا سو گیا ہے یا اسی طرح کا جملہ بولا۔ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو میں آپؐ کے بائیں کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے مجھے داہنے کر لیا۔ آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھی۔ پھر اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر آپ سو گئے یہاں تک کہ آپ کی خرخراہٹ کی آواز میں نے سنی۔ پھر آپ فجر کی نماز کے لیے نکلے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں کئی مشکلیں ہیں۔ ایک مشکل تو باب سے متعلق ہے۔ سمر کے معنی ہیں رات کی گپ شپ۔ جب آنحضرت ﷺ کا معاملہ ہے تو گپ شپ کہنا بدتمیزی ہوگا۔ رات کو سونے سے پہلے آدمی جو بات چیت اپنے بیوی بچوں سے کرتا ہے، سمر سے امام صاحب نے اس کو مراد لیا ہے۔

دوسری مشکل یہ ہے کہ باب اور روایت میں مطابقت نہیں ہے۔ ابن عباسؓ نے اس روایت میں آنحضرت ﷺ کا رات کا معمول بیان کیا ہے۔ اس میں گھر والوں سے بات چیت بیان نہیں ہوئی۔ اگر کہا جائے کہ آنحضرتؐ نے نام الغلیم کا فقرہ تو کہا تو میرے نزدیک یہ سمر کی شرط پوری نہیں کرتا۔ یہ خبر بھی نہیں اور سوال بھی نہیں۔ اس کی نوعیت یہ ہے کہ ابن عباسؓ اپنی خالہ کے گھر حضورؐ کی نماز تہجد کی کیفیت دیکھنے کے لیے آ کر سوئے۔ حضورؐ جب تہجد کے لیے اٹھے ہوں گے تو بچہ کو جگانے میں تکدر محسوس کیا۔ چونکہ بچہ اسی لیے آیا تھا کہ آپ کی رات کی نماز دیکھے تو آپؐ نے اتنا کہہ دیا کہ منا سو گیا ہے۔ آپ کا مقصد یہ ہوگا کہ اگر جاگ رہا ہے تو متنبہ ہو جائے اور اگر سو گیا ہے تو اس کی خالہ اس کو متنبہ کر

دے۔ بس یہی ایک فقرہ ہے، اس کو سہو تو نہیں کہہ سکتے۔

یہی روایت دوسری جگہ بخاری میں ہے۔ اس میں یہ بات ہے کہ آنحضرت ﷺ عشاء کی نماز پڑھ کر آئے تو کچھ دیر آپ نے اپنے اہل وعیال سے بات چیت کی۔ ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ اس روایت کو اس باب میں لانا چاہتے ہوں گے لیکن سہو کے باعث دوسری روایت لے آئے جس میں گھر والوں سے بات چیت مذکور نہیں۔ اگر یہ سہو ہے تو خواہ مخواہ ترجمہ باب اور روایت میں معنی ٹھونسنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔

تیسری قابل غور بات یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ گھر آئے تو چار رکعت نماز پڑھی پھر سو گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ چار رکعت عشاء کے بعد سنتوں سے متعلق ہیں۔ یہ تہجد کی نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ تہجد کے لیے ضروری ہے کہ سونے کے بعد رات کے پچھلے حصے میں اٹھ کر یہ نماز پڑھی جائے۔ پھر آپ سو گئے۔ پھر اٹھے پھر پانچ رکعت نماز پڑھی۔ ابن عباسؓ یہ نہیں بتاتے کہ آپ نے دو رکعت الگ اور تین رکعت الگ پڑھیں یا ایک ہی نیت سے پانچ رکعتیں پڑھیں۔ قرینہ دونوں باتوں کا ہے۔ تہجد کی نماز کی رکعتیں بعض روایتوں میں سات، نو، گیارہ بھی بیان ہوئی ہیں۔ اس دن معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے پانچ رکعت ہی پڑھیں۔ آپ نے پہلے دو رکعت پڑھیں، پھر دوسری دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر وتر کر لیا۔

تہجد کی نماز کی رکعتوں کی تعداد مخصوص نہیں کی گئی۔ یہ حالات اور وقت پر منحصر ہے۔ اگر حالات ٹھیک ہوں اور وقت میسر ہو تو زیادہ رکعات پڑھ لی جائیں ورنہ کم بھی ادا کی جا سکتی ہیں۔ اس میں قرأت کی مقدار کو بھی دخل ہے۔ اگر قرأت لمبی سورتوں کی ہو تو وقت زیادہ لگ جائے گا اور رکعتوں کی تعداد کم ہوگی۔ پھر قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم بھی ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ کے حالات جیسے ہوتے ویسے ہی آپ عمل کرتے۔ بہرحال آپ اہتمام کے ساتھ اٹھتے اور تہجد پڑھتے رہے ہیں۔ یہ ہماری عیاشی ہے کہ ہم نے وتر تہجد سے نکال کر عشاء میں شامل کر لیے حالانکہ وتر تہجد کا حصہ ہیں۔ وتر کی اصلی مقدار تین رکعت ہے۔ آپ تہجد کے وقت پڑھیں گے تو وتر کی تین رکعت بھی آپ کی تہجد ہے۔ لیکن ایک رکعت کوئی نماز نہیں۔ روایتوں میں اوتر بواحدہ آتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پھر آپؐ نے ایک رکعت اور پڑھ کر اس کو طاق کر لیا یعنی پہلے کچھ پڑھی ہوئی تھی جس میں ایک شامل کر کے طاق کر لیا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ پھر آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی اور سو گئے۔ یہ دو رکعت نماز فجر کی سنتیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تہجد کی رکعات کو آپ جب طاق کر چکے تو پھر ان رکعتوں کا تہجد کے ساتھ جوڑ نہیں ملتا۔ جن لوگوں نے ان کو پانچ رکعت کے ساتھ جوڑا ہے وہ یہ بھول گئے کہ آنحضرتؐ اپنی نماز کو طاق کر چکے۔ طاق کرنے کے بعد تہجد کی نماز ختم ہو چکی۔ میرے نزدیک اور دوسرے محققین کے نزدیک بھی یہ دو رکعت فجر کی سنتیں ہیں اور فجر اور قیام لیل دو الگ چیزیں ہیں۔

روایت میں غطیط یا خطیط صرف نسخوں سے نقل کی وجہ سے ہے۔ عربی دان کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ غطیط کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ روایت کی رو سے نبی علیہ السلام نے تہجد اور نماز فجر کے درمیان ذرا سا سونے کے بعد وضو نہیں کیا اور نماز کے لیے نکل گئے۔ معلوم ہوا کہ اگر اس طریقے سے آدمی بیٹھے یا لیٹے کہ ذرا سا اونگھ لے یا ذرا آنکھ لگ جائے تو یہ نیند ناقض وضو نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نیند غفلت کی نیند نہیں ہوتی بلکہ نماز کے انتظار میں آدمی ذرا سستا رہا ہوتا ہے۔ اس حالت میں اگر خرخراہٹ کی آواز بھی آنے لگے تو یہ غفلت کی نیند کی علامت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی اس کو باقاعدہ نیند ماننے پر مصر ہو تو پھر دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ بات آنحضرتؐ کے لیے خاص مانیں یا امت کے لیے عام مانیں۔ چونکہ آپ کا عمل امت کے لیے نمونہ ہے اس لیے میرے نزدیک اس طرح کی اونگھ یا جھپکی ناقض وضو نہیں۔ اگر آپ بار بار وضو کریں گے تو گناہ گار رہوں گے کیونکہ روایات میں ہے کہ جو وہم یا شک کی بنا پر وضو کرتے ہیں وہ گناہ گار ہیں۔

۴۲۔ باب: حِفْظِ الْعِلْمِ

باب: علم کو یاد رکھنا

۶۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: اِنَّ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ: اَكْثَرَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلَوْ لَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيْثًا ثُمَّ يَتْلُوْ "اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى" اِلٰى قَوْلِهٖ: الرَّحِيْمُ. اِنَّ اِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ، وَ اِنَّ اِخْوَانَنَا مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِي اَمْوَالِهِمْ، وَ اِنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِشِبَعِ بَطْنِهٖ وَ يَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُوْنَ، وَ يَحْفَظُ مَالَا يَحْفَظُوْنَ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ ان کا بیان ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ زیادہ روایتیں کرتا ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اگر دو آیتیں اللہ کی کتاب میں نہ ہوتیں تو میں ایک روایت بھی نہ کرتا۔ پھر انہوں نے ان آیات کی تلاوت کی۔ "بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ہماری اتاری ہوئی کھلی نشانیوں اور ہماری ہدایت کو، بعد اس کے کہ ہم نے وہ کتاب میں کھول کر لوگوں کو بیان کر دی تھیں تو وہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور جن پر لعنت کرنے والے لعنت کریں گے۔ البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور واضح طور پر بیان کر دیا تو ان کی توبہ میں قبول کروں گا۔ میں بڑا توبہ قبول کرنے والا اور

رحم کرنے والا ہوں''۔ (بقرہ:۱۵۹۔۱۶۰) ہمارے مہاجر بھائی اپنے تجارتی کاروبار میں مصروف رہتے تھے اور انصاری بھائی اپنی زمینداریوں میں مصروف رہتے تھے۔ رہ گیا ابوہریرہ تو وہ صرف پیٹ کے لیے رسول اللہ ﷺ سے چمٹا رہتا تھا اور ان مجلسوں میں شریک ہوتا جن میں یہ حضرات شریک نہیں ہوتے تھے اور وہ باتیں یاد کرتا تھا جو یہ لوگ یاد نہیں رکھتے تھے۔ ﴾

وضاحت:

حضرت ابوہریرہؓ کی دلیل مضبوط ہے۔ ایک طالب علم، جس نے اپنا سارا وقت علم سیکھنے کے لیے وقف کیا ہو کاروباری لوگوں سے کہیں زیادہ جاننے والا ہوتا ہے۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ میں حدیث کی روایت زیادہ کرتا ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اپنا جو رویہ بیان کیا ہے وہ بھی قابل فہم ہے اس لیے کہ حضرت ابوہریرہ کو ان کی غربت کا یہ فیض تو پہنچا کہ آنحضرت ﷺ کی صحبت اٹھانے کا بہت موقع ملا۔ چنانچہ دوسرے صحابہ جن مجلسوں میں شریک نہیں ہو پاتے تھے حضرت ابوہریرہؓ ان میں بھی شامل ہوتے اور جو کچھ دیکھتے اور سنتے اس کی روایت دوسروں کے سامنے کرنا اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے۔

۶۳۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ اَبِی بَكْرٍ اَبُو مُصْعَبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ دِيْنَارٍ، عَنِ ابْنِ اَبِی ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيْدٍ الْمَقْبُرِیِّ، عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّی اَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيْثًا كَثِيْرًا اَنْسَاهُ، قَالَ: "اُبْسُطْ رِدَاءَ كَ"، فَبَسَطْتُهُ، قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: "ضُمَّهُ، فَضَمَمْتُهُ، فَمَا نَسِيْتُ شَيْئًا بَعْدَهُ. حدثنا ابراهيم بن المنذر قال ابن ابی فديک بهذا و قال فغرف بيده فيه.

﴿ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں آپ سے بہت سی احادیث سنتا ہوں لیکن بھول جاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ۔ میں نے اپنی چادر پھیلادی۔ آپؐ نے ایک لپ اس میں ڈال دیا اور کہا کہ اس کو اپنے ساتھ لگالو۔ میں نے چادر اپنے ساتھ لگالی۔ اس کے بعد میں کچھ نہیں بھولا۔ ابراہیم بن منذر نے کہا ہم سے ابن ابی فدیک نے اسی طرح بیان کیا یا یہ کہا کہ اپنے ہاتھ سے چلو لے کر اس میں ڈال دیا۔ ﴾

وضاحت:

اصل چیز تو نبی ﷺ کی دعا ہے۔ باقی رہ گیا اس کے لیے کوئی عمل تو یہ ایک نفسیاتی چیز ہے۔ آپ چادر پھیلاتے ہیں اور آنحضرتؐ ایک چیز اس میں ڈالتے ہیں۔ آپ اس کو سینے سے لگاتے ہیں تو اس عمل کا نفسیاتی طور پر اثر پڑتا ہے۔ یہ اسی طرح کا عمل ہے جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرنے کا حکم ہوا کہ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ (اپنا ہاتھ اپنی بغل میں سکیڑ لو) ایسا کرنے پر ہاتھ روشن ہو جاتا۔ نبی ﷺ نے قیام، رکوع، سجدہ و قعدہ وغیرہ بتا کر اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کا طریقہ بتا دیا ہے۔ وہ کیفیت جو سجدہ میں تسبیح پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے خالی تسبیح پڑھنے سے پیدا نہیں ہوتی۔ ان تمام چیزوں کا نفسیاتی طور پر اثر پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا ظاہر اس کے باطن کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے، جس سے وہ علم اس کے سامنے موثر شکل میں آ جاتا ہے۔ میں اس کی تاثیر کا قائل ہوں۔ فرض کریں آپ بچے کی شفا کی دعا کرنا چاہتے ہیں۔ "اللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ شِفَاء" ویسے بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن اگر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں تو زمین آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ خالی فلسفے سے ہر جگہ کام نہیں چلتا۔ نبی ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کے معاملے میں بھی یہی کیا۔

۱۲۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي أَخِي، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: حَفِظْتُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وِعَاءَيْنِ، فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبُلْعُومُ. قال ابو عبدالله البلعوم مَجْرَى الطَّعَامِ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے علم کے دو مٹکے فراہم کیے۔ ایک مٹکے میں جو کچھ تھا وہ میں نے پھیلا دیا۔ دوسرے کو اگر پھیلا دوں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے گا۔﴾

امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ بلعوم کھانے کی نالی کو کہتے ہیں۔

وضاحت:

روایت کا سیدھا سادھا مفہوم یہ ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے جو کچھ سیکھا اس میں سے ایک علم تو وہ ہے جو میں اعلانیہ بیان کرتا ہوں لیکن دوسرا علم ایسا ہے کہ اس کو بیان کرنا جان جوکھم کا کام ہے۔ میں اس کو بیان کرنے کی ہمت نہیں پاتا۔

یہ وہ روایت ہے جس کی بنا پر لوگ بنوامیہ کو مطعون کرتے ہیں کہ دوسرے مٹکے کی باتیں ان کے ظلم وستم سے متعلق تھیں۔ یہ خواہ مخواہ کا الزام ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آدمی اگر حقیقت کو ٹھیک ٹھیک بیان کر دے تو لوگ اس کو مجذوب،

پاگل یا دیوانہ سمجھیں گے۔ دین کے جو حقائق ہیں انہیں آج بیان کیجئے تو کفر کا فتویٰ تو نقد نقد ہے۔ کسی مسجد کے امام ہوں گے تو نکالے جائیں گے۔ کسی مدرسے کے مدرس ہوں گے تو وہاں سے بھی چھٹی کرادی جائے گی، اور اگر زمانہ برا ہو، جیسا کہ آج کل کا ہے، تو جیل کی ہوا کھانی پڑے گی۔ اپنے زمانے میں حضرت ابوہریرۃ نے یہ کہا کہ جو باتیں سننے سمجھنے کی ہوتی ہیں وہ میں نے بیان کردیں۔ باقی رہ گیا علم کا دوسرا منکا تو کہہ دیا کہ اگر میں اس کو پھیلا دوں تو میری گردن ماردی جائے گی۔

۴۳. باب: الْإِنْصَاتِ لِلْعُلَمَاءِ

باب: عالموں کی بات سننے کے لیے خاموش رہنا

۶۵۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ مُدْرِكٍ، عَنْ أَبِي زُرْعَةَ، عَنْ جَرِيرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ اسْتَنْصِتِ النَّاسَ، فَقَالَ: "لَا تَرْجِعُوا بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ"۔

﴿جریر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو خطبہ دیا اس میں فرمایا کہ لوگوں کو خاموش کراؤ۔ پھر فرمایا کہ لوگو میرے بعد کافر نہ بن جائیو کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔﴾

وضاحت:

نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کو خاموش کرانے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس سے امام صاحب نے عالموں کی بات سننے کے لیے خاموشی اختیار کرنے کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے امت کو جو نصیحتیں کیں ان میں یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد کافر نہ بن جائیو کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ مسلمانوں کا دوسرے مسلمانوں کو قتل کرنا کفر ہے لہٰذا اس کفر کا مرتکب نہ ہونا۔ آج ہم اس صورت حال سے دوچار ہیں۔ لوگ یہ کام نیکی سمجھ کر رہے ہیں۔ ان کو لیڈروں نے یہی بتایا ہے کہ اپنی قوم، فرقے اور زبان کے لئے لڑنا مرنا ہی جہاد ہے۔ چنانچہ مسلمان کا خون مسلمان کے ہاتھوں بہہ رہا ہے۔

حجۃ الوداع کا خطبہ سب سے اہم خطبہ ہے۔ اس میں اسلام کا سب سے زیادہ جامع تصور دیا گیا ہے۔ لیکن کسی روایت میں خطبہ کا ایک ٹکڑا دیا گیا ہے، کسی میں دوسرا اور کسی میں تیسرا۔ راوی حضرات اپنے ذوق کے مطابق بعض چیزیں لے لیتے ہیں اور بعض چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی معاملہ اس روایت کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ اس وجہ سے حدیث کے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ حدیث کے تمام طریقوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ان میں قوی اور ضعیف کی پروا بھی

نہیں کرنی چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی ضعیف روایت میں وہ چیزیں موجود ہوں جو روایت کے مفہوم کو ٹھیک کردیتی ہوں۔ عاقل کو چاہیے کہ دیکھے کہ اگر ضعیف روایت سے مفہوم میں صحت پیدا ہوتی ہے تو دونوں کو جمع کرلے۔

۴۴۔ باب: مَا يُسْتَحَبُّ لِلْعَالِمِ اِذَا سُئِلَ: اَیُّ النَّاسِ اَعْلَمُ؟ فَيَكِلُ الْعِلْمَ اِلَى اللّٰهِ

باب: عالم کے لیے مستحب یہ ہے کہ اگر اس سے پوچھا جائے کہ سب سے زیادہ علم والا کون ہے تو وہ علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرے

عالم کے لیے تو بلاشبہ یہی طریقہ ہے کہ وہ علم کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرے۔ لیکن پیغمبر کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس کے لیے واجب ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے وحی کا حامل، علم صحیح کا حامل اور اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہونے کا دعویٰ کرے۔ اور آپ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک یہ نہ مانیں کہ سب سے بڑا عالم پیغمبر ہے۔ دعویٰ کرنا پیغمبر کے لیے ضروری ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ خاکسار کو کیا علم۔ وہ بتاتا ہے کہ میرے پاس خدا کا دیا ہوا علم ہے اور میں دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ اس کا جاننے والا ہوں۔

۱۲۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو قَالَ: اَخْبَرَنِی سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: اِنَّ نَوْفًا الْبَكَالِيَّ يَزْعُمُ اَنَّ مُوسَى لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي اِسْرَائِيْلَ، اِنَّمَا هُوَ مُوسَى آخَرُ فَقَالَ: كَذَبَ عَدُوُّ اللّٰهِ. حَدَّثَنَا اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "قَامَ مُوسَى النَّبِيُّ علیہ السلام خَطِيْبًا فِي بَنِي اِسْرَائِيْلَ، فَسُئِلَ: اَيُّ النَّاسِ اَعْلَمُ؟ فَقَالَ: اَنَا اَعْلَمُ، فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، اِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ اِلَيْهِ، فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ اَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ اَعْلَمُ مِنْكَ، قَالَ: رَبِّ، وَكَيْفَ لِي بِهِ؟ فَقِيْلَ لَهُ: احْمِلْ حُوْتًا فِي مِكْتَلٍ فَاِذَا فَقَدْتَهُ فَهُوَ ثَمَّ، فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ بِفَتَاهُ يُوْشَعَ بْنِ نُوْنٍ وَ حَمَلَا حُوْتًا فِي مِكْتَلٍ حَتَّى كَانَا عِنْدَ الصَّخْرَةِ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا وَنَامَا، فَانْسَلَّ الْحُوْتُ مِنَ الْمِكْتَلِ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا، وَكَانَ لِمُوسَى وَ فَتَاهُ عَجَبًا، فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمِهِمَا، فَلَمَّا اَصْبَحَ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ: آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا، وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى مَسًّا مِنَ النَّصَبِ حَتَّى جَاوَزَ الْمَكَانَ الَّذِي اُمِرَ بِهِ، فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ: اَرَاَيْتَ اِذْ اَوَيْنَا اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّي نَسِيْتُ

الحوتَ، قالَ مُوسَى: ذٰلکَ ما کُنَّا نَبْغِي، فارتَدَّا عَلَى آثارِهِما قَصَصًا، فَلَمَّا أَتَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ إِذا رَجُلٌ" مُسَجًّى بِثَوبٍ، اَوْ قالَ: تَسَجَّى بِثَوْبِهِ، فَسَلَّمَ مُوسَى فَقالَ الخَضِرُ: وَ أَنَّى بِأَرْضِکَ السَّلامُ؟ فَقالَ: أنا مُوسَى، فَقالَ: مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قالَ: نَعَم، قالَ: هَلْ أَتَّبِعُکَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا، قالَ: إِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا، يا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيهِ، لا تَعْلَمُهُ أَنْتَ، وَ أَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَکَهُ اللّٰهُ لا أَعْلَمُهُ، قالَ: سَتَجِدُنِي إِنْ شاءَ اللّٰهُ صابِرًا وَلا أَعْصِي لَکَ أَمْرًا، فَانْطَلَقا يَمْشِيانِ عَلَى ساحِلِ البَحْرِ، لَيْسَ لَهُما سَفِينَةٌ" فَمَرَّتْ بِهِما سَفِينَةٌ"، فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُما فَعُرِفَ الخَضِرُ فَحَمَلُوهُما بِغَيْرِ نَوْلٍ، فَجاءَ عُصْفُورٌ" فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً أَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي البَحْرِ، فَقالَ الخَضِرُ: يا مُوسَى ما نَقَصَ عِلْمِي وَ عِلْمُکَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ إِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذا العُصْفُورِ فِي البَحْرِ، فَعَمَدَ الخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنْ أَلْواحِ السَّفِينَةِ فَنَزَعَهُ، فَقالَ مُوسَى: قَوْمٌ" حَمَلُونا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَها لِتُغْرِقَ أَهْلَها؟ قالَ: أَلَمْ أَقُلْ إِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا؟ قالَ : لا تُؤاخِذْنِي بِما نَسِيتُ، فَكانَتِ الأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيانًا، فَانْطَلَقا فَإِذا غُلامٌ" يَلْعَبُ مَعَ الغِلْمانِ فَأَخَذَ الخَضِرُ بِرَأْسِهِ مِنْ أَعْلاهُ فَاقْتَلَعَ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَقالَ مُوسَى: أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ؟ قالَ: أَلَمْ أَقُلْ لَکَ إِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا؟" قالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ: وَهٰذا أَوْكَدُ "فَانْطَلَقا حَتَّى أَتَيا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَما أَهْلَها فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُما، فَوَجَدا فِيها جِدارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ، قالَ الخَضِرُ بِيَدِهِ، فَأَقامَهُ، قالَ مُوسَى: لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا؟ قالَ: هٰذا فِراقُ بَيْنِي وَ بَيْنِکَ"، قالَ النَّبِيُّ ﷺ : "يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسَى ، لَوَدِدْنا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنا مِنْ أَمْرِهِما".

﴿سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عباس سے کہا کہ نوف بکالی کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ موسیٰ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں ہیں۔ یہ دوسرے موسیٰ ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ اللہ کا دشمن جھوٹ کہتا ہے۔ ہم سے ابی بن کعب نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ اللہ کے نبی موسیٰ ایک دن بنی اسرائیل کو خطبہ دینے کھڑے ہوئے تو ان سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ علم والا کون ہے۔ وہ کہہ بیٹھے کہ میں

ہوں تو اللہ تعالیٰ کا ان پر عتاب ہوا۔ کیونکہ انہوں نے علم کے معاملے کو اللہ کے حوالے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ میرا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہوتا ہے وہ تم سے زیادہ علم والا ہے۔ تو حضرت موسیٰ نے کہا یا رب! ان سے ملاقات کی کیا شکل ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اپنے توشہ دان میں مچھلی لو۔ جہاں تمہاری مچھلی کھو جائے تو سمجھو کہ وہ بندہ وہیں ہے۔ پس وہ چلے اور ان کے شاگرد یوشع بن نون بھی ان کے ساتھ چلے اور مچھلی توشہ دان میں لے لی۔ جب وہ پہاڑی کے پاس پہنچے تو ذرا سر ٹکایا تو دونوں سو گئے۔ مچھلی توشہ دان سے نکل بھاگی اور اس نے دریا کا راستہ لیا۔ موسیٰ اور ان کے شاگرد دونوں کو تعجب ہوا۔ پھر دونوں نے باقی رات اور دن کا راستہ پورا کیا۔ جب صبح ہوئی تو موسیٰ نے اپنے نوجوان سے کہا کہ بھائی ناشتہ لاؤ۔ اس سفر سے تو ہمیں بڑی تکان لاحق ہو گئی ہے۔ اور موسیٰ کو اس وقت تک تکان لاحق نہ ہوئی جب تک کہ وہ اس جگہ سے نہ گزر گئے جہاں کا ان کو حکم ہوا تھا۔ تو شاگرد نے کہا کہ جناب کیا عرض کروں، جب ہم پہاڑی کے پاس رکے تو میں مچھلی اٹھانا بھول گیا۔ موسیٰ نے کہا وہی جگہ تو ہم کو مطلوب تھی۔ تو وہاں سے اپنے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے چلے۔ جب اس پہاڑی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک آدمی چادر تانے لیٹا ہوا ہے۔ راوی کو شبہ ہے کہ مسجی بثوب کہا یا تسجی بثوبه کہا۔ موسیٰ نے سلام کیا تو خضر نے کہا، ہیں اس زمین میں سلام کا کیا ذکر! موسیٰ نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ موسیٰ نے کہا ہاں۔ موسیٰ نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ کچھ دن آپ کی صحبت میں رہوں تاکہ آپ مجھے اس علم ہدایت میں سے سکھائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے کیونکہ اے موسیٰ، مجھے اللہ نے اپنا وہ علم دیا ہے جو تم کو اس نے نہیں دیا۔ اور تم خود وہ علم رکھتے ہو جس کی تعلیم اس نے تمہیں دی ہے جو میں نہیں جانتا۔ موسیٰ نے کہا کہ ان شاء اللہ، آپ مجھے بہت ثابت قدم پائیں گے اور کوئی نافرمانی نہیں کروں گا۔ پھر وہ ساحل سمندر پر چلتے گئے کیونکہ ان کے پاس کوئی کشتی نہ تھی۔ ایک کشتی آئی تو انہوں نے ملاحوں سے بات کی کہ ان کو لے چلیں۔ خضر پہچان لیے گئے تو ملاحوں نے دونوں کو بغیر کرائے کے سوار کر لیا۔ اتنے میں ایک چڑیا آئی اور کشتی کے دنبالے پر بیٹھ گئی۔ اس نے ایک چونچ یا دو چونچ پانی لیا۔ تو خضر نے کہا اے موسیٰ! میرے علم اور تمہارے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنی مقدار بھی کم نہیں کی جتنی اس چڑیا

نے سمندر کے پانی میں کی۔ اس کے بعد خضر نے ہاتھ بڑھایا اور کشتی کا ایک تختہ نکال لیا۔ موسیٰ نے کہا کہ ان لوگوں نے تو بغیر کرایہ کے آپ کو اپنی کشتی میں سوار کیا اور آپ نے تختہ توڑ دیا تاکہ سواروں کو غرق کر دیں۔ تب خضر نے کہا کہ میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰ نے کہا کہ آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ کریں اور میرے کام کو مشکل میں نہ ڈالیں۔ راوی کہتا ہے کہ موسیٰ سے یہ پہلا نسیان ہوا۔ اس کے بعد چلے تو دیکھا کہ ایک چھوکرا لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ خضر نے اس کا سر اوپر سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کو اکھاڑ لیا۔ موسیٰ نے کہا کہ آپ نے ایک پاکیزہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کر دیا۔ تو خضر نے کہا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات زیادہ سختی سے کہی۔ پھر چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کہا کہ کچھ کھلاؤ۔ انہوں نے میزبانی کرنے سے انکار کر دیا۔ وہاں انہوں نے ایک دیوار دیکھی کہ گرا چاہتی تھی تو خضر نے اس کو اپنے ہاتھ کے اشارہ سے درست کر دیا تو موسیٰ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے۔ تو خضر نے کہا کہ بس اب یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے۔ نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے! ہماری تو آرزو تھی کہ موسیٰ اور صبر کرتے یہاں تک کہ دونوں کا سارا قصہ ہمارے لیے بیان کر دیا جاتا۔ یہ روایت دوسری سند کے ساتھ سفیان بن عیینہ سے مروی ہے۔

وضاحت:

یہ واقعہ قرآن مجید میں بھی بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اور وہی سب سے زیادہ درست روایت ہے جبکہ یہاں بیان کردہ واقعہ میں قرآن مجید کے خلاف باتیں بھی ہیں۔ اس کے باوجود امام صاحب نے ان کو لے لیا ہے۔ قرآن کے معاملے میں محدثین کے ہاں یہ بے پروائی دیکھنے میں آتی ہے۔

قرآن مجید میں یہ بیان نہیں ہے کہ موسیٰ سے سب سے بڑے عالم کی بابت سوال کیا گیا تھا تو وہ یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب کیا کہ ہم تم کو تم سے بڑا عالم دکھاتے ہیں۔ اول تو موسیٰ ایسی بات کیوں کہتے۔ وہ کوئی مناظر تو نہ تھے۔ لیکن اگر انہوں نے یہ بات کہی بھی تو بالکل ٹھیک کہی۔ ہر نبی کہتا ہے اور ہر نبی اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا علم براہ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے اور اس میں کسی غلطی کا امکان نہیں ہوتا۔ جو کچھ وہ جانتا ہے وہ دوسروں کو نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بات لوگوں سے متوانی

پڑتی ہے اور لوگوں کو ماننا پڑتا ہے تب ایمان پورا ہوتا ہے۔ اس روایت کے راوی نے اسے موسیٰ کی غلطی مانا ہے۔

قرآن مجید میں یہ واقعہ اس سیاق میں بیان ہوا ہے کہ پیغمبر ﷺ کو فلسفۂ صبر سمجھایا جائے۔ دین کی بنیادیں صبر اور شکر پر قائم ہیں۔ صبر کے فلسفے کی ریڑھ کی ہڈی یہ ہے کہ آدمی یہ جانے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے اور اس کے کارکنان قضا کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ اور ہر کام حکمت کے تحت ہوتا ہے لیکن بندہ اس حکمت کو سمجھ نہیں سکتا۔ یہاں تک کہ اگر غریبوں کی کشتی میں چھید کر دیا جاتا ہے تو اس میں بھی بڑی حکمت اور رحمت ہوتی ہے۔ اسی طریقے سے اگر یتیموں کی بستی میں کسی گرتی دیوار کو سہارا دے دیا جاتا ہے تو اس میں بھی خدا کی حکمت اور رحمت ہوتی ہے۔ لیکن بندہ نہیں سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ جب تک آپ یہ رمز نہ سمجھیں اس زندگی میں شیطان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور دین پر قائم نہیں رہ سکتے۔ یہ ایمان کا حصہ ہے۔ اگر یہ معلوم ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور جو کچھ پیش آئے گا اسی میں حکمت ہے تب آپ صبر کر سکتے ہیں۔ اس رمز کو بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو خضر کے پاس بھیجا۔ اس بات کا روایت میں کہیں ذکر نہیں۔

یہ واقعہ جس ترتیب سے قرآن مجید میں بیان ہوا ہے روایت میں وہ ترتیب بھی مختلف کر دی گئی ہے اور بعض ایسی باتیں بھی داخل کر دی گئی ہیں جو عقل عام سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت موسیٰ کو بتایا گیا تھا کہ مچھلی ساتھ لے لینا اور جہاں مچھلی کھو جائے وہاں سمجھ لینا کہ خضر یہاں ہی ہے۔ روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ موسیٰ اور ان کے شاگرد دونوں نے دیکھا کہ مچھلی کھو گئی اور ان کو تعجب بھی ہوا۔ اس کے باوجود انہوں نے سفر جاری رکھا۔ اگلی صبح ناشتے کا پوچھا تو شاگرد نے کہا کہ کیا عرض کروں، مچھلی تو وہاں دریا میں چلی گئی تھی۔ جب انہوں نے مچھلی کا دریا میں جانا دیکھ لیا تھا تو ان کو آگے قدم نہیں بڑھانا چاہیے تھا۔ وہیں ڈیرہ ڈال دینا چاہیے تھا، جیسا کہ حضرت موسیٰ کو معلوم تھا۔ قرآن کا بیان اس کے برعکس یہ ہے کہ دونوں پہاڑی کے پاس لیٹے۔ پھر اٹھے اور چلے تو خادم ناشتہ دان لینا بھول گیا۔ چند قدم گئے تو اس کو ناشتہ دان یاد آیا۔ وہ پلٹا اور ناشتہ دان جب اٹھانے لگا تو مچھلی اس میں سے نکل بھاگی۔ اس کو عجیب بات معلوم ہوئی۔ اس نے سوچا اگر موسیٰ کو بتاؤں گا کہ مچھلی بھاگ گئی تو ان کے غضب سے بچ نہ سکوں گا۔ حضرت موسیٰ کو تکان آ گئی تو انہوں نے کہا لاؤ ناشتہ کر لیتے ہیں۔ تب شاگرد کو بتانا پڑا کہ جہاں ہم لیٹے تھے وہاں میں ناشتہ دان لینا بھول گیا تھا۔ لینے گیا تو مچھلی دریا میں چلی گئی۔ حضرت موسیٰ نے کہا وہی تو ہماری منزل تھی، وہاں کیوں نہ بتایا۔ اب الٹے پاؤں واپس آئے۔ یہی ترتیب فطری معلوم ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے آخر قرآن کے خلاف یہ روایت امام صاحب نے کس طرح درج کر دی ہے۔

روایت کے مطابق موسیٰ بقیہ رات اور دن چلتے رہے، موسیٰ نے دوسرے دن صبح کو کہا کہ ناشتہ لاؤ۔ گویا حضرت موسیٰ کو اس وقت تک بھوک لگی ہی نہیں جب تک کہ اگلے دن کی صبح نہیں ہوئی۔ یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔

حضرت موسیٰ کی ملاقات خضرؑ سے ہوئی تو خضرؑ نے یہ کہا کہ جو علم میرے پاس ہے وہ آپ کے پاس نہیں۔ اور جو آپ کے پاس ہے وہ میرے پاس نہیں۔ یہ بات معقول ہے لیکن یہ اس لیے بتائی گئی ہے کہ پیغمبر ایک ایسے شخص کے پاس کیسے جاسکتا ہے جو پیغمبر نہ ہو۔

پہاڑی کے پاس ملاقات ہو جانے کے بعد کے واقعہ کی روایت میں بالعموم قرآن مجید کی پوری پوری آیات نقل کی گئی ہیں۔ لیکن جہاں کچھ روایت الگ ہے وہاں پھر قرآن سے تضاد سامنے آ گیا ہے۔ مثلاً بچے کے قتل کے لیے قرآن نے قتل کا لفظ استعمال کیا ہے جبکہ روایت میں اقتلع کا لفظ ہے جو گردن اکھاڑ لینے کے معنی دیتا ہے جو کسی طرح درست نہیں۔

دیوار کی تعمیر کے سلسلہ میں روایت میں جو تعبیر اختیار کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خضرؑ نے ہاتھ کے اشارہ سے گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا کر دیا۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ خضرؑ نے اس پر محنت صرف کی تھی۔ تبھی تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اس محنت پر تو آپ مزدوری لینے کے حق دار تھے۔ آپ نے مفت میں ان لئیموں کا کام کر دیا۔

روایت کے آخر میں یہ بات آئی ہے کہ پیغمبر ﷺ نے تمنا کی کہ کاش اتنا موقع ملتا کہ ہمارے لیے موسیٰ اور خضر کا پورا واقعہ بیان کر دیا جاتا۔ قرآن مجید میں جہاں یہ واقعہ سنایا گیا ہے وہاں تینوں واقعات کی اصل حقیقت خود حضرت خضر کی زبانی بیان کر دی گئی ہے لہذا آنحضرت ﷺ پر تو ہر چیز واضح تھی اور یہ آپ کی تربیت کے لیے ہی سنائی گئی تھی۔ اس لیے حضور کو اظہار تمنا کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ قرآن کی رو سے کشتی کا تختہ توڑنے کی وجہ یہ تھی کہ سمندر کے دوسرے کنارے پر بادشاہ کے حکم پر صحیح وسالم کشتیاں پکڑی جا رہی تھیں۔ جس کشتی میں حضرت موسیٰ نے سفر کیا اس کے مالک غریب لوگ تھے جو دریا میں کشتی چلا کر گزارا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ان کی کشتی نہ پکڑی جائے اس لیے خضرؑ نے اس کا تختہ توڑ دیا، تاکہ بادشاہ کے عامل آئیں تو دیکھیں کہ کشتی تو سفر کے قابل نہیں ہے تو اس کو چھوڑ دیں۔ خضرؑ نے بچے کے متعلق یہ بتایا کہ یہ بچہ بہت سرکش اٹھنے والا تھا جبکہ اس کے والدین بہت صالح تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا کہ ان کو امتحان میں ڈالیں۔ لہذا بچے کو اٹھا لینے کا فیصلہ کر دیا۔ جہاں تک دیوار کا تعلق ہے اس کے نیچے تیموں کا خزانہ تھا۔ اگر دیوار گر جاتی تو بستی کے لئیموں کے ہاتھ یہ خزانہ لگ جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ دیوار اسی طرح قائم رہے یہاں تک کہ یتیم بچے بالغ ہو جائیں اور اپنے خزانہ کو خود سنبھالنے کے قابل ہو جائیں۔ پس نبی ﷺ پر ان واقعات کی کون سی حقیقت مخفی تھی جس کے جاننے کے لیے آپ تمنا کا اظہار فرماتے۔

سورہ کہف میں جہاں یہ واقعہ بیان ہوا ہے وہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے اور اس میں خیر کا پہلو ہوتا ہے، خواہ اس میں شخصی خیر ہو یا مجموعی خیر، لیکن لوگ اس کی حکمت کو نہیں سمجھ سکتے۔ لہذا یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اسی میں حکمت اور اسی میں خیر ہوتی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے۔ اس

عقیدہ کے بغیر آپ کے سامنے جب ناموافق حالات پیش آئیں گے تو آپ ان پر صبر نہ کر سکیں گے۔ اس روایت میں تعلیم کا یہ پہلو بالکل اجاگر نہیں ہوا۔

۴۵۔ باب: مَنْ سَأَلَ ، وَهُوَ قَائِمٌ ، عَالِمًا جَالِسًا

باب: بیٹھے ہوئے عالم سے کسی شخص کا کھڑے کھڑے سوال کرنا

۶۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا جَرِيْرٌ ، عَنْ مَنْصُوْرٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ أَبِي مُوْسَى قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ، مَا الْقِتَالُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ فَإِنَّ أَحَدَنَا يُقَاتِلُ غَضَبًا ، وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً ، فَرَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ ، قَالَ: وَمَا رَفَعَ إِلَيْهِ رَأْسَهُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا ، فَقَالَ: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ، فَهُوَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ.

﴿ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تو اس نے کہا یارسول اللہ، جہاد فی سبیل اللہ کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم میں سے کوئی تو غصے میں جنگ کرتا ہے اور کوئی قومی تعصب کے تحت جنگ کرتا ہے، تو نبی ﷺ نے اس کی طرف اپنا سر اٹھایا۔ راوی کہتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ حضور نے سر اس لیے اٹھایا کہ وہ شخص کھڑا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ وہ جہاد، جو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ہو، وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔﴾

وضاحت:

روایت دیکھیے کتنی اہم ہے۔ حرف حرف آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ جنگ لڑنے کے محرکات الگ الگ ہوتے ہیں۔ سوال کرنے والے نے انتقامی جذبہ سے مغلوب ہو کر یا قومی عصبیت کے تحت لڑائی کے دو محرکات کا نام لیا ہے۔ آج کل کشور کشائی، قیمتی وسائل یا فوجی اہمیت کے مقامات پر قبضہ کے محرکات بھی شمار کیے جا سکتے ہیں۔ آدمی نے سوال کیا کہ ان میں سے کون سی جنگ اللہ کی راہ میں قتال قرار پائے گی۔ نبی ﷺ کا جواب یہ تھا کہ صرف وہ جنگ اللہ کی راہ میں مانی جائے گی جس کا محرک جذبہ یہ ہو گا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور دین کا بول بالا ہو۔ آنحضرت ﷺ کا یہ جواب قرآن مجید کے اور عقل و فطرت کے عین مطابق ہے۔

روایت میں بیان ہوا ہے کہ یہ جواب نبی ﷺ نے آدمی کی طرف سر اٹھا کے دیا۔ راوی اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ حضور کو سر اس لیے اٹھانا پڑا کہ وہ شخص کھڑا تھا۔ امام صاحب نے اسی بات کو عنوان باب بنا دیا ہے اور

اتنی اہم روایت کو ایک بے معنی باب سے ڈھانک دیا ہے۔ اول تو یہ سوال ہی کس شخص کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ کھڑے ہو کر بیٹھے ہوئے عالم سے سوال کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اگر سوال پیدا کر ہی دیا گیا تو سر اٹھانے کی وجوہ اور بھی ہو سکتی ہیں۔ لیٹا ہوا آدمی بیٹھے ہوئے کے لیے سر اٹھا سکتا ہے۔ آپ نیچے دیکھ رہے ہوں یا وہ آدمی گھوڑے پر سوار ہو، تب بھی سر اٹھانا پڑے گا۔ سر اٹھانے کا مطلب یہ ضروری نہیں کہ وہ شخص کھڑا تھا اور آپ بیٹھے تھے۔ بہر حال صورت جو بھی ہوئی ہو میرے نزدیک اس کی خاص اہمیت نہیں ہے۔

۴۶. باب: السُّؤَالِ وَالْفُتْيَا عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ

باب: رمی جمار کے وقت سوال کرنا اور فتوے دینا

سوال یہ ہے کہ کیا کسی کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ رمی جمار کے وقت سوال کیا جا سکتا یا فتوئی دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ یہ باب ایسا ہے کہ جس پر ہمارے محدثین حضرات نے بھی سر پیٹا ہے کہ یہ باب بالکل فضول باندھا گیا ہے۔ اس کے تحت بھی جو روایت لائی گئی ہے وہ بڑی اہم ہے جس سے دین کے بڑے اہم اصول پیدا ہوتے ہیں۔

۶۸۔ حَدَّثَنَا اَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بْنُ اَبِي سَلَمَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عِيسَى ابْنِ طَلْحَةَ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ عِنْدَالْجَمْرَةِ وَهُوَ يُسْأَلُ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، نَحَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَرْمِيَ؟ قَالَ: اِرْمِ وَلَا حَرَجَ. قَالَ آخَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ، حَلَقْتُ قَبْلَ اَنْ اَنْحَرَ؟ قَالَ: اِنْحَرْ وَلَا حَرَجَ. فَمَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ قُدِّمَ وَلَا أُخِّرَ اِلَّا قَالَ: اِفْعَلْ وَلَا حَرَجَ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ جمرہ کے پاس ہیں اور آپ سے سوالات کیے جا رہے ہیں۔ ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ! میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کر لی۔ آپ نے کہا کہ اب رمی کر لو، کوئی حرج نہیں۔ دوسرے نے پوچھا یارسول اللہ! میں نے سر منڈوالیا قربانی کرنے سے پہلے۔ آپ نے فرمایا، اب قربانی کر لو، کوئی حرج نہیں۔ کسی بھی چیز کو مقدم یا موخر کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب دیا کہ اب کرلو، کوئی حرج نہیں۔﴾

وضاحت:

اس معاملے کی جو روایت پہلے گزر چکی ہے اس میں "لم اشعر" کے الفاظ ہیں۔ یعنی بے خیالی میں یہ کیا۔

اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر بے خیالی میں کوئی عمل مقدم و موخر ہو جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ تقدیم و تاخیر دین کے کسی ایسے معاملے میں اگر ہو جائے جس سے نفس دین پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو تو اس کا کچھ حرج نہیں۔ اگر اس سے کچھ فرق پڑتا تو آپ کفارہ کا حکم دیتے۔ لیکن یہ بات بھی ہے کہ بے خیالی میں ہو تو ٹھیک ہے عمداً نہیں کر سکتے اور آپ اس کو مسلک نہیں بنا سکتے۔ مسلک تو وہی ہو گا جس طریقے پر آنحضرت ﷺ نے مناسک ادا کیے۔ وہی اولیٰ اور افضل ہو گا۔

۴۷۔ باب: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: "وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا"

باب: اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ تم کو تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے

۶۹۔ حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ سُلَيْمَانُ بن مهران عَنْ اِبْرَاهِيْمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: بَيْنَا اَنَا اَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي خَرِبِ الْمَدِيْنَةِ، وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلٰى عَسِيْبٍ مَعَهُ، فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُوْدِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: سَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ؟ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَا تَسْاَلُوْهُ، لَا يَجِيْءُ فِيْهِ بِشَيْءٍ تَكْرَهُوْنَهُ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَنَسْاَلَنَّهُ، فَقَامَ رَجُلٌ "مِنْهُمْ فَقَالَ: يَا اَبَاالْقَاسِمِ، مَاالرُّوْحُ؟ فَسَكَتَ، فَقُلْتُ: اِنَّهُ يُوْحٰى اِلَيْهِ، فَقُمْتُ، فَلَمَّا انْجَلٰى عَنْهُ، فَقَالَ: "وَيَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتُوْا مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا". قَالَ الْاَعْمَشُ: هٰكَذَا فِي قِرَائَتِنَا.

﴿ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے ویرانوں میں چل رہا تھا اور آپ کھجور کی ایک چھڑی پر ٹیک لگائے جا رہے تھے کہ یہود کے ایک گروہ پر سے گزر ہوا۔ بعض یہودیوں نے دوسروں سے کہا کہ ان سے روح کے متعلق سوال کرو۔ دوسروں نے کہا یہ نہ پوچھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ جواب میں کوئی ایسی بات پیش کر دیں جو تمہیں بری لگے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، ہم ضرور پوچھیں گے۔ ایک شخص نے کہا اے ابوالقاسم! روح کیا چیز ہے۔ اس پر آپ خاموش ہو گئے تو میں نے دل میں کہا کہ وحی آ رہی ہے۔ میں کھڑا ہو گیا۔ جب وہ کیفیت دور ہوئی تو آپ نے یہ آیت سنائی۔ يَسْاَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتُوْا مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے، اور ان لوگوں کو علم دیا گیا ہے مگر تھوڑا) اعمش کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں قراءت اسی طرح وما اوتوا کی ہے۔

وضاحت:

یہاں جس آیت کا حوالہ ہے وہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۵ ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:
وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (اور وہ تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ روح میرے رب کے حکم میں سے ہے اور تمہیں تو بس تھوڑا ہی سا علم عطا ہوا ہے)۔

روح سے مراد وحی الٰہی ہے۔ کفار نبی ﷺ پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ روح کیا بلا ہے جس کے نازل ہونے کا دعویٰ تم کرتے ہو۔ یہ ہمارے اوپر کیوں نہیں اترتی۔ اس کی حقیقت تو ہمیں سمجھاؤ۔ جواب میں فرمایا کہ ان کو بتاؤ کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے۔ تم کائنات اور اس کے خالق کے سارے بھید سمجھ نہیں سکتے۔ امور الٰہیہ کی اصل حقیقت خدا ہی جانتا ہے۔

متن قرآن میں اس آیت کا سیاق و سباق بالکل واضح ہے اور کسی شان نزول کا محتاج نہیں۔ اس روایت میں جو شان نزول بیان ہوا ہے وہ کسی طرح صحیح نہیں۔ سورہ بنی اسرائیل مکی دور کی سورہ ہے جب کہ روایت میں آیت کا تعلق مدینے سے جوڑ دیا گیا ہے۔ پھر اس میں آیت کے الفاظ تبدیل کر دیے گئے ہیں اور ایک راوی اصرار کرتے ہیں کہ ہماری قرأت میں الفاظ وما اوتیتم کی بجائے "وما اوتوا" استعمال ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک متواتر قرأت امام حفص کی ہے جس کے مطابق تمام قرآن مجید لکھے جاتے ہیں۔ اس میں وما اوتیتم کے الفاظ آئے ہیں۔ میرے نزدیک قرأت متواترہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسری قرأت پر قرآن پڑھنا جائز نہیں۔ ویسے بھی جن قرأتوں کے الفاظ باقی رہ گئے ہیں ان میں وما اوتوا کے الفاظ نہیں آئے۔

محدثین کے سردار امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ مغازی، ملاحم اور شان نزول کی روایات میں ہم نے تحقیق نہیں کی۔ یہ روایت بھی شان نزول کی ہے۔ اس لیے اس کو امام احمد بن حنبلؒ کے قول کی روشنی ہی میں لیجیے۔ البتہ حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ ایسی بے سروپا روایت امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کیوں لے لی۔

۴۸. باب: مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْاِخْتِيَارِ، مَخَافَةَ أَنْ يَقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ عَنْهُ، فَيَقَعُوا فِي أَشَدَّ مِنْهُ

باب: کسی بات کا چھوڑ دینا اس ڈر سے کہ کچھ لوگ نا سمجھی میں اس کے باعث کسی بڑے گناہ میں نہ پڑ جائیں

ہر بات ہر مجمع میں بیان کرنے کی نہیں ہوتی۔ یہ احمقوں کا طریقہ ہے کہ کہیں سے کچھ سن پاتے ہیں تو اپنی فقاہت کی دھونس جمانے کے لیے وہ مسئلہ اپنے حواریوں میں بیان کر دیتے ہیں۔ ایک عاقل آدمی کوئی ایسا مسئلہ جو عوام کی ذہنی سطح سے بلند ہو ان کے سامنے کبھی بیان نہیں کرتا، وہ اسے صرف عاقلوں کی مجلس میں ہی بیان کرتا ہے۔ باب کا منشا یہ ہے کہ ایک چیز کو اختیار کرنے سے اس لیے گریز کیا جائے کہ کہیں دوسروں کی فہم اس کے سمجھنے سے قاصر رہ جائے تو وہ اس کے باعث کسی بڑی برائی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یہ بڑی حکیمانہ بات ہے۔

۰۷۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ إِسْرَائِيلَ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ، عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ: قَالَ لِي ابْنُ الزُّبَيْرِ: كَانَتْ عَائِشَةُ تُسِرُّ إِلَيْكَ كَثِيْرًا، فَمَا حَدَّثَتْكَ فِي الْكَعْبَةِ؟ قُلْتُ: قَالَتْ لِي: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا عَائِشَةُ لَوْ لَا قَوْمُكِ حَدِيثٌ'' عَهْدُهُمْ - قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ - بِكُفْرٍ، لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ، فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ: بَابٌ'' يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابٌ'' يَخْرُجُونَ مِنْهُ فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ.

﴿اسود کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ حضرت عائشہؓ تم سے بہت سی باتیں سرگوشی میں کرتی رہی ہیں تو کعبہ کے بارے میں آپ سے کیا بات کی۔ میں نے ان کو بتایا کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے یہ فرمایا کہ اے عائشہ اگر تمہاری قوم کفر سے نئی نئی نہ نکلی ہوتی تو میں کعبہ کی دیوار کو توڑ کر اس میں دو دروازے بناتا، ایک لوگوں کے داخل ہونے کے لیے اور دوسرا ان کے باہر نکلنے کے لیے۔ حضرت ابن زبیرؓ نے اس پر عمل کیا۔﴾

وضاحت:

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو کچھ عرصے کے لیے مکہ مکرمہ میں اقتدار مل گیا تھا۔ انہوں نے اس زمانے میں حضرت عائشہؓ کی اس روایت کے مطابق خانہ کعبہ کے دو دروازے بنا دیے اور حطیم کو بھی خانہ کعبہ میں شامل کر دیا۔ ان کی حکومت ختم ہونے کے بعد خانہ کعبہ کو پھر سے سابقہ حالت میں تعمیر کر دیا گیا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں کیا تھا۔

خانہ کعبہ کے متعلق کتب تاریخ میں یہ بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ کی بعثت سے قبل اس کی عمارت گر گئی تھی۔ قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کیا تو اخراجات کے لیے وافر رقم مہیا نہ ہو سکی۔ چنانچہ حطیم کا حصہ کھلا چھوڑ دیا گیا اور باقی حصہ پر چھت ڈال دی گئی۔ معلوم ہوتا ہے خانہ کعبہ کی ابتدائی بنیادوں پر تعمیر نو کا خیال نبی ﷺ کو آیا لیکن پھر اس کو آپ نے غیر ضروری سمجھا۔ حضرت عائشہؓ کے سامنے آپ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ابھی لوگ نومسلم اور خانہ کعبہ کے معاملے میں بہت حساس ہیں۔ اگر میں نے کچھ کیا تو کفار یہ پروپیگنڈا شروع کر دیں گے کہ دیکھو انہوں نے ابھی سے

اللہ کے گھر پر بھی تصرف کر دیا ہے۔ آپ نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ بیت اللہ کی تعمیر کے مسئلہ کو نہ چھیڑا جائے۔

نبی ﷺ کے طرز عمل سے یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اگر کسی حساس معاملہ پر عمل کرنا پسندیدہ بھی ہو تو اس کو اس اندیشے کی بنا، پر ملتوی رکھنا چاہیے کہ لوگ اس سے فتنہ میں پڑ سکتے ہیں۔ ایسا کرنا دین کی مصلحت کے لیے بہتر ہے۔

اس روایت کا سبق یہ نہیں ہے کہ دین کے ضروری کاموں کو عوام الناس کے ردعمل کے ڈر سے ملتوی کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے شرک کے مظاہر کو ختم کرنے میں کسی ردعمل کی پروا نہیں کی اور فتح مکہ کے فوراً بعد تمام بت تڑوا دیئے۔ روایت سے یہ بات نکلتی ہے کہ ہر بات اور ہر کام کے کرنے کا مناسب وقت ہوتا ہے۔ بات بھی اس وقت کہی جائے جب لوگ غلط فہمی میں نہ پڑیں۔ عاقلوں اور ذمہ دار لوگوں سے کہی جائے، جاہلوں اور غیر ذمہ داروں سے نہ کہی جائے۔

۴۹۔ باب: مَنْ خَصَّ بِالْعِلْمِ قَوْمًا دُونَ قَوْمٍ، كَرَاهِيَةَ أَنْ لَا يَفْهَمُوا

وَقَالَ عَلِيٌّ: حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُونَ، أَتُحِبُّونَ أَنْ يُكَذَّبَ اللَّهُ وَ رَسُولُهُ. حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللَّهِ بْنُ مُوسَى، عَنْ مَعْرُوفِ بْنِ خَرَّبُوذٍ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، عَنْ عَلِيٍّ: بِذَلِكَ.

باب: ایسا شخص جو علم کی باتیں عام لوگوں کو چھوڑ کر بعض خاص لوگوں ہی سے بیان کرے، اس اندیشے سے کہ وہ ان کو سمجھ نہیں پائیں گے

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کی عقل کی حد تک بات کرو۔ کیا تم لوگ یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ امام صاحب نے اس قول کی سند بھی بیان کر دی ہے۔

یہ بڑی پر حکمت بات ہے کہ بزم میں اہل نظر بھی ہوتے ہیں اور تماشائی بھی۔ ہر بات مجمع عام میں نہیں کی جا سکتی بلکہ دیکھنا پڑتا ہے کہ اس کے سمجھنے کے اہل کون ہیں۔ اس پر کتمان کا اطلاق نہیں ہوگا بلکہ یہ حکمت تعلیم کا تقاضا ہے کہ سامعین کو دیکھ کر بات کرنی چاہیے کہ وہ لوگ بات کو سمجھ بھی سکیں گے یا نہیں۔

امام بخاریؒ نے عنوان باب کے اثبات میں حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ لوگوں کے علم کی حد تک ان سے بات کرو۔ ایسا نہ ہو کہ بات ان کے ذہن کی گرفت میں نہ آئے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب محض اپنی نا سمجھی کی وجہ سے کرنے لگ جائیں۔

۱۷۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، وَمُعَاذٌ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ، قَالَ: يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَسَعْدَيْكَ، قَالَ: يَا مُعَاذُ. قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

وَسَعْدَیْکَ، ثَلَاثًا، قَالَ: مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ، صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ، اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَی النَّارِ قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَفَلَا اُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَیَسْتَبْشِرُوْا؟ قَالَ: اِذًا یَتَّکِلُوْا وَ اُخْبِرَ بِهَا مُعَاذٌ" عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاَثُّمًا.

﴿حضرت انس بن مالکؓ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ اور آپ کے پیچھے معاذ بن جبلؓ ایک ہی سواری پر سوار تھے۔ آپ نے آواز دی اے معاذ بن جبل، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ آپ نے پھر فرمایا اے معاذ! انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے تین مرتبہ آواز دی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جو شخص صدق دل سے یہ شہادت دے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اس کے اوپر اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ حرام کر دے گا۔ تب معاذؓ نے کہا یا رسول اللہ کیا مجھے یہ اجازت ہے کہ میں یہ بات دوسروں کو بتاؤں تاکہ وہ بشارت حاصل کریں۔ آپ نے فرمایا نہیں، لوگ غلط اعتماد کر بیٹھیں گے۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے قریب کتمان علم کے گناہ سے بچنے کے لیے یہ بات بیان کر دی۔﴾

وضاحت:

صدق دل کے ساتھ جب آپ توحید اور رسالت کا اقرار کریں گے تو اس اقرار کے جو لوازم، مقتضیات اور مطالبے ہیں، ان کو نہیں چھوڑ سکتے۔ جو شخص یہ مطالبے پورے کرے گا تو وہ ایمان کے بعد عمل صالح کرنے والا بھی بن جائے گا اور قرآن میں بیسیوں مقامات پر ایمان اور عمل صالح پر جنت کی بشارت ہے۔ ایسا شخص لازماً دوزخ کی آگ سے بچا لیا جائے گا۔ مجمل طریقے پر توحید کے تقاضے خدا کی ذات میں اور اس کی صفات میں کسی کو شریک نہ کرنا اور اس کے تمام احکام کو بلا چون و چرا بجالانا ہے۔ توحید صرف یہی نہیں کہ خدا کو ایک مان لیا اور بس۔ اس زمانے کی سب سے بڑی غلط فہمی یہی ہے کہ نجات کے لیے محض توحید و رسالت کی شہادت کو کافی سمجھ لیا گیا ہے۔ لیکن یہ اس حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ ایک تو دین کی جزئیات اور تفصیلات ہوتی ہیں اور ایک دین کا لب لباب ہوتا ہے۔ دین کا لب لباب یہ ہے کہ بندہ اللہ کی توحید اور رسول کی رسالت کو صدق دل سے مان لے۔ دین کا پھیلاؤ انہی دو بنیادوں سے ہے۔ اس پھیلاؤ میں اگر آپ کوتاہی کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے صدق دل سے نہیں مانا، اگر مانا ہے تو آپ میں جہالت ہے۔ وہ جہالت آپ کو دور کرنا ہوگی۔

آنحضرت ﷺ نے اصل حکمت حضرت معاذ بن جبلؓ کو بتا دی تو وہ اچھل پڑے اور پوچھا کہ کیا میں لوگوں کو یہ خوشخبری سنا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، لوگ اسی پر اعتماد کر بیٹھیں گے اور عام آدمی عمل سے غافل ہو جائیں گے۔ نبی ﷺ نے یہ نکتے کی بات بتائی۔ اس بات کا ثبوت آج بھی آپ عامیوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ کیا یہ کہا جا سکتا

ہے کہ دین کی شہادت دینے کے بعد نماز نہ پڑھیں۔ کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ زکوۃ نہ دیں، حج نہ کریں، اور جب وقت آ جائے جہاد نہ کریں۔ یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ سب دین کے مطالبے ہیں۔ اس کے باوجود عوام الناس ان اعمال کی طرف توجہ نہیں دیتے اور شہادت پر نجات کو منحصر سمجھتے ہیں۔ اس زمانے کے پڑھے لکھے جنات تک اس بات کو نہیں سمجھ رہے ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے اس چیز کو ہاتھ ہی نہیں لگایا جو سمجھنے کی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر آپ صحیح طریقے پر طہارت نہیں کریں گے تب بھی خدا کے ہاں پکڑے جائیں گے حالانکہ اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ بھی دین کا تقاضا ہے۔ ایک حکیم جانتا ہے کہ اس حقیر چیز کا تعلق دین کے کس حصے سے ہے۔

یہ حدیث بہت قیمتی ہے اور خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ امام صاحب نے باب بھی اچھا باندھا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے معاذ کو تین مرتبہ پکارا تو یہ خاص کیفیت کا اظہار ہے۔ دین کی ایک عظیم حکمت کو بتانے سے پہلے آپ نے حضرت معاذؓ کو ہمہ تن گوش کرنا ضروری سمجھا۔

باقی رہ گئی یہ بات کہ معاذ بن جبلؓ نے یہ بات اپنی موت کے قریب کتمان علم کے گناہ سے بچنے کے لیے بتائی تو یہ راوی کا اپنا تاثر ہے۔ معاذؓ نے آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق اس کا عام چرچا نہ کیا لیکن اہل علم میں وہ اس کو بیان کرتے رہے ہوں گے۔ اتنی بڑی بات آخر حضرت معاذ بن جبلؓ کیسے راز رکھ سکتے تھے۔ ان سے بھی بڑے دوسرے صحابہ تھے جن سے یہ اندیشہ نہ تھا کہ وہ اس بات پر عمل میں سست پڑ جائیں گے۔ ایسے لوگوں کو انہوں نے یہ بات بتا دی ہوگی۔ راوی کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے یہ قیاس کیا کہ شاید مجھی کو یہ بات بتائی گئی ہے۔ میرے نزدیک ان کا یہ قیاس درست نہیں۔

۲۷۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ اَبِی قَالَ: سَمِعْتُ اَنَسًا قَالَ: ذُکِرَ لِی اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لِمُعَاذٍ: مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ لَا یُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ. قَالَ: اَلَا اُبَشِّرُ النَّاسَ؟ قَالَ: لَا، اِنِّی اَخَافُ اَنْ یَّتَّکِلُوْا!

﴿معتمر کے والد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنا۔ وہ بتاتے تھے کہ میرے پاس یہ بات بیان کی گئی کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذؓ سے کہا کہ جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا، اس حالت میں کہ اس نے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا ہو، تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اس پر حضرت معاذؓ نے پوچھا کہ کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اسی پر اعتماد کر بیٹھیں گے۔﴾

وضاحت:

اس روایت کے اصل راوی بھی حضرت انسؓ ہی ہیں جن کی روایت اوپر بیان ہوئی ہے۔ یہاں کسی راوی

صاحب نے اپنی طرف سے کمی کر دی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت خطرناک ہوگئی ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کی رسالت کا ذکر ہی نہیں۔ یہ راوی صاحب کی غلطی ہے کہ انہوں نے روایت کا ایک اہم ٹکڑا چھوڑ دیا ہے۔ اس سے یہ اصول نکلتا ہے کہ کسی ناتمام روایت کو اس قسم کی دوسری روایات کے ساتھ ملا کر ہی اس کی تاویل کرنی چاہیے۔ دوسری روایات کو ملانے کے بعد جو مضمون متعین ہوگا وہ اصل ہوگا۔ مزید روایات کی اس جستجو میں ہو سکتا ہے کہ جو روایت ملے سند کے اعتبار سے اس کا وہ درجہ نہ ہو جس درجے کی روایت امام بخاری یا امام مسلم لیتے ہیں لیکن اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ یہ واقعہ ہے کہ کتنی روایات ہیں جو بخاری اور مسلم کے معیار پر تو پوری نہیں اترتیں لیکن مفہوم اس طرح سے واضح کرتی ہیں کہ قرآن مجید کے مطابق ہو جاتا ہے۔ میری رائے میں اس صورت میں سند کے معیار کو دیکھے بغیر روایت سے مدد لے لینی چاہیے۔ یہاں اس سے مفصل روایت اوپر موجود ہے، اس کو اصل ماننا چاہیے۔

۵۰۔ باب: اَلْحَیَاءِ فِی الْعِلْمِ وقال مجاهد لا يتعلم العلم مستحي ولا مستكبر و قالت عائشة نعم النساء نساء الانصار لم يمنعهن الحياء ان يتفقهن في الدين.

باب: علم حاصل کرنے میں حیا کرنا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ شرمیلا آدمی علم حاصل کر سکتا ہے نہ متکبر۔

حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ بہترین عورتیں انصار کی ہیں جو دین کے سمجھنے کے لیے حیا کو دخل انداز نہیں ہونے دیتیں۔

یہ باب اس بارے میں ہے کہ علم حاصل کرنے کے معاملے میں حیا کرنے کا کیا حکم ہے۔ پھر اس پر دو قول نقل کیے ہیں۔ ایک مجاہد کا، اور دوسرا حضرت عائشہؓ کا۔ یہ دونوں تعلیقات موصول کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔

۷۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: جَاءَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ، فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ. فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ، تَعْنِي وَجْهَهَا، وَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ؟ قَالَ: نَعَمْ، تَرِبَتْ يَمِينُكِ، فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا

﴿ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ام سلیم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا۔ اس لیے میں پوچھتی ہوں کہ اگر عورت کو احتلام ہو تو اس صورت میں کیا غسل فرض ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں، اگر وہ رطوبت کا احساس کرے۔ اس پر حضرت ام سلمہؓ

نے شرم سے اپنا منہ ڈھانک لیا اور کہا یا رسول اللہ! کیا عورت کو بھی یہ حالت لاحق ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں، خدا کی بندی، اگر یہ بات نہ ہو تو اس کی اولاد میں ماں کی مشابہت کیوں ہوتی ہے؟

وضاحت:

یہ روایت اپنے مفہوم میں واضح ہے لیکن ہمارے شارحین نے غلط فہمی کی وجہ سے ایک غلط نتیجہ نکال لیا ہے۔ وہ اس طرح کہ چونکہ حضرت ام سلمہؓ نہ جھوٹ بات کہہ سکتیں اور نہ بات کی بناوٹ کر سکتیں تو آخر انہوں نے یہ سوال کیوں کیا کہ کیا عورت کو بھی یہ حالت لاحق ہوتی ہے۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو یہ حالت لاحق نہیں ہوتی ہوگی۔ پھر اس سے ایک اصول بنا لیا کہ ہر عورت کو یہ حالت لاحق ہونا ضروری نہیں ہے۔ بہت سی عورتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو یہ حالت پیش نہیں آتی۔ میرے نزدیک انہوں نے روایت کو نہیں سمجھا۔ ایک تو یہ حالت غیر معمولی نہیں بلکہ بالکل فطری حالت ہے اور ہر عورت اور ہر مرد کو پیش آتی ہے بشرطیکہ وہ صحت مند ہوں۔ اگر یہ حالت پیش نہ آئے تو اس کی علت صحت کی کمزوری ہے۔ دوسرے یہ کہ جب حضرت ام سلمہؓ کے سامنے یہ بات آئی تو انہوں نے نہایت مہذب طریقے سے آنحضرت ﷺ سے یہ سوال کر دیا کہ اگر کسی عورت کو یہ حالت پیش آ جائے تو یہ کوئی غیر معمولی حالت تو نہیں یا تقویٰ اور دینداری کے خلاف تو نہیں۔ سوال سے یہی بات نکلتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے نہایت پیار کے ساتھ بات سمجھا دی کہ خدا کی بندی، تو کیا سوال کرتی ہے۔ عورت اور مرد کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو ہر رکھا تو دونوں کے اشتراک سے اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اور اولاد یا تو ماں پر جاتی ہے یا والد پر یا دونوں پر۔ کتنے بچے ہیں جو رنگ تو ماں کا لیتے ہیں اور شکل وصورت باپ کی۔ کتنے بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے خاص خاص اعضا کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ باپ یا ماں پر گیا ہے۔ لہٰذا احتلام ہونا ایک فطری حالت ہے اور تقویٰ اور حیا کے منافی نہیں۔

تربت یمینک کے لفظی معنی تو اچھے نہیں کہ تیرا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو لیکن اس کا موقع استعمال بہت پیار کا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ خدا کی بندی، کیا بات کرتی ہو۔

۴۷۔ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِکٌ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا، وَهِيَ مَثَلُ الْمُسْلِمِ، حَدِّثُونِي مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِي شَجَرِ الْبَادِيَةِ، وَوَقَعَ فِي نَفْسِي أَنَّهَا النَّخْلَةُ، قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: فَاسْتَحْيَيْتُ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَخْبِرْنَا بِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هِيَ النَّخْلَةُ. قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: فَحَدَّثْتُ أَبِي بِمَا وَقَعَ فِي نَفْسِي، فَقَالَ: لَأَنْ تَكُونَ قُلْتَهَا أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي كَذَا وَكَذَا.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان کی مانند ہے۔ بتاؤ وہ کون سا درخت ہے۔ یہ سن کر لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف گیا لیکن میرے دل میں خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے شرم آ گئی۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ آپ ہی بتائیے وہ کون سا درخت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی (حضرت عمرؓ) کو یہ بات بتائی جو میرے دل میں آئی تھی تو انہوں نے کہا کہ اگر تم یہ بات کہہ دیتے تو میرے لیے یہ بڑی دولت ہوتی۔﴾

وضاحت:

یہ روایت باب ۵ کے تحت گزر چکی ہے۔ وہاں پر نہ حضرت عبداللہؓ کا اپنے والد گرامی سے واقعہ کا تذکرہ کرنے کا ذکر ہے اور نہ ہی حضرت عمرؓ کے اس قول کا کہ اگر تم دل میں آئی بات کہہ دیتے تو میرے لیے بڑی دولت ہوتی۔ روایت کا باب سے تعلق یہ ہے کہ حیا بعض موقعوں پر بڑی دولت سے محروم کر دیتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی حیا کا اہتمام کریں۔ اس میں بڑی برکت ہے۔

۵۱. باب: مَنِ اسْتَحْيَا فَأَمَرَ غَيْرَهُ بِالسُّؤَالِ

باب: جو خود شرما جائے تو دوسرے سے سوال کرنے کو کہہ دے

۷۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دَاوُدَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُنْذِرٍ الثَّوْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً، فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ أَنْ يَسْأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: فِيهِ الْوُضُوءُ

﴿حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ مجھے غیر معمولی مذی کی شکایت تھی۔ میں نے مقداد سے کہا کہ نبی ﷺ سے پوچھ دیں۔ انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر کسی کو یہ حالت پیش آئے تو اس پر وضو کافی ہے۔﴾

وضاحت:

بیوی کے ساتھ بوس و کنار کی صورت میں عضو سے جو رطوبت خارج ہوتی ہے وہ مذی کہلاتی ہے۔ مذی آنے کی صورت میں طہارت کے لیے صرف وضو ہی کافی ہے۔ غسل کی ضرورت نہیں۔ غسل صرف انہی باتوں پر ہے جو

کتاب الغسل میں بیان ہوئی ہیں۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر موجود ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ مسئلہ نبی ﷺ کے ساتھ اپنی رشتہ داری کے سبب سے خود پوچھنا مناسب نہیں سمجھا بلکہ حضرت مقداد کو ذریعہ بنایا۔

۵۲۔ باب: ذِكْرِ الْعِلْمِ وَالْفُتْيَا فِي الْمَسْجِدِ

باب: مسجد میں علم کی باتیں کرنا اور فتویٰ دینا

امام صاحب ہر چیز کو نکتہ بتانے کے عادی ہیں۔ ورنہ کس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ علم دین اور فتویٰ کے لیے مسجد موزوں مقام ہے یا نہیں۔ مسجد ہی تو مسلمانوں کے دین کا مرکز ہے۔

٧٦۔ حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِاللَّهِ ابْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ عَبْدِاللَّهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّ رَجُلًا قَامَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مِنْ أَيْنَ تَأْمُرُنَا أَنْ نُهِلَّ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: يُهِلُّ أَهْلُ الْمَدِينَةِ مِنْ ذِي الْحُلَيْفَةِ، وَيُهِلُّ أَهْلُ الشَّامِ مِنَ الْجُحْفَةِ، وَيُهِلُّ أَهْلُ نَجْدٍ مِنْ قَرْنٍ. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَ يَزْعُمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: وَيُهِلُّ أَهْلُ الْيَمَنِ مِنْ يَلَمْلَمَ. وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: لَمْ أَفْقَهْ هَذِهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص مسجد نبوی میں کھڑا ہوا۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! آپ کا حکم کیا ہے، ہم کہاں سے احرام باندھ کر تلبیہ کہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مدینے کے لوگ ذوالحلیفہ سے تلبیہ کہیں، اہل شام جحفہ سے، اہل نجد قرن سے، اور لوگوں کا خیال ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ اہل یمن یلملم سے تلبیہ کہیں۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ نہیں سنا ہے۔﴾

وضاحت:

حج کے لیے جو لوگ دنیا کے مختلف حصوں سے مکہ جائیں تو کس مقام سے ان کو احرام باندھنا اور تلبیہ شروع کرنا ہوگا۔ تلبیہ سے مراد لبیک اللھم لبیک کا ذکر ہے۔ یہ سوال کسی شخص نے مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ سے کیا تو سائل کے جواب میں آپ نے مختلف سمتوں کی میقاتوں کو بیان کر دیا۔ ذوالحلیفہ، جحفہ، قرن اور یلملم مکہ کی مختلف اطراف میں واقع مقامات کے نام ہیں۔ حجاج وہاں پہنچ کر حالت احرام میں آجاتے ہیں اور ان پر احرام کی پابندیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ پاکستان اور بھارت کے حجاج کے لیے میقات یلملم ہے، جب وہ سمندر سے سفر کر رہے ہوں۔

مناسک حج کے سلسلہ کی یہ ایک اہم روایت ہے لیکن امام صاحب نے اس سے بس یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ علمی سوال مسجد میں بھی ہوسکتا ہے۔

۵۳. باب: مَنْ أَجَابَ السَّائِلَ بِأَكْثَرَ مِمَّا سَأَلَهُ

باب: پوچھنے والے نے جتنا پوچھا اس سے زیادہ جواب دینا

۷۷۔ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ رَجُلًا سَأَلَهُ مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ: لَا يَلْبَسِ الْقَمِيصَ، وَلَا الْعِمَامَةَ، وَلَا السَّرَاوِيلَ، وَلَا الْبُرْنُسَ، وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ الْوَرْسُ أَوِ الزَّعْفَرَانُ، فَإِنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ، وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ محرم حالت احرام میں کیا لباس پہنے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ نہ قمیض پہنے نہ عمامہ، نہ شلوار نہ ٹوپی یا برقعہ اور نہ کوئی ایسا کپڑا جس میں ورس یا زعفران لگی ہو۔ اس کے پاس جوتا نہ ہو تو موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ دے۔﴾

وضاحت:

محرم کے لباس سے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ سلا ہوا یا رنگ دار نہ ہو۔ اسی بات کو نبی ﷺ نے وضاحت سے بتایا اور سلے ہوئے کپڑوں، قمیض، شلوار (یا پاجامہ اور پینٹ) اور رنگین کپڑوں کے استعمال کی ممانعت کردی۔ مردوں کا سر کھلا ہونا چاہیے۔ اس بات کو بیان کرتے ہوئے آپ نے پگڑی، ٹوپی کی قسم کی چیز پہننے سے روک دیا۔ جوتے کے متعلق یہ ہدایت دی کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ہونا چاہیے۔

امام صاحب کی رائے میں آنحضرت ﷺ نے یہ جواب سائل کے سوال کی ضرورت سے زیادہ دیا ہے، حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ آپ نے بات منفی پہلو سے بیان فرمائی ہے اور ممنوعات بتادی ہیں۔ یہ سوال کا نہایت حکیمانہ جواب ہے۔

کتاب الوضوء

کتاب الوضوء

ا. باب: مَا جَاءَ فِي الْوُضُوءِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: "اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ" (المائدہ: ٦)

قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ: وَبَيَّنَ النَّبِيُّ ﷺ اَنَّ فَرْضَ الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً، وَتَوَضَّأَ اَيْضًا مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَثَلَاثًا، وَلَمْ يَزِدْ عَلَى ثَلَاثٍ وَكَرِهَ اَهْلُ الْعِلْمِ الْاِسْرَافَ فِيهِ، وَ اَنْ يُجَاوِزُوا فِعْلَ النَّبِيِّ ﷺ

باب: وضو کے ضمن میں جو کچھ بیان ہوا

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کہ "جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ"۔ ابوعبداللہ کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے واضح فرمادیا کہ وضو میں ایک ایک بار اعضاء کا دھونا فرض ہے۔ آپؐ نے وضو میں دو بار بھی دھویا ہے اور تین بار بھی، لیکن تین بار سے زیادہ نہیں دھویا۔ اہل علم نے اس میں اسراف کو اور آنحضرت ﷺ کے عمل سے آگے بڑھ جانے کو برا جانا ہے۔

وضو کے معنی پاکیزگی حاصل کرنے کے ہیں۔ کتاب الوضو میں امام صاحب وضو کے آداب، طریقے اور اس کے متعلق مسائل بیان کریں گے اور بتائیں گے کہ نماز کے لیے پاکیزگی کیسے حاصل کی جاتی ہے۔

ابوعبداللہ امام بخاریؒ کی کنیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وضو میں اعضائے وضو کو ایک بار دھونا فرض ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دو مرتبہ دھویا ہے اور تین مرتبہ بھی لیکن تین سے زیادہ مرتبہ نہیں دھویا۔ یہی امام بخاریؒ کا مذہب ہے۔ ان کا قول ہے کہ اہل علم نے اس بات کو مکروہ جانا ہے کہ وضو میں اسراف کیا جائے۔ اہل علم سے مراد ائمہ فقہا اور

علمائے مدینہ ہیں۔

اسراف کی دو شکلیں ہیں۔ ایک یہ کہ مسلسل پانی بہائے جا رہے ہیں، دوسری یہ کہ اعضاء کو بار بار دھوئے جا رہے ہیں اور وضو ہے کہ ہونے میں نہیں آتا۔ اہل علم نے دھونے میں اسراف کو جو مکروہ جانا ہے تو یہ بات ٹھیک ہے۔ نبیؐ کے طریقے سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے کیونکہ بہترین نمونہ حضورؐ کا نمونہ ہے۔

میرے سامنے صحیح بخاری کا جو نسخہ ہے اس میں قرآن مجید کی آیت جو باب کے عنوان میں نقل کی گئی وہ اس قرأت کے مطابق نقل کی گئی ہے جس کو ہم صحیح نہیں مانتے۔ یہ شیعہ حضرات کی قرأت ہے۔ یہاں ارجلکم کو ل کے زیر کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ جب کہ قرأت حفص میں جو کہ متواتر قرأت ہے ارجلکم کے ل پر زبر ہے۔ 'قام' کے بعد جب الیٰ آتا ہے تو اس کے معنی قصد کرنے کے ہوتے ہیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اس کے لیے طہارت حاصل کرلو۔ ایک مرتبہ کی حاصل کردہ طہارت اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک کوئی ناقض حالت پیش نہ آجائے۔ اس وجہ سے یہ ہدایت اس حالت کے لیے ہے جب آدمی کا وضو باقی نہ ہو، اگر باقی ہو تو تازہ وضو کی ضرورت نہیں ہے۔ آگے طہارت کا طریقہ بتایا ہے۔ فرمایا کہ جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو۔ رہا یہ سوال کہ دھونے کا طریقہ کیا ہے۔ مذکورہ اعضاء ایک ایک بار دھوئے جائیں یا دو دو تین تین بار تو اس کا تعلق احکام سے نہیں بلکہ آداب سے ہے اور آداب سیکھنے کا بہترین ذریعہ نبی کریمؐ کی سنت ہے۔ آنحضرتؐ نے زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ تک دھویا ہے۔

وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُم میں مسح کے معنی ہاتھ پھیرنے کے ہیں۔ مسح کے ساتھ ب کے صلہ کی مناسبت نہیں ہے اور عربیت کے قاعدہ سے یہاں تضمین مانی جائے گی۔ یعنی مسح کا لفظ یہاں احاطہ کے مضمون پر مشتمل ہے۔ جس کے ساتھ ب کا صلہ موزوں ہے۔ اس وجہ سے مجھے ان لوگوں کا مذہب قوی معلوم ہوتا ہے جو پورے سر کے مسح کے قائل ہیں، اگرچہ عمامہ وغیرہ کی صورت میں رفع زحمت کے پہلو سے سر کے جزوی حصہ کا مسح بھی کافی ہے۔

وَاَرْجُلَكُم اِلَى الْكَعْبَين میں ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہے۔ اس وجہ سے یہ ان اعضاء کے تحت داخل ہے جن کے لیے دھونے کا حکم ہے۔ وضو میں اعضاء کی ترتیب واضح کرنے کے لیے آیت میں اس کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔ جس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ ترتیب فطری بھی ہے اور شرعی بھی۔ جن لوگوں نے اس کو مسح کے تحت داخل کیا ہے ان کا قول متواتر قرأت اور متواتر سنت کے بھی خلاف ہے اور عربیت کے بھی۔ اگر پاؤں کا مسح ہوتا تو اس کے ساتھ الی الکعبین کی قید بالکل غیر ضروری تھی۔ یہاں یہ لفظ بالکل اسی طرح آیا ہے جیسے اوپر ہاتھوں کے ساتھ الی المرافق کی قید ہے۔

اس باب کے تحت کوئی حدیث نقل نہیں ہوئی ہے۔ امام صاحب نے قرآن مجید کی آیت کا حوالہ دیا ہے، پھر

ایک فتویٰ نقل کیا ہے لیکن کوئی روایت بلکہ کوئی تعلیق تک نہیں لائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ امام صاحب کی جو شرائط ہیں ان کے مطابق ان کو کوئی روایت نہیں ملی تب تو اس باب کی بنیاد ہی گر جائے گی۔ اگر کوئی روایت معیار پر پوری نہیں اتری تو باب ہی نہیں قائم کرنا چاہیے تھا اور اگر باب قائم کیا ہے تو روایت لانی چاہیے تھی۔ میرا خیال ہے کہ ایسی روایتیں موجود ہیں جو امام صاحب کے معیار پر پوری اترتی ہیں اور وہ اگر ان کو نہیں لا سکے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو اپنی کتاب پر نظر ثانی کرنے کا موقع نہیں ملا اور اس کے بغیر ہی کتاب کی روایت شروع ہوگئی۔

۲. باب: لا تُقْبَلُ صَلاةٌ" بِغَيْرِ طُهُورٍ

باب: وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی

۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ" عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "لا تُقْبَلُ صَلاةُ مَنْ أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ"، قَالَ رَجُلٌ" مِنْ حَضْرَ مَوتَ: مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ: فُسَاءٌ" أَوْ ضُرَاطٌ".

﴿ ہمام بن منبہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابوہریرہؓ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جس شخص کو حدث ہو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ وضو نہ کرلے۔ حضرموت کے رہنے والے ایک شخص نے ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ حدث کسے کہتے ہیں۔ انہوں نے وضاحت کی کہ فساء یا ضراط۔ ﴾

وضاحت:

وضو نماز کے لیے شرط ہے اور حدث ناقض وضو ہے۔ ایک صاحب جو حضرموت کے رہنے والے تھے انہیں روایت سننے کے بعد حدث کا لفظ سمجھ میں نہیں آیا تو انہوں نے ابوہریرہؓ سے وضاحت چاہی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے ان کو بتایا کہ حدث سے مراد فساء یعنی ریح کا بغیر آواز کے خارج ہونا یا ضراط یعنی ریح کا آواز کے ساتھ خارج ہونا ہے۔

۳. باب: فَضْلُ الْوُضُوءِ وَالْغُرُّ الْمُحَجَّلُونَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ

باب: وضو کی فضیلت کا اور ان لوگوں کا جن کے پانچوں اعضاء وضو کے آثار سے روشن ہوں گے

۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ نُعَيْمٍ الْمُجْمِرِ قَالَ: رَقِيتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ فَتَوَضَّأَ فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: "إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ".

﴿نعیم المجمر روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ مسجد نبوی کی چھت پر چڑھا۔ انہوں نے وضو کیا اور کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ میری امت کے لوگ قیامت کے دن اس حال میں بلائے جائیں گے کہ وہ وضو کے آثار سے غرامحجلین ہوں گے۔ پس تم میں سے جو شخص اپنی اس روشنی کو طویل تر کر سکتا ہے تو کر لے۔﴾

وضاحت:

غرامحجلین یعنی ایسے لوگ جن کی پیشانی، دونوں ہاتھ اور پاؤں نورانی ہوں گے۔ غر لفظ اغر کی جمع ہے۔ اغراس گھوڑے کی صفت کے طور پر آتا ہے جس کی پیشانی سفید ہو۔ تحجل اس گھوڑے کی صفت ہے جس کے تین پاؤں میں سفیدی ہو۔ دلی اور اس کے مضافات میں ان گھوڑوں کے لیے جن کے سر اور چاروں پاؤں سفید ہوتے ہیں پنج کلیان کا لفظ مستعمل تھا۔ یہ کچھ اسی طرح کی بات ہے۔

اس روایت میں یہ بات تو واضح ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز میری امت کے لوگ اٹھیں گے تو وضو کے آثار کی وجہ سے ان کی پیشانی اور دونوں ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے، لیکن یہ ٹکڑا کہ۔ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ (تم میں سے جو شخص اپنی اس روشنی کو طویل کر سکتا ہے تو کر لے) کس کا ہے؟ کیا یہ حدیث کا حصہ ہے یا حضرت ابو ہریرہؓ کی رائے ہے۔ اگر یہ حدیث کا ٹکڑا ہے تو بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ پھر تو ہر ایک کو چاہیے کہ اوپر تک ہاتھ اور پاؤں دھوئے تب اطالہ ہو گا۔ لیکن کسی راوی نے یہ بات بیان نہیں کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اطالہ کیا ہو۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت انسؓ نے، جو دن رات حضور کی خدمت پر مامور تھے، اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔ سفر یا حضر میں کبھی کسی نے نہیں دیکھا کہ حضورؐ نے اوپر تک ہاتھ پاؤں دھوئے ہوں۔

اگر اس ٹکڑے کو حضرت ابو ہریرہؓ کا قول مانیں تو ایک دوسری روایت اس کے خلاف پڑتی ہے جس میں یہ جملہ آتا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے اس طرح دھونے کے بعد کہا کہ ھکذا رایت رسول اللہ یفعل (میں نے رسول اللہ کو اس طرح کرتے دیکھا) سند کا جو معیار محدثین کے ہاں ہے اس پر یہ روایت بھی پوری اترتی ہے۔

محدثین کا اصول ہے کہ جس بات کے حق میں معروف روایتیں موجود ہوں اس کے خلاف روایت نہیں لی جاتی۔ وضو کی کسی معروف روایت سے یہ ثابت نہیں کہ حضورؐ نے اطالہ کیا ہو۔ لہذا میرے نزدیک یہ ٹکڑا حدیث کا حصہ نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی رائے مضمون میں شامل کر دی گئی ہے۔

اس روایت کے باب کے عنوان میں ایک مشکل اس کی تعلیق اور ترکیب سے متعلق بھی ہے جو ایک طالب علم کو سمجھ لینی چاہیے۔ وہ یہ کہ باب فضل الوضوء کے بعد کے ٹکڑے کو اس پر عطف مانئے تو والغر المحجلین من آثار الوضوء ہونا چاہیے۔ لیکن یہاں ہے الغر المحجلون۔ اگر یہ عطف نہیں بلکہ مستقل جملہ ہے تو یہ مبتدا ہوا۔ اس کی خبر محذوف مانی جائے گی۔ میرے نزدیک عنوان باب امام صاحب کا ایک نا تمام نوٹ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس باب میں وضو کی فضیلت اور المحجلون کی عظمت کا ذکر ہے۔

۴۔ باب: لَا يَتَوَضَّأُ مِنَ الشَّكِّ حَتَّى يَسْتَيْقِنَ

باب: شک کی بنیاد پر وضو نہ کرے جب تک یقین نہ ہو

۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّهُ شَكَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ الرَّجُلُ الَّذِي يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَجِدُ الشَّيْءَ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: "لَا يَنْفَتِلْ۔ أَوْ: لَا يَنْصَرِفْ۔ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا".

﴿عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ذکر کیا ایک ایسے شخص کا جس کو نماز میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ حدث ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ نماز چھوڑ کر نہ پھرے یا نہ مڑے جب تک کہ حدث کی آواز نہ سنے یا بو نہ پائے۔﴾

وضاحت:

شکا کا مطلب شکایت کرنا نہیں بلکہ ان کے مرض کا ذکر کرنا ہے۔ یہ اس زمانے کی عربی کا اچھا اسلوب ہے۔

نبی کریم ﷺ سے ایک ایسے شخص کے عارضہ کا ذکر کیا گیا جن کے خیال میں یہ بات آ جاتی تھی کہ وہ نماز کے اندر کچھ حدث کی سی کیفیت محسوس کرتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہاں وسوسہ مراد نہیں بلکہ کوئی ایسی حالت مراد ہے جس سے حدث کا شبہ ہوتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ نماز چھوڑ کر الگ نہ ہو اور نہ رخ موڑے جب تک کہ وہ کوئی آواز نہ سنے یا کوئی بو نہ محسوس کرے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شبہ کی بنیاد پر نماز نہیں توڑنی چاہیے جب تک کہ اس بات کا یقین نہ ہو کہ کوئی ناقض وضو

حالت پیش آئی ہے۔ عمر کے تقاضے کے ساتھ اس طرح کی باتیں ہو جاتی ہیں لیکن نماز کے معاملہ میں اوہام کو بنیاد بنا کر نماز نہیں توڑنی چاہیے۔

اس روایت سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ پیغمبری کتنی عظیم ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کے تحت ہمارے ہر سوال اور مشکل کا ایسا حل مرحمت فرماتے ہیں جو ہماری عقل اور فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ کسی دوسرے کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔

۵۔ باب: التَّخْفِيْفِ فِي الْوُضُوْءِ

باب: ہلکا وضو کرنے کے بیان میں

۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو قَالَ: أَخْبَرَنِي كُرَيْبٌ" عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ صَلّٰى، وَرُبَّمَا قَالَ: اضْطَجَعَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى، ثُمَّ حَدَّثَنَا بِهٖ سُفْيَانُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ عَنْ عَمْرٍو، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ، فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوْءًا خَفِيْفًا، يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ، وَقَامَ يُصَلِّي فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ، ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ۔ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْيَانُ: عَنْ شِمَالِهٖ۔ فَحَوَّلَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِيْنِهٖ، ثُمَّ صَلّٰى مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ أَتَاهُ الْمُنَادِي فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلَاةِ، فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، قُلْنَا لِعَمْرٍو: إِنَّ نَاسًا يَقُوْلُوْنَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ عَمْرٌو: سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُوْلُ: رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ"، ثُمَّ قَرَأَ: "إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ" (الصافات: ۱۰۲)

﴿ عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سو گئے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے، پھر آپ نے نماز پڑھی۔ انہوں نے کبھی یوں کہا کہ آنحضرت کروٹ پر لیٹے رہے یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے۔ پھر اٹھ کر نماز پڑھی۔ پھر سفیان نے یہی روایت بار بار یوں بیان کی کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ ایک رات اپنی خالہ میمونہؓ کے پاس رہے تو آنحضرتؐ نے رات کو قیام کیا۔ جب تھوڑی رات گزر گئی تو آپ اٹھے، پھر آپ نے ایک لٹکتی پانی کی مشک سے ہلکا وضو کیا۔ (عمرو بن دینار اس کا ہلکا پن اور تھوڑا

پن دکھایا کرتے تھے) اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ میں نے آپ جیسا وضو کیا، پھر آ کر آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ (کبھی سفیان نے یسارہ کہا اور کبھی شمالہ کہا۔ دونوں کے معنی میں کوئی فرق نہیں)۔ آپ نے مجھ کو پھرا کر اپنی دائیں طرف کر لیا۔ پھر اتنی نماز آپ نے پڑھی جتنی اللہ کو منظور تھی۔ اس کے بعد کروٹ پر سو رہے حتی کہ خراٹے لینے لگے۔ پھر مؤذن آیا اور آپ کو نماز کے لیے اٹھایا۔ آپ اس کے ساتھ نماز کے لیے چلے۔ پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔ سفیان نے کہا ہم نے عمرو سے کہا کہ بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ آنحضرت کی آنکھیں سوتی تھیں اور آپ کا دل نہیں سوتا تھا۔ عمرو نے کہا میں نے عبید بن عمیر سے سنا وہ کہتے تھے پیغمبروں کا خواب وحی ہوتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی اِنّی اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّی اَذْبَحُکَ (میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں)

وضاحت:

عبداللہ ابن عباس کی یہ روایت اس سے پہلے باب السمر بالعلم میں گزر چکی ہے۔ اس روایت اور موجودہ روایت پر غور کرنے سے راوی حضرات اور طریقۂ روایت کے بارے میں کچھ باتیں واضح ہوتی ہیں۔

وہاں روایت مختصر ہے لیکن یہاں تفصیل ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پوری روایت نقل ہوئی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ راوی حضرات مختلف اوقات میں روایت میں کمی بیشی، تقلیل اور تخفیف کر دیتے ہیں۔

روایت میں بیچ کے راوی سفیان ہیں۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی شکلوں میں روایت بیان کی ہے حالانکہ اصل راوی ایک ہی ہیں یعنی ابن عباسؓ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیچ کے راوی اپنی پسند کے مطابق ضرورت کو دیکھ کر جس موقع پر جتنا ٹکڑا بیان کرنا چاہتے ہیں کر دیتے ہیں اور دوسرے موقع پر اس کو حذف کر دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ عامیانہ خیال غلط ہے کہ راوی اتنا بیان کرتا ہے جتنا اس نے دیکھا ہے۔ اس کے برعکس تکمیل، تقلیل، اطناب اور ایجاز ہوتا رہتا ہے اور جب تک تمام طریقوں کو جمع کر کے غور نہ کیا جائے معلوم نہیں ہوتا کہ کونسا اہم نکتہ بیان ہونے سے رہ گیا ہے۔

اس روایت میں جو دو الفاظ 'نام' اور 'اضطجع' استعمال ہوئے ہیں ان میں 'نام' کے معنی تو ہیں کہ آپ سو گئے اور اضطجع کے معنی ہیں آپ پہلو کے بل لیٹ گئے۔ لیکن دونوں حالتوں میں بیان ہے کہ نفخ یعنی ناک سے خرخراہٹ کی آواز سنائی دی تو گویا نیند طاری ہوئی کیونکہ نفخ نیند کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

آنحضرت ﷺ نے باوجود اس کے کہ آپ پر کم از کم جھپکی طاری ہوگئی اور یہ کیفیت لیٹنے کی حالت میں پیش

آئی، آپ نے دوبارہ وضو نہیں کیا تو اس سے یہ فقہی مذہب نکلتا ہے کہ لیٹنے کے باوجود اس حد تک نیند ناقض وضو نہیں ہے۔ لوگوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس معاملہ کو آنحضرتؐ کے ساتھ خاص کر دیا اور یہ کہا کہ آپ پیغمبر تھے اور پیغمبر کی آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا، حالانکہ اس واقعہ سے جو بات نکلتی ہے وہ آتی ہے کہ اس قسم کی جھپکی یا وقتی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی۔ ہاں ٹانگ پسار کے آپ سو جائیں تو یہ بات ضرور ناقض وضو ہوگی اس لیے کہ اس میں آپ اتنے الرٹ نہیں ہوتے کہ اندازہ کر سکیں کہ کوئی ناقض وضو حالت پیش آئی یا نہیں۔

میرے نزدیک یہ معاملہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ نیند کی نوعیت کے ساتھ خاص ہے۔ نماز میں اگر کچھ وقت ہو اور اس کے انتظار میں آدمی بیٹھے بیٹھے یا ذرا لیٹ کر وقت گزار رہا ہو اور اس دوران میں اس کو جھپکی آ جائے تو یہ چیز ناقض وضو نہیں۔ یہ بالکل اس طرح کی بات ہے جیسے سپاہی محاذ پر آنکھ جھپکا لیتا ہے لیکن ڈیوٹی سے غافل نہیں ہوتا۔ نیند ناقض وضو نہیں بلکہ مظنہ ہے اس بات کا کہ اس میں ناقض وضو حالت پیش آ جائے۔ اگر نیند ناقض وضو ہوتی تو اگر جھپکی بھی آ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

یہ روایت نہایت اہم ہے لیکن امام صاحب کے باب قائم کرنے میں محرک صرف یہ ہے کہ حضورؐ اٹھے اور آپ نے ہلکا وضو کیا، حالانکہ یہ بات بتانے کی بھی نہیں تھی۔ کیونکہ پچھلی روایت جو گزری ہے اس میں بیان ہو چکا ہے کہ حضور نے ایک بار بھی اعضاء کو دھویا ہے اور زیادہ سے زیادہ تین بار بھی۔ حدیث کی اہمیت کے لحاظ سے باب کا عنوان کچھ ہلکا سا ہے۔

٦. باب: اِسْبَاغِ الْوُضُوءِ وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: اِسْبَاغُ الْوُضُوءِ الْاِنْقَاءُ.

باب: وضو کا پورا کرنا۔ اور ابن عمر نے کہا وضو کا پورا کرنا (اعضاء کا) اچھی طرح صاف کرنا ہے

٥۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: دَفَعَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ عَرَفَةَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ فَبَالَ. ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوءَ فَقُلْتُ: الصَّلَاةَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَقَالَ: "الصَّلَاةُ أَمَامَكَ"، فَرَكِبَ فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ. ثُمَّ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ ثُمَّ أَنَاخَ كُلُّ إِنْسَانٍ بَعِيرَهُ فِي مَنْزِلِهِ، ثُمَّ أُقِيمَتِ الْعِشَاءُ فَصَلَّى وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا.

﴿ اسامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ عرفات سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ وادی شعب میں پہنچے تو وہاں آپ نے پیشاب کیا۔ پھر وضو کیا لیکن پورے اہتمام کے ساتھ نہیں کیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا نماز پڑھنی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز آگے ہوگی۔ پھر آپ سوار ہو گئے۔ جب مزدلفہ پہنچے تو آپ اترے۔ پھر آپ نے خوب اچھی طرح وضو کیا۔ پھر نماز کے لیے اقامت ہوئی تو آپ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر لوگوں نے اپنے اونٹ ان کی منزلوں میں ٹھہرائے۔ پھر عشاء کے لیے اقامت ہوئی تو آپ نے نماز پڑھی اور ان دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔ ﴾

وضاحت:

دفع۔ عربی کا خاص محاورہ ہے مطلب یہ کہ روانہ ہوئے، وہاں سے چلے۔

اسباغ۔ عربیت کے لحاظ سے اس کا صحیح مطلب یہ ہوگا کہ جنگ کی حالت میں اعضاء کو مختلف خطرات سے بچانے والی اور تلوار یا تیزے سے اعضاء کو جو زخم لگنے کا ڈر ہوتا ہے ان سے پوری طرح ڈھانکنے والی زرہ پہننا۔ یہاں اسباغ وضو کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ ایسا وضو جو اعضاء کو پوری طرح سے Cover کر لے۔ جن اعضاء کا وضو ہوتا ہے وہ پوری طرح دھو لیے جائیں، کوئی کسر نہ رہ جائے۔

آنحضرت ﷺ جب مزدلفہ پہنچے تو آپ نے اچھی طرح وضو کیا اور مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر کچھ وقفہ کے بعد عشاء کی نماز پڑھی۔ وقفہ اتنا تھا کہ لوگوں نے اپنے اپنے اونٹوں کو ان کے ٹھکانوں پر بٹھا دیا۔ مغرب اور عشاء کی نمازوں کے درمیان آپ نے کوئی نماز نہیں پڑھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عشاء سے پہلے کوئی سنت بھی نہیں پڑھی اس لیے کہ کسی اور نماز کا سوال ہی نہیں تھا۔

۷. باب: غَسْلِ الْوَجْهِ بِالْيَدَيْنِ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ

باب: ایک ہاتھ سے پانی کا چلو لے کر دونوں ہاتھوں سے منہ دھونا

٦۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو سَلَمَةَ الْخُزَاعِيُّ مَنْصُورُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ بِلَالٍ يَعْنِي سُلَيْمَانَ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّهُ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْهَهُ، أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَمَضْمَضَ بِهَا وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ

فَجَعَلَ بِهَا هٰكَذَا اَضَافَهَا اِلٰى يَدِهِ الأُخْرٰى، فَغَسَلَ بِهِمَا وَجْهَهُ ثُمَّ اَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُمْنٰى، ثُمَّ اَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرٰى، ثُمَّ مَسَحَ بِرَاْسِهِ ثُمَّ اَخَذَ غَرْفَةً مِنْ مَاءٍ فَرَشَّ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُمْنٰى حَتّٰى غَسَلَهَا، ثُمَّ اَخَذَ غَرْفَةً اُخْرٰى فَغَسَلَ بِهَا رِجْلَهُ يَعْنِى الْيُسْرٰى، ثُمَّ قَالَ: هٰكَذَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ.

﴿ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے وضو کیا تو اپنا منہ دھویا اس طرح کہ ایک چلو پانی لیا، اس سے کلی کی اور ناک میں ڈالا، پھر ایک اور چلو پانی لیا اور اس طرح کیا کہ ہاتھ کو جھکا کر دوسرے ہاتھ پر کچھ پانی ڈال لیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ دھویا۔ پھر ایک چلو پانی لیا اس سے اپنا دایاں ہاتھ دھویا۔ پھر ایک چلو پانی لے کر اپنا بایاں ہاتھ دھویا۔ پھر پورے سر کا مسح کیا۔ پھر ایک چلو پانی لے کر داہنے پاؤں پر چھڑکا اور اس کو دھویا پھر ایک چلو پانی لیا اور اس سے بائیں پاؤں کو دھویا۔ پھر کہا میں نے آنحضرت ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا۔﴾

وضاحت:

وضو کرنے میں کئی صورتیں پیش آ سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی لگن یا لوٹے میں سے پانی لے کر وضو کر رہے ہوں، دوسری یہ کہ کسی حوض یا ندی کے کنارے بیٹھے وضو کر رہے ہوں اور تیسری یہ کہ نل کے نیچے بیٹھے وضو کر رہے ہوں۔ ظاہر ہے کہ ہر صورت میں وضو کی شکل مختلف ہو جائے گی۔ لگن یا لوٹے سے پانی لینا ہو تو احتیاط سے لیں گے اور اگر نل سے پانی آ رہا ہو تو وہ دھڑا دھڑ بہتا ہے۔

اس روایت میں مشکل یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ اسی طریقہ سے وضو کیا کرتے تھے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سنت متواتر کی شکل میں بیان کر رہے ہیں۔ لیکن یہ حالات کے تحت ہے۔ حضورؐ نے کبھی اس طریقہ سے وضو کیا ہوگا۔ ابن عباسؓ ہی سے یہ روایت گزر چکی ہے کہ تہجد کے وقت حضورؐ نے مشکیزہ سے پانی لے کر وضو فرمایا۔ مشکیزہ سے پانی لینا آسان نہیں ہوتا کیونکہ ایک ہاتھ سے پانی لیں گے اور وضو کریں گے۔ لگن یا تھال کے مقابلہ میں مشکیزہ میں پانی بھی وافر ہوتا ہے۔ تو یہ غلط فہمی نہ پیدا ہو کہ وضو کے معاملہ میں سنت متواتر یہی ہے بلکہ وضو کے جملہ ارکان ملحوظ رکھ کر جب آپ وضو کریں گے تو وضو نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہوگا۔

٨. باب: التَّسمِيَة عَلى كُلِّ حَالٍ وَ عِنْدَ الوِقَاعِ

باب: ہر کام کے وقت بسم اللہ کہنا اور صحبت کے وقت بھی

۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: "لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَى أَهْلَهُ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ" لَمْ يَضُرُّهُ".

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے، اور وہ اس حدیث کو حضور ﷺ تک پہنچاتے تھے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم میں کوئی اپنی بیوی سے صحبت کرے اور کہے: بسم اللہ، یا اللہ ہم کو شیطان سے بچائے رکھ اور جو اولاد ہم کو عطا فرمائے شیطان کو اس سے دور رکھ، تو اگر ان کو اولاد دی جائے گی تو شیطان اس کو نقصان نہ پہنچا سکے گا۔﴾

وضاحت:

اللہ کے ذکر کے لیے وقت کی پابندی نہیں اور نہ کوئی اور شرط اس کے لیے ہے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، غرض ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ کی یاد ہونی چاہیے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ یَذْکُرُونَ اللّٰهَ قِیَاماً وَّ قُعُوداً وَّ عَلیٰ جُنُوبِھِمْ کی رو سے اللہ کی یاد کے لیے صرف آدمی کو ہوش میں ہونا چاہیے۔ اگر بے ہوش ہے تو ہوش میں آتے ہی اللہ کی یاد ہونی چاہیے۔ اسی طرح مباشرت کے وقت بھی آدمی کا دل اللہ کی یاد سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔ رہ گئی یہ بات کہ اس طرح پیدا ہونے والی اولاد کو شیطان کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا تو توقع یہی ہے۔ اس لیے کہ بسم اللہ کہنے میں برکت ہے، اس کا فائدہ پہنچے گا ان شاء اللہ۔ لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ جب کسی کلمہ کی برکت بیان کی جاتی ہے تو دوسرے عوامل کی نفی نہیں کی جاتی۔ دوسرے عوامل بھی اپنا کام کریں گے اور ان کے سدباب کے لیے جن کاموں کی آپ کو ہدایت کی گئی ہے وہ کرنا ہوں گے۔ اگر نہیں کریں گے تو شیطان کے حملوں سے بچنا مشکل ہے۔

یہ ہے تو کتاب الوضوء کا ایک باب لیکن اس روایت میں وضو کا ذکر نہیں ہے۔ آپ بہت تکلف کریں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ مباشرت جیسی خالص دنیاداری کے کام میں بسم اللہ کا حکم ہے تو وضو تو ایک عبادت ہے۔ اس میں بدرجہ اولیٰ بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ لیکن امام بخاریؒ کے نزدیک بسم اللہ پڑھنا وضو میں واجب ہے اور یہاں جس بسم اللہ کا ذکر ہے اس سے وضو کے لیے اس کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ مباشرت کے وقت بسم اللہ کہنا واجب ہے اور یہ ایسی بات ہے جسے کوئی نہیں مانتا۔ میرے نزدیک چونکہ مسلمان کے

ذہن میں بسم اللہ ہوتی ہے اس لیے اگر وہ وضو کے وقت بسم اللہ کہنا بھول جائے جب بھی اس کا وضو درست ہوگا۔

۹. باب: مَا يَقُولُ عِنْدَ الخَلاءِ

باب: بیت الخلاء میں جائے تو کیا کہے

۸۔ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِالعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا دَخَلَ الخَلَاءَ قَالَ: "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الخُبُثِ وَالخَبَائِثِ" تَابَعَهُ ابْنُ عَرْعَرَةَ، عَنْ شُعْبَةَ، وَ قَالَ غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ: "إِذَا أَتَى الخَلَاءَ". وَقَالَ مُوسَى عَنْ حَمَّادٍ: "إِذَا دَخَلَ"، وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُالعَزِيزِ: "إِذَا أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَ".

﴿حضرت انسؓ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ بیت الخلا میں داخل ہوتے تو یوں فرماتے: یا اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبث اور خبائث سے۔ اسی حدیث کو محمد بن عرعرہ نے بھی شعبہ سے روایت کیا ہے۔ غندر کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ جب بیت الخلاء میں آتے۔ موسیٰ کی روایت میں ہے کہ جب آپ داخل ہوتے اور سعید کے الفاظ ہیں جب آپ داخل ہونے لگتے۔﴾

وضاحت:

اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر دنیا کا کوئی کام بھی نہیں ہوسکتا اور بندہ ہر کام میں اللہ کی مدد کا محتاج ہے۔ آنحضرت ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے جاتے تو یہ دعا فرماتے کہ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں خبث اور خبائث سے۔ خبث اور خبائث یعنی چھوٹی بڑی ہر قسم کی خبیث چیز، کیڑے مکوڑے، سانپ بچھو، گندگی، نجاست، غرض ہر خباثت، چاہے مادی قسم کی ہو یا روحانی قسم کی، مذکر ہو یا مؤنث۔ اس میں سب شامل ہیں۔

یہ دعا پڑھنا مطلوب ہے۔ باقی رہ گیا اس کے الفاظ میں راویوں کا اختلاف تو اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس روایت کو وضو کے ذیل میں لانے کی کوئی توجیہ اس کے سوا ممکن نہیں کہ امام صاحب کی نظرثانی کے بغیر کتاب کی روایت شروع ہوگئی اور وہ احادیث کی تنقیح نہ کر سکے۔

۱۰. باب: وَضْعِ المَاءِ عِنْدَ الخَلاءِ

باب: بیت الخلاء کے پاس پانی رکھنا

۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ القَاسِمِ قَالَ: حَدَّثَنَا وَرْقَاءُ، عَنْ

عُبَيْدُاللهِ بْنِ اَبِی یَزِیْدَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ الْخَلاءَ فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوءً ا، قَالَ: مَنْ وَضَعَ هٰذَا؟ فَأُخْبِرَ، فَقَالَ: "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ".

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ بیت الخلا میں گئے تو انہوں نے آپ کے لیے وضو کا پانی رکھ دیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ پانی کس نے رکھا۔ لوگوں نے بتایا تو آپ نے دعا دی' اے اللہ اس کو دین کی سمجھ دے۔﴾

وضاحت:

وضوء 'و' کی فتح کے ساتھ آئے تو اس سے وضوء کا پانی مراد ہوتا ہے۔ آنحضرت نے ابن عباسؓ کی سعادت مندی پر دعا دی کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین کی سمجھ عطا کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹوں کو سعادت مندی کا اظہار کرنا چاہیے اور ان کے اس اظہار پر بزرگوں کو دعا دینی چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کے شایان شان بات یہی تھی کہ آپ دعا فرماتے اور ابن عباسؓ کی سعادت مندی کا تقاضا تھا کہ وہ یہ کام کرتے۔

۱۱. باب: لَا تُسْتَقْبَلُ الْقِبْلَةُ بِبَوْلٍ وَلَا غَائِطٍ اِلَّا عِنْدَ الْبِنَاءِ، جِدَارٍ اَوْ نَحْوِهٖ

باب: پیشاب یا پاخانے میں قبلہ کی طرف منہ نہ کیا جائے الا یہ کہ جب کوئی عمارت، دیوار وغیرہ آڑ ہو

۱۰۔ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی ذِئْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِی الزُّهْرِیُّ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَزِیْدَ اللَّیْثِیِّ، عَنْ اَبِی اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: "اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْغَائِطَ فَلَا یَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا یُوَلِّهَا ظَهْرَهٗ، شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا".

﴿ابوایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قضائے حاجت کے لیے جائے تو قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ نہ کرے بلکہ مشرق یا مغرب کی جانب رخ کیا کرو۔﴾

وضاحت

یہ جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مشرق یا مغرب کی جانب رخ کیا کرو تو یہ مدینہ منورہ کی رعایت سے ہے،

کیونکہ مدینہ کے اعتبار سے قبلہ جنوب کی طرف ہے۔ ہمارے دیار کے لحاظ سے یہ ہدایت شمال یا جنوب کی جانب رخ کرنے کی ہوگی۔

جب کوئی آدمی حاجت کے لیے میدان میں جاتا ہے تو اتنا اہتمام کرے کہ قبلہ کی جانب اس کا منہ یا پیٹھ نہ ہو۔ ہاں کسی دیوار کی آڑ ہو یا بیت الخلاء کسی عمارت میں ہو تب کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۲. باب: مَنْ تَبَرَّزَ عَلَى لَبِنَتَيْنِ

باب: رفع حاجت کے لیے دو اینٹوں پر بیٹھنا

۱۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَمِّهِ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ: إِذَا قَعَدْتَ عَلَى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلَى ظَهْرِ بَيْتٍ لَنَا فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ لِحَاجَتِهِ، وَقَالَ: لَعَلَّكَ مِنَ الَّذِينَ يُصَلُّونَ عَلَى أَوْرَاكِهِمْ، فَقُلْتُ: لَا أَدْرِي وَاللّٰهِ، وَقَالَ مَالِكٌ: يَعْنِي الَّذِي يُصَلِّي وَلَا يَرْتَفِعُ عَنِ الْأَرْضِ يَسْجُدُ وَهُوَ لَاصِقٌ بِالْأَرْضِ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے تھے کہ کچھ لوگوں کا قول یہ ہے کہ جب تو حاجت کے لیے بیٹھے تو نہ قبلہ کی طرف منہ کر نہ بیت المقدس کی طرف۔ عبداللہ ابن عمرؓ نے کہا کہ میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا، میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کیے حاجت کے لیے بیٹھے ہیں۔ ابن عمرؓ نے واسع سے کہا کہ شاید تو ان لوگوں میں سے ہے جو چوتڑوں پر نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نہیں جانتا۔ امام مالکؒ نے کہا ابن عمرؓ نے اس سے وہ شخص مراد لیا جو نماز میں زمین سے اونچا نہ اٹھے، سجدہ میں زمین سے لگ جائے۔﴾

وضاحت:

حضور ﷺ جو بیت المقدس کی طرف منہ کیے ہوئے تھے تو ظاہر ہے کہ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ بیت الخلاء بنا ہوا اسی طرح ہوگا۔ یہ بات بھی ہے کہ تعمیر کے اندر، جیسا کہ اوپر کی روایت میں گزرا، رخ کی پابندی نہیں ہے۔

یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ دیوار جب سامنے ہوگی تو نفس پر اس کا اثر پڑے گا اور آپ یہ سمجھیں گے کہ قبلہ کی جانب رخ نہیں ہوا۔ عمل میں نفسیاتی اثر یہ ہونا چاہیے کہ ہم نے احتیاط کی۔ آپ میدان میں نماز پڑھتے وقت اپنے سامنے چھوٹی سی لکڑی گاڑ دیتے ہیں تو اس سترہ کا بھی نفسیاتی اثر ہوتا ہے کہ آپ اوٹ میں کھڑے نماز ادا کر رہے ہیں۔ اس صورت میں بھی آدمی آپ کے آگے سے گزر جاتا ہے اور ایک ذرا سی چیز حاجب ہوتی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کا واسع پر تبصرہ اسی طرح کا ہے جیسے آج کی زبان میں کسی سے یہ کہا جائے کہ آپ تو بڑے بنیاد پرست معلوم ہوتے ہیں۔ اس پر واسع نے کہا کہ اس کا مجھے پتہ نہیں۔ جو بات تھی وہ میں نے بتا دی۔ اب اس پر آپ جو چاہیں کہیں۔ میرے نزدیک ابن عمرؓ کے قول کا یہی مطلب ہے۔ واللہ اعلم۔

اس روایت کا تعلق کتاب الوضو سے سمجھ میں نہیں آیا۔

۱۳۔ باب: خُرُوجِ النِّسَاءِ اِلَی الْبَرَازِ

باب: عورتوں کا قضائے حاجت کے لیے باہر نکلنا

۱۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ: اَنَّ اَزْوَاجَ النَّبِيِّ ﷺ كُنَّ يَخْرُجْنَ بِاللَّيْلِ اِذَا تَبَرَّزْنَ اِلَى الْمَنَاصِعِ، وَهُوَ صَعِيدٌ اَفْيَحُ فَكَانَ عُمَرُ يَقُولُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: اُحْجُبْ نِسَائَكَ، فَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَفْعَلُ، فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ زَوْجُ النَّبِيِّ ﷺ: لَيْلَةً مِنَ اللَّيَالِي عِشَاءً، وَكَانَتِ امْرَاَةً طَوِيلَةً، فَنَادَاهَا عُمَرُ: اَلَا قَدْ عَرَفْنَاكِ يَا سَوْدَةُ، حِرْصًا عَلَى اَنْ يَنْزِلَ الْحِجَابُ، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ الْحِجَابَ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بیویاں رات کو حاجت کے لیے مناصع کی طرف نکلتیں اور مناصع ایک کھلا میدان ہے۔ حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ اپنی عورتوں کو پردے میں بٹھایئے لیکن آنحضرت ایسا حکم نہیں دیتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ آپ کی بیوی سودہ بنت زمعہ رات کو عشاء کے وقت نکلیں، وہ قد آور عورت تھیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو پکارا۔ خبردار سودہ! ہم نے تم کو پہچان لیا ہے۔ یہ انہوں نے اس حرص کے ساتھ پکارا کہ پردے کا حکم اترے۔ آخر اللہ نے پردے کا حکم اتار دیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بہت مشکل ہے اور میری سمجھ میں اس کا کوئی پہلو نہیں آیا۔ اول تو اس میں ابن شہاب ہیں جن کی

شیعیت معروف ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کے متعلق وہ باتیں گھڑ دیتے ہیں۔ یہاں دیکھ لیجئے کہ حضرت سودہؓ ام المومنین کا معاملہ ہے۔ کوئی خوش تمیز آدمی اپنی ماں کو، جب کہ معلوم ہو کہ وہ ضرورت کے لیے جا رہی ہیں، اس طرح علی الاعلان کیسے پکار سکتا ہے کہ اے سودہؓ، ہم نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ گویا حضرت عمرؓ نے یا ام المومنین بھی نہیں کہا بلکہ 'یا سودہ' کہا۔ ایسے وقت میں ہما شما اپنی بیٹی کو بھی اس طرح نہیں پکار سکتے تو حضرت عمرؓ سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ 'یا سودہ' کہہ کر پکاریں۔ حضرت عمرؓ نہایت شائستہ اور اعلیٰ معیار کے آدمی ہیں۔ امت کے گل سر سبد ہیں۔ یہ طرز تخاطب ان سے منسوب کیا گیا ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ چاہتے کیا تھے۔ اگر وہ یہ چاہتے تھے کہ عورتیں سرے سے گھروں سے نہ نکلیں تو انسانی معاشرہ اتنا وسیع ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ آپ عورتوں کو گھروں میں بالکل بند کر دیں۔ لہٰذا ایسا چاہنے کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ عورتوں پر یہ پابندی تو اللہ تعالیٰ نے بھی عائد نہیں کی۔ قرآن میں ہدایت کی گئی ہے کہ عورتیں جب گھر سے باہر نکلیں تو اس صورت میں ادنائے جلباب کریں یعنی جسم پر چادر لے کر گھونگھٹ نکال لیں۔ ظاہر ہے کہ یہ گھر سے باہر کا پردہ ہے۔ اب رہ گئی قد کی درازی یا جسم کا بھاری پن تو ادنائے جلباب سے اس کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ چادر میں اس کا امکان نہیں ہے کہ کوئی عورت اپنے جسم کے حجم اور اپنے قد و قامت کی درازی سے پہچانی نہ جا سکے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روایت میں بیان کردہ واقعہ آیت حجاب کے نزول کے بعد کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گھر سے باہر کے پردے کا حکم حضرت عمرؓ کے نزدیک کافی نہیں تھا۔ بلکہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ سرے سے عورتوں کو آنحضرتؐ باہر جانے ہی نہ دیں۔ یہ بات بالکل خلاف عقل ہے۔ کوئی زبردست سے زبردست آمر بھی عورتوں کو گھروں میں روکنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

روایت کی ایک توجیہ یہ کی جا سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ صرف آنحضرت ﷺ کی ازواج کے متعلق یہ بات کہتے تھے کہ وہ گھروں سے نہ نکلیں۔ اگر یہ بات تھی تو حضرت عمرؓ عمدہ طریقہ سے یہ بات کہہ سکتے تھے کہ حضور آپ اپنے گھروں میں بیت الخلاء بنوا دیں۔ روایت کے مطابق ایسی معقول رائے تو انہوں نے دی نہیں بلکہ یہ منادی کر دی کہ اے سودہؓ، ہم تمہیں پہچان گئے۔ انہیں اس بات کی حرص تھی کہ آیت حجاب نازل ہو اور جو آیت حجاب نازل ہوئی اس پر وہ قانع نہیں ہوئے بلکہ اس کے بعد بھی کچھ اور چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے فرزانہ کے متعلق یہ بات ناقابل تصور ہے۔

آیت حجاب اس واقعہ سے پہلے نازل ہوئی ہو یا اس کے بعد، دونوں صورتوں میں حضرت عمرؓ کی سوچ سے اس کی موافقت نہیں ہوتی۔ لہٰذا حجاب کا معاملہ ان چیزوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا جو موافقات حضرت عمرؓ میں سے ہیں، یعنی ایسے معاملات جن میں وحی الٰہی نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کر دی۔ میرے نزدیک مختلف اعتبارات سے یہ روایت مخدوش اور بے محل ہے۔ اس کا بھی کتاب الوضوء سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۳۔ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "قَدْ أُذِنَ أَنْ تَخْرُجْنَ فِي حَاجَتِكُنَّ" قَالَ هِشَامٌ: تَعْنِي الْبَرَازَ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم عورتوں کو اجازت ہے کہ تم اپنی ضرورت کے لیے گھروں سے نکلو۔ ہشام اس کی شرح کرتے ہیں کہ قضاء حاجت کے لیے۔﴾

وضاحت:

اس روایت کی لوگ توجیہ کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ چونکہ اس بات پر مصر تھے کہ عورتیں گھروں سے نہ نکلیں اس وجہ سے حضرت عائشہؓ نے نبی ﷺ سے سوال کیا ہوگا اور آنحضرتؐ نے یہ فرمایا ہوگا کہ تمہیں قضائے حاجت کے لیے گھروں سے نکلنے کی اجازت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآن مجید نے ادنائے جلباب کی شرط کے ساتھ عورتوں کو گھروں سے نکلنے کی اجازت دی اور حضور نے بھی ان پر پابندی عائد نہیں کی تو پھر حضرت عمرؓ ان احکام سے فرار کیسے کر سکتے تھے۔ میرے نزدیک یہ بات کسی طریقہ سے قرین عقل نہیں ہے۔

یہ الگ اور اچھی بات ہے کہ گھروں میں بیت الخلاء تعمیر ہو جائیں لیکن آج سے چودہ سو سال پہلے اتنا آسان نہ تھا کہ ہر گھر میں اس کا بندوبست ہو سکے۔ آج بھی ہمارے دیہاتوں میں عورتیں رفع حاجت کے لیے باہر ہی نکلتی ہیں۔

۱۴. باب: التَّبَرُّزِ فِي الْبُيُوتِ

باب: گھروں کے اندر قضائے حاجت کے لیے جگہ بنانا

۱۴۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِاللَّهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، عَنْ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ، عَنْ عَبْدِاللَّهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: ارْتَقَيْتُ فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ حَفْصَةَ لِبَعْضِ حَاجَتِي، فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقْضِي حَاجَتَهُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں ایک روز حضرت حفصہؓ کے گھر کی چھت پر اپنے کسی کام سے چڑھا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے قبلہ کی طرف پیٹھ اور شام کی طرف منہ کیے بیٹھے تھے۔﴾

۱۵۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ قَالَ: اَخْبَرَنَا يَحْيَى عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ: اَنَّ عَمَّهُ وَاسِعَ بْنَ حَبَّانَ اَخْبَرَهُ: اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهُ، قَالَ: لَقَدْ ظَهَرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ عَلٰى ظَهْرِ بَيْتِنَا فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَاعِدًا عَلٰى لَبِنَتَيْنِ، مُسْتَقْبِلَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ.

﴿عبداللہ ابن عمرؓ نے خبر دی کہ ایک دن میں اپنے گھر کی چھت پر چڑھا تو میں نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ دو اینٹوں پر بیٹھے ہیں بیت المقدس کی طرف منہ کیے ہوئے۔﴾

وضاحت:

اس روایت کا مضمون اوپر باب ۱۴ کے تحت گزر چکا ہے۔

ہمارے لیے یہ بات معقول اور قبلہ کے احترام کا تقاضا ہے کہ گھروں میں بیت الخلاء اس طرح تعمیر کریں کہ قبلہ کا استقبال یا استدبار نہ ہو یعنی نہ قبلہ کی طرف منہ ہو نہ پیٹھ۔ گھروں کے اندر اگر اس طرح کا بیت الخلاء بنا ہوا نہیں ہے تو یہ عذر تو ہے لیکن ناجائز نہیں ہے۔

روایت میں دو اینٹوں کا ذکر اتفاقی ہے۔ چار بھی ہو سکتی ہیں۔ کوئی باقاعدہ قدمچہ بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال کچھ بلندی ہو جائے، یہی مطلوب ہے۔

۱۵۔ باب: الاِسْتِنْجَاءِ بِالْمَاءِ

باب: پانی سے استنجا کرنا

۱۶۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِالْمَلِكِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ اَبِي مُعَاذٍ، وَاسْمُهُ عَطَاءُ بْنُ اَبِي مَيْمُونَةَ قَالَ: سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ اَجِيْءُ اَنَا وَغُلَامٌ "مَعَنَا اِدَاوَةٌ" مِنْ مَاءٍ، يَعْنِي يَسْتَنْجِي بِهِ.

﴿انس بن مالکؓ فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ جب اپنی حاجت کے لیے نکلتے تو میں اور ہمارے ساتھ ایک لڑکا ایک ڈول پانی لے کر آتے۔ آپؐ اس سے استنجا کرتے۔﴾

وضاحت:

طہارت کا اعلیٰ ذریعہ فطری طور پر پانی ہے۔ اس پر اعتراض ہو سکتا ہے کہ ڈھیلے یا پتھر سے استنجا جائز ہے یا

نہیں لیکن پیغمبرؐ نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ پانی کے بارے میں یہ بحث نہیں ہو سکتی لیکن بعض شرحوں میں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ کس طرح ان کے شارحین کا ذہن اس طرف گیا کہ ان کے نزدیک افضل ڈھیلے یا پتھر سے استنجا کرنا ہے۔ یہ غلط ہے۔ افضل پانی ہی ہے، البتہ عند الضرورت ڈھیلے یا پتھر سے بھی استنجا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شعبہ میں آسانیاں رکھی ہیں۔

١٦. باب: مَنْ حُمِلَ مَعَهُ المَاءُ لِطُهُورِهِ. وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: أَلَيْسَ فِيكُمْ صَاحِبُ النَّعْلَيْنِ وَالطَّهُورِ وَالوِسَادِ؟

باب: آپ کی طہارت کے لیے پانی ساتھ لے کر جانے والے۔ اور ابوالدرداء نے کہا کیا تم میں جوتیوں کے سنبھالنے والے، وضو کا پانی اور گدے اٹھانے والے نہیں ہیں۔

وضاحت:

ابوالدرداء کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے جو آنحضرت ﷺ کے لیے ان چیزوں کا اہتمام کرتے۔ گویا ان کے نزدیک طہارت کے لیے پانی لے جانا اور جوتے اٹھانا آداب میں سے ہے اور بزرگوں کے لیے یہ خدمت کرنی چاہیے۔ میں اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں۔

١٧۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ تَبِعْتُهُ أَنَا وَ غُلَامٌ" مِنَّا مَعَنَا أَدَاوَةٌ" مِنْ مَاءٍ.

﴿انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ہم میں سے ایک اور لڑکا ایک ڈول پانی کا لے کر آپ کے پیچھے جاتے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ اس پانی کا مقصد کیا ہوتا تھا۔ لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آپ اس سے استنجاء کرتے۔ آگے ایک روایت میں حضرت انسؓ خود بتاتے ہیں کہ ہم اپنا رخ بدل لیتے اور آنحضرتؐ اس پانی سے طہارت کر لیتے تھے۔

۱۷۔ باب: حَمْلِ الْعَنَزَةِ مَعَ الْمَاءِ فِي الْاِسْتِنْجَاءِ

باب: استنجا کے لیے نکلے تو پانی کے ساتھ برچھی بھی لے جائے

۱۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِي مَيْمُوْنَةَ، سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ" اِدَاوَةً مِنْ مَاءٍ وَ عَنَزَةً يَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ. تَابَعَهُ النَّضْرُ وَشَاذَانُ عَنْ شُعْبَةَ، الْعَنَزَةُ: عَصًا عَلَيْهِ زُجٌّ".

﴿انس بن مالکؓ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ حاجت کے لیے جاتے تو میں اور ایک لڑکا ایک ڈول پانی اور ایک برچھی لے جاتے، آپ پانی سے استنجا کرتے۔ اس حدیث کو نضر اور شاذان نے بھی شعبہ سے روایت کیا ہے۔ عنزہ سے مراد ایک لاٹھی ہے جس پر پھل لگا ہو۔

وضاحت:

عنزہ سے مراد لوہے کے پھل والی لاٹھی ہے جس سے مٹی نرم کی جائے یا کوئی پتھر یا ڈھیلا کھود کر نکالا جائے۔
یدخل الخلاء سے لازم نہیں کہ بیت الخلاء ہی ہو بلکہ خلوت کی جگہ، میدان وغیرہ بھی مراد ہو سکتا ہے۔
حضرت انسؓ اور ان کے ساتھ ایک اور لڑکا برتن میں پانی استنجاء کے لیے آپ کے پیچھے لے جاتے تھے اور ساتھ ہی ایک عنزہ بھی رکھتے تا کہ اگر آنحضرت کو مٹی یا ڈھیلے کی ضرورت ہو تو پیش کر سکیں۔

۱۸۔ باب: النَّهْيِ عَنِ الْاِسْتِنْجَاءِ بِالْيَمِيْنِ

باب: داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے کی ممانعت

۱۹۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ"، هُوَالدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ اَبِي كَثِيْرٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي قَتَادَةَ، عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْاِنَاءِ، وَاِذَا اَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهُ بِيَمِيْنِهِ، وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِيْنِهِ

﴿ابو قتادہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے، اور جب کوئی حاجت کے لیے جائے تو اپنے عضو کو داہنا ہاتھ نہ لگائے، اور نہ داہنے ہاتھ

سے استنجا کرے۔﴾

وضاحت:

پانی پیتے ہوئے اس میں سانس نہیں لینی چاہیے۔ اکثر لوگ تو اس کو صحت کے خلاف بتاتے ہیں لیکن یہ بات ہو یا نہ ہو، اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا تعلق آداب سے ہے۔ اسی طرح بایاں ہاتھ اگر کام کرتا ہے تو دائیں ہاتھ سے وہ کام نہ لیں جو بائیں ہاتھ سے کرنے کے ہیں۔ کوئی عذر ہو تو الگ بات ہے۔ کسی عضو کو ہاتھ لگانے سے کوئی نجاست لاحق نہیں ہوتی۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ شرمگاہ بھی جسم کا ایک حصہ ہے تو اپنے ہی جسم کے کسی حصہ کو ہاتھ لگانے سے نجاست کا یا نقض وضو کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے میرے نزدیک یہ بھی آداب کی تعلیم ہے اور اس کو حلت یا حرمت سے کوئی بحث نہیں ہے۔

ہمارے ہاں معروف کا جو لفظ استعمال ہوتا ہے اس میں زندگی کے آداب، اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کے طریقے، ملنے جلنے کے طریقے، پاکیزگی اور نفاست سب شامل ہیں۔ یہ معروف ہمیں ایک باوقار زندگی سکھاتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھیے کہ ہر قوم کا معروف شریعت ہے، اگر وہ شریعت کے خلاف نہیں ہے۔ اس زمانہ میں ماڈرن طبقہ اس طرح کے آداب پر ہنستا ہے اور ان کی پابندی پر بنیاد پرستی کا طعنہ دیتا ہے۔ حالانکہ ان کے اپنے آداب، جن کو یہ پروٹوکول کہتے ہیں، کبھی پڑھیے تو یہ پوری ایک شریعت ہے جس کی خلاف ورزی سے آدمی ان کی سوسائٹی میں نکو بن جاتا اور بے سلیقہ کہلاتا ہے۔ یاد رکھیے بہترین آداب زندگی وہ ہیں جن کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔

۱۹. باب: لا یُمسکُ ذَکَرَهُ بِیَمِینِهِ اِذَا بَالَ

باب: پیشاب کرتے وقت اپنے عضو کو داہنے ہاتھ سے نہ تھامے

۲۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا بَالَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَأْخُذَنَّ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَسْتَنْجِ بِيَمِينِهِ، وَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ.

﴿ابو قتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی پیشاب کرے تو اپنے عضو کو داہنے ہاتھ سے نہ تھامے اور نہ داہنے ہاتھ سے استنجاء کرے اور نہ برتن میں سانس لے۔﴾

وضاحت:

یہ وہی مضمون ہے جو اوپر والی روایت میں گزر چکا ہے۔

٢٠. باب: الاِسْتِنْجَاءِ بِالْحِجَارَةِ

باب: ڈھیلوں سے استنجاء کرنا

۲۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدِ بْنِ عَمْرٍو الْمَكِّيُّ، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ اتَّبَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ، وَخَرَجَ لِحَاجَتِهِ، فَكَانَ لَا يَلْتَفِتُ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ، فَقَالَ: ابْغِنِي أَحْجَارًا أَسْتَنْفِضْ بِهَا — أَوْ نَحْوَهُ — وَلَا تَأْتِنِي بِعَظْمٍ، وَلَا رَوْثٍ. فَأَتَيْتُهُ بِأَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِيَابِي، فَوَضَعْتُهَا إِلَى جَنْبِهِ، وَأَعْرَضْتُ عَنْهُ، فَلَمَّا قَضَى أَتْبَعَهُ بِهِنَّ.

﴿ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے چلا۔ آپ حاجت کے لیے نکلے تھے۔ آپ چلنے میں پیچھے نہیں دیکھتے تھے۔ میں آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا کچھ ڈھیلے مجھے ڈھونڈ دو، میں ان سے استنجا کروں گا (یا ایسا ہی کوئی اور لفظ فرمایا) اور دیکھو ہڈی اور مینگنی نہ لانا۔ میں اپنے دامن میں کئی پتھر لے کر آیا اور آپ کے پاس رکھ دیے اور منہ پھیر کر ایک طرف ہٹ گیا۔ جب آپ حاجت سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان ڈھیلوں سے صفائی کی۔﴾

وضاحت:

استنجے کے لیے پتھر یا مٹی کے ڈھیلے استعمال کرنا جائز ہے، البتہ ہڈی اور مینگنی اس مقصد کے لیے صحیح چیز نہیں ہے۔ استنجے کے مقصد کے لیے وہ چیز موزوں ہوگی جو جذب کرتی ہو، مٹی کے ڈھیلوں اور پتھروں میں یہ بات ہے کہ ان میں رطوبت جذب ہو جاتی ہے اور آدمی اگر عادی ہو تو اس کو کراہت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ آج کل ٹشو پیپر صفائی کے لیے تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ بھی جاذب ہونے کی وجہ سے اس مقصد کو پورا کرتے ہیں۔

آپ نے ہڈی کو اس لیے منع کیا کہ جاذب نہیں ہوتی۔ مینگنی ایک کثافت ہے اور اگر اس کو رطوبت ملے گی تو نجاست بن جائے گی۔ جیسے گوبر کے اپلے کو اگر بھیگ جانے کا موقع دیں گے تو وہ نجاست بن جائے گی۔ جن شارحین کا یہ خیال ہے کہ حضورؐ نے ان چیزوں سے اس لیے منع فرمایا کہ یہ جنوں کی خوراک ہیں میرے نزدیک یہ ان کی ذہانت ہے۔ وہ روایت جب آئے گی تو ان شاء اللہ اس کی وضاحت کروں گا۔

۲۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ: لَيْسَ أَبُو عُبَيْدَةَ ذَكَرَهُ، وَلٰكِنْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَاللّٰهِ يَقُولُ: أَتَى النَّبِيُّ ﷺ الْغَائِطَ،

فَأَمَرَنِي أَنْ آتِيَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ، فَوَجَدْتُ حَجَرَيْنِ، وَالْتَمَسْتُ الثَّالِثَ فَلَمْ أَجِدْهُ، فَأَخَذْتُ رَوْثَةً فَأَتَيْتُهُ بِهَا، فَأَخَذَ الْحَجَرَيْنِ وَأَلْقَى الرَّوْثَةَ، وَقَالَ: هٰذَا رِكْسٌ".

﴿عبداللہ بن مسعودؓ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ قضائے حاجت کے لیے نکلے۔ آپ نے مجھے تین پتھر لانے کو کہا۔ میں نے دو پتھر پائے۔ تیسرا ڈھونڈا لیکن مجھے نہ ملا تو میں نے گوبر کا ٹکڑا اٹھالیا۔ آپ نے دونوں پتھر تو لے لیے اور گوبر پھینک دیا اور فرمایا، یہ نجاست ہے۔﴾

وضاحت:

تین ایک تکمیلی عدد ہے۔ دو کے بعد تیسرے سے صفائی مکمل ہو جاتی ہے اور طبیعت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔

قضائے حاجت کے مضمون کو طہارت اور وضو کے تحت بیان کرنا مناسب نہیں تھا۔ امام صاحب کو چاہیے تھا کہ اس مقصد کے لیے الگ عنوان قائم کرتے۔

٢١ . باب: الْوُضُوءِ مَرَّةً مَرَّةً

باب: وضو میں ایک ایک بار اعضا کو دھونا

٢٣۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ مَرَّةً مَرَّةً

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے وضو کیا ایک ایک بار میں۔﴾

٢٢ . باب: الْوُضُوءِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ

باب: وضو میں دو دو بار اعضاء کا دھونا

٢٤۔ حَدَّثَنَا حُسَيْنُ بْنُ عِيسَى قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ.

﴿عبداللہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے وضو کیا دو دو مرتبہ﴾

۲۳. باب: الْوُضُوءِ ثَلاثًا

باب: وضو میں تین تین بار اعضاء کا دھونا

۴۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِاللهِ الْأُوَيْسِيُّ قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَزِيدَ أَخْبَرَهُ: أَنَّ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ: دَعَا بِإِنَاءٍ، فَأَفْرَغَ عَلَى كَفَّيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِينَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

وَعَنْ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَلٰكِنْ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ عَنْ حُمْرَانَ: فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُثْمَانُ قَالَ: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا لَوْلَا آيَةٌ" مَا حَدَّثْتُكُمُوهُ، سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ" يُحْسِنُ وُضُوءَهُ، وَيُصَلِّي الصَّلَاةَ، إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الصَّلَاةِ حَتَّى يُصَلِّيَهَا. قَالَ عُرْوَةُ: الْآيَةُ: "إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ".

﴿عطاء بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے آزاد کردہ غلام حمران نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ انہوں نے پانی کا ایک برتن منگوایا، تین بار اس کو ہتھیلیوں پر انڈیلا اور ہاتھوں کو دھویا۔ پھر اپنے داہنے ہاتھ کو برتن میں ڈالا، کلی کی، ناک میں پانی ڈالا، پھر چہرہ دھویا تین مرتبہ اور ہاتھ دھوئے کہنیوں تک تین مرتبہ۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے پاؤں دھوئے ٹخنوں تک تین مرتبہ۔ پھر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو اس طریقہ سے وضو کرے گا جس طرح میں نے کیا ہے، پھر دو رکعت نماز پڑھے گا اور اس کے بیچ میں اپنے نفس کے اندر کچھ وسوسہ اندازی نہیں کرے گا تو اس کے وہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو اس نے پہلے کیے۔

اور ابراہیم سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عروہ انہی حمران سے یوں روایت کرتے تھے کہ جب حضرت عثمانؓ نے وضو کیا تو فرمایا کہ میں تم سے ایک روایت نہ بیان کروں۔ اگر قرآن میں ایک

آیت نہ آئی ہوتی تو میں تم کو نہ سناتا، میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص وضو کرے گا اچھی طرح سے اور نماز پڑھے گا تو اس کے جتنے گناہ اس وضو سے نماز پڑھنے تک کیے ہوں گے وہ بخش دیے جائیں گے۔ عروہ نے کہا آیت یہ ہے کہ جو لوگ ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو ہم نے نازل کیں۔

وضاحت:

اوپر جو تین روایتیں گزری ہیں ان کے متعلق جامع بات یہ ہے کہ وضو کے بارے میں ان میں کوئی تضاد یا اختلاف نہیں ہے، اگر چہ بظاہر یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اعضا کو ایک مرتبہ بھی دھویا ہے، دو مرتبہ بھی اور تین مرتبہ بھی۔ یہ بات کہ وضو کرتے ہوئے اعضا کو کتنی بار دھوتا ہے حالات پر ہے اور اس میں کئی چیزیں شمار ہوں گی مثلاً پانی کی مقدار کتنی ہے اور وہ کس طرح ملا ہے۔ آپ کس حالت میں ہیں۔ ابھی نہا کر آئے ہیں اور صرف شرعی وضو کرنا ہے یا کسی ورکشاپ میں کام کر کے آرہے ہیں۔ کبھی تو ایک ایک بار ہی اعضا کا دھونا کافی ہوتا ہے اور کبھی دو یا تین یا اس سے زیادہ مرتبہ دھونا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر ایک عضو کو تین بار دھویا ہے تو باقی اعضا کو بھی تین تین بار ہی دھویا جائے اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ کلی کرنے، ناک صاف کرنے اور سر کا مسح کرنے میں تین تین بار کا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس صحابی نے جس شکل میں آنحضرت ﷺ کو وضو کرتے دیکھا، بیان کر دیا۔ ان سب روایات سے آپ کو فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ عمل میں وسعت ثابت ہوتی ہے۔ البتہ آخری روایت میں ابن شہاب نے یہ کیا ہے کہ پہلے اپنے ایک شیخ عطاء سے روایت لی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا اور فرمایا کہ جس نے میرے طریقہ سے وضو کیا، پھر دو رکعتیں پڑھ لیں اس بیچ میں کسی وسوسہ میں مبتلا نہیں ہوا تو اس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ روایت کے اس حصہ سے کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا تحیت المسجد کی طرح تحیت الوضوء بھی ہے۔ تحیت المسجد تو ثابت ہے لیکن تحیت الوضوء ثابت نہیں، اس لیے کہ اسی روایت کی بنا پر لوگ اس نماز کے قائل ہیں، حالانکہ یہ روایت خود غور طلب ہے۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہتمام سے وضو کر کے آپ نے اگر دو رکعت نماز پڑھ لی تو کیا تمام پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ گناہ تو کبیرہ وصغیرہ ہر قسم کے ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو بخشش کا بڑا سستا نسخہ مل گیا۔ گناہوں کی معافی کے متعلق جو ضابطہ قرآن میں بیان ہوا ہے اور وہ منصوص ہے، اس میں کئی شرطیں ہیں مثلاً یہ کہ آدمی گناہ کے فوراً بعد جتنا جلد ہو سکے توبہ کرے۔ دوسری شرط اصلاح کی ہے یعنی اپنی غلطی کی اصلاح کرے اور جس کے ساتھ زیادتی کی ہو، کوئی حق تلفی کی ہو اس کی تلافی کرے۔ اس ضابطہ میں یہ بات بھی ہے کہ اگر کسی شخص نے ساری زندگی

لاپروائی میں گزار دی تو اس کا گناہ اس کا احاطہ کرے گا اور وہ بخشا نہیں جائے گا۔ لہذا بخشش کا یہ سستا نسخہ قرآن کے خلاف پڑتا ہے۔

آگے ابن شہاب عروۃ سے روایت لے رہے ہیں اور یہ بھی ان کے شیخ ہیں۔ یہ روایت عطاء والی روایت پر حرف عطف کے ساتھ ہے۔ یہ ابن شہاب کا خاص کمال ہے کہ وہ ایک روایت میں دوسری روایت ٹھونس دیتے ہیں۔ یہ دونوں روایتیں دو واقعوں کی نہیں ہیں جیسا کہ بعض شارحین نے سمجھا ہے بلکہ ایک ہی واقعہ کو دو راویوں نے بیان کیا ہے۔ دوسری روایت میں عروۃ کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ نے وضو کیا تو یہ فرمایا کہ میں تم لوگوں کو ایک حدیث سناتا ہوں۔ اگر قرآن میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں نہ سناتا۔ قرآن مجید میں یہ تاکید ہے کہ اللہ اور رسول کی کوئی بات اگر تمہارے علم میں ہو تو اس کو چھپانا نہیں چاہیے۔ اس لیے وہ بات میں تم سے کہتا ہوں جو میں نے نبی ﷺ سے سنی۔ آپ فرماتے تھے کہ کوئی شخص اہتمام کے ساتھ وضو کرے گا اور نماز پڑھے گا تو اس کے وہ گناہ جو اس کے وضو اور نماز کے درمیان ہوں گے وہ بخش دیئے جائیں گے۔

عروۃ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی اچھی طرح وضو کر کے نماز پڑھتا ہے تو وضو اور نماز تک کے درمیان کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ یہاں مراد فرض نماز ہے، دو رکعت کی نماز نہیں۔ اگر مفہوم یہ ہو کہ ایک نماز اور دوسری نماز کے درمیان کی لغزشیں اور کوتاہیاں معاف ہو جائیں تو یہ بات بھی ٹھیک اور قرین عقل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات ان گناہوں کے متعلق ہے جو صغیرہ ہیں۔ آدمی اپنی زبان سے نہ جانے کیا کیا بکتا رہتا ہے، نگاہ غلطی کر جاتی ہے، بہت ساری چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہو جاتی ہیں تو اس طریقہ کے وضو اور نماز کے درمیان کی یہ خطائیں معاف ہو جاتی ہیں۔ رہ گئے کبیرہ گناہ، حقوق اللہ اور حقوق العباد، تو ان کے لیے ضابطہ وہی ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔

ایک بار آنحضرت ﷺ نے کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ کیا تم لوگ گمان کرتے ہو کہ ایک شخص ہے اور اس کے مکان کے آگے نہر بہتی ہے جس میں وہ پانچ مرتبہ نہاتا ہے تو کیا اس پر میل کچیل میں سے کچھ باقی رہ جائے گا تو لوگوں نے کہا نہیں یا رسول اللہؐ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص وضو کرے گا اور نماز پڑھے گا تو اس کا میل کچیل بھی صاف ہو جائے گا۔ اس ارشاد کا مطلب بھی یہی ہے کہ آدمی پنج وقتہ نماز پڑھتا رہے گا تو اس کی بیچ کی لغزشیں اور کوتاہیاں معاف ہو جائیں گی۔ یوں بھی ایسے آدمی سے امید کم ہوتی ہے کہ وہ لغویات میں مشغول ہوگا۔ آپ نے دیکھا کہ جو روایت عطاء سے ہے وہ بہت غلط فہمی پیدا کرتی ہے۔ اس میں راوی سے بیان کرنے میں شدید قسم کی غلطی ہوئی ہے۔ یہ اس چیز کی بہترین مثال ہے کہ راوی حضرات روایت بالمعنی کے راستے کس طرح کے خطروں میں مبتلا کر دیتے ہیں اور خود بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔

نبی ﷺ سے روایت کرنے میں اگر یہ مسلم اصول محدثین مان لیتے کہ آنحضرت ﷺ کے معاملہ میں

روایت بالمعنی جائز نہیں تب ٹھیک ہوتا۔ لیکن اگر ایسا ہوتا تو بہت تھوڑی روایتیں آپ کو ملتیں۔ اب یہ چیز آپ کے فیصلہ کرنے کی ہے کہ اس تھوڑے صحیح پر قناعت زیادہ بہتر ہوتی یا اس سے زیادہ کے الجھاؤ پر جس کو غور و فکر کے ذریعہ دور کرنے کا امکان ہے۔ اگر پہلی بات ہوتی تو حدیث کے لیے بھی وہی اہتمام کیا جاتا جو قرآن کے لیے ہوا اور ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ موجودہ صورت حال میں مسئلہ کا حل صرف یہی ہے کہ قرآن کو کسوٹی مان کر روایتوں کو اس پر پرکھا جائے۔

۲۴۔ باب: الاِسْتِنْثَارِ فِي الْوُضُوءِ

ذَكَرَهُ عُثْمَانُ وَ عَبْدُاللهِ بْنُ زَيْدٍ. وَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

باب: وضو میں ناک صاف کرنے کا بیان

اس کا ذکر عثمان، عبداللہ بن زید اور ابن عباس سب نے نبی ﷺ سے کیا ہے۔

استنثار کے معنی ناک صاف کرنے کے ہیں۔ یہ وضو کے واجبات میں سے نہیں ہے۔ میرے نزدیک ایسا کرنا حالات کے تابع ہے۔ بعض حالات میں یہ ضروری اور عام حالات میں ضروری نہیں ہے۔ بعض اوقات زکام وغیرہ ہو یا ناک میں غبار گھس گیا ہو تو اس کو صاف کرنے کے لیے یہ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ میں فجر کے وضو میں بہت اہتمام سے کلی بھی کرتا ہوں، ناک بھی صاف کرتا ہوں حالانکہ یہ عمل واجب نہیں ہے۔ وضو میں واجب اتنا ہی ہے جتنا وضو والی آیت يَا يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدہ: ۶) ”اے ایمان والو، جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوؤ“ میں بیان ہوا ہے۔ یعنی منہ دھونا، ہاتھ کہنیوں تک دھونا، سر کا مسح کرنا اور پاؤں ٹخنوں تک دھونا۔ وضو کی ترتیب کے وجوب کا میں اس لیے قائل ہوں کہ آیت میں پاؤں کے دھونے کا بیان سر کے مسح کے بعد کیا ہے اور ارجلکم کو رؤسکم مجرور کے اوپر عطف کرنے کی بجائے ان چیزوں میں عطف کیا ہے جن کے دھونے کا بیان ہوا ہے اور جو منصوب ہیں۔ اب اگر کوئی قرآت مختلف کرتا ہے اور ارجلکم کو مجرور پڑھتا ہے تو ہم اس کو نہیں مانتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سیدنا عثمان کی خدمت قرآن کے بعد قرآت کا جتنا اختلاف ہے وہ ہمارے نزدیک بالکل غلط ہے۔ قرآت حفص جو مصاحف میں ہے یہی متواتر قرآت ہے۔ باقی جتنی قرآتیں ہیں وہ ارباب تاویل کے اقوال ہیں، قرآن کا حصہ نہیں۔ ان تاویلات کو دیکھیے اور سیاق و سباق کے مطابق ہوں تو قبول کیجیے ورنہ رد کر دیجیے۔ ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ اگر پاؤں کے مسح کا حکم ہوتا جیسا کہ بعض فرقوں کا خیال ہے تو الی الکعبین کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ہاتھ دھونے میں الی المرافق کی قید لگائی ہے لیکن تیمم میں جہاں مسح کا حکم دیا ہے الی المرافق کی پابندی اڑا دی اس لیے کہ مسح میں اس قسم کا تقید ایک

بیگانہ اور غیر مفید چیز ہے۔

۲۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ قَالَ: اَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: اَخْبَرَنِي اَبُو اِدْرِيسَ: اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ قَالَ: مَنْ تَوَضَّاَ فَلْيَسْتَنْثِرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ.

﴿ابو ہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو شخص وضو کرے وہ ناک صاف کرے اور جو شخص ڈھیلے سے استنجا کرے وہ طاق ڈھیلے استعمال کرے۔﴾

وضاحت:

طاق ڈھیلے استعمال کرنے میں کم از کم تین ڈھیلے لینے ہوں گے۔ فلیوتر یعنی دو کے بعد تیسرے سے یا چار کے بعد پانچویں سے طاق کرے۔ یہ واقعہ ہے کہ جس کو ڈھیلے کی ضرورت پیش آئے، وہ جان سکتا ہے کہ تین سے کم میں صفائی ممکن نہیں ہوتی۔ البتہ اس سے زیادہ ڈھیلے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

۲۵. باب: الاِسْتِجْمَارِ وِتْرًا

باب: استنجاء میں طاق ڈھیلے لینا

۲۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ اَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ فِي اَنْفِهِ مَاءً ثُمَّ لِيَنْتَثِرْ، وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ، وَاِذَا اسْتَيْقَظَ اَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ اَنْ يُدْخِلَهَا فِي وَضُوئِهِ، فَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي اَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے تو اس کو چاہیے کہ ناک میں پانی ڈالے پھر اس کو صاف کرے۔ اور جو کوئی ڈھیلے سے استنجاء کرے تو اس کو چاہیے کہ وہ طاق ڈھیلے استعمال کرے۔ اور جب کوئی شخص تم میں سے سو کر اٹھے تو وہ اپنے ہاتھ وضو کے پانی میں داخل کرنے سے پہلے دھو لے، معلوم نہیں اس کا ہاتھ رات کو کہاں کہاں لگا۔﴾

وضاحت:

یہ سب چیزیں آداب میں داخل ہیں۔ آدمی سو کر اٹھے تو اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ پہلے ہاتھ دھوئے۔ اگر بغیر ہاتھ دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دیا تو پانی نجس نہیں ہو جائے گا، جیسا کہ بعض فقہاء نے ماء مستعمل کہہ کر اس پانی کو نجس قرار دیا ہے۔ یہ مہمل بات ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ماء مستعمل پینے کے لیے نہیں ہوتا۔ پھر بھی مہذب طریقہ یہی ہے کہ آپ سو کر اٹھے ہیں تو بہر حال ہاتھ دھو لیجئے۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ آداب وضو ہیں تو میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں ان میں سے کسی چیز کو بھی واجب نہیں مانتا۔

۲۶۔ باب: غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، وَلَا يَمْسَحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ

باب: وضو میں پاؤں دھوئے اور ان پر مسح نہ کرے

۲۸۔ حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ يُوسُفَ بْنِ مَاهَكٍ، عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: تَخَلَّفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنَّا فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا، فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الْعَصْرَ، فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا، فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ: وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ. مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا.

﴿ عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔ پھر آپ ہمیں اس وقت آ ملے جب عصر کا وقت ہمارے اوپر سوار ہو گیا تھا تو ہم جلدی جلدی وضو کرنے اور پاؤں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ آپ ﷺ نے بلند آواز سے پکارا ایڑیوں کی خرابی ہے آگ سے۔ دو بار فرمایا یا تین بار۔ ﴾

وضاحت:

عصر کا وقت چونکہ تنگ ہو رہا تھا اس لیے لوگ بجائے پاؤں دھونے کے ان پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ نمسح علی ارجلنا کی یہی تاویل ہو سکتی ہے۔ اگر مسح مانا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس زمانے میں مسح کا رواج تھا لیکن یہ بات غلط ہے۔ پاؤں کے متعلق معلوم ہے کہ اس کو دھونا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جب دیکھا کہ لوگوں کی ایڑیاں خشک ہیں تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ ایڑیوں کے لیے ہلاکت ہے دوزخ کی آگ سے۔ یہ واقعہ ہے کہ جب آدمی جلد بازی کرے گا یا بے پروائی سے کام لے گا تو ایڑیوں پر ہی زد آئے گی اور انہیں کو نظر انداز کرے گا۔ اس لیے آپ نے لوگوں کو اس بے پروائی کے انجام سے خبردار کیا تاکہ وہ وضو کے اعضاء پورے پورے دھوئیں۔

۲۷. باب: اَلْمَضْمَضَةِ فِي الْوُضُوءِ

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

باب: وضو میں کلی کرنا

یہ ابن عباس اور عبداللہ بن زید نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے۔

۲۹۔ حَدَّثَنَا أَبُوالْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيْدَ، عَنْ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ: أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ دَعَا بِوَضُوءٍ، فَأَفْرَغَ عَلَى يَدَيْهِ مِنْ إِنَائِهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَمِيْنَهُ فِي الْوَضُوءِ، ثُمَّ تَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلَاثًا، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ غَسَلَ كُلَّ رِجْلٍ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا، وَقَالَ: مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيْهِمَا نَفْسَهُ، غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ.

﴿حمران نے جو حضرت عثمانؓ کے غلام تھے، کہا کہ حضرت عثمانؓ نے وضو کا پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھوں پر برتن سے پانی ڈالا اور ان کو تین بار دھویا۔ پھر اپنا داہنا ہاتھ پانی میں ڈال دیا۔ اس کے بعد کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور ناک صاف کی۔ پھر منہ دھویا تین بار اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک تین بار دھوئے۔ پھر سر کا مسح کیا۔ پھر دونوں پاؤں دھوئے تین بار۔ پھر کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اسی طرح، جیسے میں نے وضو کیا ہے، وضو کرتے دیکھا ہے۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو کوئی میرے اس وضو کی طرح وضو کرے، پھر دو رکعتیں پڑھے اور اس بیچ اپنے نفس کے اندر کچھ وسوسہ اندازی نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ جو اس نے پہلے کیے بخش دے گا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت معمولی تغیر کے ساتھ پیچھے گزر چکی ہے (دیکھیے روایت ۲۵/۲۳)

۲۸. باب: غَسْلِ الْأَعْقَابِ

وَكَانَ ابْنُ سِيْرِيْنَ يَغْسِلُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ إِذَا تَوَضَّأَ

باب: ایڑیوں کا دھونا

ابن سیرین انگوٹھی کی جگہ بھی وضو کے وقت دھوتے

۳۰۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ اَبِي اِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ، وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّؤُوْنَ مِنَ الْمِطْهَرَةِ، قَالَ: اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ، فَاِنَّ اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ قَالَ: وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ.

﴿ محمد بن زیاد بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو ہریرہؓ سے سنا، وہ ہمارے سامنے سے گزرا کرتے جب کہ لوگ برتن سے وضو کر رہے ہوتے، تو وہ کہتے۔ لوگو، وضو کو پورا کرو کیونکہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا ایڑیوں کی خرابی ہے دوزخ کی آگ سے۔ ﴾

وضاحت:

اس روایت پر بحث اوپر گزر چکی ہے۔ دھونے کے اہتمام کی اس تاکید سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انگوٹھی وغیرہ کوئی زیور اگر بدن تک پانی کے پہنچنے میں رکاوٹ بنتا ہو تو اس کو ہلا جلا کر عضو کو دھونا چاہیے۔

۲۹. باب: غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ فِي النَّعْلَيْنِ، وَلَا يَمْسَحُ عَلَى النَّعْلَيْنِ

باب: جو پاؤں جوتوں میں ہیں ان کا دھونا۔ جوتوں پر مسح نہیں کیا جائے گا

مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی جوتے کے اوپر ہی مسح کر لے تو یہ جائز نہیں ہے۔

۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ: اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ: اَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ: يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ، رَاَيْتُكَ تَصْنَعُ اَرْبَعًا لَمْ اَرَ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا؟ قَالَ: وَمَا هِيَ يَابْنَ جُرَيْجٍ؟ قَالَ: رَاَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْاَرْكَانِ اِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَرَاَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ، وَرَاَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ، وَرَاَيْتُكَ اِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ اَهَلَّ النَّاسُ اِذَا رَاَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ اَنْتَ حَتّٰى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ، قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: اَمَّا الْاَرْكَانُ: فَاِنِّي لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَمَسُّ اِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ، وَاَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ: فَاِنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَلْبَسُ النَّعْلَ الَّتِي لَيْسَ فِيْهَا شَعَرٌ وَيَتَوَضَّاُ فِيْهَا، فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ

اَلْبسها، وَ اَمَّا الصُّفْرَةُ: فَاِنِّي رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَصْبُغُ بِهَا، فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَصْبُغَ بِهَا، وَ اَمَّا الاِهْلَالُ: فَاِنِّي لَمْ اَرَ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يُهِلُّ حَتّٰى تَنْبَعِثَ بِهِ رَاحِلَتُهُ.

﴿ابن جریج کہتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! میں دیکھتا ہوں کہ آپ چار باتیں ایسی کرتے ہیں کہ میں نے آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو وہ باتیں کرتے نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ کیا چیزیں ہیں ابن جریج۔ انہوں نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ طواف کرتے وقت صرف یمانی رکنوں کو ہاتھ لگاتے ہیں، اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ چمڑے کے دباغت کیے ہوئے جوتے پہنتے ہیں، اور میں دیکھتا ہوں کہ آپ جو چیز رنگتے ہیں وہ زرد رنگتے ہیں اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ جب آپ مکہ میں ہوتے ہیں تو لوگ تو اسی وقت سے احرام باندھ لیتے ہیں جب (ذوالحجہ کا) چاند دیکھتے ہیں لیکن آپ آٹھویں تاریخ سے پہلے نہیں باندھتے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا جہاں تک ارکان کا معاملہ ہے تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو صرف انہی دو کو ہاتھ لگاتے دیکھا ہے۔ رہا مدبوغ کھال کے جوتے تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ وہ جوتے پہنتے تھے جن پر بال نہ ہوں اور ان میں وضو بھی کرتے تھے۔ تو میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ایسے ہی جوتے پہنوں۔ رہا زرد رنگ کا معاملہ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اسی رنگ سے رنگتے تھے۔ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں بھی اسی رنگ میں رنگوں۔ اور احرام باندھنے کا حال یہ ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اس وقت تک احرام باندھتے نہیں دیکھا جب تک آپ کی اونٹنی آپ کو لے کر نہ اٹھتی۔﴾

وضاحت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی ﷺ کے اتباع میں متشدد تھے۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ فلاں کام حضورؐ نے فلاں طریقہ سے کیا ہے تو وہ اسی طریقہ کو اختیار کرتے حالانکہ انہیں معلوم ہوتا کہ آنحضرتؐ نے ایسا کبھی محض اتفاق سے بھی کیا۔ اس روایت میں بھی حضرت ابن عمرؓ کے بعض افعال کی وضاحت ہے جو انہوں نے حضورؐ کے تتبع میں کیے۔

خانہ کعبہ کی موجودہ چوکور عمارت کے شمال مغرب میں نصف دائرہ کی صورت میں کھلا رقبہ ہے جس کو حطیم کہتے ہیں۔ ابراہیمی تعمیر میں یہ رقبہ مسقف اور خانہ کعبہ میں شامل تھا۔ گویا اصل تعمیر میں خانہ کعبہ کے جنوب میں صرف دو کونے بنتے تھے۔ ان کو یمانی کونے کہا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک مرتبہ جب حرم کی تعمیر ہوئی تو قریش نے مسقف رقبہ کم

کر دیا اور غیر مسقف حصہ کو حطیم کہنے لگے۔ نبی ﷺ طواف کے دوران دونوں قدیم یمانی کونوں کو سلام کرتے تھے بقیہ دو کو نہیں۔ عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں اس عمل کو پسند کرتا ہوں جس طرح آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے۔

دباغت کیے ہوئے چمڑے کے جوتے بھی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اسی لیے پسند تھے کہ آنحضرت بھی ایسے ہی جوتے پسند فرماتے تھے۔ یہ ایک ضمنی بات ہے کہ آنحضرتؐ ان میں وضو کرتے تھے یعنی ان پر مسح نہیں کرتے تھے۔ رہ گیا زرد رنگ تو روایت میں اس کی وضاحت نہیں کہ حضورؐ کیا چیز زرد رنگتے یا استعمال کرتے تھے۔ اس سے مراد خضاب نہیں ہو سکتا اس لیے کہ روایات کی رو سے آنحضرت ﷺ کے آخر عمر تک صرف داڑھی کے چند بال سفید ہوئے تھے۔ خضاب لگانا بجائے خود میرے نزدیک فطرت کے معیار سے ہٹی ہوئی چیز ہے لیکن اس سے انکار نہیں کہ یہ جائز ہے۔ حضورؐ سے متعلق میرے نزدیک یہاں خضاب مراد نہیں ہے۔ ممکن ہے کوئی زرد چادر وغیرہ لیتے رہے ہوں۔

علی ہذا القیاس، معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے پر حج کا احرام باندھ کر لبیک کہنا شروع کر دیتے تھے لیکن عبداللہ ابن عمرؓ کے تمام معاملات میں پیغمبر ﷺ کا اتباع ملحوظ ہوتا تھا۔ اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی میں آٹھ ذوالحجہ کو احرام باندھتے۔

امام صاحب نے حسب عادت ایک ضمنی مسئلہ پر اس روایت سے دلیل حاصل کی ہے۔

۳۰. باب: التَّيَمُّنِ فِي الْوُضُوءِ وَالْغُسْلِ

باب: وضو اور غسل داہنے ہاتھ سے شروع کرنے کا اہتمام

۳۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ"، عَنْ حَفْصَةَ بِنْتِ سِيرِينَ، عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَهُنَّ فِي غُسْلِ ابْنَتِهِ: ابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوءِ مِنْهَا.

﴿ام عطیہ سے روایت ہے کہ جب عورتیں آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دینے لگیں تو آپ نے ان سے فرمایا کہ اعضاء کے دہنی طرف سے اور وضو کے مقامات سے ان کا غسل شروع کرو۔﴾

وضاحت:

یہ حضرت زینبؓ کی وفات پر غسل میت کے لیے نبی ﷺ کی ہدایات ہیں:۔

معروف طریقہ یہی ہے کہ ہر کام میں دہنی طرف سے ابتداء کی جائے۔ غسل میت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ یاد رکھیے کہ آداب کے متعلق وہی طریقہ اچھا ہے جو فطرت کے مطابق ہے اور جس کی تعلیم نبی ﷺ نے دی

ہے۔ اسلامی تہذیب وہ ہے جس پر نبی ﷺ نے فطرت کے مطابق خود عمل کیا اور اس کو آگے منتقل کیا۔ بعض حالات میں اس کی خلاف ورزی ہو جائے تو اس سے حلت یا حرمت کا مسئلہ پیدا نہیں ہوگا کیونکہ اس کا تعلق آداب سے ہے۔

۳۳۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ، وَطُهُورِهِ، وَفِي شَأْنِهِ كُلِّهِ.

﴿حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کو، جب آپ نے جوتا پہننا ہوتا یا کنگھا کرنا ہوتا یا پاکی حاصل کرنا ہوتا، غرض تمام معاملات میں دائیں جانب سے آغاز کرنا اچھا لگتا تھا۔﴾

وضاحت:

یہ ہے تو عموم کا انداز اور سیدہ عائشہ صدیقہؓ نے بہت تاکید بھی کر دی ہے کہ فی شانہ کلہ (یعنی تمام معاملات میں) لیکن میرے نزدیک اس عموم میں استثنا بھی ہے جو معروف ہے۔ مثلاً مسجد سے نکلنے میں بایاں پاؤں پہلے باہر نکالنے کا حکم ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے کاموں میں یہ پسندیدہ ہے کہ بائیں طرف سے ان کا آغاز ہو۔ سیدہ عائشہؓ نے ان کو اس لیے نظر انداز کر دیا ہے کہ وہ معلوم ہیں۔ یہاں غالب پہلو کے لحاظ سے یہ بیان ہے کہ جو کام بھی آپ کرنے کا ارادہ کرتے دائیں طرف سے شروع کرنا پسند کرتے۔

۳۱. بَاب: اِلْتِمَاسِ الْوَضُوءِ إِذَا حَانَتِ الصَّلَاةُ

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: حَضَرَتِ الصُّبْحُ، فَالْتُمِسَ الْمَاءُ فَلَمْ يُوجَدْ، فَنَزَلَ التَّيَمُّمُ.

باب: نماز کا وقت آجانے پر پانی تلاش کرنا

اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا کہ صبح کی نماز کا وقت آ گیا۔ پانی تلاش کیا گیا تو نہ ملا۔ آخر تیمم کی آیت اتری۔

۳۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَحَانَتْ صَلَاةُ الْعَصْرِ، فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوَضُوءَ فَلَمْ يَجِدُوهُ، فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِوَضُوءٍ، فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي ذٰلِكَ الْإِنَاءِ يَدَهُ، وَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّؤُوا مِنْهُ، قَالَ: فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ

تَحْتَ أَصَابِعِهِ، حَتَّى تَوَضَّؤُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِمْ.

﴿انسؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا جب کہ عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ لوگوں نے پانی تلاش کیا تو نہ ملا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھوڑا سا پانی لایا گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وضو کریں۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے نیچے سے پھوٹ رہا ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے آخری آدمی تک وضو کیا۔﴾

وضاحت:

یہ بات اپنی جگہ پر قطعی ہے کہ برکت کھانے پینے کی چیزوں میں ہو سکتی ہے۔ پیغمبروں کی بے شمار برکتیں بیان ہوئی ہیں۔ انجیلوں میں سیدنا مسیح کے واقعات آتے ہیں۔ ایک مرتبہ پوری بھیڑ کی بھیڑ آپ کے ساتھ چل رہی تھی اور کسی شخص کے پاس ایک ٹوکری میں دو چار روٹیوں سے زیادہ نہ تھیں لیکن سیدنا مسیح ٹوکرے میں ہاتھ ڈال کر روٹیاں نکال نکال کر دیتے رہے اور ساری بھیڑ نے نہ صرف کھایا بلکہ کئی ٹوکرے روٹیوں کے بھر لیے۔

آنحضرت ﷺ کے ہاتھ سے بھی اس طرح کے معجزات ظاہر ہوئے ہیں اور برکت کا میں قائل ہوں۔ آنحضرت ﷺ کی دعا سے فائدے اور برکتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ لہذا وضو کے پانی میں بھی کسی موقع پر یہ برکت ظاہر ہوئی ہوگی۔ حدیث کے راوی حضرت انس حضور ﷺ کے قریب رہنے والے واقف آدمی ہیں۔ انہوں نے یہاں اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔

حتی توضاوا من عند آخرهم. عربی کے لحاظ سے بہت اچھا فقرہ ہے۔ مطلب ہے یہاں تک کہ آخر تک ہر فرد نے وضو کر لیا۔

تیمم کا انسانی ضروریات میں ایک مستقل مقام ہے۔ محض پانی نہ ہونا ہی اس کا جواز مہیا نہیں کرتا۔ مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں تیمم کی ضرورت پیش آ سکتی ہے۔ مثلاً پانی موجود تو ہو لیکن اس کا استعمال مضر ہو۔ ایک حکم خاص حالات اور کیفیات میں نازل ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اپنی پوری اسکیم کا ایک حصہ ہوتا ہے اور اس کا اطلاق وسیع ہوتا ہے۔

اس روایت میں ایک مشکل یہ ہے کہ موقع ایسا ہے جب بہت سے لوگوں نے وضو کیا اور یہ معجزہ دیکھا ہوگا۔ لہذا یہ واقعہ متعدد طریقوں سے نقل ہونا چاہیے تھا۔ لیکن حضرت انسؓ کے سوا اور کسی سے اس کی روایت نہیں ہے۔ قاضی عیاض کا دعویٰ ہے کہ اس کے راوی بے شمار ہیں، یہ تواتر سے ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ وہ روایات ہیں کہاں! ابن حجر کو بھی یہ بات کھٹکی ہے کہ اتنے اہم واقعہ کے ایک ہی راوی ہیں۔

امام صاحب نے باب میں تعلیق صبح کی نماز کی دی ہے جبکہ روایت نماز عصر سے متعلق ہے۔ اور اس میں تیمم کی نوبت نہیں آئی۔

۳۲. باب: الْمَاءِ الَّذِي يُغْسَلُ بِهِ شَعَرُ الْإِنْسَانِ

وَكَانَ عَطَاءٌ لَا يَرَى بِهِ بَأْسًا: أَنْ يُتَّخَذَ مِنْهَا الْخُيُوطُ وَالْحِبَالُ. وَسُؤْرِ الْكِلَابِ وَمَمَرِّهَا فِي الْمَسْجِدِ، وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: إِذَا وَلَغَ فِي إِنَاءٍ لَيْسَ لَهُ وَضُوءٌ غَيْرُهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ.

باب: پانی جس سے آدمی کے بال دھوئے جائیں

عطاء اس میں کوئی حرج نہیں پاتے تھے کہ ان بالوں سے سوت یا رسیاں بنائی جائیں۔ نیز کتوں کے جھوٹے پانی اور مسجد سے ان کے گزرنے کے بارے میں۔ زہری کا قول ہے کہ جب کتا وضو کے پانی کے برتن میں داخل ہو جائے اور اس کے علاوہ پانی نہ ہو تو اسی سے وضو کر لیا جائے۔

۳۵۔ حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: قُلْتُ لِعَبِيدَةَ: عِنْدَنَا مِنْ شَعَرِ النَّبِيِّ ﷺ، أَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ، أَوْ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ أَنَسٍ. فَقَالَ: لَأَنْ تَكُونَ عِنْدِي شَعَرَةٌ مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.

﴿ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سے کہا کہ ہمارے پاس نبی ﷺ کے بال موجود ہیں۔ یہ ہم نے حضرت انس سے یا ان کے گھر والوں سے حاصل کیے تھے۔ اس پر عبیدہ نے کہا کہ اگر میرے پاس حضور کا ایک بال ہو تو یہ چیز مجھے دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہوگی۔﴾

۳۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالرَّحِيمِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّادٌ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لَمَّا حَلَقَ رَأْسَهُ، كَانَ أَبُو طَلْحَةَ أَوَّلَ مَنْ أَخَذَ مِنْ شَعَرِهِ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب اپنا سر منڈایا تو ابو طلحہؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے آپ کے کچھ بال لیے۔﴾

وضاحت:

یہ موقع حجۃ الوداع کا معلوم ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنا سر منڈایا تو حضرت ابوطلحہؓ نے آپ کے کچھ بال لے لیے۔ یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے ان کو تبرک کے طور پر لیا ہوگا۔ آدمی کے اندر عقیدت کا ایسا جذبہ ہو سکتا ہے، خاص طور پر جب معاملہ آنحضرت ﷺ کا ہو۔ ابوطلحہؓ کے علاوہ بھی لوگوں کے پاس بال تبرکاً محفوظ تھے جیسا کہ ابن سیرین نے بیان کیا۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ حسن ظن اور عقیدت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی ہر چیز عزیز ہو۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد سر کے بالوں کی تقسیم نہ تھا بلکہ اپنی سنت اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کا علم تقسیم کرنا تھا۔ اس لیے میرے نزدیک اس روایت میں یہ اضافہ کہ کچھ بال نبی ﷺ نے خود لوگوں میں تقسیم کروائے محل نظر ہے۔

آدمیوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو جوشیلے اور جذباتی ہوتے ہیں۔ دوسرے متین، سنجیدہ اور خاموش طبع ہوتے ہیں جن کا مزاج عقلیت پسند اور حکیمانہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں قسمیں حقیقت میں انسانی فطرت کے دو مظاہر ہیں جن میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ اکابرین امت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا تعلق دوسری قسم سے تھا۔ وہ حکیم تھے۔ ان میں اس طرح کا ذوق نہیں تھا جس طرح کا ذوق ابوطلحہؓ میں تھا۔ حضرت ابوطلحہؓ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ جذباتی اور بہت جوشیلے آدمی تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ جب آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ. آل عمران:۹۲ (تم خدا کی وفاداری کا درجہ ہرگز نہیں حاصل کر سکتے جب تک ان چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جن کو تم محبوب رکھتے ہو) نازل ہوئی تو ابوطلحہؓ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور اپنے قیمتی باغ کے بارے میں، جس کو آنحضرت ﷺ بھی پسند کرتے تھے، اس میں تشریف لے جاتے، اس کی کھجوریں کھاتے اور اس کا ٹھنڈا پانی پیتے تھے، اعلان کر دیا کہ میں اسے صدقہ کرتا ہوں کیونکہ مجھے اپنا یہ باغ بہت ہی محبوب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو بلکہ اس کو اپنے اقرباء میں بانٹ دو۔ معلوم ہوا کہ جوش و جذبہ تو پسندیدہ تھا لیکن حدود سے متجاوز تھا۔ اس لیے کہ اگر وہ باغ کو اپنے پاس رکھتے تو ان کے ورثاء کے کام آتا اور ہو سکتا ہے کہ ان ورثا میں ضرورت مند لوگ بھی رہے ہوں۔ قرآن مجید کا حکم بھی ہے کہ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ (قرابت داروں کو ان کا حق دو)

بہر حال کسی میں جوش اور جذبات کی فراوانی ہو تو اس کی دل شکنی کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، لیکن حدود سے تجاوز کرنے پر ایسی چیزیں خواہ مخواہ کو معبود بن جاتی ہیں اور ان کے فتنے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ لہٰذا پہلی قسم کے لوگوں کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے جذبات کو حدود کے اندر رکھیں۔ اصل چیز وہ تعلیم ہے جو آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو دی۔ اس سے بہرہ مند ہونا اور اس پر عمل کرنا پیش نظر ہونا چاہیے۔ اسی طرح حضورؐ کے اسوہ حسنہ کے اتباع کا جتنا بھی اہتمام ہو سکے قابل قدر ہے۔

امام صاحب نے جو باب باندھا تھا وہ اس پانی کے بارے میں تھا جس سے بال دھوئے جائیں یا جس میں کتے نے منہ ڈال دیا ہو۔ روایتوں میں اس طرح کا کوئی ذکر نہیں۔

۳۳. باب: اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي اِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا

باب: جب کتا کسی کے برتن میں سے پی لے تو وہ برتن کو سات مرتبہ دھولے

۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ اَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي اِنَاءِ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا. وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا اَبِي عَنْ يُونُسَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ اَبِيهِ قَالَ كَانَتِ الْكِلَابُ تَبُولُ وَ تُقْبِلُ وَ تُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ فِي زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذَالِكَ.

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں پی لے تو چاہیے کہ اس کو سات مرتبہ دھولے۔ حمزہ بن عبداللہ نے اپنے باپ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں آتے جاتے اور پیشاب کرتے لیکن اس کے اوپر کوئی چیز چھڑکی نہیں جاتی تھی۔﴾

وضاحت:

جہاں تک کتوں کا تعلق ہے تو فقہاء کا طرز عمل یہ ہے کہ ان کو طوافین اور طوافات یعنی گھروں کے اندر آمدورفت رکھنے والوں میں شمار کرتے ہیں اور یہ ہیں بھی اسی شمار میں۔ مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے۔ جس دور کا یہ قصہ ہے اس زمانے میں مسجد نبوی کی ہیئت تھی کیا؟ ایک معمولی سی دیوار پر کھجور کے پتوں کی چھت تھی۔ زمین پر کنکریاں بچھی ہوئی تھیں اور لوگ انہی پر نماز پڑھتے تھے۔ مسجد میں جانور گھس آتے۔ اس روایت کے مطابق کتے بھی آتے جاتے، پیشاب بھی کرتے لیکن اس پر پانی نہیں بہایا جاتا تھا۔ کبھی کوئی زیادہ نجس چیز ہوتی تو اس صورت میں اہتمام یہ تھا کہ پانی بہا دیا جاتا۔ مثلاً ایک بدو آیا اور مسجد میں اس نے پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے شور مچایا لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رو کو مت، اس کو پیشاب کر لینے دو۔ جب وہ فارغ ہو گیا تو آپ نے ایک ڈول پانی منگوایا اور بہا دیا۔

البتہ برتن میں اگر کوئی چیز ہو اور کتے نے اس میں منہ ڈال دیا ہو تب وہ فقہا کا ایک مسئلہ بنتا ہے۔ حدیث

میں برتن کو سات مرتبہ دھونے کی تاکید ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ برتن میں جو چیز ہے اس کو بھی بہا دیا جائے۔ فقہا کے نزدیک اگر چیز ایسی ہے جو بہائی جاسکتی ہے تو وہ بہادی جائے گی لیکن اگر وہ قیمتی چیز ہے یا بہائی نہیں جاسکتی تو اس کے متعلق فقہا کے الگ الگ احکام ہیں۔ مثلاً برتن میں جما ہوا گھی ہے تو اتنا حصہ جس کو کتے نے منہ لگایا ہو نکال دیا جائے گا اور باقی آپ استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر برتن میں پانی ہے اور کتے نے منہ اس میں ڈال دیا ہے تو ابن شہاب کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر وضو کے لیے پانی نہیں مل رہا ہے تو اس پانی سے وضو کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال برتن میں اگر ایسی چیز ہے جس کو بہایا جاسکتا ہے تو یہ کرنا چاہیے۔ کتے کتے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ اس کے منہ میں زہر بھی ہے اور ذوقی نجاست تو سب کے نزدیک ہے۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ برتن کو ایک مرتبہ مٹی سے مل کر دھونا چاہیے۔ اس طرح باقی سات مرتبہ پانی سے دھویا جائے گا۔

۳۸۔ **حَدَّثَنَا اِسْحٰق: اَخْبَرَنَا عَبْدُالصَّمَد: حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ: سَمِعْتُ اَبِي، عَنْ اَبِي صَالِحٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: اَنَّ رَجُلًا رَاٰى كَلْبًا يَاْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ، فَاَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهُ، فَجَعَلَ يَغْرِفُ لَهُ بِهِ حَتّٰى اَرْوَاهُ، فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَاَدْخَلَهُ الْجَنَّةَ.**

﴿حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ایک کتا دیکھا جو پیاس کے مارے گیلی مٹی چاٹ رہا تھا۔ اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس میں پانی بھر بھر کر اس کو پلانا شروع کیا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گیا۔ اللہ نے اس کے اس کام کی قدر کی اور اس کو جنت عطا فرمائی۔﴾

وضاحت:

اس حدیث کی تعلیم تو واضح ہے کہ آدمی کا دل اتنا حساس ہونا چاہیے کہ وہ دوسرے کی تکلیف سے متاثر ہو اور اس کی مدد کرے، یہاں تک کہ اگر کوئی جانور بھی تکلیف میں ہو تو اس سے اس کو بچانے میں اپنا کردار ادا کرے۔ چنانچہ ایک شخص نے جب کتے کو شدت کی گرمی میں پیاس کے باعث نم آلود مٹی کو چاٹتے دیکھا تو اس کے اندر رحم کا جذبہ ابھرا اور اس نے اپنے موزوں میں پانی بھر بھر کر کتے کی پیاس بجھائی۔

یہ بات یاد رکھیے کہ آدمی کے اندر جب کوئی نیکی ہوتی ہے تو وہ نیکیوں کا ایک کنبہ رکھتی ہے، وہ تنہا نہیں ہوتی۔ اس شخص کے اندر بھی رحم کا جذبہ موجود تھا تو وہ نہ جانے کن کن شکلوں میں شفقت، ترحم، مواسات اور غربا پروری کے کاموں میں نمودار ہوتا ہوگا۔ کتے کے اوپر ترس کھانے کے عمل نے اس شخص کے نیکیوں کے اعمالنامے کو بھاری کر دیا

اور اللہ نے اس کو جنت عطا فرمائی۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ عمل کی قبولیت کی کچھ شرائط بھی ہیں۔ مثلاً ایمان واخلاص کے بغیر کوئی عمل وزن نہیں رکھتا۔ لہٰذا اس طرح کی احادیث کو سمجھنے میں، کہ جن میں ایک چھوٹے سے عمل پر جنت کی خبر دی گئی ہو، یہ تمام مقدمات ذہن میں ہونے چاہئیں۔

۳۹۔ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ شَبِيبٍ: حَدَّثَنَا اَبِي، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ اَبِيهِ قَالَ: كَانَتِ الْكِلَابُ تَبُولُ، وَتُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِي الْمَسْجِدِ، فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَلَمْ يَكُونُوا يَرُشُّونَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ.

﴿حمزہ بن عبداللہ نے بیان کیا کہ انہوں نے اپنے باپ سے سنا۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں آتے جاتے اور پیشاب کر دیتے تھے تو لوگ وہاں اس سبب سے پانی نہیں چھڑکتے تھے۔﴾

۴۰۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ ابْنِ اَبِي السَّفَرِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ: سَاَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: اِذَا اَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ فَقَتَلَ فَكُلْ، وَاِذَا اَكَلَ فَلَا تَاْكُلْ، فَاِنَّمَا اَمْسَكَهُ عَلٰى نَفْسِهِ. قُلْتُ: اُرْسِلُ كَلْبِي فَاَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ؟ قَالَ: فَلَا تَاْكُلْ، فَاِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلٰى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلٰى كَلْبٍ آخَرَ.

﴿عدی بن حاتم فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے (کتے کے شکار کے بارے میں) پوچھا۔ آپ نے فرمایا جب تو اپنا سدھایا ہوا کتا چھوڑے، پھر وہ شکار مارے تو کھا لیا کر۔ اور جب اس جانور میں سے خود کھا لے تو اس کو نہ کھا کیونکہ اس نے اپنے لیے وہ جانور پکڑا۔ میں نے عرض کیا، کبھی میں اپنا کتا چھوڑتا ہوں، پھر وہاں اس کے ساتھ دوسرا کتا بھی پاتا ہوں، تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اس شکار کو مت کھا کیونکہ تو نے اپنے کتے پر بسم اللہ کہی نہ کہ دوسرے کتے پر۔﴾

وضاحت:

شکاری کتوں کے بارے میں قرآن مجید میں سورہ مائدہ میں حکم موجود ہے۔ جب کتے یا جانور کو شکار کی ٹریننگ دی جاتی ہے تو یہ چیز اس کو دوسرے کتوں یا جانوروں سے الگ کر دیتی ہے۔ اس وجہ سے ایک عام کتے کے

شکار اور ایک سدھائے ہوئے کتے کے شکار میں فرق ایک فطری امر ہے۔ بلکہ ایک مسلمان کے تربیت کردہ کتے اور ایک عیسائی کے تربیت کردہ کتے کے میلان اور سلیقہ میں بھی فرق ہو جائے گا۔ اپنے اس سلیقہ کی وجہ سے ایک مسلمان کے تربیت کردہ کتے کا شکار اس کے لیے اسی طرح طیب بن جاتا ہے جس طرح اس کے اپنے ہاتھ کا ذبیحہ۔ سورہ مائدہ کی آیت ۴ میں فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ جو آیا ہے، یعنی تو تم کھاؤ ان کے اس شکار میں سے جو وہ تمہارے لیے روک رکھیں اور ان پر اللہ کا نام لے لیا کرو، تو یہ روایت اس کی ٹھیک ٹھیک تاویل کرتی ہے۔

ان مذکورہ شرائط کے مطابق تربیت یافتہ کتے کا شکار جائز ہوگا۔ چونکہ آیت میں اختصاص کا مضمون پایا جاتا ہے اس لیے ان لوگوں کا مذہب زیادہ قوی ہے جو کہتے ہیں کہ شکاری جانور شکار میں سے کچھ کھالے تو وہ شکار جائز نہ ہوگا۔ روایت بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔ واذکروا اسم اللہ علیہ میں ضمیر مجرور کے مرجع سے متعلق سلف سے ایک قول یہ ہے کہ شکاری جانور کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کرو اور یہاں اس روایت میں یہی بات فرمائی گئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ کا نام تم نے اپنے کتے پر لیا تھا، دوسرے کتے پر نہیں، اس لیے ایسا شکار نہ کھاؤ جس میں یہ واضح نہ ہو کہ شکار کس کتے نے کیا ہے۔

۳۴. باب: مَنْ لَمْ يَرَ الْوُضُوءَ إِلَّا مِنَ الْمَخْرَجَيْنِ: مِنَ الْقُبُلِ وَالدُّبُرِ.

وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى: "أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ" (المائدہ: ۶)

وَقَالَ عَطَاءٌ – فِيمَنْ يَخْرُجُ مِنْ دُبُرِهِ الدُّودُ، أَوْ مِنْ ذَكَرِهِ نَحْوُ الْقَمْلَةِ – يُعِيدُ الْوُضُوءَ. وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ: إِذَا ضَحِكَ فِي الصَّلَاةِ أَعَادَ الصَّلَاةَ وَلَمْ يُعِدِ الْوُضُوءَ. وَقَالَ الْحَسَنُ: إِنْ أَخَذَ مِنْ شَعَرِهِ وَ أَظْفَارِهِ، أَوْ خَلَعَ خُفَّيْهِ فَلَا وُضُوءَ عَلَيْهِ. وَقَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ: لَا وُضُوءَ إِلَّا مِنْ حَدَثٍ.

وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ، فَرُمِيَ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَنَزَفَهُ الدَّمُ، فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَ مَضَى فِي صَلَاتِهِ. وَقَالَ الْحَسَنُ: مَا زَالَ الْمُسْلِمُونَ يُصَلُّونَ فِي جِرَاحَاتِهِمْ. وَقَالَ طَاوُسٌ، وَمُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ، وَعَطَاءٌ، وَ أَهْلُ الْحِجَازِ: لَيْسَ فِي الدَّمِ وُضُوءٌ. وَعَصَرَ ابْنُ عُمَرَ بَثْرَةً، فَخَرَجَ مِنْهَا الدَّمُ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ. وَبَزَقَ ابْنُ أَبِي أَوْفَى دَمًا فَمَضَى فِي صَلَاتِهِ. وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ، وَالْحَسَنُ فِيمَنْ يَحْتَجِمُ: لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا غَسْلُ مَحَاجِمِهِ.

باب: وضو صرف اس حدث سے لازم آتا ہے جو دونوں راہوں یعنی قبل یا دبر سے نکلے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کوئی تم میں سے جائے ضرورت سے آیا ہو"۔ اور عطاء نے کہا، جس کے دبر سے کیڑا یا عضو میں سے کوئی چیز جوں کی طرح کی نکلے تو وہ پھر وضو کرے۔ اور جابر بن عبداللہ نے کہا کہ اگر کوئی نماز میں ہنس دے تو وہ نماز دوبارہ پڑھے لیکن وضو دوبارہ نہ کرے۔ اور حسن نے کہا جس نے اپنے (سر کے) بال منڈوائے یا ناخن کترائے یا اپنے موزے اتار ڈالے تو اس پر (دوبارہ) وضو لازم نہیں۔ اور ابو ہریرہؓ نے کہا کہ وضو لازم نہیں ہوتا مگر حدث سے۔ اور جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ذات الرقاع کی لڑائی میں تھے کہ ایک شخص کو تیر لگا۔ اس میں سے بہت خون بہا لیکن اس نے رکوع اور سجدہ کیا اور نماز پڑھتا رہا۔ اور حسن نے کہا مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں کے باوجود نماز پڑھتے رہے۔ طاؤس، محمد بن علی، عطاء، اور حجاز کے اہل علم کا کہنا ہے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں جاتا۔ اور عبداللہ ابن عمرؓ نے پھنسی کو دبایا۔ اس میں سے خون نکلا لیکن آپ نے وضو نہیں کیا۔ اور ابن ابی اوفی نے خون تھوکا لیکن نماز پڑھتے رہے۔ اور ابن عمرؓ اور حسن نے کہا جو کوئی پچھنے لگائے تو صرف پچھنے کی جگہ دھو ڈالے۔

وضاحت:

عنوان باب میں نواقض وضو کے فقہی مسائل جمع کر دیے گئے ہیں۔ نبی ﷺ سے کوئی روایت نہیں ہے۔

۱۴۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِي صَلَاةٍ، مَا كَانَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ، مَالَمْ يُحْدِثْ. فَقَالَ رَجُلٌ "أَعْجَمِيٌّ": مَا الْحَدَثُ يَا أَبَاهُرَيْرَةَ؟ قَالَ الصَّوْتُ، يَعْنِي الضَّرْطَةَ.

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب تک مسجد میں نماز کے انتظار میں ہوتا ہے نماز ہی میں ہوتا ہے جب تک کہ وہ حدث کا مرتکب نہ ہو۔ ایک عجمی نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ حدث کیا ہے؟ آپ نے کہا کہ آواز کے ساتھ ریح کا اخراج۔﴾

وضاحت:

جس طرح سپاہی محاذ پر موجود اور ڈیوٹی کے لیے پوری طرح سے بیدار رہے تو وہ جہاد میں ہے بالکل اسی طرح سے آدمی مسجد میں نماز کے انتظار میں جب تک مسجد میں رہے گا نمازی ہی میں سمجھا جائے گا۔ یہ بڑا درجہ ہے۔ اس اصول کی روشنی میں یہ بات بھی اخذ کی جاسکتی ہے کہ نماز کے لیے تیاری بھی اسی حکم میں ہونی چاہیے۔

اس کے ساتھ ایک شرط یہ لگا دی ہے کہ جب تک نمازی کسی حدث کا مرتکب نہ ہو وہ نماز میں سمجھا جائے گا۔ ایک عجمی بدو کے سوال پر حضرت ابو ہریرہؓ سے حدث کی جو تشریح نقل ہوئی ہے وہ نا تمام ہے اور پوری طرح حدث کی وضاحت نہیں کرتی۔ روایت سے تو یہ نکلتا ہے کہ حدث کی کوئی بھی نوعیت ہو وہ مراد ہونی چاہیے اور یہ دونوں شکلوں میں ہوسکتی ہے۔ آواز کے ساتھ بھی اور بغیر آواز کے بھی، لیکن روایت میں صرف آواز کے ساتھ اخراج ریح مراد لیا گیا ہے۔

۴۲۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يَنْصَرِفُ حَتّٰى يَسْمَعَ صَوْتًا اَوْ يَجِدَ رِيْحًا

﴿عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز نہ چھوڑے جب تک (حدث کی) آواز نہ سنے یا بدبو نہ پائے۔﴾

۴۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ مُنْذِرٍ اَبِي يَعْلَى الثَّوْرِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ: كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً، فَاسْتَحْيَيْتُ اَنْ اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ بْنَ الْاَسْوَدِ فَسَاَلَهُ، فَقَالَ: فِيهِ الْوُضُوءُ

ورواه شعبه عن الاعمش.

﴿حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ میں وہ شخص تھا جس کی مذی بہت نکلتی تھی۔ میں رسول اللہ ﷺ سے اس کا مسئلہ پوچھنے سے شرماتا تھا۔ میں نے مقداد بن اسود سے کہا تم پوچھو، انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا اس میں وضو ہے۔ اس حدیث کو شعبہ نے بھی اعمش سے روایت کیا ہے۔﴾

۴۴۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ اَبِي سَلَمَةَ: اَنَّ عَطَاءَ بْنَ يَسَارٍ اَخْبَرَهُ: اَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ اَخْبَرَهُ: اَنَّهُ سَاَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قُلْتُ: اَرَاَيْتَ اِذَا جَامَعَ فَلَمْ يُمْنِ؟ قَالَ عُثْمَانُ: يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ، وَ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ. قَالَ

عُثْمَانَ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ. فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِکَ عَلِیًّا، وَالزُّبَیْرَ، وَطَلْحَةَ، وَاُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ، رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُم، فَاَمَرُوْهُ بِذٰلِکَ.

﴿زید ابن خالد کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص جماع کرے لیکن انزال نہ ہو (تو اس پر غسل ہے یا نہیں) انہوں نے کہا کہ وہ نماز کے وضو کی طرح وضو کر لے اور اپنا عضو دھو ڈالے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں نے یہ آنحضرت ﷺ سے سنا ہے۔ پھر میں نے یہ مسئلہ حضرت علیؓ، زبیرؓ، طلحہؓ اور ابن کعبؓ سے پوچھا انہوں نے بھی یہی حکم دیا۔﴾

۴۵۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ قَالَ: اَخْبَرَنَا النَّضْرُ قَالَ: اَخْبَرَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَکَمِ، عَنْ ذَکْوَانَ اَبِی صَالِحٍ، عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَرْسَلَ اِلٰی رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ، فَجَاءَ وَرَأْسُهُ یَقْطُرُ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لَعَلَّنَا اَعْجَلْنَاکَ. فَقَالَ: نَعَم، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا اُعْجِلْتَ اَوْ قُحِطْتَ فَعَلَیْکَ الْوُضُوْءُ.

تَابَعَهُ وَهْبٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ. قَالَ اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ: وَلَمْ یَقُلْ غُنْدَرٌ" وَیَحْیٰی عَنْ شُعْبَةَ: اَلْوُضُوْءُ.

﴿ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کو بلا بھیجا۔ وہ اس حالت میں حاضر ہوئے کہ ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا شاید ہم نے تجھ کو جلدی میں ڈال دیا۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو جلدی میں پڑ جائے یا تیری منی رک جائے (انزال نہ ہو) تو وضو کر لے۔ (یعنی غسل ضروری نہیں) اس حدیث کو وہب نے بھی شعبہ سے روایت کیا۔﴾

وضاحت:

ان تمام روایات میں نواقض وضو بیان ہوئے ہیں۔ مفہوم بالکل واضح ہے۔ تفصیلات کے لیے فقہ کی کتابیں دیکھنی چاہئیں۔ بعض ہدایات پیچھے گزر چکی ہیں۔

۳۵. باب: الرَّجُلِ يُوَضِّئُ صَاحِبَهُ

باب: اس شخص کے بارے میں جو اپنے ساتھی کو وضو کرائے

۴۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُوسَى ابْنِ عُقْبَةَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: لَمَّا أَفَاضَ مِنْ عَرَفَةَ، عَدَلَ إِلَى الشِّعْبِ، فَقَضَى حَاجَتَهُ. قَالَ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ: فَجَعَلْتُ أَصُبُّ عَلَيْهِ وَيَتَوَضَّأُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَتُصَلِّي؟ فَقَالَ: الْمُصَلَّى أَمَامَكَ

﴿اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب عرفات سے لوٹے تو گھاٹی کی طرف مڑ گئے۔ وہاں حاجت سے فارغ ہوئے۔ اسامہ کہتے ہیں کہ میں آپ پر پانی ڈالتا جاتا تھا اور آپ وضو کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ نماز پڑھیں گے۔ آپ نے فرمایا نماز آگے پڑھیں گے۔﴾

۴۷۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيَى بْنَ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: أَنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ سَمِعَ عُرْوَةَ بْنَ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ يُحَدِّثُ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ: أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ، وَ أَنَّهُ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ لَهُ، وَ أَنَّ مُغِيرَةَ جَعَلَ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَيْهِ يَتَوَضَّأُ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

﴿مغیرہ بن شعبہ روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ آپ ضرورت کے لیے گئے (جب آپ فارغ ہو کر آئے تو) مغیرہؓ آپ کے اوپر پانی بہاتے تھے اور آپ وضو فرماتے تھے۔ آپ نے منہ دھویا، ہاتھ دھوئے، سر کا مسح کیا اور خفین کے اوپر مسح کیا۔﴾

وضاحت:

حدیث عام فہم ہے۔ خف چمڑے کے موزوں کو کہتے ہیں جو بالعموم سفر کے دوران پہنے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اگر موزے پہنے ہوئے ہوں تو ان کو اتار کر پاؤں دھونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ ان پر مسح کر لینے سے وضو مکمل ہو جاتا ہے، بشرطیکہ موزوں کے اندر پاؤں بحالت وضو داخل کیے گئے ہوں۔

٣٦. باب: قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ بَعْدَ الْحَدَثِ وَغَيْرِهِ

وَقَالَ مَنْصُورٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ: لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ، وَيَكْتُبِ الرِّسَالَةَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ. وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ: إِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ إِزَارٌ فَسَلِّمْ، وَإِلَّا تُسَلِّمْ.

باب: حدث وغیرہ کے بعد قرآن پڑھنا

ابراہیم کا قول ہے کہ حمام میں قرآن پڑھنے اور بغیر وضو کے خط لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ابراہیم کا یہ قول بھی ہے کہ اگر لوگوں نے تہمد لی ہوئی ہو تو ان کو سلام کردو، ورنہ نہیں۔

۱۸۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ عَبْدَاللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ بَاتَ لَيْلَةً عِنْدَ مَيْمُونَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، وَهِيَ خَالَتُهُ، فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا، فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ، أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ، اسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ، فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ، ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ، فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي، وَأَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى يَفْتِلُهَا، فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ، فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ.

﴿ عبداللہ ابن عباسؓ نے خبر دی کہ ایک رات وہ نبی ﷺ کی زوجہ حضرت میمونہؓ کے پاس سوئے۔ وہ ان کی خالہ تھیں۔ کہتے ہیں کہ میں بستر کے عرض میں لیٹا اور رسول اللہ اور حضرت میمونہؓ اس کے طول میں۔ رسول اللہ سو گئے۔ جب نصف رات ہوئی یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد، تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے۔ آپ کچھ دیر تک نیند کو اپنے چہرے سے پونچھتے رہے۔ پھر آپ نے سورہ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں۔ پھر آپ ایک لٹکے ہوئے مشکیزے کی طرف گئے اور اس سے نہایت اچھی طرح وضو

کیا۔ پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں بھی اٹھا اور وہی کچھ کیا جو آپ نے کیا تھا۔ پھر میں چلا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ آپ نے داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے داہنے کان کو پکڑ کر اس کو بٹنے لگے۔ پھر آپ نے دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت پڑھیں اور اس کو طاق کیا۔ پھر آپ لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن آپ کے پاس آیا۔ اس وقت آپ کھڑے ہوئے اور ہلکی سی دو رکعتیں پڑھیں، پھر باہر نکلے اور صبح کی نماز پڑھائی۔

وضاحت:

یہ روایت اس اعتبار سے قابل غور ہے کہ انہی حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت گزر چکی ہے (دیکھیے کتاب العلم، باب السمر بالعلم) جس میں انہوں نے نہایت وضاحت کے ساتھ حضرت میمونہؓ کے ہاں جانے اور سو کر اٹھنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس وقت تہجد کی پانچ رکعتیں پڑھی تھیں۔ یہاں کل تیرہ رکعتیں بنتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ وہی واقعہ ہے یا کوئی دوسرا؟ میرے نزدیک یہ ماننے بغیر چارہ نہیں ہے کہ یہ دوسرا موقع ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی نماز دیکھنے کا حضرت ابن عباسؓ بہت شوق رکھتے تھے اور حضرت میمونہؓ کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ پچھلی روایت میں یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت لیٹ گئے تو خراٹے لینے لگے۔ یہاں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس سے اس بات کو مزید تقویت ملتی ہے کہ یہ الگ الگ مواقع کی روایتیں ہیں۔

تہجد کی رکعتیں متعین نہیں ہیں۔ وقت اور حالات، طبیعت کے نشاط اور ضرورت کے تقاضے ان سب چیزوں کا اس میں لحاظ ہے۔ بعض اوقات آدمی کو کم وقت ملتا ہے اور بعض اوقات زیادہ۔ کبھی طبیعت حاضر نہیں ہوتی تو چار رکعت ہی کافی معلوم ہوتی ہیں۔ اس لیے تہجد کی رکعات سے متعلق جتنی روایات ہیں، اگر ان میں کوئی سقم نہیں ہے تو وہ سب ٹھیک ہیں۔ ''اوتر'' یعنی آخری دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملا کر ان کو طاق کیا۔ تنہا ایک رکعت کے لیے یہ لفظ نہیں آتا۔ پہلے کچھ پڑھا جائے گا تو اس کی تعداد کو طاق کیا جائے گا۔ ہلکی نماز سے فجر کی دو سنت مراد ہیں۔

۳۷. باب: مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ إِلَّا مِنَ الْغَشْيِ الْمُثْقِلِ

باب: جو شخص بھاری غشی کے سوا وضو نہیں کرتا

۱۷۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنِ امْرَأَتِهِ فَاطِمَةَ، عَنْ جَدَّتِهَا أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ أَنَّهَا قَالَتْ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ، فَإِذَا النَّاسُ قِيَامٌ يُصَلُّونَ، وَ إِذَا هِيَ قَائِمَةٌ تُصَلِّي، فَقُلْتُ: مَا لِلنَّاسِ؟ فَأَشَارَتْ

بِيَدِهَا نَحْوَ السَّمَاءِ، وَقَالَتْ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، فَقُلْتُ: آيَةٌ ؟ فَأَشَارَتْ: أَيْ نَعَمْ، فَقُمْتُ حَتّٰى تَجَلَّانِي الْغَشْيُ، وَجَعَلْتُ أَصُبُّ فَوْقَ رَأْسِي مَاءً ، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَمِدَ اللّٰهَ وَ أَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلَّا قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هٰذَا، حَتّٰى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ، وَلَقَدْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ مِثْلَ - أَوْ قَرِيْبًا مِنْ - فِتْنَةِ الدَّجَّالِ - لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ - يُؤْتٰى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ: مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ أَوِ الْمُوْقِنُ - لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ - فَيَقُوْلُ: هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى، فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا، فَيُقَالُ: نَمْ صَالِحًا، فَقَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا، وَ أَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ - لَا أَدْرِي أَيَّ ذٰلِكَ قَالَتْ أَسْمَاءُ - فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِي، سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ

﴿اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہؓ کے پاس اس وقت آئی جب سورج گرہن لگا ہوا تھا۔ دیکھا کہ لوگ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ بھی کھڑی نماز پڑھ رہی ہیں۔ میں نے پوچھا کہ لوگوں کا کیا معاملہ ہے تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ آسمان کی طرف کیا اور زبان سے کہا سبحان اللہ۔ میں نے کہا کہ کیا کوئی نشانی ظاہر ہوئی ہے تو انہوں نے اشارہ سے کہا کہ ہاں۔ پھر میں بھی نماز میں کھڑی ہوگئی یہاں تک کہ مجھے غشی آنے لگی اور میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ پھر جب رسول اللہ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے (خطبہ میں) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی پھر فرمایا کہ کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کو میں نے پہلے نہ دیکھ رکھا تھا کہ اس مقام میں نہ دیکھ لیا ہو یہاں تک کہ جنت اور دوزخ کا بھی میں نے یہاں سے مشاہدہ کیا۔ اور میرے اوپر یہ وحی ہوئی ہے کہ تم لوگ قبروں میں ایسے امتحان میں آزمائے جاؤ گے جو دجال کے فتنہ کے مانند یا اس سے قریب قریب ہوگا۔ راوی کو اس میں شک ہے کہ اسماءؓ نے ان میں سے کیا کہا۔ تم میں سے ہر ایک کے پاس (ایک فرشتہ) آئے گا جو یہ پوچھے گا کہ تمہارے پاس اس شخص کے بارے میں کیا علم ہے۔ تو جو مومن یا یقین کرنے والا ہوگا، راوی کو شبہ ہے کہ اسماء نے ان میں سے کیا کہا، تو وہ کہے گا کہ محمد، اللہ کے رسول ہیں۔ ہمارے پاس کئی نشانیاں اور ہدایت لے کر آئے تو ہم نے قبول کیا، ایمان لائے اور پیروی کی۔ تو اس شخص سے کہا جائے گا کہ آرام

سے سوتے رہو۔ ہم جانتے رہے ہیں کہ تم مومن ہو۔ اور جو آدمی منافق یا شکی ہوگا، راوی کو شبہ ہے کہ اسماءؓ نے کون سا لفظ کہا تو وہ کہے گا کہ میں خود کچھ نہیں جانتا، لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا تو میں نے بھی وہی کہہ دیا۔ ﴾

وضاحت:

یہ روایت کتاب العلم باب ۲۴ میں گزر چکی ہے۔ اس کی وضاحت وہاں دیکھی جائے۔

یہاں امام صاحب اس روایت کو غشی کے بعد وضو کرنے یا نہ کرنے کے مسئلہ میں لائے ہیں۔ باب کا مفہوم یہ ہے کہ غشی ایسی بھاری ہو کہ بے ہوش کر دے تب دوبارہ وضو کرنا ہوگا، یعنی وہ غشی وضو کے لیے ناقض نہ ہوگی جو ہلکی سی ہو۔ روایت میں حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ مجھ پر غشی طاری ہونے لگی تو میں سر پر پانی ڈالنے لگی یعنی انہوں نے دوبارہ وضو نہیں کیا اور نماز ٹھیک ہوگئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس روایت کے مطابق حضرت اسماءؓ کو غشی طاری ہونے کا اندیشہ ہوا، غشی طاری نہیں ہوئی۔ یہ وہ صورت ہے جب آدمی کھڑا کھڑا چکر کھا جاتا ہے تو اس طرح کی کسی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۳۸. باب: مَسْحِ الرَّأْسِ كُلِّهِ

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: "وَامْسَحُوا بِرُؤُسِكُمْ" (المائدہ: ٦)

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيِّبِ: اَلْمَرْأَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ، تَمْسَحُ عَلٰى رَأْسِهَا. وَسُئِلَ مَالِكٌ: أَيُجْزِئُ أَنْ يَمْسَحَ بَعْضَ الرَّأْسِ؟ فَاحْتَجَّ بِحَدِيْثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ.

باب: سارے سر پر مسح کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور اپنے سروں پر مسح کرو"۔ ابن المسیب کا قول ہے کہ عورت بھی مرد کی طرح پورے سر کا مسح کرے۔ امام مالک سے پوچھا گیا کہ کیا سر کے کچھ حصہ کا مسح کافی ہو جائے گا تو انہوں نے عبداللہ بن زید کی حدیث سے حجت پکڑی۔

۵۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيْهِ: أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ، وَهُوَ جَدُّ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى: أَتَسْتَطِيْعُ أَنْ تُرِيَنِي كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَوَضَّأُ؟ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ: نَعَمْ، فَدَعَا بِمَاءٍ، فَأَفْرَغَ عَلٰى يَدَيْهِ فَغَسَلَ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ

اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ بِيَدَيْهِ، فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ، بَدَأَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ حَتَّى ذَهَبَ بِهِمَا اِلَى قَفَاهُ، ثُمَّ رَدَّهُمَا اِلَى الْمَكَانِ الَّذِي بَدَأَ مِنْهُ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ.

﴿ایک شخص نے عبداللہ بن زید سے، جو عمرو بن یحییٰ کے دادا تھے، پوچھا کہ کیا آپ مجھے بتلا سکتے ہیں کہ رسول اللہ کس طرح وضو کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن زید نے کہا، ہاں۔ انہوں نے پانی منگوایا تو اپنے دونوں ہاتھوں پر انڈیلا، پھر ہاتھ دھوئے دو مرتبہ، پھر کلی کی اور ناک صاف کی تین بار۔ پھر منہ دھویا تین بار۔ پھر انہوں نے دونوں ہاتھ دھوئے کہنیوں تک دو دو بار، اس کے بعد سر کا مسح دونوں ہاتھوں سے کیا۔ ہاتھوں کو آگے سے لے گئے اور پیچھے سے لائے۔ پہلے سر کے اگلے حصہ سے شروع کیا اور اس کے پچھلے حصہ تک لے گئے، پھر جہاں سے شروع کیا تھا وہاں تک ہاتھوں کو لے آئے۔ پھر دونوں پاؤں دھوئے۔﴾

وضاحت:

وضو کے لیے اعضاء کے دھونے کی تعداد کے بارے میں وضاحت اوپر گزر چکی ہے۔ نیز فرائض وضو اور آداب وضو پر بھی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ قرآن مجید کی آیت وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ میں "ب" احاطہ کا مفہوم دیتی ہے۔ اس آیت کی رو سے پورے سر کا مسح کرنا ہوگا۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو روایت میں بیان ہوا ہے۔ لیکن سر پر اگر عمامہ یا ٹوپی ہو تو فقہا کی رائے میں ربع سر کا یا کچھ حصے کا مسح کر سکتے ہیں۔

۳۹. باب: غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

باب: پاؤں کا دھونا ٹخنوں تک

۵۱۔ حَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيهِ: شَهِدْتُ عَمْرَو بْنَ أَبِي حَسَنٍ: سَأَلَ عَبْدَاللهِ بْنَ زَيْدٍ، عَنْ وُضُوءِ النَّبِيِّ ﷺ، فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ، فَتَوَضَّأَ لَهُمْ وُضُوءَ النَّبِيِّ ﷺ فَأَكْفَأَ عَلَى يَدِهِ مِنَ التَّوْرِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي التَّوْرِ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ، ثَلَاثَ غَرَفَاتٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَمَسَحَ رَأْسَهُ، فَأَقْبَلَ بِهِمَا وَأَدْبَرَ مَرَّةً وَاحِدَةً، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ.

﴿ عمرو بن حسن نے عبداللہ بن زید سے آنحضرت ﷺ کے وضو کے بابت سوال کیا تو انہوں نے پانی کا ایک طشت منگوایا اور ان کو نبی ﷺ کا سا وضو کر کے بتلایا۔ انہوں نے پہلے اپنے ہاتھ پر طشت سے پانی انڈیلا اور دونوں ہاتھ تین بار دھوئے۔ پھر اپنا ہاتھ طشت میں داخل کیا اور کلی کی، ناک میں پانی ڈالا اور ناک جھاڑی تین چلو پانی لے کر۔ پھر اپنا ہاتھ داخل کیا اور اپنا چہرہ دھویا تین بار، پھر اپنا ہاتھ داخل کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کی کہنیوں تک دھویا دو بار۔ پھر اپنا ہاتھ داخل کیا اور سر کا مسح کیا۔ ایک ہی لپیٹ میں آگے سے ہاتھوں کو لے گئے اور پیچھے سے لے آئے۔ پھر دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ ﴾

وضاحت:

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے وضو سے متعلق روایتیں مختلف لوگوں سے مختلف طور پر بیان ہوئی ہیں۔ ان میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ جس کا جو مشاہدہ تھا اس نے بیان کر دیا۔ ان تمام طریقوں سے وضو ہو سکتا ہے۔ خواہ مخواہ کسی ایک چیز پر جم کر دوسروں سے لڑائی نہیں کرنی چاہیے۔

اس راوی کی روایت کی بڑی اہمیت ہوتی ہے جو اپنے مشاہدے کو اہتمام کر کے بیان کرتا ہے۔ اعضاء کا دھونا ایک مرتبہ کا ہو یا دو کا یا تین کا وہ اپنا مشاہدہ بیان کرے گا۔ اس لیے ان تمام روایات میں جو فرق ہے اس کی کچھ اہمیت نہیں ہے۔ بس اس مشترک چیز کو یاد رکھیے جو سب کو کرنی ہے۔

مرفقین اور کعبین (کہنیوں اور ٹخنوں) کے متعلق یہ بات کہ ان کو دھونے میں داخل کریں گے یا خارج، بالکل غیر ضروری بحث ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ جتنا وقت آپ اس جھگڑے میں صرف کریں گے اس سے بہت کم وقت میں آپ ان اعضاء کو دھو سکتے ہیں۔ ان کے دھونے میں کچھ وقت زیادہ لگتا ہے نہ پانی۔

۴۰. باب: اسْتِعْمَالِ فَضْلِ وَضُوءِ النَّاسِ

وَأَمَرَ جَرِيرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ أَهْلَهُ أَنْ يَتَوَضَّؤُوا بِفَضْلِ سِوَاكِهِ.

باب: لوگوں کے وضو سے جو پانی بچ رہے اس کو کام میں لانا

اور جریر بن عبداللہ نے اپنے گھر کے لوگوں سے کہا کہ مسواک کرنے سے جو پانی بچ رہا اس سے وضو کریں

۵۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا جُحَيْفَةَ يَقُولُ: خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالْهَاجِرَةِ، فَأُتِيَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَأْخُذُونَ مِنْ

فَضْلِ وَضُوئِهِ فَيَتَمَسَّحُونَ بِهِ، فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَ بَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ".

وَقَالَ أَبُو مُوسَى: دَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ، وَمَجَّ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُمَا: اشْرَبَا مِنْهُ، وَ أَفْرِغَا عَلَى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا

﴿ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک روز دوپہر میں نکلے تو آپ کے لیے وضو کا پانی لایا گیا۔ آپ نے وضو کیا تو لوگ آپ کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لینے اور اپنے ہاتھوں پر ملنے لگے۔ آپ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اور عصر کی بھی دو ہی رکعتیں۔ آپ کے سامنے ایک نیزہ گاڑ دیا گیا تھا۔ ابوموسیٰ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے پانی کا پیالہ منگوایا۔ اس میں اپنا منہ اور ہاتھ دھوئے اور اس میں کلی کی۔ پھر دونوں سے کہا کہ پیو اس کو اور اپنے چہروں پر ڈالو اور سینوں پر ملو۔﴾

۵۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللهِ قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ قَالَ: وَهُوَ الَّذِي مَجَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي وَجْهِهِ وَهُوَ غُلَامٌ مِنْ بِئْرِهِمْ. وَقَالَ عُرْوَةُ، عَنِ الْمِسْوَرِ وَغَيْرِهِ، يُصَدِّقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهُ: وَإِذَا تَوَضَّأَ النَّبِيُّ ﷺ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ.

﴿ابن شہاب کہتے ہیں کہ ان سے محمود بن ربیع نے بیان کیا اور یہ محمود وہی ہیں جن کے چہرہ پر نبی ﷺ نے انہی کے کنویں کے پانی سے کلی کر دی تھی جب وہ لڑکے تھے۔ اور عروۃ نے مسور بن مخرمہ اور دوسروں سے روایت کی، ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی تصدیق کرتا ہے کہ جب نبی ﷺ وضو کرتے تو لوگ آپ کے بچے ہوئے پانی کے لیے ایک دوسرے پر گویا ٹوٹ پڑتے۔﴾

وضاحت:

عنوان باب میں جریر ابن عبداللہ نے اپنے گھر والوں سے یہ جو کہا کہ استعمال کے بعد جو پانی اس میں بچ رہا ہے تم اس سے وضو کر لو تو معلوم ہوا کہ یہ جائز ہے۔ جو لوگ اس پانی کو مستعمل قرار دے کر نجس کہتے ہیں ان کا مذہب ٹھیک نہیں ہے۔

یہ ظاہر ہے آنحضرت ﷺ کے وضو کے پانی کو جو لوگ مستعمل کہہ کر نجس قرار دیتے ہیں وہ فضول بات

کرتے ہیں۔ وضو کا پانی اس معنی میں مستعمل ہے کہ یہ پینے کے لیے نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو پیش کریں۔ یہ کسی کپڑے وغیرہ پر گر جائے تو کپڑا نجس نہیں ہو جائے گا۔

پہلی روایت کی یہ بات کہ لوگوں نے وضو سے باقی پانی جو بچا تھا اس کو استعمال کیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ لیکن اس کے آخر میں ابوموسیٰ کا ایک قول نقل ہے کہ نبی ﷺ نے ایک پیالہ پانی کا منگوایا اور اس میں ہاتھ منہ دھوئے، کلی کی اور کہا کہ تم دونوں اسے پی لو تو یہ زیر بحث روایت کا حصہ نہیں بلکہ روایت پر ایک اضافہ ہے۔

نبی ﷺ نے اگر کسی بچے کے منہ پر کلی کر دی تو اول تو یہ کہ آپ کا لعاب، واقعہ یہ ہے کہ، موجب برکت ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ نے پیار میں ایسا کیا۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ یہ کوئی ناپاک پانی نہیں تھا۔ رہا روایت کا آخری حصہ کہ لوگ وضو کے پانی پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے تھے تو میرے نزدیک یہ ابن شہاب کا اضافہ ہے جس کو قابل قبول بنانے کے لیے وہ کہتے ہیں کہ فلاں اور فلاں اس کی تصدیق کرتے تھے۔ ابن شہاب نے یہ اضافہ صرف یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ مسلمانوں کی عقیدت آنحضرت ﷺ کے ساتھ بالکل اندھے بہرے لوگوں کی عقیدت تھی۔ یہ بات اگر کہہ سکتے ہیں تو عام سادہ لوگ کہہ سکتے ہیں۔ یہ چیز اپنے حدود کے اندر رہے تو، جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، یہ کوئی گناہ نہیں لیکن اگر یہ فتنہ بن جائے تو اس میں شرک کے بڑے بڑے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی روایت میں آپ یہ بات نہیں پائیں گے کہ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ نے بھی ایسا کیا ہو۔

۵۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنِ الْجَعْدِ قَالَ: سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ: ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ، فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ، فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ، ثُمَّ قُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ، فَنَظَرْتُ إِلَى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ.

﴿سائب بن یزید سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میری خالہ مجھے نبی ﷺ کی خدمت میں لے گئیں اور کہا یا رسول اللہ میرا یہ بھانجا بیمار ہے، تو آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی۔ پھر آپ نے وضو کیا تو میں نے آپ کے بچے ہوئے پانی کو پیا۔ پھر میں آپ کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان نبوت کی مہر دیکھی جو چھوٹی چڑیا کے انڈے کی طرح تھی۔﴾

وضاحت:

یہ روایت ایک ایسے صاحبزادے کی زبان سے ہے جن کو ان کی خالہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لے

گئیں تو آپ نے ان کے لیے برکت کی دعا کی اور آنحضرت نے وضو کیا تو انہوں نے اس میں سے پانی پیا۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں۔ یہ چھوٹے بچے تھے پانی مل گیا تو پی لیا۔ البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ سے بچے میں بھی اتنا حسن ظن تھا کہ آپ کے بچائے ہوئے پانی کو اس نے برکت کی چیز سمجھا۔

اس کے علاوہ وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان نبوت کی مہر دیکھی جو چھوٹی چڑیا کے انڈے کے برابر تھی۔ ایک کم عمر بچے کی زبان سے یہ بیان محل نظر ہے۔ کیا آنحضرت نے نماز میں جسم کا اوپر کا حصہ کھلا رکھا ہوا تھا۔ اگر ایسا ہوا ہو تو سائبؓ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں وہ مہر نبوت ہے۔ ایک بچے کا خیال اس طرف نہیں جا سکتا۔ ہاں ان کے منہ میں یہ بات ڈالی جا سکتی ہے۔ رہ گیا یہ سوال کہ اللہ تعالی نے کیا واقعی کوئی مہر لگا کر آنحضرت ﷺ کو بھیجا تھا تو اگر اس طرح کی کوئی مہر واقعی تھی تو جس طرح فرعون کے نشانی طلب کرنے پر موسیٰ علیہ السلام نے اس کو عصا دکھایا، اسی طرح کفار قریش کے اس سوال پر کہ ہم کیسے جانیں کہ تم اللہ کی طرف سے فرستادہ ہو، آنحضرت مہر نبوت دکھاتے۔ لیکن آپؐ نے کسی موقع پر ایسی کوئی چیز اپنی نبوت کی دلیل کے طور پر پیش نہیں کی۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جن حجتوں کے ساتھ تشریف لائے تھے وہ عقلی، اخلاقی، علمی اور دینی طریقہ کی تھیں۔ اگر مہر نبوت کی جسمانی نشانی کے ساتھ آپ آئے ہوتے تو سب سے زیادہ آپ اسی شہادت کو پیش کرتے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے جب بھی آنحضرت ﷺ سے معجزات اور نشانیاں مانگیں، ان کو آسمان اور زمین میں اللہ تعالی کی نشانوں کی طرف متوجہ کیا گیا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ پیغمبر کے شانوں کے درمیان مہر نبوت دیکھ لو۔ میرے نزدیک مہر نبوت کا تصور اصول نبوت اور دین کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کسی طرح یہ بات رائج کر دی گئی اور یہ بعض لوگوں میں پھیل گئی۔

۴۱. باب: مَنْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ

باب: جو شخص ایک ہی چلو سے کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے

۵۵۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ: أَنَّهُ أَفْرَغَ مِنَ الْإِنَاءِ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا، ثُمَّ غَسَلَ – أَوْ مَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ – مِنْ كَفٍّ وَاحِدَةٍ، فَفَعَلَ ذٰلِكَ ثَلَاثًا، فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، مَا أَقْبَلَ وَمَا أَدْبَرَ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ قَالَ:

هكذا وُضوءُ رَسُولِ اللهِ ﷺ.

﴿ عمرو بن یحییٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن زید کو دیکھا کہ پہلے برتن سے اپنے دونوں ہاتھوں پر پانی ڈال کر ان کو دھویا۔ پھر دھویا یوں کہا کہ کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا ایک ہی چلو سے۔ تین بار ایسا کیا، پھر دونوں ہاتھوں کو دونوں کہنیوں تک دو دو بار دھویا اور سر پر مسح کیا۔ آگے اور پیچھے دونوں طرف سے۔ اور دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ پھر کہا کہ آنحضرت ﷺ اس طرح سے وضو کیا کرتے تھے۔ ﴾

وضاحت:

امام صاحب اس باب سے جو بات نمایاں کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک شخص اگر ایک ہی چلو سے کلی اور ناک میں پانی ڈالنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

۴۲۔ باب: مَسْحِ الرَّأْسِ مَرَّةً

باب: سر کا مسح ایک بار کرنا

۵۲۔ حَدَّثَنَا سُلَيمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُوبْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: شَهِدْتُ عَمْرَوبْنَ أَبِي حَسَنٍ، سَأَلَ عَبْدَاللهِ بْنَ زَيْدٍ عَنْ وُضُوءِ النَّبِيِّ ﷺ: فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ لَهُمْ، فَكَفَأَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْشَقَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلاثًا، بِثَلاثِ غَرَفَاتٍ مِنْ مَاءٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلاثًا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَمَسَحَ بِرَأْسِهِ، فَأَقْبَلَ بِيَدَيْهِ وَ أَدْبَرَ بِهِمَا، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ فَغَسَلَ رِجْلَيْهِ.

وَحَدَّثَنَا مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ قَالَ: مَسَحَ رَأْسَهُ مَرَّةً.

﴿ عبداللہ بن زید سے آنحضرت ﷺ کے وضو کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے پانی کا ایک طشت منگوایا اور لوگوں کے سامنے وضو کیا۔ پہلے انہوں نے طشت کو جھکایا اور دونوں ہاتھوں کو دھویا تین

بار۔ پھر برتن میں ہاتھ ڈالا اور تین چلوؤں سے تین بار کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔ پھر برتن میں ہاتھ ڈالا اور پانی لے کر تین بار اپنا منہ دھویا۔ پھر برتن میں ہاتھ ڈالا اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو بار دھویا۔ پھر برتن میں ہاتھ ڈالا اور سر پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے مسح کیا۔ پھر برتن میں ہاتھ ڈالا اور اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔ یہی روایت وہیب نے موسیٰ سے بیان کی۔ اس میں یوں ہے کہ سر پر ایک بار مسح کیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اوپر باب ۳۹ میں گزر چکی ہے۔

۴۳. باب: وُضُوءِ الرَّجُلِ مَعَ امْرَأَتِهِ، وَفَضْلِ وَضُوءِ الْمَرْأَةِ. وَتَوَضَّأَ عُمَرُ بِالْحَمِيمِ، وَمِنْ بَيْتِ نَصْرَانِيَّةٍ.

باب: مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ مل کر وضو کرنا اور عورت کے وضو سے جو پانی بچ رہے اس کا استعمال کرنا۔ اور حضرت عمر نے گرم پانی سے وضو کیا جو ایک نصرانی عورت کے گھر سے لیا

۵۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ يَتَوَضَّؤُونَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ جَمِيعًا.

﴿عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتیں اور مرد دونوں مل کر وضو کرتے تھے۔﴾

وضاحت:

اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ مسجد میں عورتیں جو نماز کے لیے اکٹھی ہو جاتی تھیں وہیں وضو بھی کرتی تھیں۔ حقیقت یوں ہے کہ گھروں میں میاں بیوی ایک برتن سے وضو کر لیتے تھے۔ اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ وضو کا فاضل پانی نجس اور ناپاک نہیں ہوتا اور ایک طشت سے میاں بیوی دونوں وضو کر سکتے ہیں۔

۴۴۔ باب: صَبِّ النَّبِيِّ ﷺ وَضُوءَهُ عَلَى الْمُغْمَى عَلَيْهِ.

باب: نبی ﷺ کا وضوء سے بچا ہوا پانی بے ہوش پر ڈالنا

۵۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ: جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَعُودُنِي، وَأَنَا مَرِيضٌ ''لَا أَعْقِلُ، فَتَوَضَّأَ وَصَبَّ عَلَيَّ مِنْ وَضُوئِهِ، فَعَقَلْتُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ لِمَنِ الْمِيرَاثُ؟ إِنَّمَا يَرِثُنِي كَلَالَةٌ''، فَنَزَلَتْ آيَةُ الْفَرَائِضِ.

﴿جابرؓ کہتے ہیں کہ میں بیمار تھا اور رسول اللہ ﷺ میری عیادت کو تشریف لائے۔ میں کچھ سمجھ بوجھ نہیں رہا تھا۔ آپ نے وضو کیا۔ پھر وضو کا بچا ہوا پانی میرے اوپر چھینٹ دیا تو میں ہوش میں آ گیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ میری میراث کس کو جائے گی۔ میں تو کوئی وارث نہیں چھوڑ رہا ہوں۔ تو آیت میراث نازل ہوئی۔﴾

وضاحت:

نبی ﷺ کی ہر چیز میں خیر و برکت تھی۔ آپ نے دعا فرمائی اور وضو کے پانی کے چھینٹے دیے تو جابر رضی اللہ عنہ ہوش میں آ گئے۔ آنحضرت کا ہاتھ پھیرنا، اپنا لعاب دہن ملانا اور وضو کا فاضل پانی پلانا برکت کا باعث تھا۔ یوں بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ مریض ایسی چیزوں سے نفسیاتی طور پر بہت متاثر ہوتا ہے۔ بے شمار ایسی تکالیف ہوتی ہیں جن کا علاج کسی دوا کا زہریلا گھونٹ پیے بغیر نفسیاتی طور پر کیا جا سکتا ہے اور لوگ یہی طریقہ استعمال کرتے ہیں۔

روایات میں جب یہ بات آتی ہے کہ یوں ہوا تو فلاں آیت اتری، اس کو ظاہر پر محمول کیجئے تو بہت مشکلیں پیدا ہوتی ہیں اس لیے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ آیت کے نزول میں اور واقعہ میں بعد ہے۔ اس طرز بیان کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس بات کی توضیح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا فلاں کلام نازل فرمایا۔ یا اس طرح کے حالات تھے جو داعی ہوئے کہ یہ حکم نازل ہو۔ یہ ضروری نہیں ہوتا کہ بعینہٖ وہی واقعہ اس کے نزول کا سبب ہوا ہو۔

۴۵۔ باب: الْغُسْلِ وَالْوُضُوءِ فِي الْمِخْضَبِ وَالْقَدَحِ وَالْخَشَبِ وَالْحِجَارَةِ.

باب: غسل اور وضو کسی بڑے لگن یا پیالے میں سے کرنا، وہ لکڑی کا ہو یا پتھر کا

۵۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللَّهِ بْنُ مُنِيرٍ، سَمِعَ عَبْدَاللَّهِ بْنَ بَكْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ''، عَنْ أَنَسٍ قَالَ:

حَضَرَتِ الصَّلَاةُ ، فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيبَ الدَّارِ إِلَى أَهْلِهِ، وَبَقِيَ قَوْمٌ"، فَأُتِيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمِخْضَبٍ مِنْ حِجَارَةٍ فِيهِ مَاءٌ"، فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ أَنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ، فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ، قُلْنَا كَمْ كُنْتُمْ؟ قَالَ: ثَمَانِينَ وَزِيَادَةً.

﴿انسؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ نماز کا وقت ہوا تو جو لوگ قریب کے تھے وہ اپنے گھر چلے گئے۔ باقی کچھ لوگ رہ گئے تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک طشت پتھر کا بنا ہوا لایا گیا جس میں پانی تھا۔ وہ طشت اتنا چھوٹا تھا کہ آپ ہاتھ کو اس میں پوری طرح پھیلا نہیں سکتے تھے۔ تو سب لوگوں نے اس سے وضو کیا۔ ہم نے پوچھا کہ کتنے لوگ تھے تو انہوں نے کہا کہ اسی یا اس سے کچھ زیادہ۔﴾

وضاحت:

حضرت انسؓ سے یہ روایت پہلے بھی گزر چکی ہے۔ وہاں ذکر ہے کہ پانی کم تھا۔ آنحضرتؐ نے ہاتھ ڈالا تو پانی آپ کی انگلیوں سے ابلنے لگا۔ یہاں یہ تفصیل حذف ہے۔

قریب کے جو لوگ تھے وہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی جنگ وغیرہ کا موقع نہیں تھا۔ دوسری روایت میں آتا ہے کہ مدینے کے قریب کسی بازار میں تھے۔ آنحضرت کی برکت سے پانی جوش مارنے لگا اور سب لوگوں نے، جن کی تعداد یہاں اسی بتائی گئی ہے، وضو کیا۔ برکت کا میں قائل ہوں۔ انبیاء سے اس طرح کے معجزے ظاہر ہوتے ہیں۔ تردد جو ہوتا ہے وہ اس بات میں کہ واقعہ ایک اعجوبہ ہے۔ معجزہ کی حیثیت سے اس کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ دیکھنے والوں کی خاصی تعداد ہے لیکن بیان کرنے والے صرف حضرت انسؓ ہیں۔ کوئی اور صاحب اس کو بیان نہیں کرتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

۶۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَعَا بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ"، فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ، وَمَجَّ فِيهِ.

﴿ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک تسلا منگوایا جس میں پانی تھا۔ آپ نے اس میں اپنے ہاتھ منہ دھوئے اور اس میں کلی کی۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ نے ہاتھ اور منہ دھونے کے بعد پانی میں کلی کی، گویا اپنا لعاب دہن ملایا، تو اس سے پانی میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔ نبی کے لعاب دہن کے متبرک ہونے میں کسی کو شبہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی ہے۔

٦١۔ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ اَبِی سَلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو ابْنُ يَحْيٰی، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ: اَتٰی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَاَخْرَجْنَا لَهُ مَاءً فِی تَوْرٍ مِنْ صُفْرٍ، فَتَوَضَّاَ، فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثًا، وَيَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَمَسَحَ بِرَاْسِهِ، فَاَقْبَلَ بِهِ وَ اَدْبَرَ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ.

﴿عبداللہ بن زید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ہم نے آپ کے لیے ایک طشت میں جو صُفر سے بنا ہوا تھا پانی پیش کیا تو آپ نے وضو کیا۔ آپ نے منہ دھویا تین بار، اپنے ہاتھ دھوئے دو دو بار، اور سر کا مسح کیا تو آگے سے بھی لے گئے اور پیچھے سے بھی لائے، اور دونوں پاؤں دھوئے۔﴾

وضاحت:

صُفر کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ طشت پیتل کا بنا ہوگا۔ بعض لوگوں نے تانبا بھی لکھا ہے۔ وضو کے معاملہ میں پابندی نہیں ہے کہ اگر آپ نے ہاتھ دو دو بار دھوئے ہیں تو لازماً منہ بھی دو بار دھوئیں۔ بلکہ حالات کے تقاضا کے تحت جتنی بار ضرورت محسوس کریں دھولیں۔ آپ تین مرتبہ بھی دھو سکتے ہیں اور اس سے زیادہ بھی۔ بس یہ ہے کہ اسراف نہ کریں۔ اقبل بہ و ادبر کے الفاظ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ سر کے مسح میں آنحضرت ہاتھ کو پیشانی کی طرف سے پیچھے کو بھی لے گئے اور پھر پیچھے سے آگے کو لے آئے تاکہ سر کا مسح اچھی طرح ہو جائے۔ اس میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوگا کہ پہلے اقبال ہوتا ہے یا ادبار۔

٦٢۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْيَمَانِ قَالَ: اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِیِّ، قَالَ: اَخْبَرَنِی عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ: اَنَّ عَائِشَةَ قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ النَّبِیُّ ﷺ وَاشْتَدَّ بِهِ وَجَعُهُ، اسْتَاْذَنَ اَزْوَاجَهُ فِی اَنْ يُمَرَّضَ فِی بَيْتِی، فَاَذِنَّ لَهُ، فَخَرَجَ النَّبِیُّ ﷺ بَيْنَ رَجُلَيْنِ، تَخُطُّ رِجْلَاهُ فِی الْاَرْضِ، بَيْنَ عَبَّاسٍ وَرَجُلٍ آخَرَ. قَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ: فَاَخْبَرْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: اَتَدْرِی مَنِ الرَّجُلُ الْآخَرُ؟ قُلْتُ: لَا. قَالَ: هُوَ عَلِیٌّ. وَكَانَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا تُحَدِّثُ: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: بَعْدَمَا دَخَلَ بَيْتَهُ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ: هَرِيقُوا عَلَیَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ، لَمْ تُحْلَلْ اَوْ كِيَتُهُنَّ، لَعَلِّی اَعْهَدُ اِلَی النَّاسِ وَ اُجْلِسَ فِی مِخْضَبٍ لِحَفْصَةَ، زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ، ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ تِلْكَ، حَتّٰی طَفِقَ يُشِيرُ اِلَيْنَا: اَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ ثُمَّ خَرَجَ اِلَی النَّاسِ.

﴿عبیداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ جب نبی ﷺ کا مرض سخت ہو گیا اور آپ کی تکلیف بڑھ گئی تو آپ نے اپنی ازواج سے اجازت چاہی کہ آپ میرے گھر پر اپنے مرض کے دن گزاریں تو ان سب نے اجازت دے دی۔ نبی ﷺ دو آدمیوں کے درمیان اپنے پاؤں گھسیٹتے ہوئے نکلے۔ وہ دو آدمی حضرت عباس اور ایک اور شخص تھے۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی خبر عبداللہ ابن عباس کو دی۔ انہوں نے کہا تم جانتے ہو وہ دوسرے شخص کون تھے۔ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ انہوں نے کہا وہ علی ابن ابی طالبؓ تھے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی تھیں کہ نبی ﷺ جب آپ کے گھر میں داخل ہوئے اور آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ نے کہا کہ میرے اوپر سات ایسی مشکوں کا پانی بہاؤ جن کا منہ کھولا نہ گیا ہو۔ شاید میں لوگوں کو نصیحت کے لیے نکلوں۔ پھر آپ کو ایک طشت میں بٹھایا گیا جو آپ کی زوجہ حفصہ کا تھا۔ پھر ہم یہ مشکیں آپ پر بہانے لگیں یہاں تک کہ آپ ہم کو اشارہ کرنے لگے کہ بس تم اپنا کام کر چکیں۔ پھر آپ لوگوں کی طرف نکلے۔﴾

وضاحت:

جو روایت روایت قرطاس کے نام سے کتاب العلم باب ۳۹ میں گزر چکی ہے اس روایت میں اسی موقع کی مزید تفصیل ہے۔ وہاں یہ تھا کہ آنحضرت نے شدت مرض میں فرمایا کہ کاغذ قلم لاؤ۔ میں کچھ لکھوا دوں تاکہ لوگ گمراہ نہ ہوں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ پر مرض کی شدت ہے اور ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ پھر عبداللہ بن عباس نے یہ کہا کہ قیامت ہوئی کہ حضور کے حکم پر اس وقت کاغذ قلم نہ لایا گیا۔ اس روایت میں یہ ہے کہ جب آپ کی بیماری سخت ہو گئی تو آپ نے اپنی ازواج سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر قیام کرنے کی اجازت چاہی۔ تمام ازواج نے اجازت دے دی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ دو آدمیوں کے درمیان نکلے۔ ایک حضرت عباس تھے اور دوسرے صاحب کا انہوں نے نام نہیں لیا۔

یہاں اصل روایت ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد حاشیہ شروع ہوتا ہے۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن عباس کو خبر دی تو انہوں نے کہا آپ کو پتہ ہے یہ دوسرے شخص کون تھے جن کا نام نہیں لیا گیا۔ وہ حضرت علیؓ تھے۔ گویا یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت عباس کا نام تو لیا لیکن حضرت علیؓ سے ان کو اس قدر نفرت تھی کہ ان کا نام تک نہ لیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان کرتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ جب میرے گھر میں داخل ہوئے اور آپ کی بیماری سخت ہو گئی تو آپ نے کہا میرے اوپر سات مشکوں کا پانی بہاؤ۔ اس میں

ٹوٹا یہ بھی ہے کہ یہ ایسی مشکیں ہوں جن کا منہ کھولا نہ گیا ہو تاکہ میں لوگوں کی طرف نکلوں۔ یہاں بھی گویا یہ باور کرانا مقصود ہے کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کی طرف نکل کر بتانا چاہتے تھے کہ آپ کے بعد خلافت کس کو دینی ہے۔ اس عمل سے گزرنے کے بعد جب آنحضرتؐ نکلے تو کیا کیا، راوی یہ بیان نہیں کرتے۔ حالانکہ اصل بتانے کی بات یہی تھی۔

میرے نزدیک حدیث قرطاس زہری کا پھیلایا ہوا فتنہ ہے۔ یہ روایت بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے جس میں پورا زہر موجود ہے۔ حدیث قرطاس میں زہری کا ہدف حضرت عمرؓ ہیں۔ یہاں سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے خلاف زہر اگلا گیا ہے۔ اس روایت میں مشکوں کا پانی مریض پر بہانے کا ٹوٹکا جو بیان ہوا ہے یہ بھی زہری کی حاشیہ آرائی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ عوامی خرافات کو دین بنا کر پیش کرنے میں بھی زہری کا بڑا حصہ ہے۔ اس کی مثالیں موطا میں العین حق والی روایت اور سانپ نکالنے کی روایت میں موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عوام میں یہ خیال پایا جاتا ہوگا کہ اگر سات کنوؤں کا پانی سات مشکوں میں بھر کر لایا جائے اور ان میں سے کچھ پانی نکالے بغیر پورے کا پورا مریض پر بہا دیا جائے تو مریض کو شفا ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ پیغمبر کو اس طرح کی خرافات سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ زہری کے متعلق بدگمانی ان کے زمانے میں بھی پائی جاتی تھی۔ آخر لوگ اتنے نابالغ تو نہ تھے کہ وہ کسی کی شرارت پر متنبہ نہ ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک جیسے بڑے آدمی کو بھی کئی روایات میں زہری کا نام حذف کر کے یہ کہنا پڑا کہ یہ روایت اس شخص سے ہے جس پر مجھے اعتماد ہے۔

روایت میں لفظ ھریقوا میرے نزدیک اریقوا ہے۔ اریقوا کا الف ہ سے بدل گیا ہے اور یہ عربی قاعدہ کے مطابق ہے۔

٤٦۔ باب: الْوُضُوءِ مِنَ التَّوْرِ

باب: طشت سے وضو کرنا

٦٣۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ عَمِّي يُكْثِرُ مِنَ الْوُضُوءِ، قَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ: أَخْبِرْنِي كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ؟ فَدَعَا بِتَوْرٍ مِنْ مَاءٍ، فَكَفَأَ عَلَى يَدَيْهِ فَغَسَلَهُمَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي التَّوْرِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِنْ غَرْفَةٍ وَاحِدَةٍ، ثُمَّ أَدْخَلَ يَدَهُ فَاغْتَرَفَ بِهَا فَغَسَلَ وَجْهَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهِ مَاءً فَمَسَحَ بِهِ رَأْسَهُ فَأَدْبَرَ بِهِ وَأَقْبَلَ، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ، فَقَالَ: هَكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَوَضَّأُ.

﴿عمرو بن یحییٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ ان کے چچا وضو میں پانی بہت بہاتے تھے۔ انہوں نے عبداللہ بن زید سے کہا کہ مجھے بتلاؤ کہ آنحضرت وضو کیسے کیا کرتے تھے۔ تو انہوں نے پانی کا ایک طشت منگوایا اور اپنے ہاتھ پر جھکا کر تین بار ان کو دھویا۔ پھر ہاتھ طشت میں ڈال کر ایک ہی چلو پانی سے تین بار کلی کی اور ناک صاف کی۔ پھر دونوں ہاتھ طشت میں ڈال کر چلو بھر لیا اور تین بار اپنا منہ دھویا۔ پھر دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے دو دو بار۔ پھر ہاتھ سے پانی لیا اور اپنے سر پر مسح کیا۔ ہاتھوں کو پیچھے لے گئے اور آگے لائے۔ پھر پاؤں دھوئے اور کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اس طرح وضو کرتے دیکھا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔ وضو میں اعضاء کو ایک مرتبہ، دو مرتبہ اور تین تین مرتبہ بھی حالات کے تقاضوں کے تحت دھو سکتے ہیں۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو اس سے زیادہ بار بھی دھویا جا سکتا ہے۔ بس یہ ہے کہ اسراف نہیں ہونا چاہیے۔ وضو کے ارکان وہی ہیں جو قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا نبی ﷺ کی سنت ہے۔

۲۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ دَعَا بِاِنَاءٍ مِنْ مَاءٍ، فَأُتِيَ بِقَدَحٍ رَحْرَاحٍ فِيهِ شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ فَوَضَعَ اَصَابِعَهُ فِيهِ، قَالَ أَنَسٌ: فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ اِلَى الْمَاءِ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ، قَالَ أَنَسٌ: فَحَزَرْتُ مَنْ تَوَضَّأَ مِنْهُ مَا بَيْنَ السَّبْعِينَ اِلَى الثَّمَانِينَ.

﴿حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے پانی کا ایک برتن منگوایا تو ایک چوڑا اتھلا پیالہ لایا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ آپ نے اپنی انگلیاں اس میں رکھ دیں۔ انسؓ فرماتے ہیں کہ میں پانی کو دیکھنے لگا کہ وہ آپ کی انگلیوں کے بیچ میں سے پھوٹ رہا تھا تو میں نے اندازہ کیا کہ ستر سے لے کر اسی آدمیوں تک نے اس سے وضو کیا۔﴾

وضاحت:

یہ وہی روایت ہے جو پہلے گزر چکی ہے اور حضرت انسؓ اس کے واحد راوی ہیں۔

راوی حضرات بعض مرتبہ بیان کرتے وقت بہت سی چیزیں چھوڑ دیتے ہیں۔ غور کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ تمام طرق کو جمع کر کے دیکھا جائے کہ ان میں قدر مشترک کیا ہے۔ تب خلاء پورا ہوگا۔ یہ نہیں کہ ایک روایت کو لے اڑے اور اس سے ہٹ کر کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

۴۷. باب: الوُضُوءِ بالمُدِّ

باب: ایک مد پانی سے وضو کرنا

۶۵۔ حَدَّثَنَا اَبُونُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ" قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ جَبْرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَغْسِلُ اَوْ كَانَ يَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلَى خَمْسَةِ اَمْدَادٍ وَيَتَوَضَّأُ بِالمُدِّ.

﴿ابن جبر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کو یہ بتاتے ہوئے سنا کہ نبی ﷺ ایک صاع سے پانچ مد پانی تک سے غسل کر لیا کرتے تھے اور ایک مد پانی سے وضو کرتے تھے۔﴾

وضاحت:

مد اور صاع کی مقدار میں شارحین کا اختلاف ہے۔ صاع مد سے تین چار گنا بڑا بتایا جاتا ہے جب کہ مد دو کلو کے لگ بھگ ہے۔ پانی کی ان مقداروں سے وضو اور غسل کرنا ممکن ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پانی کے استعمال میں بالکل اسراف نہیں فرماتے تھے۔

۴۸. باب: المَسْحِ عَلَى الخُفَّيْنِ

باب: خفین پر مسح کرنا

۶۶۔ حَدَّثَنَا اَصْبَغُ بْنُ الفَرَجِ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرٌو، قَالَ: حَدَّثَنِي اَبُوالنَّضْرِ، عَنْ اَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِي وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الخُفَّيْنِ، وَ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سَأَلَ عُمَرَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ: نَعَمْ. اِذَا حَدَّثَكَ شَيْئًا سَعْدٌ" عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُ غَيْرَهُ، وَقَالَ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: اَخْبَرَنِي اَبُوالنَّضْرِ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ اَخْبَرَهُ اَنَّ سَعْدًا حَدَّثَهُ فَقَالَ عُمَرُ لِعَبْدِاللّٰهِ نَحْوَهُ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خفین پر مسح کیا۔ عبداللہ

بن عمرؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہاں ایسا ہی ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ سعد اگر کوئی روایت نبی ﷺ سے کریں تو کسی دوسرے سے اس کے بارے میں نہ پوچھیں۔

وضاحت:

خف سے مراد موزے ہیں۔ خفین چمڑے کے بھی ہوتے تھے اور سوتی کپڑے کے بھی۔ ان کو پہن کر جوتا پہن لیتے تھے۔ کسی شخص نے اگر باوضو ہو کر خفین پہن لیے ہوں تو شریعت میں اس کو رخصت ہے کہ وہ دوبارہ وضو کرتے ہوئے پاؤں دھونے کی بجائے خفین پر مسح کر لے۔ نبی ﷺ سے ان کے اوپر مسح ثابت ہے۔ البتہ فقہاء کا اختلاف اس بارے میں ہے کہ سفر اور حضر میں مسح کی مدت میں فرق ہوگا۔ احناف بعض روایات کی روشنی میں حضر میں یہ مدت چوبیس گھنٹے اور سفر میں تین دن رات قرار دیتے ہیں۔ ہمارے موزے اور جرابیں انہی خفین کے قائم مقام ہیں۔ ان موزوں پر مسح کے بارے میں فقہا نے فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ موزے ایسے ہوں کہ جب ان پر گیلا ہاتھ پھیریں اور تری نیچے نہ پہنچنے پائے تب موزے خفین کے حکم میں ہوں گے اور ان پر مسح ہو جائے گا۔ لیکن اگر تری نیچے تک پہنچ جائے تو مسح نہیں ہوگا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے نزدیک حکم کی علت موزے میں پانی کا انجذاب نہ ہونا ہے۔ میرے نزدیک ایسے تمام معاملات میں علت تیسیر ہے۔ قرآن مجید میں روزوں کے حکم میں فرمایا یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے آسانی پسند کی ہے نہ کہ زحمت۔ اسی اصولی ہدایت کے تحت دین کے متعدد احکام میں رعایتیں دی گئی ہیں۔ میرے نزدیک موزے پر مسح کے بارے میں بھی اصل علت تیسیر ہے۔ وہ جس طرح سے خفین کے معاملہ میں پائی جاتی ہے اسی طرح سے ہمارے جدید موزوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موزے کو بھی بار بار اتارنے میں زحمت ہے۔ لہٰذا قطع نظر اس کے کہ موزہ موٹا ہے یا پتلا، اس پر مسح ہو سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ جو کہا کہ سعد اگر کوئی روایت نبی ﷺ سے کریں تو اس کی مزید تحقیق کے لیے کسی دوسرے سے نہ پوچھا کریں تو بلاشبہ حضرت سعدؓ جیسے قدیم الاسلام صحابی کا یہی مرتبہ ہے۔

٦٧۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ الْحَرَّانِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ أَبِيهِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، أَنَّهُ خَرَجَ لِحَاجَتِهِ، فَاتَّبَعَهُ الْمُغِيرَةُ بِإِدَاوَةٍ فِيهَا مَاءٌ، فَصَبَّ عَلَيْهِ حِينَ فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ، فَتَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ.

﴿حضرت مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے نکلے تو وہ ایک لوٹا لیے آپ کے پیچھے گئے جس میں پانی تھا۔ جب حضور حاجت سے فارغ ہوئے تو مغیرہ نے پانی ڈالا آنحضرتؐ نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔﴾

٦٨۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَعْفَرِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ أَنَّ أَبَاهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ. وَتَابَعَهُ حَرْبٌ وَ أَبَانُ عَنْ يَحْيَى.

﴿عمرو بن امیہ ضمری نے خبر دی کہ انہوں نے نبی ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔﴾

وضاحت:

ان دونوں روایتوں میں کوئی نئی بات نہیں۔

٦٩۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُاللهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَمْسَحُ عَلَى عِمَامَتِهِ وَ خُفَّيْهِ. وَتَابَعَهُ مَعْمَرٌ. عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ.

﴿جعفر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اپنے عمامہ پر اور اپنے موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ نبی ﷺ اپنے عمامہ پر بھی مسح کرتے تھے یعنی عمامہ اتارتے نہیں تھے۔ اس عمل کی علت بھی رفع زحمت ہے۔

٤٩. باب: إِذَا أَدْخَلَ رِجْلَيْهِ وَهُمَا طَاهِرَتَانِ

باب: آدمی اپنے پاؤں موزوں میں اس حال میں داخل کرے جب وہ پاک ہوں

٧٠۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زَكَرِيَّا، عَنْ عَامِرٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَأَهْوَيْتُ لِأَنْزِعَ خُفَّيْهِ فَقَالَ: "دَعْهُمَا، فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا

طَاهِرَتَيْنِ" فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا.

﴿عروہ بن مغیرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ میں نے ہاتھ بڑھایا کہ آپ کے موزے اتاروں تو آپ نے فرمایا کہ انہیں رہنے دو۔ میں نے (پاؤں) اس حال میں داخل کیے جب وہ دونوں پاک تھے۔ پھر آپ نے ان پر مسح کیا۔﴾

وضاحت:

ادخلتهما طاهرتين سے ظاہر ہے پاؤں مراد ہیں۔ پاؤں کی پاکی سے شرعی پاکی مراد ہے یا ظاہری۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاؤں میں کوئی گندگی نہ لگی ہو اور اسی حالت میں آپ نے موزے پہنے ہوں تو ان پر مسح کر سکتے ہیں۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں، اور یہی عقل کی بات ہے، کہ شرعی طہارت مقصود ہے۔ یعنی اگر آپ نے وضو کر کے موزے پہنے ہیں تو پھر ان پر مسح ہو سکتا ہے۔

۵۰. باب: مَنْ لَمْ يَتَوَضَّأْ مِنْ لَحْمِ الشَّاةِ وَالسَّوِيقِ. وَأَكَلَ أَبُوبَكْرٍ وَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، فَلَمْ يَتَوَضَّؤا.

باب: جس شخص نے بکری کا گوشت اور ستو کھایا اور وضو نہیں کیا۔ اور ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نے گوشت کھایا اور وضو نہ کیا

۱۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

﴿عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بکری کے شانے کا گوشت کھایا، پھر آپ نے نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔﴾

وضاحت:

معلوم نہیں کہاں سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ گوشت یا ستو وغیرہ کھانے کے بعد وضو کرنا چاہیے۔ اس بارے میں ایک مذہب یہ ہے کہ وضو کا یہ حکم پہلے تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔ یہ توجیہ کسی عقلی یا نقلی بنیاد پر نہیں ہے۔ عوامی باتیں اسی طرح کی ہوتی ہیں۔ امام صاحب نے باب کے عنوان ہی میں واضح کر دیا کہ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نے گوشت کھایا اور وضو کرنا لازم نہیں سمجھا تو یہ حکم کہاں سے پیدا کر لیا گیا۔

عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے بکری کا گوشت کھایا اور وضو کرنا لازم نہ کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام کا مذکورہ عمل خود نبی ﷺ کے عمل کے مطابق تھا۔ غور کریں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کا عمل اور ہے جبکہ وضو کا عمل الگ ہے۔ ان دونوں میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا کھانے کے بعد وضو کرنے کی ہدایت ہونے اور بعد میں اس کے منسوخ ہو جانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۲۷۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، أَنَّ أَبَاهُ عَمْرًا أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ، فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَلْقَى السِّكِّينَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

﴿جعفر کو ان کے باپ نے خبر دی کہ انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت بکری کے شانے کا گوشت کاٹ کر کھا رہے تھے کہ نماز کے لیے بلائے گئے تو آپ نے چھری ڈال دی اور نماز پڑھائی لیکن وضو نہیں کیا۔﴾

وضاحت:

اس روایت سے مسئلہ زیر بحث پر دلیل ملنے کے علاوہ یہ بات بھی سامنے آئی کہ چھری کاٹنے سے آپ کھا سکتے ہیں۔ ایسا کرنے سے آدمی کرسچین نہیں ہو جاتا۔ آنحضرتؐ کے عمل سے چھری کا استعمال تو ثابت ہو گیا۔ باقی رہ گیا کانٹا تو اس کا کام چیزوں کو اٹھانے میں سہولت پیدا کرنا ہے۔ لہٰذا اس کے استعمال کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

۵۱. باب: مَنْ مَضْمَضَ مِنَ السَّوِيقِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ

باب: جنہوں نے ستو کھا کر کلی کی لیکن وضو نہیں کیا

۲۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللَّهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ مَوْلَى بَنِي حَارِثَةَ: أَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ خَيْبَرَ، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالصَّهْبَاءِ، وَهِيَ أَدْنَى خَيْبَرَ، فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ دَعَا بِالْأَزْوَادِ، فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيقِ، فَأَمَرَ بِهِ فَثُرِّيَ، فَأَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَ أَكَلْنَا، ثُمَّ قَامَ إِلَى الْمَغْرِبِ، فَمَضْمَضَ وَ مَضْمَضْنَا، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

﴿بشیر بن یسار کہتے ہیں کہ ان کو سوید بن نعمان نے خبر دی کہ جس سال خیبر فتح ہوا وہ آنحضرت ﷺ

کے ساتھ نکلے۔ جب صہبا میں پہنچے جو خیبر کے نشیب میں ایک مقام ہے تو وہاں آپ نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر کھانے کو کچھ منگوایا تو صرف ستو آیا۔ آپ نے حکم دیا تو وہ بھگویا گیا۔ پھر آپ نے بھی کھایا اور ہم نے بھی۔ اس کے بعد آپ مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے کلی کی اور ہم نے بھی کلی کی۔ پھر آپ نے نماز پڑھائی اور وضو نہ کیا۔﴾

۲۱۷۔ حَدَّثَنَا أَصْبَغُ قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ بُكَيْرٍ، عَنْ كُرَيْبٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَكَلَ عِنْدَهَا كَتِفًا، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

﴿ام المومنین حضرت میمونہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے پاس بکری کا شانہ کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہ کیا۔﴾

وضاحت:

معلوم ہوا کہ کسی چیز کا کھانا وضو پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ دونوں روایتوں میں مسئلہ زیر بحث کے حق میں دلیل ہے۔ پہلی روایت میں آپ نے جو کلی کی تو یہ دانتوں وغیرہ کی صفائی کے لیے تھی۔ دوسری روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بکری کے اگلے دست کا گوشت آنحضرت کو پسند تھا۔

۵۲۔ باب: هَلْ يُمَضْمِضُ مِنَ اللَّبَنِ

باب: کیا آدمی دودھ پینے کے بعد کلی کرے

۲۱۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، وَقُتَيْبَةُ قَالَا: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ شَرِبَ لَبَنًا، فَمَضْمَضَ وَقَالَ: إِنَّ لَهُ دَسَمًا

تَابَعَهُ يُونُسُ، وَصَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.

﴿ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دودھ پیا تو کلی کی اور فرمایا کہ اس میں چکنائی ہوتی ہے۔ اس حدیث کو یونس اور صالح نے بھی زہری سے روایت کیا ہے۔﴾

وضاحت:

آنحضرتؐ منہ اور دانتوں کی صفائی کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ چونکہ دودھ منہ میں چکنائی کا اثر چھوڑ دیتا ہے اور کلی کرنے سے دانت اور منہ کی صفائی ہو جاتی ہے لہذا آنحضرت نے اس کا اہتمام کیا۔ تاہم ایسا کرنا واجب نہیں ہے۔

٥٣. باب: الْوُضُوءِ مِنَ النَّوْمِ، وَمَنْ لَمْ يَرَ مِنَ النَّعْسَةِ وَالنَّعْسَتَيْنِ، أَوِ الْخَفْقَةِ وُضُوءًا.

باب: نیند کے سبب سے وضو کرنا، اور اس شخص کی دلیل جس نے ایک دو بار اونگھنے یا ایک آدھ جھونکا لینے پر وضو لازم نہیں جانا

٧٦۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّي فَلْيَرْقُدْ، حَتَّى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى وَهُوَ نَاعِسٌ، لَا يَدْرِي لَعَلَّهُ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبُّ نَفْسَهُ.

﴿حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب کوئی تم میں سے نماز پڑھتے ہوئے اونگھنے لگے تو سو رہے یہاں تک کہ نیند کا غلبہ اس پر سے جاتا رہے، کیونکہ اونگھتے ہوئے کوئی نماز پڑھے تو کیا معلوم اپنے لیے مغفرت طلب کرنا چاہتا ہو تو اپنے آپ کو کوسنے لگے۔﴾

٧٧۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَنَمْ، حَتَّى يَعْلَمَ مَا يَقْرَأُ.

﴿انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نیند میں اونگھنے لگے تو اس کو چاہیے کہ سو جائے یہاں تک کہ جو پڑھے سمجھنے لگے۔﴾

وضاحت:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ہدایت تہجد کے وقت کے لیے کی ہوگی۔ آپ نے فرمایا کہ نیند

کے غلبے میں بجائے نماز پڑھنے کے سورہے۔ ایسا کون نبی ہوگا جس کو دوسرے اوقات میں ایسی نیند آئے کہ اپنے آپ کو گالیاں دینے لگے۔ ایسے شخص کو تہجد کے لیے اٹھنے کا ثواب تو مل جائے گا لیکن نیند کے غلبہ کے باوجود نماز پڑھنے کی ضد کی تو ہوسکتا ہے کہ دعا کی بجائے اپنے اوپر لعنت کرنے لگے۔

ان روایات کو باب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۵۴۔ باب: الْوُضُوءِ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ

باب: وضو بغیر اس کے کہ کوئی ناقض حالت پیش آئے

۷۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا (ح) قَالَ: وَ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ سُفْيَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ عَامِرٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ. قُلْتُ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ؟ قَالَ: يُجْزِئُ أَحَدَنَا الْوُضُوءُ مَالَمْ يُحْدِثْ.

﴿عمرو بن عامر حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے وقت وضو کرتے تھے۔ عمرو نے انسؓ سے پوچھا کہ آپ لوگ کیا کرتے تھے، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم کو اس وقت تک وضو کافی ہوتا تھا جب تک کہ حدث نہ ہو۔﴾

وضاحت:

یہ بات کہ آنحضرتؐ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے حضرت انسؓ نہیں کہہ سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تو آنحضرت کو وضو کراتے تھے۔ ان سے زیادہ حضور کے معمولات سے واقف کون ہوسکتا ہے اور یہ روایت نہ جانے کتنے طریقوں سے مروی ہے کہ آپ نے ایک ہی وضو سے متعدد نمازیں پڑھیں۔ فتح مکہ کے روز آپ کا ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھنا معروف ہے۔ غالباً ہوا یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے ایسے الفاظ میں روایت کی ہے جس سے عموم نکلتا ہے لیکن خصوص اس سے سمجھا جاسکتا ہے۔ یعنی ایسے فقرے ہوسکتے ہیں جن سے یہ سمجھا جائے کہ آنحضرت کا عام طریقہ یہی تھا کہ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے اور یہ روایت صحیح ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ ہر نماز کے لیے، چاہے وضو قائم ہو، نیا وضو کیا جائے، قول سے غلط استشہاد ہے۔ کیونکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ کے قول کے نقل کرنے میں کچھ بے احتیاطی ہوگئی ہے۔

بعض لوگوں نے قرآن مجید کی آیت اذا قمتم الی الصلوۃ (جب تم نماز کے لیے اٹھو تو ــــ) سے بھی اسی طرح کا استدلال کیا ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں حکم عام ہے۔ لیکن ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس عموم کے اندر ایک خصوص مضمر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وضو نہ ہو تو ایسا کرو۔ جس طریقہ سے اس آیت کے عموم میں خصوص کو حذف کر دیا گیا ہے میرے نزدیک اسی طریقہ سے حضرت انسؓ کے قول میں بھی ہوا ہے۔

خیریت ہوئی کہ حضرت انسؓ سے یہ پوچھ لیا گیا کہ آپ لوگ کیا کرتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے پہلا وضو کافی ہوتا تھا جب تک کہ کوئی ناقض حالت پیش نہ آ جائے۔

۲۰۹۔ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ قَالَ: سُلَيْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي بُشَيْرُ بْنُ يَسَارٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سُوَيْدُ بْنُ النُّعْمَانِ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ خَيْبَرَ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالصَّهْبَاءِ، صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْعَصْرَ، فَلَمَّا صَلَّى دَعَا بِالْأَطْعِمَةِ، فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيقِ، فَأَكَلْنَا وَشَرِبْنَا، ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْمَغْرِبِ، فَمَضْمَضَ، ثُمَّ صَلَّى لَنَا الْمَغْرِبَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.

﴿سوید بن نعمان کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کے سال نکلے، جب صہباء میں پہنچے تو آنحضرت نے عصر کی نماز پڑھائی، جب نماز پڑھ چکے تو کھانے منگوائے لیکن ستو کے سوا اور کچھ نہیں آیا۔ ہم نے اس کو کھایا اور پیا۔ پھر آپ مغرب کی نماز کے لیے اٹھے اور کلی کی۔ پھر مغرب کی نماز پڑھائی اور وضو نہ کیا۔﴾

وضاحت:

آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد ستو کھایا اور پیا، پھر مغرب کی نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔ یعنی اسی پہلے وضو کو کافی سمجھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب اپنا مذہب بیان کرنے کے لیے یہ روایت لائے ہیں۔ حضرت انسؓ والی روایت انہوں نے غالباً صرف یہ دکھانے کے لیے دی ہے کہ راوی حضرات اس طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں تو لوگ متنبہ رہیں اور غور کرتے رہا کریں۔

۵۵. باب: مِنَ الْكَبَائِرِ اَنْ لَا يَسْتَتِرَ مِنْ بَوْلِهِ

باب: پیشاب کرنے میں پردہ نہ کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے

لا یستتر کا لفظ دو مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ احتیاط نہیں کی، کوئی آڑ نہیں لی۔ جہاں جاہا پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ یہ نہیں دیکھا کہ کوئی آ جا رہا ہے۔ دوسرا یہ کہ پیشاب کرنے میں احتیاط نہیں کی۔ کپڑوں پر چھینٹے پڑے اور پیشاب لگ گیا۔ امام صاحب نے باب جو باندھا ہے اس سے یہ لگتا ہے کہ وہ اس کو کبیرہ گناہوں میں شمار کرتے ہیں۔

۸۰۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِحَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ، أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ. ثُمَّ قَالَ: بَلَى، كَانَ أَحَدُهُمَا لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الْآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ. ثُمَّ دَعَا بِجَرِيدَةٍ، فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ، فَوَضَعَ عَلَى كُلِّ قَبْرٍ مِنْهُمَا كِسْرَةً. فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، لِمَ فَعَلْتَ هَذَا؟ قَالَ: لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا أَوْ: إِلَى أَنْ يَيْبَسَا.

﴿ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مدینہ یا مکہ کے کسی باغ سے گزرے۔ آپؐ نے دو آدمیوں کی آواز سنی جن پر قبروں کے اندر عذاب ہو رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ان پر عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی بڑے گناہ پر نہیں ہو رہا ہے بلکہ ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب کرنے کے معاملہ میں احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کا کام کرتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک شاخ منگوائی، اس کے دو ٹکڑے کیے اور ہر قبر پر ایک ایک ٹکڑا رکھ دیا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے یہ کس لیے کیا تو آپ نے فرمایا شاید اس طریقہ سے ان دونوں کے عذاب میں، جب تک یہ خشک نہ ہوں، تخفیف کر دی جائے۔﴾

وضاحت:

راوی حضرات کو اس روایت میں ایک تو یہ شبہ ہے کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے یا مکہ کا۔ دوسرا یہ کہ لفظ تیبسا ہے یا ییبسا، دونوں لفظ استعمال ہو سکتے ہیں۔ اگر لفظ مؤنث کو ذہن میں رکھیے تو مؤنث کا صیغہ لانا پڑے گا اور اس کو مذکر کے مفہوم میں لے لیں تو مذکر کا صیغہ بھی آ سکتا ہے۔

یہ ان کے شبہات ہیں لیکن اس روایت پر میرے جو سوالات ہیں وہ میں عرض کرتا ہوں۔ ان پر غور کیجئے۔

امام صاحب یہ روایت جس باب میں لائے ہیں وہ یہ ہے کہ پیشاب سے احتیاط نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ لیکن روایت میں جن دو چیزوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک ہے پیشاب کرنے میں بے احتیاطی، جو صرف حمق کا نتیجہ ہوتی ہے یا بلادت کا، اور یہ کبیرہ گناہوں میں سے نہیں ہو سکتی۔ یہی بات روایت کے الفاظ سے بھی نکلتی ہے۔ دوسری چیز ہے نمامی یعنی چغلی کرنا۔ اس پر آنحضرت ﷺ یہ کیسے فرما سکتے ہیں کہ ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ پر نہیں۔ ان میں سے پہلا گناہ بے شک چھوٹا ہے لیکن دوسرا چغلی کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے همازمشاء بنميم۔ نمامی بڑی سنگین بات ہے۔ گناہ کبیرہ کے تعلق سے باب اور روایت میں مطابقت نہیں۔

ایک سوال روایت کے اس مضمون پر پیدا ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے دو انسانوں کی آواز سنی جن پر قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔ اس سے مجھے انکار نہیں کہ آنحضرت ﷺ اس طرح کی کوئی آواز بے شک سن سکتے تھے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اوپر جس کیفیت کو چاہے واضح کر سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لیکن قبر میں عذاب ہو رہا تھا، اس کا کیا مطلب ہے؟ قرآن مجید نے موت کے بعد اور قیامت سے پہلے تک کے دور یعنی مرنے کے بعد سے لے کر نفخ صور تک کے وقفہ کو برزخ کہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ زیر بحث روایت میں برزخ کو قبر کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ قبر میں عذاب ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ اس عذاب کا قرآن مجید میں کوئی ذکر نہیں ہے، اس لیے کہ عالم برزخ میں حساب کتاب نہیں ہوتا۔ اس کا جو احوال قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں ایک خاص کیفیت ہوگی جس میں نیند کی سی حالت طاری ہوگی۔ روایت ۳۷:۴۹ میں بیان ہو چکا ہے کہ قبر میں فرشتے مرنے والے سے یہ سوال کریں گے کہ اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو۔ مراد آنحضرت ﷺ ہوں گے تو اہل ایمان کہیں گے ہم ان پر ایمان لائے اور ان کی پیروی کی۔ اس پر فرشتے کہیں گے۔ سو جاؤ، ہم جانتے تھے کہ تم ایمان رکھنے والے ہو۔ مطلب یہ کہ مرنے والے پر نیند طاری کر دی جائے گی۔ قرآن مجید سے جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ اہل ایمان کو اس نیند کی حالت میں خواب کے طریقہ پر خوش خبریاں آئیں گی اور ان ان مقامات کی سیر بھی کرا دی جائے گی جو ان کو ملنے والے ہوں گے۔ اسی طرح جو اشقیاء ہوں گے مثلاً آل فرعون، تو جہنم کے جو مقامات ان کے مقدر میں ہیں وہ ان کو دکھا دیے جائیں گے۔ اس سے زیادہ کسی عذاب کا ذکر نہیں ہے۔ نیند کی حالت طاری ہونے کا ثبوت قرآن مجید کا یہ بیان ہے کہ جب پہلا نفخ صور ہوگا تو سب لوگ جی اٹھیں گے اور کفار گھبرا گھبرا کر باہم پوچھیں گے کہ کیا اندازہ ہے کتنا عرصہ ہم سوئے رہے۔ جواب ملے گا کہ شاید ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ رہے ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ ایک طویل عرصہ قبروں میں گزرے گا اور اس موت کا کسی کو کوئی احساس نہیں ہوگا۔ یہ معلوم ہوگا کہ ابھی سوئے تھے اور ابھی اٹھ گئے۔

اسی نیند کی حالت میں اعمال کے لحاظ سے کیفیات کا صدور ہوگا لیکن عذاب ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف ہوگا۔ ابھی عدالت تو ہوئی نہیں تو سزا کیسے؟ یہ ایک بڑا اہم سوال ہے۔

راوی حضرات کو اس بارے میں جو یہ شبہ ہے کہ نبی ﷺ کا گزر جس باغ پر ہوا وہ مدینہ میں تھا یا مکہ میں۔ میری رائے میں مکہ کا سوال خارج از بحث ہے۔ اس لیے کہ مکہ میں تو کفار ہی کے قبرستان تھے۔ اس سے بھی اہم سوال یہ ہے کہ جن قبروں پر آنحضرت کا گزر ہوا وہ کن کی قبریں تھیں۔ ایک نام حضرت سعد بن معاذؓ کا لیا گیا ہے اور یہ سن کر دل کانپ جاتا ہے۔ حضرت سعد کا مرتبہ تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے فرمایا کہ **قوموا لسیدکم** یعنی اپنے سردار کی تعظیم کے لیے اٹھو۔ پھر یہ بھی تحقیق طلب ہے کہ اس وقت تک ان کی وفات ہوئی تھی یا نہیں۔ مزید براں مدینہ میں ۸، ۹ سالہ قیام کے دوران آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ سے اتنے بے خبر تو نہیں ہو سکتے تھے کہ یہ پتہ نہ ہو کہ کن کی قبریں ہیں۔ مدینہ کی آبادی اتنی بڑی نہ تھی اور آنحضرت ﷺ ہر ایک کی خبر رکھتے تھے۔ لہذا دو شکلیں ہیں۔ اگر مسلمانوں کی قبریں تھیں تو ظاہر ہے کہ وہ نام کے مسلمان رہے ہوں گے۔ اور اگر کفار میں سے تھے تو ان کا تعلق اشقیاء سے ہوگا۔ اگر یہ منافقین میں سے تھے تو آنحضرت کو ان پر عذاب کی کیا فکر ہو سکتی تھی۔ ان کے متعلق تو قرآن نے بتا دیا کہ وہ دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور آپ کو ان کے لیے استغفار سے منع کر دیا گیا تھا۔ کفار کے متعلق بھی آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہ تھی کہ آپ ان پر سبز شاخ ڈال دیتے کہ کم از کم شاخ خشک ہونے تک ان پر عذاب رک جائے۔ یہ قبریں مسلمانوں کی اس لیے نہیں ہو سکتی تھیں کہ وہ زمانہ ایسا تھا کہ جو مومن تھے وہ آسمان اور زمین میں بالکل نمایاں تھے۔ ان کی نیکی کے آگے ساری دنیا کی نیکی ہیچ تھی۔

ان باتوں سے قطع نظر قبر کے عذاب میں تخفیف کے لیے قبر پر ہری شاخ گاڑنا یکھو ٹنکے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہمارے حضور ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہے۔ اسلام میں اہل قبر کے لیے دعا کی جاتی ہے، استغفار کیا جاتا ہے لیکن اس طرح قبروں پر شاخیں نہیں گاڑی جاتیں۔

اس سلسلے کی جو روایت آگے آ رہی ہے اس کے راویوں میں اعمش کا نام ہے جو یہاں نہیں ہے۔ اعمش کے متعلق رجال کے ماہرین کہتے ہیں کہ وہ شیعیت کے لیے متہم تھے۔ یہ بات ہے تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح زہری روایات میں ملاوٹ کر دیتے ہیں اسی طریقہ سے اعمش نے یہاں یہ کیا ہے۔ لیکن ان کا نام سند میں نہیں آیا۔ میرے

نزدیک ان تمام اعتبارات سے یہ روایت محل نظر ہے۔

٥٦۔ باب: مَاجَاءَ فِي غَسْلِ الْبَوْلِ. وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِصَاحِبِ الْقَبْرِ: كَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ. وَلَمْ يَذْكُرْ سِوَى بَوْلِ النَّاسِ.

باب: پیشاب کے دھونے کے بارے میں اور آنحضرت ﷺ نے ایک قبر والے کے بارے میں یہ جو فرمایا کہ وہ پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا تو آپ نے آدمی ہی کے پیشاب کا ذکر کیا

امام صاحب کا مطلب یہ ہے کہ بحث آدمی ہی کے پیشاب کے بارے میں ہے، کسی جانور کے پیشاب کے بارے میں نہیں۔ میں نے آٹھ سال دیہات میں رہ کر دیکھا ہے کہ سب سے حکیمانہ فتویٰ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے کہا کہ جن جانوروں کا گوشت ہم کھاتے ہیں ان کا پیشاب بھی پاک ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ان جانوروں میں آپ زندگی گزاریں تو یہ ناممکن ہے کہ کبھی آپ کے کپڑوں وغیرہ پر ان کے پیشاب کا چھینٹا نہ پڑ جائے۔ لہذا ان کے پیشاب کو انسان کے پیشاب پر قیاس کرنے سے لوگوں کے لیے غیر معمولی دشواری پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا کرنا شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔

٨١۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ: حَدَّثَنِي رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ قَالَ: حَدَّثَنِي عَطَاءُ بْنُ أَبِي مَيْمُونَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا تَبَرَّزَ لِحَاجَتِهِ، أَتَيْتُهُ بِمَاءٍ فَيَغْسِلُ بِهِ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ جب قضائے حاجت کے لیے نکلتے تو میں پانی لے کر آتا اور آپ اس سے دھوتے۔﴾

وضاحت:

روایت میں قضائے حاجت کا ذکر ہے، اس میں پیشاب ضمنی چیز ہے۔ روایت واضح ہے۔

٨٢۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَازِمٍ قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاوُسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِقَبْرَيْنِ، فَقَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ. ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً، فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ، فَغَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً. قَالُوا: يَارَسُولَ

اللهِ، لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: لَعَلَّهُ يُخَفِّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا.

قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: وَحَدَّثَنَا وَكِيعٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: سَمِعْتُ مُجَاهِدًا: مِثْلَهُ: يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ.

﴿ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا، آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ پر نہیں۔ ان میں سے ایک تو پیشاب میں احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خوری کرتا پھرتا تھا۔ پھر آپ نے ایک ہری ٹہنی لی اور اس کو چیر کر دو کر ڈالا اور ہر قبر پر ایک ایک گاڑ دی۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا شاید جب تک یہ نہ سوکھیں ان کا عذاب ہلکا ہو۔﴾

وضاحت:

یہ وہی روایت ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ پہلی روایت میں اعمش کا نام نہیں تھا لیکن یہاں موجود ہے۔ روایت کے متعلق میں اپنا اشکال اوپر بتا چکا ہوں۔

۵۷. باب: تَرْكِ النَّبِيِّ ﷺ وَالنَّاسِ الْأَعْرَابِيَّ حَتَّى فَرَغَ مِنْ بَوْلِهِ فِي الْمَسْجِدِ

باب: نبی ﷺ اور دوسرے لوگوں نے بدو کو مسجد میں پیشاب کرنے کا موقع دیا یہاں تک کہ وہ فارغ ہو گیا

۸۳۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ": أَخْبَرَنَا إِسْحٰقُ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى أَعْرَابِيًّا يَبُولُ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: دَعُوهُ حَتَّى إِذَا فَرَغَ، دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دیکھا کہ ایک بدو مسجد میں پیشاب کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو۔ یہاں تک کہ جب وہ پیشاب سے فارغ ہو گیا آپ نے پانی منگوایا اور پیشاب پر بہا دیا۔﴾

وضاحت:

یہ ہے نبی کریم ﷺ کی شان۔ معلوم نہیں ہم اور آپ تقویٰ کے زعم میں اس وقت کیا کر ڈالتے۔ دوسری روایت میں آیا بھی ہے کہ اس وقت لوگوں نے اس کو آڑے ہاتھوں لیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو پیشاب کر لینے دو۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اگر بیچ میں حارج ہو جاتے تو معلوم نہیں اس کو کیا خطرناک حالت پیش آ جاتی۔ بدو کے پیشاب کر لینے کے بعد آپ نے پانی منگوایا اور اس پر بہا دیا گیا۔ مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے۔ اس دور میں مسجد میں کنکریاں بچھی ہوئی تھیں اور کوئی چار دیواری بھی نہیں تھی۔ یہ حکیمانہ طریقہ تھا جو آپ نے اختیار فرمایا۔ بدو کو سلیقہ سکھانا تھا۔ بعد میں بتا دیا کہ یہ مسجد ہے، یہاں ایسی حرکت نہیں کرتے۔

۵۸. باب: صَبِّ الْمَاءِ عَلَى الْبَوْلِ فِي الْمَسْجِدِ

باب: مسجد میں پیشاب پر پانی بہا دینا

۸۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ قَالَ: قَامَ أَعْرَابِيٌّ، فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ، فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ، فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ: "دَعُوهُ وَهَرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ، أَوْ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ"

﴿ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک گنوار کھڑا ہو کر مسجد میں پیشاب کرنے لگا تو لوگوں نے اس کو للکارا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اور جہاں اس نے پیشاب کیا ہے اس پر پانی کا ایک ڈول بہا دو۔ کیونکہ تم لوگوں پر آسانی پیدا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو، سختی کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں ہے کہ لوگوں نے اعرابی کو آڑے ہاتھوں لیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جانے دو اور پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو۔

ھریقوا میں الف عربی قاعدے سے ھ میں بدل گیا ہے

یہ جو فرمایا کہ اللہ کے بندو تم اس لیے دنیا میں اٹھائے گئے ہو کہ لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنے والے ہو نہ کہ ان کی راہ تنگ کرنے والے، تو گویا یہ ظاہر فرما دیا کہ امت کا مزاج یہ ہونا چاہیے۔ ہمارے لوگ اس حقیقت سے

بے خبر ہیں اور ذرا ذرا سی باتوں کو دین وایمان کا مسئلہ بنالیتے ہیں جس کے نتیجہ میں لوگوں میں دین ہی سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے بارے میں ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ایک دفعہ وہ نماز پڑھنے ننگے سر کھڑے ہو گئے تو ایک صاحب نے میلی کچیلی چٹائی والی ٹوپی ان کے سر پر رکھ دی۔ انہوں نے ٹوپی سر سے اتار پھینکی۔ ٹوپی پہنانے والے کو یہ خیال نہیں آیا کہ اتنے بڑے عالم ہیں، ننگے سر کھڑے ہو گئے تو وہ مسئلہ کو مجھ سے بہتر طور پر جانتے ہیں۔ ہوسکتا ہے میلی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کو مکروہ سمجھتے ہوں۔

۵۹ باب: يُهْرِيقُ الْمَاءَ عَلَى الْبَوْلِ

باب: پیشاب پر پانی بہادے

۸۵۔ وَحَدَّثَنَا خَالِدٌ قَالَ: وَحَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي طَائِفَةِ الْمَسْجِدِ، فَزَجَرَهُ النَّاسُ، فَنَهَاهُمُ النَّبِيُّ ﷺ فَلَمَّا قَضَى بَوْلَهُ، أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ بِذَنُوبٍ مِنْ مَاءٍ فَهُرِيقَ عَلَيْهِ.

﴿انسؓ کہتے ہیں کہ ایک گنوار آیا۔ وہ مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کرنے لگا تو لوگوں نے اس کو جھڑکا۔ ان کو آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو نبی ﷺ نے حکم دیا اور ایک ڈول پانی اس پر بہادیا گیا۔﴾

وضاحت:

یہ وہی اوپر والی روایت ہے۔ طایفۃ کا لفظ کونے کے معنوں میں اسی روایت میں پڑھا ہے۔

۶۰ . باب: بَوْلِ الصِّبْيَانِ

باب: بچوں کے پیشاب کے بارے میں

۸۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا تو اس نے آپ کے

کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگوایا اور اس کو اس کے پیچھے چھوڑ دیا۔ ﴾

وضاحت:

معلوم ہوا کہ بالغوں کے پیشاب میں اور بچوں کے پیشاب میں فرق ہے۔ بالغوں کے بارے میں بتا دیا کہ اس میں احتیاط کرنا چاہیے۔ بچوں کے بارے میں یہ ہے کہ بچے کے پیشاب پر آپ کچھ پانی بہا دیں۔

یہ بات یاد رکھیے کہ دین آسان ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میرا خیال ہے کہ زندگی تنگ ہو جاتی۔ بچے پوچھ کر پیشاب نہیں کرتے۔ جب ضرورت پیش آئے گی کر دیں گے اور جہاں چاہیں گے کر دیں گے۔ تو اس کے لیے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ کپڑوں پر پانی چھڑک دینا کافی ہوتا ہے۔ یہ بات کہ لڑکے اور لڑکیوں کے پیشاب میں کوئی فرق ہے تو اس کی کوئی علت نہیں۔

٨٧۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: اَخْبَرَنَا مَالِكٌ" عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ: اَنَّهَا اَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ لَمْ يَاْكُلِ الطَّعَامَ، اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاَجْلَسَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ حِجْرِهِ، فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ، وَلَمْ يَغْسِلْهُ.

﴿ ام قیس سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو، جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئیں۔ آپ نے اس کو اپنی گود میں بٹھا لیا تو اس نے پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگوایا اور اس پر چھڑک دیا اور کپڑے کو دھویا نہیں۔ ﴾

وضاحت:

یہ بات کہ بچہ ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا، کس کی وضاحت ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ بات آنحضرت ﷺ نے نہیں فرمائی۔ یہ بات یا بچے کی ماں نے کہی ہے، یا ابن شہاب نے گھسائی ہے اور اپنا فقہی مذہب روایت میں ڈال دیا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ بچہ جب کھانے پینے لگ جائے تو اس کے معاملات میں کچھ احتیاط ہو جاتی ہے۔ بچے کا ایک مفہوم آپ سمجھتے ہیں اور اس کے معاملات میں ان چیزوں میں اس وقت احتیاط کرنے لگ جاتے ہیں جب کہ کرنا چاہیے اس سے پہلے نہیں کرتے۔ یہاں یہ بات کہ بچہ ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا میرے نزدیک ابن شہاب کا اضافہ ہے۔

٦١. باب: البَوْلِ قَائِمًا وَقَاعِدًا

باب: کھڑے ہوئے اور بیٹھ کر پیشاب کرنا

٨٨۔ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: أَتَى النَّبِيُّ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَجِئْتُهُ بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ

﴿حذیفہؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کا ایک قوم کے گھورے پر گزر ہوا تو وہاں آپ نے کھڑے ہوئے پیشاب کیا۔ پھر پانی منگوایا۔ میں پانی لے آیا تو آپ نے وضو کیا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بھی اعمش سے ہے لیکن اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ اس میں جو بات ہے وہ صرف یہ کہ کھڑے ہونے کی حالت میں بھی پیشاب کیا جا سکتا ہے اور یہ عقل عام (Common Sense) کا مسئلہ ہے۔ گھورے پر بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اور آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ اس طرح کی کوئی حالت پیش آجائے تو آپ لوگوں کے لیے بھی اپنے عمل سے آنحضرت ﷺ نے گنجائش فراہم کر دی ہے۔

٦٢. باب: البَوْلِ عِنْدَ صَاحِبِهِ وَالتَّسَتُّرِ بِالحَائِطِ

باب: آدمی کا اپنے ساتھی کے قریب دیوار کے پردے میں پیشاب کرنا

٨٩۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: رَأَيْتُنِي أَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ نَتَمَاشَى، فَأَتَى سُبَاطَةَ قَوْمٍ خَلْفَ حَائِطٍ فَقَامَ كَمَا يَقُومُ أَحَدُكُمْ فَبَالَ، فَانْتَبَذْتُ مِنْهُ، فَأَشَارَ إِلَيَّ فَجِئْتُهُ فَقُمْتُ عِنْدَ عَقِبِهِ حَتَّى فَرَغَ.

﴿حذیفہ سے روایت ہے کہ میں اور نبی کریم ﷺ ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ آپ ایک قوم کے گھورے پر پہنچے جو ایک دیوار کی پشت پر تھا تو آپ وہاں کھڑے ہوئے جس طریقہ سے ایک عام آدمی کھڑا ہوتا ہے اور آپ نے وہاں پیشاب کیا۔ میں ذرا پرے ہٹ گیا تو آپ نے میری طرف اشارہ کیا اور میں پھر قریب آ گیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ آپ اپنی ضرورت سے فارغ ہو گئے۔﴾

وضاحت:

رابتی، بات کا آغاز کرنے کے لیے آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے دیکھا، کچھ یوں ہوا، یوں سمجھو وغیرہ۔ راوی نے مضمون کے بیان کرنے میں ترتیب الجھا دی ہے۔ اصل واقعہ یوں ہے کہ ایک دن ہم جا رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ ایک قوم کے گھورے پر پہنچے جس کے آگے کی طرف دیوار تھی۔ اس موقع سے آپ نے فائدہ اٹھایا اور وہاں کھڑے ہوئے۔ میں نے جب محسوس کیا کہ آپ پیشاب کرنا چاہتے ہیں تو میں پیچھے کی طرف ہٹ گیا، لیکن آپ نے اشارہ کیا تو میں قریب ہو کر آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ تب آپ نے وہاں پیشاب کیا۔

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ گندی جگہ تھی اور بے تکلفی کے ساتھ وہاں بیٹھا نہیں جا سکتا تھا۔ زندگی میں ایسے مواقع پیش آ سکتے ہیں جہاں ایسا کرنا پڑتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو ہر شعبہ زندگی سے متعلق ہمیں رہنمائی دینی اور مہذب بنانا تھا۔ آپ کے اس عمل سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا جواز مل گیا ورنہ یہ بھی امت کے لیے ایک مسئلہ بن جاتا۔

یہ واقعہ ہے کہ ہمارے تمام معاملات میں اور نسوانی معاملات میں جس جامعیت، ترتیب، اطلاع اور علم کے ساتھ آنحضرت ﷺ نے رہنمائی دی ہے اس پر تعجب ہوتا ہے۔ کسی کا علم اتنا نہیں ہو سکتا۔ اتنی واقفیت، اتنا علم بغیر اللہ تعالیٰ کی براہ راست رہنمائی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

۶۳۔ باب: البَوْلِ عِنْدَ سُبَاطَةِ قَوْمٍ

باب: کسی قوم کے گھورے پر پیشاب کرنا

۹۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ: كَانَ أَبُومُوسَى الأَشْعَرِيُّ يُشَدِّدُ فِي الْبَوْلِ وَيَقُولُ: إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ أَحَدِهِمْ قَرَضَهُ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ: لَيْتَهُ أَمْسَكَ، أَتَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا.

﴿ابووائل سے روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعری پیشاب کے بارے میں تشدد کی حد تک محتاط تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ بنی اسرائیل کا حال یہ تھا کہ جب ان میں سے کسی کے کپڑے کو پیشاب کی چھوت لگ جاتی تو وہ اس کو کاٹ دیتا تھا۔ حذیفہ نے کہا کاش وہ ایسا نہ کرتے۔ رسول اللہ ﷺ ایک قوم کے گھورے پر آئے اور وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔﴾

وضاحت:

لینه امسک، مطلب یہ کہ کاش ابوموسیٰ ایسا نہ کرتے۔ حذیفہ کا کہنا یہ تھا کہ جب ضرورت پڑنے پر نبی کریم ﷺ نے بے تکلفی سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس معاملہ میں اتنا تشدد اور احتیاط جو لوگ برتتے اور اسے تقویٰ سمجھتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔ خواہ مخواہ کو بات کا بتنگڑ نہیں بنانا چاہیے۔

بنی اسرائیل سے متعلق ابوموسیٰؓ کی بات سنی سنائی معلوم ہوتی ہے۔ اس زمانے میں عرب کے لوگوں کو سابقہ ادیان کے بارے میں جو معلومات تھیں وہ مدینہ اور اس کے قرب و جوار میں رہنے والے اہل کتاب سے سنی ہوئی تھیں۔ وہ صحیفوں سے براہ راست ناقدانہ واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہود کے ہاں نجاست کے معاملات میں بڑا تشدد تھا لیکن یہ کہ شبہ ہو جائے کہ یہاں پیشاب لگ گیا ہے تو پھر اس کپڑے کو کاٹ دیں، یہ اسی تشدد کی شہرت عام رہی ہوگی جس کا مظاہرہ ابوموسیٰ اشعری کرتے تھے۔ ورنہ تورات کا جہاں تک تعلق ہے تو اس میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے۔ البتہ تورات یہودی فقہ کی کتاب نہیں ہے۔ ان کی فقہ کی کتابوں میں ہوسکتا ہے اس طرح کی کوئی چیز رہی ہو۔

٦٣ . باب: غَسْلِ الدَّمِ

باب: خون کا دھونا

٩١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي فَاطِمَةُ، عَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ" النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا تَحِيضُ فِي الثَّوْبِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَ: "تَحُتُّهُ ثُمَّ تَقْرُصُهُ بِالْمَاءِ وَ تَنْضَحُهُ وَ تُصَلِّي فِيهِ".

﴿حضرت فاطمہ حضرت اسماءؓ سے روایت کرتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور ارشاد ہو کہ اگر ہم میں سے کسی کو ایام ماہواری کا خون کپڑوں میں لگ جائے تو کیا کرے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو کھرچ ڈالے، پھر پانی ڈال کر رگڑے اور پانی سے دھو ڈالے اور اس میں نماز پڑھ لے۔﴾

وضاحت:

خاتون کے سوال کا آنحضرت ﷺ نے یہ جواب دیا کہ اگر ماہواری کا خون کپڑے کو لگ جائے تو اس کو

کھرچ کر جھاڑ دے اور کپڑے کو پانی سے دھودے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی بڑا اہم اور سنگین معاملہ نہیں ہے۔ پانی سے دھونے کے بعد اس کپڑے میں نماز پڑھ لے۔ خشک ہونے کا انتظار بھی ضروری نہیں۔ اس لیے کہ دھونے سے کپڑا پاک ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ کی مشکلات اور ذمہ داریوں پر غور کیجئے کہ انہیں دنیا میں کیا کیا فرائض کس کس طرح انجام دینے پڑے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہ باتیں نہ بتائی ہوتیں تو ان کے نہ جاننے کی وجہ سے کیا آپ سمجھتے ہیں کہ زندگی کا یہ پہلو ویسا ہی روشن ہوتا جیسا کہ اب ہے۔

۹۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُو مُعَاوِيَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: جَاءَ تْ فَاطِمَةُ ابْنَةُ اَبِي حُبَيْشٍ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ: يَارَسُولَ اللّٰهِ، اِنِّي امْرَاَةٌ" اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ، اَفَاَدَعُ الصَّلَاةَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: "لَا، اِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ" وَلَيْسَ بِحَيْضٍ، فَاِذَا اَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلَاةَ، وَ اِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي"، قَالَ: وَقَالَ اَبِي: "ثُمَّ تَوَضَّئِي لِكُلِّ صَلَاةٍ حَتّٰى يَجِيءَ ذٰلِكِ الْوَقْتُ".

﴿ابو حبیش کی صاحبزادی فاطمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے خون آتا ہے اور میں پاک نہیں ہوتی تو ایسی حالت میں کیا میں نماز چھوڑ دوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ یہ تو ایک رگ کی بیماری ہے اور حیض نہیں ہے۔ پس جب حیض کے دن آئیں تب تو نماز چھوڑ دیا کرو اور جب وہ دن گزر جائیں تو غسل کر کے خون صاف کرو، پھر نماز پڑھو۔ کہتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا کہ پھر ہر نماز کے لیے وضو کرتی رہو یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے۔﴾

وضاحت:

'مجھے خون آتا ہے اور میں پاک نہیں ہوتی' کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل خون جاری رہتا ہے۔ عرق کے معنی رگ کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ ایک رگ کی بیماری ہے جس سے خون جاری رہتا ہے۔ یہ حیض نہیں ہے۔ اس کو فقہا کی اصطلاح میں استحاضہ کہتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے ابو حبیش کی صاحبزادی سے فرمایا کہ صرف اتنے دن ترک نماز کا لحاظ ہوگا جتنے دن اپنی عادت کے مطابق حیض کے محسوس کرو۔ اس کے بعد غسل کر کے نماز پڑھو۔ باقی دنوں میں جو خون آتا رہے گا وہ استحاضہ کی بیماری ہے اور حیض میں شامل نہیں ہے۔ اس روایت میں عبارت کی ایک مشکل ہے۔ وہ یہ کہ قال و قال ابی

ثم توضای لکل صلوۃ حتی یجی ذالک الوقت (وہ کہتے ہیں کہ میرے باپ نے کہا کہ پھر ہر نماز کے لیے وضو کرتی رہو یہاں تک کہ پھر حیض کے دن آئیں) اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ عروہ کا فتویٰ ہے یا رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ہی کا حصہ ہے۔ اگر یہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا حصہ ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ استحاضہ کی حالت میں مریضہ کو ہر نماز کے لیے نیا وضو کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر یہ عروہ کا فتویٰ ہے، جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، تو اس شکل میں یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور یہ فتویٰ دیا جا سکتا ہے کہ جب تک پہلا وضو قائم ہو تو جس طرح ایک آدمی دوبارہ نیا وضو کیے بغیر نماز پڑھ سکتا ہے اسی طرح ایک عورت بھی حالت استحاضہ میں اسی وضو سے نماز پڑھ سکتی ہے۔ توضئی کے لفظ سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہ جملہ حدیث ہی کا ٹکڑا ہے۔ اگر یہ حدیث کا ٹکڑا نہیں تھا تو عروہ کو کہنا چاہیے تھا تتوضاء یعنی عورت کو چاہیے کہ وضو کرے۔ توضئی کہہ کر انہوں نے اپنے قول کو آنحضرت ﷺ کے قول سے ملا دیا ہے۔ میرے نزدیک اگرچہ بات انہوں نے اس طرح کہہ دی ہے جس سے عبارت کے بارے میں یہ سوال پیدا ہو گیا ہے، لیکن فی الواقع اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہر نماز کے لیے وضو کرے، جب کہ ازروئے شریعت وہ پاک ہے۔ ایک بیماری کی بنیاد پر یہ پابندی کیوں عائد کر دی جائے کہ وہ وضو کے بارے میں دین کی ایک رخصت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتی۔ اس معاملہ میں صفائی کے نقطۂ نظر سے بھی اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں معلوم ہوتی۔ والعلم عند اللہ

۲۵ . باب: غَسْلِ الْمَنِيِّ وَ فَرْكِهِ، وَغَسْلِ مَا يُصِيبُ مِنَ الْمَرْأَةِ

باب: منی کا دھونا، اس کا کھرچنا، اور عورت سے جو لگ جائے اس کا دھونا

۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونِ الْجَزَرِيُّ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كُنْتُ أَغْسِلُ الْجَنَابَةَ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ ﷺ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَ إِنَّ بُقَعَ الْمَاءِ فِي ثَوْبِهِ.

﴿سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے کپڑے سے جنابت کو دھوتی تھی تو آپ اس کپڑے کو پہنے ہوئے نماز کے لیے نکلتے تھے حالانکہ پانی کے دھبے کپڑے پر نمایاں ہوتے تھے۔﴾

۹۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو عَنْ سُلَيْمَانَ قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ ح. وَ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ قَالَ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيبُ الثَّوْبَ؟ فَقَالَتْ: كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَيَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَ أَثَرُ الْغَسْلِ فِي ثَوْبِهِ بُقَعُ الْمَاءِ.

﴿سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ منی کپڑے میں لگ جائے تو کیا کرے۔ انہوں نے کہا، میں آنحضرت ﷺ کے کپڑے سے منی دھوڈالتی، پھر آپ نماز کے لیے نکلتے اور دھونے کے نشان یعنی پانی کے دھبے آپ کے کپڑے پر ہوتے۔﴾

وضاحت:

ان دونوں روایتوں کا مفہوم واضح ہے۔ کپڑا جب دھودیا گیا تو وہ پاک ہوگیا۔ اس کا خشک ہونا پاکیزگی کی شرط نہیں ہے۔ پانی کے نشانات دھونے کی جگہ پر ابھی نمایاں ہوتے تھے کہ نبی ﷺ نماز کے لیے چلے جاتے تھے اور کپڑے کے خشک ہونے کا انتظار نہیں کرتے تھے۔

٦٦. باب: إِذَا غَسَلَ الْجَنَابَةَ أَوْ غَيْرَهَا فَلَمْ يَذْهَبْ أَثَرُهُ

باب: اس بارے میں کہ منی وغیرہ دھوئے اور اس کا اثر نہ جائے

٩٥۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ الْمِنْقَرِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ قَالَ: سَمِعْتُ سُلَيْمَانَ بْنَ يَسَارٍ فِي الثَّوْبِ تُصِيبُهُ الْجَنَابَةُ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: كُنْتُ أَغْسِلُهُ مِنْ ثَوْبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ يَخْرُجُ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَثَرُ الْغَسْلِ فِيهِ بُقَعُ الْمَاءِ.

﴿عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ سلیمان بن یسار سے میں نے سنا کہ کپڑے میں جب منی لگ جائے تو اس بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں آنحضرت ﷺ کے کپڑے سے اس کو دھوڈالتی، پھر آپ نماز کے لیے اس حال میں نکلتے کہ دھونے کے نشانات یا پانی کے دھبے کپڑے پر ہوتے۔﴾

٩٦۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَيْمُونِ بْنِ مِهْرَانَ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَغْسِلُ الْمَنِيَّ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ أَرَاهُ فِيهِ بُقْعَةً أَوْ بُقَعًا.

﴿حضرت عائشہؓ کہتی تھیں کہ وہ آنحضرت ﷺ کے کپڑے سے منی دھوڈالتی تھیں۔ پھر اس کا دھبہ یا کئی دھبے اس کپڑے میں دیکھ سکتی تھیں۔﴾

وضاحت:

ان دونوں روایتوں میں بھی وہی مضمون ہے جو پچھلے باب کی روایات میں تھا۔

٦٧. باب: أَبْوَالِ الإِبِلِ وَالدَّوَابِّ وَالغَنَمِ وَمَرَابِضِهَا

وَصَلَّى أَبُو مُوسَى فِي دَارِ البَرِيدِ وَالسِّرْقِينِ وَالبَرِّيَّةُ إِلَى جَنْبِهِ، فَقَالَ: هَاهُنَا وَ ثَمَّ سَوَاءٌ"

باب: اونٹوں، چوپایوں اور بکریوں کے پیشاب اور ان کے باڑوں کے بارے میں

اور یہ کہ ابوموسیٰ نے دارالبرید میں نماز پڑھی جہاں گوبر تھا حالانکہ صاف میدان آپ کے قریب تھا۔ لیکن آپ نے کہا کہ یہاں اور وہاں یکساں ہے

یہ مسئلہ سمجھنے کا ہے کہ کیا اونٹوں، گائیوں، بھینسوں اور بکریوں کے پیشاب کا اور ان کے باڑے اور باندھنے کے تھان اور ان کے گوبر کے انبار کا حکم وہی ہے جو عام نجاست کا ہے یا اس نجاست میں اور عام نجاست میں کوئی فرق ہے۔ اس کا زندگی سے بڑا اہم تعلق ہے۔ میں کسان کا بیٹا ہونے کے باوجود ایک زمانے تک اس مسئلے کی اہمیت کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ لیکن زندگی کے اس دور میں جب مجھے خود کسان بننا پڑا تو واقعہ یہ ہے کہ میں اس کی اہمیت کو سمجھ گیا۔ اس لیے کہ میں نے دیکھا ہے کہ جب گھروں میں، بگیوں میں بکثرت جانور موجود ہوں تو احتیاط کے باوجود ایسی افتاد پیش آ جاتی ہے کہ کپڑے جانوروں کے پیشاب اور گوبر کے چھینٹوں سے آلودہ ہو جاتے ہیں۔ جانوروں کے باڑوں میں تو ان کی غلاظت کے انبار لگے ہوتے ہیں۔ جس شخص کو انہی جگہوں میں ہر وقت رہنا پڑے اس کے لیے طہارت کے معیار اگر وہی ہوں جن کا لحاظ ہم شہروں میں کرتے ہیں تو اس کے لیے دین پر عمل بے حد مشکل ہو جائے۔

اس باب میں ابوموسیٰ کی ایک تعلیق بھی نقل کی گئی ہے۔ دارالبرید سے مراد سرکاری ڈاک کے اڈے ہیں جو راستے میں بنے ہوں گے۔ اس زمانے میں گھوڑے اور اونٹ ڈاک برداری میں استعمال ہوتے رہے ہیں اور دارالبرید میں ان کے باندھنے اور گھاس چارے کا انتظام رہا ہوگا۔ اس میں ان کے گوبر کے ڈھیر بھی ہوتے تھے اور زمین ان کے پیشاب سے تر رہتی تھی۔ کہتے ہیں کہ اس میں ابوموسیٰ اشعریؓ نماز پڑھ لیتے تھے اور یہ بھی نہیں کہ کوئی مجبوری تھی بلکہ سامنے ہی کھلا میدان تھا۔ اگر توجہ دلائی جاتی کہ حضرت وہاں نماز پڑھ لیجیے تو کہتے کہ یہاں اور وہاں میں کیا فرق ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ عام معاملات میں تشدد ہونے کی حد تک محتاط تھے لیکن جانوروں کے بول و براز کے لیے ان کے اندر وہ آزادی اور روشن خیالی تھی جس کا حوالہ امام صاحب نے اس تعلیق میں دیا ہے۔

٩٧۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَدِمَ أُنَاسٌ" مِنْ عُكْلٍ أَوْ عُرَيْنَةَ فَاجْتَوَوُا المَدِينَةَ فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ بِلِقَاحٍ

وَ اَنْ يَشْرَبُوا مِنْ اَبْوَالِهَا وَأَلْبَانِهَا فَانْطَلَقُوا فَلَمَّا صَحُّوا قَتَلُوا رَاعِي النَّبِيِّ ﷺ وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ فَجَاءَ الْخَبَرُ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ فَبَعَثَ فِي آثَارِهِمْ فَلَمَّا ارْتَفَعَ النَّهَارُ جِيءَ بِهِمْ، فَأَمَرَ بِقَطْعِ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلِهِمْ، وَسُمِّرَتْ اَعْيُنُهُمْ وَأُلْقُوا فِي الْحَرَّةِ يَسْتَسْقُونَ فَلا يُسْقَوْنَ، قَالَ اَبُو قِلَابَةَ: فَهٰؤُلَاءِ سَرَقُوا وَقَتَلُوا وَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ، وَحَارَبُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ عکل یا عرینہ قبیلوں کے کچھ لوگ مدینہ میں آئے تو انہوں نے وہاں کی آب و ہوا کو ناموافق پایا۔ نبی ﷺ نے ان کو اونٹوں کے اڈوں پر چلے جانے اور اونٹوں کے پیشاب اور دودھ پینے کا مشورہ دیا۔ وہ لوگ وہاں چلے گئے۔ جب خوب تگڑے ہو گئے تو انہوں نے نبی ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو بھگا لے گئے۔ علی الصبح خبر مدینہ پہنچی تو نبی ﷺ نے ان کے پیچھے سواروں کو بھیجا اور دن چڑھے وہ سب کو پکڑ کر لے آئے۔ آپ نے حکم دیا تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے، ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھیر دی گئی اور وہ تپتی ریت پر لٹا دیے گئے۔ وہ پانی مانگتے تھے لیکن پانی نہیں پلایا گیا۔ ابو قلابہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے چوری بھی کی تھی، قتل بھی کیا تھا، ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محاربہ کیا تھا۔﴾

وضاحت:

روایت میں عکل یا عرینہ آیا ہے یعنی راوی کو شبہ ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کچھ آدمی عکل کے تھے اور کچھ عرینہ کے۔ یہ لوگ مدینہ آ کر ٹھہرے تو یہاں کی آب و ہوا موافق نہیں آئی اور وہ بیمار ہو گئے۔ ان کے پیٹ میں کچھ تکلیف پیدا ہو گئی۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ صحرا میں جہاں ہمارے اونٹوں کے اڈے ہیں وہاں چلے جائیں اور ان اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پئیں۔ وہاں جا کر جب وہ تندرست اور تگڑے ہو گئے تو انہوں نے سرکاری چرواہوں کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو بھگا لے گئے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے لاشوں کا مثلہ بھی کیا تھا۔ یہ خبر جب مدینہ پہنچی تو آنحضرت ﷺ نے ان کے تعاقب میں گھڑ سواروں کا ایک دستہ بھیجا۔ دن چڑھے ان کو پکڑ کر لایا گیا۔ اونٹوں کے اڈے کئی میل کے فاصلے پر تھے۔ درمیانی وقت میں وہ کچھ بھاگے بھی ہوں گے لیکن اس کے باوجود وہ فوری گرفتار ہوئے۔ اس کے برعکس آپ اپنی پولیس پر جتنا چاہے خرچ کریں لیکن اس کی آنکھوں کے سامنے دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہیں اور وہ بالکل بے بس معلوم ہوتی ہے۔

اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پینے کا مشورہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ عرب کے لوگ اونٹوں وغیرہ کا

پیشاب بطور دوا استعمال کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس میں معدے کی بعض بیماریوں کا علاج ہے۔ چونکہ یہ وبا زدہ لوگ تھے تو آپ نے علاج کے طور پر انہیں اسی کا مشورہ دیا۔ ہمارے دیہی معاشرہ میں بھی زخموں کا علاج پیشاب وغیرہ سے کر لیتے ہیں اور اس میں کوئی کراہت محسوس نہیں کی جاتی۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ نبی ﷺ نے ان کو محارب یعنی باغی کی سزا دی تو اسلامی حکومت میں اگر کوئی لا اور آرڈر کا مسئلہ پیدا کرے تو اس کی سرکوبی کے لیے اسلام نے سخت قانون دیا ہے۔ سورہ مائدہ کی آیت ۳۳ کے تحت ایسے شخص کے ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹے جا سکتے ہیں، جلا وطن بھی کیا جا سکتا ہے اور قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ قتل میں تمثیل یعنی عبرت انگیز طریقہ سے قتل کرنا بھی شامل ہے۔ البتہ آگ میں جلانے کی ممانعت ہے۔ رجم بھی تمثیل ہی کی ایک شکل ہے۔ یہ تردد ہو سکتا ہے کہ اس فیصلے کے وقت کیا سورہ مائدہ کی آیت نازل ہو چکی تھی تو یہ ثابت کرنا آسان نہیں ہے۔ لیکن اس طریقہ کے جرائم پیشہ لوگوں کے لیے زمانہ جاہلیت میں بھی سخت سزائیں تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ سابقہ معروف کے مطابق ان کو یہ سزا دی گئی ہو اور پھر قرآن مجید نے ان کی قطعی شکل بتا دی ہو۔

یہ واقعہ ہے کہ ان لوگوں نے حرکت بہت ہی ناشائستہ کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے تو بہت ہی چاؤ اور پیار سے انہیں صحرا میں بھیجا تھا کہ آزادی کے ساتھ رہیں اور کھائیں پئیں لیکن وہ جب ذرا تگڑے ہو گئے تو یہ سرکشی کی کہ قتل بھی کیا اور اونٹ بھی بھگا لے گئے۔ سزا میں اگر شدت ہے تو محارب کی سزا یہی ہے اور اس کے تحت تمثیل کی اجازت ہے۔

۹۸۔ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي قَبْلَ أَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ مسجد کی تعمیر سے پہلے بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھا کرتے تھے۔﴾

وضاحت:

حضرت انسؓ میں یہ بات ہے کہ ایک چیز کا خاص محل ہوتا ہے لیکن وہ اس کو بیان کرتے ہیں عام صیغہ سے، گویا یہ نبی کریم ﷺ کی عادت مستمرہ تھی۔ وہ یہ فرماتے ہیں کہ مسجد کے بننے سے پہلے آپ بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ مرابض غنم میں نماز پڑھنے کی علت یہ تو نہیں تھی کہ مسجد نہیں بنی تھی۔ یا جب مسجد بن گئی تو اس کے بعد بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنا جائز نہیں رہا۔ مرابض غنم اور مسجد میں مقابلہ کا کوئی سوال نہیں ہے۔ مسجدیں بننے کے بعد بھی بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی ضرورت ہر جگہ پیش آ سکتی ہے۔ سب لوگ کوٹھیوں اور شہروں میں نہیں رہتے۔ آبادی کا بڑا حصہ رات دن بھینسوں اور بکریوں کے ریوڑ لیے پھرتا ہے اور انہیں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا ہے۔

بات جو ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایسے مواقع آتے رہے ہوں گے کہ نبی ﷺ کے لیے نماز پڑھنے کی یہی شکل ممکن رہی ہو۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی چٹائی وغیرہ بچھا کر نماز پڑھ لیتے رہے ہوں لیکن یہ عمل ثابت نہیں ہوتا۔ چٹائی وغیرہ بچھا کر پڑھنے لینے میں آخر نزاکت احساس کیوں پیدا کیجئے۔ روایت کرنے میں حضرت انسؓ نے آنحضرت کے ایک فعل کو حضور کی ایک مستقل عادت کے طور پر بیان کر دیا ہے۔ جس سے یہ سوالات پیدا ہو گئے ہیں۔

ہمارے دیہات میں ایک تالاب تھا اور اس میں پانی اتنا ہی جمع ہوتا تھا کہ بچپن میں ہم اس میں اچھلتے تھے۔ اس میں ایک طرف سے مویشیوں کے آنے کے راستے تھے اور دوسری طرف سے بزرگوں کے آنے کے۔ لوگ اس میں نہاتے اور کپڑے دھوتے۔ میں نے دیکھا ہے کہ جانوروں کی ایک عادت مستمرہ ہے کہ جب وہ پانی پیتے ہیں تو جتنا پیتے ہیں اتنا ہی پیشاب بھی کر دیتے ہیں، پانی کی کمی نہیں ہونے دیتے۔ میں بھی اس تالاب میں نہاتا رہا ہوں۔ اس وقت تو میں نے نہیں سوچا تھا لیکن بعد میں جب یہ مسائل آئے تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا ورنہ آج اپنے ماضی سے کتنی کراہت ہوتی۔ ماننا پڑے گا کہ یہ چیزیں مباح ہیں۔ اگر یہ نہ مانیئے تو ایسے علاقوں میں جہاں پانی کمیاب ہے اور لوگوں کو تالابوں میں جمع شدہ بارش کے پانی کے استعمال پر مجبور ہونا پڑتا ہے، وضو اور غسل کے احکام پر عمل کرنے میں بڑی مشکل پیش آتی۔ ہمارے ہاں ایک بحث یہ پیدا ہوگئی ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب وغیرہ پاک ہے۔ جو گروہ ذرا متشدد ہے اس کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ کہنے کو تو انہوں نے ناپاک کہہ دیا لیکن یہ زندگی کے مسائل کا حل نہیں ہے۔ مجھے تو جب تک دیہی زندگی سے سابقہ نہیں پڑا تھا میں ناپاکی کا قائل تھا لیکن جب سے بھینسوں کے چھڑکاؤ سے سابقہ پڑا تو میری رائے یہی ہے کہ اس کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔

۶۸ . باب: مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ فِي السَّمْنِ وَالْمَاءِ

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا بَأْسَ بِالْمَاءِ مَالَمْ يُغَيِّرْهُ طَعْمٌ، أَوْ رِيحٌ، أَوْ لَوْنٌ، وَقَالَ حَمَّادٌ: لَا بَأْسَ بِرِيشِ الْمَيْتَةِ، وَقَالَ الزُّهْرِيُّ، فِي عِظَامِ الْمَوْتَى نَحْوَالْفِيلِ وَغَيْرِهِ: أَدْرَكْتُ نَاسًا مِنْ سَلَفِ الْعُلَمَاءِ يَمْتَشِطُونَ بِهَا، وَيَدَّهِنُونَ فِيهَا، لَا يَرَوْنَ بِهِ بَأْسًا، وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ وَإِبْرَاهِيمُ: لَابَأْسَ بِتِجَارَةِ الْعَاجِ.

باب: جو نجاست گھی میں یا پانی میں پڑ جائے اس کا کیا حکم ہے

زہری کا قول یہ ہے کہ اس پانی میں کوئی خرابی نہیں ہے جب تک اس کا ذائقہ یا بو یا رنگ نہ بدلے۔ حماد کہتے ہیں کہ مردار کے پر میں کوئی ناپاکی نہیں ہے۔ مردار جانور مثلاً ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں کے

بارے میں زہری کا قول یہ ہے کہ انہوں نے علماء سلف میں سے بہتوں کو دیکھا کہ وہ ان کی کنگھی بنا کر استعمال کرتے اور ان میں تیل رکھتے تھے۔ اور ابن سیرین اور ابراہیم نے کہا کہ ہاتھی دانت کی تجارت میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

اس باب میں ایک چیز قابل غور ہے اور وہ ہے زہری کا یہ فتوی کہ اس پانی میں کوئی خرابی نہیں ہے جس کا ذائقہ، بو اور رنگ نہ بدلے۔ اس میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تینوں شرطیں بیک وقت ہوں گی یا اگر ان میں سے ایک بھی پائی جائے تو پانی خراب ہو جائے گا۔ یعنی بو تو نہیں بدلی لیکن ذائقہ اور رنگ بدلا ہوا ہے یا ذائقہ نہیں بدلا لیکن رنگ و بو میں تبدیلی آ گئی ہے۔ دوسرا یہ کہ تغیر کا اعتبار نجس چیز کے پڑنے سے ہوگا یا پاک چیز بھی پڑ جائے اور رنگ اور ذائقہ بدل جائے تو اس کا اعتبار ہوگا۔ اگر پاک چیز میں بھی اس فتوی پر عمل ہو جب تو شربت روح افزا بھی خطرے میں پڑ جائے گا۔ بس معلوم ہوا کہ نجس چیز اگر پانی میں پڑ جائے تو اس کا لحاظ ہوگا۔ یعنی اگر کوئی نجاست پانی میں اتنی مقدار میں پڑ گئی کہ پانی کا ذائقہ، بو اور رنگ نہیں بدلا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ایک بحث یہ ہے کہ کتنا پانی ہو تو لحاظ ہوگا تو میری رائے یہ ہے کہ اس کو مبہم ہی چھوڑ دیجئے۔ بس اگر کوئی نجس چیز پانی میں پڑ جائے تو رنگ و بو و ذائقہ نہ بدلے تو پھر مزید کچھ نہ پوچھئے اور ضرورت پڑے تو اس پانی کو استعمال کر لیجئے۔ بعض فقہاء اس فتوی پر پانی کی مقدار کی شرط بھی لگاتے ہیں۔

٩٩۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِاللَّهِ بْنِ عَبْدِاللَّهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سُئِلَ عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ، فَقَالَ: "أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا فَاطْرَحُوهُ وَكُلُوا سَمْنَكُمْ".

﴿حضرت میمونہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ چوہا اگر روغن میں گر جائے تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چوہا اور اس کے ارد گرد جو گھی ہے اس کو پھینک دو اور باقی اپنے گھی کو برتو۔﴾

١٠٠۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللَّهِ قَالَ: حَدَّثَنَا مَعْنٌ قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِاللَّهِ بْنِ عَبْدِاللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُونَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنْ فَأْرَةٍ سَقَطَتْ فِي سَمْنٍ؟ فَقَالَ: "خُذُوهَا وَمَا حَوْلَهَا فَاطْرَحُوهُ"، قَالَ مَعْنٌ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ مَا لَا أُحْصِيهِ يَقُولُ: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ مَيْمُونَةَ.

﴿حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں ام المومنین حضرت میمونہؓ سے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ چوہا

اگر گھی میں گر پڑے تو کیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ چوہے کو اور اس کے آس پاس کے روغن کو پھینک دو۔ معن کہتے ہیں کہ ہم سے مالک نے یہ حدیث کئی بار بیان کی اور وہ یوں کہتے تھے کہ ابن عباسؓ نے اور انہوں نے میمونہؓ سے روایت کی۔

وضاحت:

جہاں تک جامد روغن کا تعلق ہے تو اس کا مسئلہ حضرت میمونہؓ کی اس روایت سے صاف ہو جاتا ہے لیکن اگر روغن مائع حالت میں ہو تب کیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں چوہے کے ارد گرد کے روغن کو باقی سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں اس لیے یہ روغن نہیں برتا جائے گا۔ لیکن یہ پابندی صرف اس کے کھانے پر ہے لہذا کھانے کے علاوہ دوسری ضروریات میں یہ روغن استعمال ہو سکتا ہے۔ تھوڑی مقدار کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سائنٹفک طریقہ سے اسے صاف کر کے کھانے کے قابل بنا لیا جائے البتہ اگر روغن زیادہ مقدار میں ہو تو اسے صاف کیا جا سکتا ہے اور اس کے متعلق فتویٰ بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔

۱۰۱۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَكُونُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا إِذْ طُعِنَتْ تَفَجَّرُ دَمًا، اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ".

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جو زخم مسلمان کو لگے گا قیامت کے دن وہ اسی ہیئت میں نمایاں ہوگا جس ہیئت میں اس کو وہ زخم لگا تھا۔ خون بہہ رہا ہوگا۔ رنگ تو اس کا خون کا ہوگا اور خوشبو اس کی مشک کی خوشبو ہوگی۔

وضاحت:

امام صاحب اس روایت کو یہاں کیوں لائے ہیں، یہ بات واضح نہیں ہے۔ حدیث کے شارحین کو بھی اس کا جواب دینے میں مشکل پیش آئی ہے۔ اگر امام صاحب اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ خون کے متعلق کیا حکم ہوگا تو ظاہر ہے کہ یہ روایت شہید کے خون کے بارے میں ہے اور اس آسمان کے نیچے شہید کے خون سے پاک چیز کوئی ہے ہی نہیں۔ اس کی نجاست کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اضطراری طور پر جس گندگی سے بھی سابقہ پیش آئے گا اس سے ناپاکی لاحق نہیں ہوگی۔ مثلاً آگے روایت آ رہی ہے کہ خانہ کعبہ میں آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے ہوئے سجدے میں گئے تو آپ کی گردن پر کسی بدبخت نے اوجھ رکھ دی تو کیا آپ اس سے ناپاک ہو گئے۔

حضور کا تو معاملہ ہی اور ہے لیکن اگر کسی دوسرے نمازی کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے کہ اس کی اور اس کی نماز کی توہین کی جائے تو یہ اس کو ناپاک نہیں کرے گی۔

اس طرح کی روایات کو حلت وحرمت اور نجاست وطہارت کے ضابطوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہذا امام صاحب کا اس روایت کو یہاں بیان کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس روایت سے نہ تو خون کی طہارت کا حکم نکالا جاسکتا ہے نہ اس کی نجاست کا۔ یہ خون ہی دوسرا ہے بلکہ اس سے یہ کلیہ پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے لیے جو اہل ایمان واہل تقویٰ ہیں حالت اضطرار میں پیش آنے والی ان چیزوں میں طہارت ونجاست کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اس حالت میں جو کچھ بھی کریں گے وہ ان کے لیے پاک ہے، نیکی ہے، تقویٰ ہے۔

۲۹. باب: الْبَوْلِ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ

باب: تھمے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا

۱۰۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو الزِّنَادِ أَنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ ابْنَ هُرْمُزَ الْأَعْرَجَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: "نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ". وَبِإِسْنَادِهِ قَالَ: "لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ، الَّذِي لَا يَجْرِي، ثُمَّ يَغْتَسِلُ فِيهِ".

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ ہم آخری لوگ اور سبقت کر جانے والے ہیں۔ انہی اسناد کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہ کرے کہ تھمے ہوئے پانی میں پیشاب کرے اور پھر اس میں نہا لے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں مضمون کے دو ٹکڑے ہیں اور دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ نحن الاخرون السابقون (ہم آخری ہیں اور سبقت کر جانے والے ہیں) کو اس معروف روایت کی روشنی میں لیا جائے گا جس میں آتا ہے کہ امت مسلمہ اگرچہ آخری امت ہے لیکن دوسری امتوں سے سبقت کر جائے گی۔ اس بات کی عقلی توجیہ بھی ہوسکتی ہے اور یہ بھی کہ دوسری امتوں پر اس امت کی فضیلت ہے۔ اس سے انکار کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ اسی سند کے ساتھ ابوہریرہؓ سے دوسرا ٹکڑا یہ مروی ہے کہ تھمے ہوئے پانی میں پیشاب کرکے کوئی شخص اس میں پھر نہائے نہیں۔ ان ٹکڑوں کی ایک

ساتھ روایت کرنے کی افادیت سمجھ میں نہیں آئی۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کسی سلسلہ میں کئی باتیں سنی ہوں اور پھر یہ بیان کیا ہو کہ آپ نے یہ بات بھی فرمائی اور یہ بات بھی۔ اس طرح انہوں نے دو اجمل باتوں کو جوڑ کر یہاں روایت کر دی ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے دو بے جوڑ باتوں کو یہاں کیوں لیا ہے جب کہ باب کی رعایت سے ان کا تعلق روایت کے آخری ٹکڑے سے تھا۔ وہ اس کو لے لیتے اور پہلے ٹکڑے کو چھوڑ دیتے۔ ہمارے شارحین حدیث نے ان ٹکڑوں کے درمیان تعلق ثابت کرنے کے لیے جو نکتے بیان کیے ہیں میں ان کو دہرانا نہیں چاہتا اس لیے کہ اس سے ذہن میں بدگمانی پیدا ہوگی۔

ایک سوال یہ ہے کہ رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کے بعد اس میں غسل کی ممانعت کیا تہذیب، تمدن، سلیقہ اور صفائی کے جامع نصب العین کی تعلیم ہے یا فقہی اصول بیان ہوا ہے۔ جانوروں کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی جوہڑ یا تالاب پر آتے ہیں اور پانی پیتے ہیں تو ساتھ ہی اس میں پیشاب بھی کر دیتے ہیں۔ آنحضرت نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے کہ آدمی ماءِ دائم میں پیشاب کرے اور پھر اس میں نہانا شروع کر دے تو گویا یہ بہیمیت سے نکالنے کے لیے ہے۔ اب فقہی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص رکے ہوئے پانی میں پیشاب کر دے تو کیا پانی ناپاک ہو جائے گا۔ ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور جائز تو یہ بھی نہیں ہے کہ کوئی ماءِ جاری میں پیشاب کرے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ پانی نجس ہو جائے گا تو ساری وہ بحثیں جو پانی کی نجاست کے بارے میں ہیں ان کا لحاظ رکھنا ہوگا۔ مثلاً ابھی آپ نے پڑھا ہے کہ مذہب یہ ہے کہ جب تک پانی کا رنگ، بو اور ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا اس وقت تک وہ پانی پاک ہے۔ یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے۔

پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پانی کی کتنی مقدار ہو کہ جس میں نجاست مل جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔ اس بارے میں دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ پانی کی مقدار قلیل ہو یا کثیر، اگر نجاست گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں، قلیل پانی ہوا تو ناپاک ہو جائے گا اور کثیر ہوگا تو ناپاک نہیں ہوگا۔ پھر اس کے بعد اختلاف ہو جاتا ہے کہ کثیر کی تعریف کیا ہے۔ اس میں بڑی بحثیں ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کا تعلق فقہ سے نہیں بلکہ عقل عام (Common sense) سے ہے۔ ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایک جوہڑ ایسا ہے کہ جس میں ایک آدمی پیشاب کر دے تو ناپاک ہو جائے گا اور ایک ایسا ہے کہ ناپاک نہیں ہوگا۔ لیکن ناپاک نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ جو صاحب چاہیں اس میں پیشاب کر دیں۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ آپ جانور نہ بنیں۔ پانی کی صفائی سے زیادہ اہم یہ ہے کہ آدمی مہذب انسان بنے۔ اس طرح پیشاب کرنا، چاہے ماءِ دائم ہو یا ماءِ جاری، جائز نہیں ہے۔ ایسا کرنا تہذیب کے، صفائی

کے اعلیٰ نصب العین کے اور انسانیت کے اعلیٰ نقطہ نظر کے بالکل منافی ہے۔

٧٠. باب: إذَا أُلْقِيَ عَلَى ظَهْرِ الْمُصَلِّي قَذَرٌ" أَوْ جِيفَةٌ" لَمْ تَفْسُدْ عَلَيْهِ صَلَاتُهُ

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا رَأَى فِي ثَوْبِهِ دَمًا وَهُوَ يُصَلِّي وَضَعَهُ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ. وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالشَّعْبِيُّ: إِذَا صَلَّى وَفِي ثَوْبِهِ دَمٌ" أَوْ جَنَابَةٌ"، أَوْ لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ، أَوْ تَيَمَّمَ وَصَلَّى ثُمَّ أَدْرَكَ الْمَاءَ فِي وَقْتِهِ: لَا يُعِيدُ.

باب: نمازی کی پشت پر گندگی یا مردار ڈال دیا جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی

اور ابن عمر کا حال یہ تھا کہ اگر نماز پڑھتے ہوئے وہ اپنے کپڑے میں خون کا کوئی اثر پاتے تو کپڑے کو اتار کر رکھ دیتے لیکن نماز جاری رکھتے۔ ابن المسیب اور شعبی کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نماز پڑھ لے اور پھر کپڑے میں خون کا یا جنابت کا کوئی شائبہ پائے یا اس کی نماز غیر قبلہ میں ہو رہی تھی اور متنبہ ہوا یا یہ کہ تیمم کے ساتھ نماز پڑھی اور پھر وقت کے اندر پانی مل گیا تو اسے ان سب صورتوں میں نماز کا اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

١٠٣۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو ابْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ سَاجِدٌ" ح. وَحَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا شُرَيْحُ بْنُ مَسْلَمَةَ قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ مَيْمُونٍ: أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُودٍ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ، وَ أَبُو جَهْلٍ وَ أَصْحَابٌ" لَهُ جُلُوسٌ"، إِذْ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: أَيُّكُمْ يَجِيءُ بِسَلَى جَزُورِ بَنِي فُلَانٍ فَيَضَعُهُ عَلَى ظَهْرِ مُحَمَّدٍ إِذَا سَجَدَ؟ فَانْبَعَثَ أَشْقَى الْقَوْمِ، فَجَاءَ بِهِ فَنَظَرَ حَتَّى إِذَا سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ وَضَعَهُ عَلَى ظَهْرِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَ أَنَا أَنْظُرُ، لَا أُغْنِي شَيْئًا، لَوْ كَانَتْ لِي مَنَعَةٌ" . قَالَ: فَجَعَلُوا يَضْحَكُونَ وَ يُحِيلُ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ سَاجِدٌ" لَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ، حَتَّى جَاءَتْهُ فَاطِمَةُ فَطَرَحَتْهُ عَنْ ظَهْرِهِ، فَرَفَعَ رَأْسَهُ ثُمَّ قَالَ: "اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ" ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. فَشَقَّ عَلَيْهِمْ إِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ، قَالَ: وَ كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّ

الدَّعْوَةَ فِی ذٰلِکَ الْبَلَدِ مُسْتَجَابَةٌ"، ثُمَّ سَمّٰی: "اللّٰهُمَّ عَلَیْکَ بِأَبِی جَهْلٍ، وَعَلَیْکَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِیْعَةَ، وَشَیْبَةَ بْنِ رَبِیْعَةَ، وَالْوَلِیْدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَ أُمَیَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِی مُعَیْطٍ"، وَعَدَّ السَّابِعَ فَلَمْ نَحْفَظْهُ، قَالَ: فَوَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهِ لَقَدْ رَأَیْتُ الَّذِیْنَ عَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَرْعٰی فِی الْقَلِیْبِ قَلِیْبِ بَدْرٍ.

﴿عبداللہ بن مسعودؓ نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے ساتھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہے تم میں سے کوئی جو فلاں قبیلہ کے ہاں سے اوجھ اٹھا لائے اور جب محمد (ﷺ) سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پر رکھ دے۔ اس پر ان کا سب سے زیادہ بدبخت آدمی اٹھا اور اوجھ لے آیا۔ اس نے انتظار کیا یہاں تک کہ جب نبی ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے آپ کے دونوں شانوں کے درمیان پیٹھ پر اس کو ڈال دیا۔ میں دیکھتا رہا لیکن کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ کاش میرے پاس قوت ہوتی کہ میں کچھ کر پاتا۔ وہ قہقہے لگاتے رہے اور ایک دوسرے پر گرتے رہے۔ آنحضرت ﷺ سجدے ہی میں پڑے رہے۔ اپنا سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ فاطمہؓ آئیں اور آپ کی پشت سے اوجھ کو اتارا۔ آپ نے سر اٹھایا اور دعا کی یا اللہ قریش سے تو نپٹ لے، تین مرتبہ آپ نے فرمایا۔ جب آپ نے یہ دعا کی تو ان لوگوں پر گراں گزری۔ ابن مسعودؓ نے کہا کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس شہر میں دعا قبول ہوتی ہے۔ آپ نے نام لے کر فرمایا کہ اے اللہ تو سمجھ لے ابوجہل سے، عتبہ بن ربیعہ سے، شیبہ بن ربیعہ سے، ولید بن عتبہ سے، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط سے۔ عمرو بن میمون نے ساتویں شخص کا نام بھی لیا جو ہم کو یاد نہ رہا۔ ابن مسعودؓ نے کہا کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ان لوگوں کو جن کا نام آنحضرت ﷺ نے لیا تھا کنویں میں پڑے دیکھا، بدر کے کنویں میں۔﴾

وضاحت:

اس میں شبہ نہیں کہ یہ روایت مسلمانوں کی تاریخ کی بڑی اہم اور شاندار روایت ہے۔ لیکن اس سے امام صاحب نے جو فقہی حکم نکالا ہے اس پر میں کیا کہوں؟ وہ کہتے ہیں کہ اس طریقے سے اگر کسی نمازی پر گندگی لا کر ڈال دی جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اس روایت کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ فرض کیجئے کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں اور کوئی

بچہ آپ پر گندگی پھینک دیتا ہے یا کسی اور صاحب کے ہاتھ سے کوئی غلیظ چیز آپ پر گر جاتی ہے تو کیا آپ ناپاک نہیں ہوئے۔ آپ ناپاک ہو جائیں گے اور طہارت حاصل کرنی پڑے گی۔

رہ گیا یہ معاملہ کہ نبی کریم ﷺ خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے ہیں اور وہاں بیٹھے ہوئے اشقیا مشورت کر کے کہیں سے جانور کی اوجھ لا کر آنحضرت ﷺ کی پشت پر ڈال دیتے ہیں کہ آپ کی توہین کریں تو کیا یہ اوجھ نبی ﷺ کی نماز اور عبادت کو باطل کر سکتی ہے، تو میرے نزدیک یوں تو حضور کی تمام نمازیں عرش معلی تک پہنچنے والی ہیں لیکن شاید سب سے زیادہ مرتبہ اسی نماز کا رہا ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اس طریقہ کے ظلم اور اضطرار کی حالت میں آدمی کو جو امتحان پیش آتے ہیں وہ اس کو نجس اور ناپاک نہیں کرتے بلکہ اس کی پاکی اور بڑھ جاتی ہے۔ پاکی یا ناپاکی کا تعلق ان چیزوں سے ہے جو اختیار کے دائرے میں ہوں۔ ان کا حکم الگ ہے۔ اس لیے امام صاحب کا اوپر والا استنباط درست نہیں ہے۔

باقی رہ گیا باب میں جو حضرت ابن عمرؓ، ابن المسیب اور شعبی کے فتوے بیان ہوئے ہیں تو یہ ٹھیک ہیں۔ حضرت عمرؓ کے متعلق آیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو شبہ ہوا کہ آپ کے کپڑے غلیظ ہو گئے ہیں تو آپ نہا لیے حالانکہ اس سے پہلے نماز پڑھا کر نکلے تھے لیکن آپ نے کوئی منادی نہیں کرائی کہ میں نے ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھا دی اس لیے سب لوگ نماز دوبارہ پڑھ لیں۔ اور یہ بات بھی روایت سے معلوم نہیں ہوتی کہ آپ نے اپنی نماز بھی دہرائی ہو۔

اسی طرح آپ نے بھی غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی تو آپ کی نماز ہو گئی۔ بعد میں نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اگر آپ کا جی چاہتا ہے تو پڑھ لیجئے۔ علی ہذا القیاس پانی نہیں ملا اور آپ نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور پھر پانی مل گیا اور وقت بھی ہے تو یہ ضروری نہیں کہ آپ اعادہ کریں۔

میرے نزدیک یہ سب فتوے درست اور عقل و نقل کے مطابق ہیں۔

۷۱۔ باب: الْبُزَاقِ وَالْمُخَاطِ وَنَحْوِهِ فِي الثَّوْبِ

وَقَالَ عُرْوَةُ عَنِ الْمِسْوَرِ وَمَرْوَانَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ زَمَنَ حُدَيْبِيَةَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ: وَمَا تَنَخَّمَ النَّبِيُّ ﷺ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ.

باب: تھوک اور بلغم اور اس طرح کی چیزوں کے بارے میں جو کپڑے میں کہیں لگ جائیں

اور عروہ نے مسور اور مروان سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حدیبیہ سے نکلے تو آپ نے جب

جب تھوکا تو لوگوں میں سے کسی نہ کسی نے اسے اپنے ہاتھ پر لیا اور اس کو منہ اور بدن پر مل لیا۔

باب میں یہ جو بیان کیا ہے کہ زمانہ حدیبیہ میں آنحضرت ﷺ نے جب تھوکا تو لوگوں میں سے کسی نہ کسی نے اپنے ہاتھ پر لیا اور چہرے اور بدن پر مل لیا، اس میں راوی نے روایت کرنے میں خاص بات کو عام صیغہ سے بیان کر دیا ہے جس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں بعض لوگ ایسے رہے ہوں گے جو ان چیزوں کے لیے اپنے اندر بڑی رغبت رکھتے اور اس طرح اپنی عقیدت مندی کا اظہار کرتے رہتے۔ البتہ راوی نے اس بات کو اس کے حدود سے تجاوز کر کے بیان کر دیا ہے۔ کچھ افراد نے ایسا کیا تو انہوں نے عام مسلمانوں کا طرز عمل بتا دیا۔ کیا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اس طرح کرتے تھے۔ راوی نے بیان کرنے میں عموم اور خصوص کا فرق ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ یہ میری رائے ہے۔ باب ۳۲ کی احادیث کی وضاحت میں اپنا نقطہ نظر میں نے بیان کر دیا ہے۔

۱۰۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: بَزَقَ النَّبِيُّ ﷺ فِي ثَوْبِهِ. قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ: طَوَّلَهُ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ" قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

﴿انسؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (نماز میں) اپنے کپڑے پر تھوکا۔ امام بخاری نے کہا کہ ابن ابی مریم نے اس روایت کو لمبا بیان کیا ہے۔﴾

وضاحت:

نماز یا مسجد میں ہوتے ہوئے اگر تھوک یا بلغم صاف کرنے کی ضرورت پیش آئے تو کسی رومال یا کپڑے میں اس کو صاف کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔ باقی رہ گیا تھوک بلغم وغیرہ تو ان چیزوں سے ہم کراہت محسوس کرتے ہیں اور ہر شخص کو کرنا چاہیے کہ یہ فطرت کا تقاضا ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ آنحضرت ﷺ نے پاکی، صفائی اور نفاست کی تعلیم دی ہے۔

۷۲۔ بَاب: لَا يَجُوزُ الْوُضُوءُ بِالنَّبِيذِ وَلَا الْمُسْكِرِ

وَكَرِهَهُ الْحَسَنُ وَ أَبُو الْعَالِيَةِ، وَقَالَ عَطَاءٌ: اَلتَّيَمُّمُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الْوُضُوءِ بِالنَّبِيذِ وَاللَّبَنِ.

باب: نبیذ اور نشہ آور چیزوں سے وضو کرنا جائز نہیں

اور حسن اور ابوالعالیہ نے ان چیزوں سے وضو کرنا مکروہ سمجھا ہے اور عطاء نے کہا کہ نبیذ اور دودھ سے

وضوکرنے سے بہتر میرے نزدیک تیمم ہے

معلوم نہیں اس باب کے باندھنے کی ضرورت کیا تھی؟ پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے وضوکرنے کی اجازت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نبیذ یہ ہے کہ کھجور اور انگور وغیرہ کو پانی میں اس وقت تک ڈالے رکھیں جب تک ایک طرح کے سرور کی کیفیت اس میں پیدا نہ ہو جائے۔ پینے کے لیے تو یہ ٹھیک ہے لیکن کیا اس سے وضو کرنا چاہیے۔ ممکن ہے یہ بھی کسی کو سوجھا ہوگا۔ قرآن پاک میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا (پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو) تو کیا لوگ اتنے بے عقل تھے کہ یہ نہ سمجھیں کہ پانی نہ ملے تو اس کی جگہ نبیذ استعمال نہیں کر سکتے۔

۱۰۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: "كُلُّ شَرَابٍ أَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ".

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ پینے کی ہر وہ چیز جو نشہ آور ہو حرام ہے۔﴾

وضاحت:

کلیہ یہی ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور امام صاحب یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔

۷۳۔ باب: غَسْلِ الْمَرْأَةِ أَبَاهَا الدَّمَ عَنْ وَجْهِهِ

وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ: امْسَحُوا عَلَى رِجْلِي فَإِنَّهَا مَرِيضَةٌ"

باب: لڑکی کا اپنے باپ کے چہرے سے خون دھونا

اور ابو العالیہ نے کہا میرے پاؤں پر مسح کرو کیونکہ اس میں بیماری ہے

لڑکی سے زیادہ کس کا حق ہو سکتا ہے کہ باپ کی پیشانی اگر خون آلود ہے تو وہ اس کو دھو دے۔ اس میں کسی شرعی حکم کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اس پر باب باندھنے کی ضرورت نہ تھی۔ اگر سیدہ فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ کا زخم دھویا تو یہ تاریخ کا بڑا اہم واقعہ ہے۔ دنیا کی تمام خواتین کے لیے اور لڑکیوں کے لیے یہ ایک نمونہ ہے۔ اس حوالہ سے امام صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اعضائے وضو پر زخم وغیرہ کی صورت میں وضو میں کسی دوسرے سے مدد لی جا سکتی ہے۔

۱۰۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ" قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ، سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ وَسَأَلَهُ النَّاسُ وَمَا بَيْنِي وَ بَيْنَهُ أَحَدٌ": بِأَيِّ شَيْءٍ دُوِيَ جُرْحُ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: مَا بَقِيَ أَحَدٌ" أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، كَانَ عَلِيٌّ" يَجِيءُ بِتُرْسِهِ فِيهِ مَاءٌ"، وَفَاطِمَةُ تَغْسِلُ عَنْ وَجْهِهِ

الدَّم، فَأَخِذَ حَصِير " فَأَحْرِقَ فَحُشِيَ بِهِ جُرْحُهُ.

﴿ابو حازم کہتے ہیں کہ لوگوں نے سہل بن سعد سے پوچھا اور اس وقت میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نہیں تھا۔ کہ آنحضرت ﷺ کے زخم کا علاج کس چیز سے کیا گیا۔ سہل نے کہا کہ اب اس کا مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی باقی نہیں رہا۔ حضرت علیؓ اپنی ڈھال سے پانی لاتے تھے اور حضرت فاطمہؓ آپ کے چہرہ سے خون دھوتی تھیں۔ آخر ایک بوریا جلایا گیا اور وہ آپ کے زخم میں بھر دیا گیا۔﴾

وضاحت:

یہ جنگ احد کا واقعہ ہے جب آنحضرت ﷺ کو زخم لگا تھا۔ چٹائی کا ٹکڑا جلا کر زخم میں بھر دینا ایک پرانا طریقۂ علاج ہے۔

۷۴. بَابُ السِّوَاكِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: بِتُّ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَاسْتَنَّ.

باب: مسواک کے بارے میں۔ اور ابن عباس نے کہا کہ میں ایک رات نبی ﷺ کے پاس رہا تو آپ نے مسواک کی

۱۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، فَوَجَدْتُهُ يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ، يَقُولُ أُعْ أُعْ، وَالسِّوَاكُ فِي فِيهِ، كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ.

﴿ابی بردہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں آیا تو دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں مسواک ہے اور آپ مسواک کر رہے ہیں۔ آپ نے مسواک منہ میں ڈالے اع اع کی آواز نکالی گویا قے کر رہے ہیں۔﴾

وضاحت:

صفائی، طہارت اور نفاست کے آداب نبی ﷺ نے سکھائے ہیں۔ اع اع کی آواز جو آپ نکال رہے تھے گویا حلق کو صاف کرنے کے لیے نکال رہے تھے۔ اسی کو راوی نے یوں تعبیر کیا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آپ قے کر رہے ہوں۔

۱۰۸۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ" عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ، إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ، يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ.

﴿حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب شب میں اٹھتے تو اپنا منہ مسواک سے صاف کرتے تھے۔﴾

وضاحت:

ہم مدتوں نیم اور کیکر کی مسواک کرتے رہے ہیں۔ شہروں میں یہ چیزیں، خاص کر پیلو کی مسواک بہت کم میسر ہیں اس لیے آپ برش استعمال کر سکتے ہیں۔ اصل سنت منہ کی صفائی ہے۔ وہ مسواک سے بھی ہو سکتی ہے اور برش سے بھی۔

۷۵. باب: دَفْعِ السِّوَاكِ إِلَى الْأَكْبَرِ

باب: مسواک بڑے آدمی کے حوالے کرنا

۱۰۹۔ وَقَالَ عَفَّانُ: حَدَّثَنَا صَخْرُ بْنُ جُوَيْرِيَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: أَرَانِي أَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ، فَجَاءَنِي رَجُلَانِ، أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ، فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا، فَقِيلَ لِي: كَبِّرْ، فَدَفَعْتُهُ إِلَى الْأَكْبَرِ مِنْهُمَا.

قَالَ أَبُو عَبْدِاللَّهِ: اخْتَصَرَهُ نُعَيْمٌ، عَنِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ أُسَامَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ.

﴿ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ مسواک کر رہا ہوں۔ میرے سامنے دو آدمی آئے۔ ان میں سے ایک عمر میں دوسرے سے بڑا تھا۔ میں نے مسواک چھوٹے کو دینی چاہی تو مجھے ہدایت کی گئی کہ بڑے کا لحاظ کرو تو میں نے بڑے کو دے دی۔﴾

وضاحت:

یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس خواب کو یہاں بیان کرنے کا موقع کیا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ تو نہیں نکالا جا سکتا کہ آپ مسواک کر رہے ہوں اور اگر کوئی دو آدمی کہیں کہ یہ ہمیں دے دو تو بڑے کو دیں اور چھوٹے کو نہ دیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ میری مسواک ہے، آپ اپنی مسواک حاصل کریں۔ البتہ اس سے ایک کلیہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی چیز جب دی جائے گی تو بڑے کا حق مرجح ہوگا۔ کوئی شے دینے کے بھی آداب ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ سیدھے ہاتھ سے دینا شروع کریں، عمر میں بڑے سے آغاز کریں۔ لیکن یہاں خواب کا واقعہ بیان ہوا ہے اور خواب تعبیر کا محتاج ہوتا ہے جو

ایک مشکل فن ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے خواب کی تعبیر بیان نہیں کی۔

٧٦۔ باب: فَضْلِ مَنْ بَاتَ عَلَى الْوُضُوْءِ

باب: باوضو سونے کی فضیلت

٢١١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ قَالَ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ، فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلَاةِ، ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلَى شِقِّكَ الْأَيْمَنِ، ثُمَّ قُلْ: اَللّٰهُمَّ أَسْلَمْتُ وَجْهِي إِلَيْكَ، وَفَوَّضْتُ أَمْرِي إِلَيْكَ، وَأَلْجَأْتُ ظَهْرِي إِلَيْكَ، رَغْبَةً وَرَهْبَةً إِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَى مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، اَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَبِنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ. فَإِنْ مُتَّ مِنْ لَيْلَتِكَ، فَأَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ، وَاجْعَلْهُنَّ آخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهِ. قَالَ: فَرَدَّدْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَلَمَّا بَلَغْتُ: اَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِي أَنْزَلْتَ، وَرَسُوْلِكَ، قَالَ: لَا، وَنَبِيِّكَ الَّذِي أَرْسَلْتَ.

﴿براء بن عازب سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سونے کا ارادہ کرو تو وضو کرو اس طرح کہ جیسا نماز کے لیے کرتے ہو۔ پھر اپنے داہنے پہلو پر لیٹ جاؤ۔ پھر یہ دعا کرو کہ اے اللہ میں نے اپنے آپ کو تیرے حوالے کیا، اپنی جان تیرے سپرد کی، اپنی کمر تجھ پر ٹیکی، رغبت کے ساتھ اور خوف کے ساتھ (یعنی میرا یہ فعل ڈر اور شوق دونوں کے ساتھ ہے) نہ کوئی پناہ تیرے سوا ہے اور نہ کوئی نجات کی جگہ۔ میں ایمان لایا تیری کتاب پر جو تو نے اتاری اور اس نبی پر جس کو تو نے رسول بنا کر بھیجا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اس رات تم مرے تو تمہاری موت فطرت پر ہوگی۔ تم یہ اہتمام کرو کہ تمہاری زبان سے نکلنے والا آخری کلمہ یہی ہو۔ براء کہتے ہیں کہ میں نے اس دعا کو یاد کرنے کے لیے نبی ﷺ کے سامنے دہرایا۔ جب میں نے الفاظ آمنت بکتابک الذی انزلت و رسولک ادا کیے تو آپ نے فرمایا نہیں نبیک الذی ارسلت کہو۔﴾

وضاحت:

یہ بڑی اہم اور بڑی مبارک روایت ہے اور اسی مبارک روایت پر امام صاحب نے کتاب الوضو کو ختم کیا ہے۔ اس میں باوضو ہو کر دعا پڑھ کر سونے کی ہدایت ہے۔ میں آپ سب لوگوں کو تلقین کرتا ہوں کہ جس کو یہ دعا یاد نہ ہو وہ اس کو یاد کرلے اور جس کو یاد ہے وہ اس پر پابندی سے عمل کرے۔ الحمدللہ مجھے یہ توفیق حاصل ہے کہ ایک مدت دراز سے میں کبھی بھی اس کے بغیر نہیں سویا۔ سونے سے پہلے زبان سے نکلنے والا آخری کلمہ یہی دعا ہو۔ چنانچہ میں اس کے علاوہ بعض دعائیں بھی پڑھتا ہوں لیکن آخری چیز یہی دعا ہوتی ہے۔

براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ میں نے چاہا کہ یاد کرنے کے لیے یہ دعا میں نبی کریم ﷺ کے سامنے دہرا لوں۔ کہتے ہیں کہ میں جب امنت بکتابک الذی انزلت پر پہنچا تو اس کے بعد کہا ورسولک الذی ارسلت. تو آپ نے فرمایا کہ یوں نہیں، بلکہ یہ کہو کہ و نبیک الذی ارسلت۔ اب اس کی بلاغت پر قربان جایئے۔ آپ نے جو اصلاح فرمائی وہ نہایت لطیف اور نہایت عمدہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نبیک کی بجائے ورسولک کا لفظ کہیں تو پھر مضمون میں اصولی فرق پیدا ہو جاتا ہے لیکن یہ مسئلہ یہاں اس پر بحث کا نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کے فرمائے ہوئے الفاظ کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ راوی حضرات جب روایت کے الفاظ میں تبدیلی کر دیتے ہیں تو بات کہاں سے کہاں نکل جاتی ہے۔ دعاؤں کے بارے میں میری تحقیق یہ ہے کہ راوی حضرات بشری تقاضوں کے تحت اپنے ذوق کے مطابق روایت کر دیتے ہیں۔ اس دعا کے الفاظ میں بھی مختلف روایتوں میں قدرے تغیر ملتا ہے۔ اس صورت میں اس روایت کو لینا چاہیے جس کے الفاظ چست ہوں۔

براء بن عازبؓ کے دعا کے الفاظ فوراً دہرانے سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ اس طرح کی چیزیں محفوظ کرنے کے لیے بڑا اہتمام کرتے تھے۔

کتاب البیوع

کتاب البیوع

وَقَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ: "وَأَحَلَّ اللّٰہُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" (البقرہ: ۲۷۵)

وَقَوْلِہٖ: "إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ" (البقرہ: ۲۸۲)

بیوع جمع ہے بیع کی، جس کے معروف معنی بیچنے کے ہیں لیکن عام استعمال میں یہ خرید وفروخت دونوں کے لیے آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شے کے دوسری شے سے مبادلے کے نظام میں (مثلاً Barter system میں، جو قدیم زمانے میں تجارت کا طریقہ تھا اور اب بھی بین الاقوامی تجارت میں خاصا استعمال ہوتا ہے) ہر شخص گویا بائع بھی ہوتا ہے اور مشتری بھی۔ اس لیے لفظ بیع میں خرید اور فروخت کے دونوں مفہوم شامل ہوگئے۔ قرآن میں بھی یہ لفظ دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ پس کتاب البیوع ان معاملات کے بارے میں ہے جو خرید اور فروخت سے تعلق رکھتے ہیں۔

امام صاحب نے دو آیتیں نقل کی ہیں جن کا تعلق بیع سے ہے۔ پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ''اللہ نے بیع کو حلال ٹھہرایا اور ربا کو حرام''۔ دوسری آیت کا مطلب ہے ''بجز دست بدست لین دین کے جس کو تم اپنے درمیان گردش دیتے رہتے ہو''۔ امام صاحب نے پہلی آیت کا حوالہ اگر اس مقصد سے دیا ہے کہ اس میں قرآن نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام کیا ہے تو میری تحقیق میں یہ آیت اس محل میں نہیں ہے۔ یعنی یہ قرآن کی طرف سے خبریہ جملہ نہیں ہے بلکہ کفار کے قول کا حوالہ ہے۔ اس آیت کا محل یہ ہے کہ کفار کہتے ہیں کہ اگر ربا حرام ہے تو بیع بھی حرام ہونی چاہیے لیکن حیرت ہے کہ اللہ نے بیع کو تو حلال ٹھہرایا اور ربا کو حرام۔ قرآن نے بتایا کہ یہ لوگ پاگلوں کی سی بات کرتے ہیں۔ دونوں میں آسمان وزمین کا فرق ہے۔ اسی طرح دوسری آیت اس موقع پر آئی ہے جہاں قرض کو لکھ لینے اور اس پر گواہ مقرر کر دینے کا حکم آیا ہے۔ فرمایا کہ جب لین دین دست بدست ہو، جیسا کہ نقد سودا سلف لیا جاتا ہے، تو اس کو لکھنے کی ضرورت نہیں۔ گویا اس آیت کا موقع ومحل بھی خاص ہے۔ اس کا تعلق بیع کے قاعدہ کلیہ سے نہیں ہے۔

اس دنیا میں ہر شخص دوسروں کا دست نگر بھی ہے اور دوسروں کے کام بھی آتا ہے۔ گویا وہ محتاج بھی ہے اور محتاج الیہ بھی۔ جب ہر شخص کے معاملات دوسروں کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں تو ان کی کچھ بنیاد اور اساس ہونی

ضروری ہے۔ لہٰذا اسلام نے چند اصول طے کر دیے ہیں۔ مثلاً یہ کہ معاملہ ضرر اور غرر سے پاک ہو، یعنی وہ غیر واضح، غیر یقینی اور کسی فریق کے لیے لازمی خطرہ یا نقصان کا باعث نہ ہو۔ دونوں فریق اس پر رضامند ہوں اور یہ رضامندی حقیقی ہو، مصنوعی نہیں۔ یہ نہ ہو کہ ایک فریق تو محفوظ ہو لیکن دوسرا خطرے میں ہو۔ معاملہ کے درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ سرمائے کو بازی کھیلنی پڑے۔ کمین گاہ میں بیٹھ کر فائدہ حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ وہ مارکیٹ میں آئے، بازار کا مقابلہ کرے اور اس کے بعد نفع کمائے تو یہ نفع جائز ہوگا۔ کتاب البیوع میں یہی امور زیر بحث آئیں گے۔

١۔ باب: مَا جَاءَ فِي قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى

"فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا اِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ" مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ". (الجمعة: ١٠۔ ١١)

وَقَوْلِهٖ: "لَا تَاْكُلُوا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ". (النساء: ٢٩)

باب: اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کہ "پھر جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل

جاؤ اور اللہ کے فضل کے طالب بنو اور اللہ کو زیادہ یاد رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کوئی تجارت یا دلچسپی کی چیز دیکھتے ہیں تو اس کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں اور تم کو کھڑے چھوڑ دیتے ہیں۔ کہہ دو جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہترین روزی دینے والا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کہ "تم اپنے مال آپس میں باطل ذریعے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی مال باہمی رضامندانہ تجارت کی راہ سے حاصل ہو جائے۔"

یہاں چند آیات کو جو ایک باب کے تحت کر دیا ہے تو میرے نزدیک یہ جامعین کی غلطی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اوپر جو آیات کتاب البیوع کے تحت آئی ہیں وہ اور یہ آیات سب ایک ہی باب کے تحت ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض نسخوں میں اوپر کی دو آیات نہیں ہیں۔ مجھے خیال ہوتا ہے کہ نسخوں میں جب اتنا فرق واقع ہو گیا ہے تو یہ کیا بعید ہے کہ باب کا لفظ جامعین نے بیچ میں ٹھونس دیا ہو۔ اگر یہ تمام آیتیں مجموعی طور پر سامنے رکھیے تو بلاشبہ تجارت، بیع اور کاروبار سے متعلق قرآن کی بعض اصولی تعلیمات مل جاتی ہیں جن کو امام صاحب احادیث سے مؤید کریں گے۔ لیکن قرآن میں متعدد ایسی آیات مزید موجود ہیں جو تجارت سے متعلق ہیں اور امام صاحب نے ان کو نقل نہیں کیا۔

سورہ جمعہ کی آیات اس جامع تعلیم کی حامل ہیں کہ اہل ایمان کے لیے رزق وفضل کی جدوجہد پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ البتہ اس جدوجہد میں دنیا ہی مدنظر نہیں ہونی چاہیے۔ تجارت اور کاروبار سب کچھ کرو لیکن اس کے ساتھ یہ بات یاد رکھو کہ مرنے کے بعد آخرت بھی ہے اور اس کی فلاح بھی مطلوب ہے۔

سورہ نساء کی آیت کاروبار اور تجارت کے متعلق بنیادی رہنمائی دیتی ہے کہ معاملہ کے وہ طریقے جائز نہیں ہیں جن میں دونوں فریقوں کی حقیقی رضامندی یکساں طور پر نہیں پائی جاتی بلکہ ایک کا مفاد محفوظ ہوتا ہے اور دوسرا دھوکا یا خطرہ سے دوچار ہوتا ہے یا وہ بے بسی اور مجبوری سے معاملہ کر رہا ہوتا ہے۔ سود کے معاملہ میں ہمیشہ ایک فریق مجبوری کے تحت قرض لیتا ہے۔ معاملہ کی دونوں پارٹیاں یکساں رسک لیں تب جا کر صالح تمدن کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور صالح تمدن کے قیام کے بغیر آدمی آخرت کی کامیابی سے محروم رہ جائے گا۔

ا۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: حَدَّثَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ وَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ: أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّكُمْ تَقُولُونَ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ يُكْثِرُ الْحَدِيثَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَتَقُولُونَ: مَا بَالُ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ لَا يُحَدِّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَ إِنَّ إِخْوَتِي مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَانَ يَشْغَلُهُمْ صَفْقٌ بِالْأَسْوَاقِ، وَكُنْتُ أَلْزَمُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى مِلْءِ بَطْنِي فَأَشْهَدُ إِذَا غَابُوا، وَأَحْفَظُ إِذَا نَسُوا، وَكَانَ يَشْغَلُ إِخْوَتِي مِنَ الْأَنْصَارِ عَمَلُ أَمْوَالِهِمْ، وَكُنْتُ امْرَأً مِسْكِينًا مِنْ مَسَاكِينِ الصُّفَّةِ، أَعِي حِينَ يَنْسَوْنَ، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي حَدِيثٍ يُحَدِّثُهُ: إِنَّهُ لَنْ يَبْسُطَ أَحَدٌ ثَوْبَهُ حَتَّى أَقْضِيَ مَقَالَتِي هٰذِهِ، ثُمَّ يَجْمَعَ إِلَيْهِ ثَوْبَهُ، إِلَّا وَعَى مَا أَقُولُ. فَبَسَطْتُ نَمِرَةً عَلَيَّ، حَتَّى إِذَا قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَقَالَتَهُ جَمَعْتُهَا إِلَى صَدْرِي، فَمَا نَسِيتُ مِنْ مَقَالَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ تِلْكَ مِنْ شَيْءٍ.

۞ سعید بن مسیب اور ابو سلمہ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے فرمایا تم لوگ اعتراض کرتے ہو کہ ابو ہریرہ رسول اللہ ﷺ کی بہت حدیثیں بیان کرتا ہے اور یہ بھی کہتے ہو کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ مہاجرین اور انصار رسول اللہ ﷺ سے ابو ہریرہ کی طرح روایت نہیں کرتے۔ بات یہ ہے کہ مہاجر بھائی تو بازاروں میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے تھے اور میرا حال یہ تھا کہ جہاں پیٹ بھر گیا بس رسول اللہ ﷺ سے چمٹا رہتا تھا۔ میں حاضر ہوتا تھا جبکہ وہ غائب ہوتے تھے۔ وہ بھول جاتے تھے اور میں یاد رکھتا

تھا۔ اور میرے انصار بھائیوں کا حال یہ تھا کہ اپنے مویشیوں کی ذمہ داریوں میں لگے رہتے تھے جبکہ میں صفہ کے مساکین میں سے ایک تھا۔ میں محفوظ رکھتا تھا جبکہ یہ حضرات فراموش کرنے والے ہوتے تھے۔ ایک حدیث کے مطابق، جس کی روایت وہ خود ہی کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص اپنا کپڑا میرے آگے پھیلائے گا، اس وقت تک کہ جب تک کہ میں اپنی بات پوری کر لوں اور پھر اس کو اپنی طرف سمیٹ لے گا، تو جو کچھ بھی میں نے کہا ہوگا اس کو اپنے اندر جمع کرلے گا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایک چادر جو میں اوڑھے ہوئے تھا بچھا دی اور جب آنحضرت ﷺ گفتگو ختم کر چکے تو میں نے اس کو سمیٹ کر اپنے سینے سے لگا لیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہیں بھولا۔ ؎

وضاحت:

معلوم ہوتا ہے کہ کثرت روایت کے باعث حضرت ابو ہریرہؓ پر اس دور میں اعتراض ہوا۔ اس کے جواب میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ میں تو ہر وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا اور مہاجرین وانصار اپنے اپنے کاموں میں لگے رہتے تھے۔ نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا مجھ پر خاص کرم بھی تھا۔ آپ نے میرے لیے دعا کی تھی۔ آپ نے جو کچھ کہا میں نے اس کے اوپر عمل کیا اور اس کی برکت سے میں بھولتا نہیں ہوں۔

رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت میں تو کوئی اختلاف ہو ہی نہیں سکتا اور یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ حضور ﷺ کے کہنے پر ابو ہریرہؓ نے اپنی چادر پھیلا دی اور پھر سمیٹ کر اپنے سینے سے لگائی ہو، پھر آپ اس خطبہ کو بھولے نہ ہوں۔ کیونکہ بظاہر نہ بھولنے کا وعدہ اسی خطبہ سے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ دیکھا جائے تو حضرت ابو ہریرہؓ کی عام روایات میں سہو ونسیان پایا جاتا ہے۔ ان پر بعض دفعہ اجل صحابہؓ نے بھی اعتراض کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے تو یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ ابو ہریرہؓ کو معاف فرمائے، حضور ﷺ نے تو بات یوں فرمائی تھی اور ابو ہریرہؓ نے اس کو یوں بیان کیا۔ متعدد روایات ایسی ہیں جن میں حضرت عائشہؓ صحابہ کرام میں جن کی فقاہت مسلمہ ہے، ان سے اختلاف کرتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سہو سے بالکل مامون نہیں ہو گئے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تجارت وکاروبار میں انہماک بڑھ جائے تو تحصیل علم سے غفلت ہو جاتی ہے۔ سورہ جمعہ کی آیات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے پیچھے اتنا نہ پڑو کہ دین کے فرائض سے کوتاہی ہو جائے۔ یہ بات بھی ہے کہ اہل علم دنیا سے منقطع ہی رہے ہیں۔ اس کوچہ میں روایت یہی ہے۔ کوئی آدمی دنیا میں انہماک کے بعد اہل

علم میں نہیں رہا ہے۔ بڑے بڑے فلسفیوں کو دیکھئے۔ یہ لوگ دنیا کے دھندوں سے الگ ہی رہے۔ ارسطو کو کچھ دھوکا ہوا تو اس نے مار کھائی۔ یہ علم بے ہی ایسی چیز کہ اس میں بڑی غیرت ہے۔ یہ شرکت کو گوارا نہیں کرتا۔ اگر کسی اور چیز کے ساتھ آپ کی دلچسپی رہے گی تو یہ بھی آپ کے ساتھ خالص نہیں ہوتا اور آپ عطائی ہی رہیں گے۔ علم جب سب سے زیادہ محبوب چیز بن جائے تب اس کی راہ کھلتی ہے۔ اگر اس کو آپ نے مال تجارت بنالیا تو وہی کچھ بن کر رہ جائیں گے جس کا مشاہدہ آپ اپنے معاشرہ میں کر رہے ہیں۔

امام صاحب کا ان روایات کو نقل کرنے سے مقصود مجھے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ پر حضور ﷺ کی دعا کا اثر بھی ہے اور انہوں نے آپ کے کہنے پر عمل بھی کیا۔ لیکن ان کا زندگی کا رویہ یہ رہا کہ بس شب و روز علم حاصل کیا اور صرف پیٹ بھر لینے پر ہی قانع رہے۔ دوسرے صحابہ جو تجارت یا زمینداری کرتے تھے وہ بھی دین ہی کا کام تھا، دنیاداری نہیں تھا لیکن علم میں وہ ابو ہریرہؓ سے پیچھے رہ گئے۔

۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ: حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ آخَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَيْنِيْ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ، فَقَالَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ: اِنِّيْ اَكْثَرُ الْاَنْصَارِ مَالًا، فَاَقْسِمُ لَكَ نِصْفَ مَالِيْ، وَ انْظُرْ اَيَّ زَوْجَتَيَّ هَوِيْتَ نَزَلْتُ لَكَ عَنْهَا، فَاِذَا حَلَّتْ تَزَوَّجْتَهَا، قَالَ: فَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ: لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْ ذٰلِكَ، هَلْ مِنْ سُوْقٍ فِيْهِ تِجَارَةٌ؟ قَالَ: سُوْقُ قَيْنُقَاعَ، قَالَ: فَغَدَا اِلَيْهِ عَبْدُالرَّحْمٰنِ، فَاَتٰى بِاَقِطٍ وَسَمْنٍ، قَالَ: ثُمَّ تَابَعَ الْغُدُوَّ، فَمَا لَبِثَ اَنْ جَاءَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ عَلَيْهِ اَثَرُ صُفْرَةٍ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَزَوَّجْتَ. قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَمَنْ. قَالَ: امْرَاَةً مِنَ الْاَنْصَارِ، قَالَ: كَمْ سُقْتَ قَالَ: زِنَةَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، اَوْ نَوَاةً مِنْ ذَهَبٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ.

﴿ عبدالرحمٰنؓ بن عوف کہتے ہیں کہ جب ہجرت کر کے ہم مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے میرے اور سعدؓ بن الربیع کے درمیان مواخات قائم کردی۔ سعد بن الربیع نے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ مال دار ہوں، میں آپ کو اپنا نصف مال دیتا ہوں اور دیکھ لیجئے میری دو بیویوں میں سے آپ جس بیوی کو پسند کریں، میں اس کو چھوڑ دیتا ہوں۔ جب اس کی عدت ختم ہو جائے تو آپ اس سے نکاح کرلیں۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ مجھے ان چیزوں میں سے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا یہاں کوئی

بازار ہے جہاں کاروبار ہوتا ہو۔ انہوں نے کہا قینقاع کا بازار ہے۔ کہتے ہیں کہ عبدالرحمن صبح کو بازار گئے تو کچھ پنیر اور روغن بچا کر لائے۔ پھر انہوں نے یہ آمد و رفت جاری رکھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں (آنحضرت ﷺ کے پاس) آئے تو عبدالرحمن پر زعفرانی رنگ کا اثر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم نے نکاح کیا ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کس سے، انہوں نے کہا ایک انصاری عورت سے۔ آپ نے پوچھا کیا تیگ لے گئے تھے، انہوں نے کہا گٹھلی برابر سونا یا ایک گٹھلی سونے کی۔ نبی ﷺ نے کہا ولیمہ تو کرو، خواہ ایک بکری کا ہی۔ ؁

وضاحت:

اس روایت کی زبان عرب کے اس زمانے کی اصل زبان ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ اور آنحضرت ﷺ کی جو زبان تھی بغیر کسی کمی بیشی کے منتقل ہوگئی ہے۔ اس میں اگر کسی کو لطف نہ آئے تو وہ علم کے چکر میں نہ پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا تھا۔ یوں سمجھئے کہ وہ حقیقی مواخات تھی اور آج تک اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ مکہ سے جو مہاجرین آرہے تھے ان کے مسائل کا گویا یہ حل تھا۔ اس روایت سے جہاں انصار کی فیاضی اور ایثار سامنے آتا ہے وہیں مہاجرین کا کردار، ان کی غیرت، استغناء اور اپنے زور بازو پر اعتماد بھی سامنے آتا ہے اور سبق ملتا ہے کہ جینے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ باعزت لوگ دوسروں کے بل پر نہیں جیتے۔ استغناء کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ بھی برکت عطا فرماتا ہے۔ جب انصاری بھائی نے یہ پیش کش کی کہ میں نصف مال آپ کے حوالے کرتا ہوں اور آپ کی خاطر ایک بیوی کو بھی چھوڑنے پر تیار ہوں تو عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ مجھے آپ کے مال وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں کوئی بازار ہے تو بتایئے کہ میں اس میں کاروبار کروں۔ حضرت سعد نے بازار کی نشاندہی کی۔ غرض عبدالرحمن بن عوف نے محنت کی، کاروبار کیا، کچھ کمایا اور چند دنوں بعد ہی نکاح کر لیا اور ایک گٹھلی سونا بیوی کو مہر میں دیا۔

یہ روایت اس پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا تعلق صحابہؓ سے کس طرح کا تھا۔ یہ رشتہ آن بان کا نہیں بلکہ ہمدردی اور اعلیٰ اخلاق کا حامل تھا۔ آنحضرت ﷺ ان کے کاموں میں دلچسپی لیتے، شرکت فرماتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ آپ نے عبدالرحمن بن عوف کو ولیمہ کرنے کا مشورہ بھی دیا اور فرمایا کہ یہ کم از کم ایک بکری کا ضرور ہونا چاہیے۔ مضمون اس سے یہ نکلتا ہے کہ ولیمہ ضروری ہے۔ اگر زیادہ نہیں تو ایک بکری تو ذبح کر دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولیمے میں فیاضی کچھ بے جا بات نہیں ہے۔

۳۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ الْمَدِينَةَ، فَآخَى النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ، وَكَانَ سَعْدٌ ذَا غِنًى، فَقَالَ لِعَبْدِالرَّحْمٰنِ: أُقَاسِمُكَ مَالِي نِصْفَيْنِ وَأُزَوِّجُكَ، قَالَ: بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ، دُلُّونِي عَلَى السُّوقِ، فَمَا رَجَعَ حَتَّى اسْتَفْضَلَ أَقِطًا وَسَمْنًا، فَأَتَى بِهِ أَهْلَ مَنْزِلِهِ فَمَكَثْنَا يَسِيرًا، أَوْ مَاشَاءَ اللّٰهُ، فَجَاءَ وَعَلَيْهِ وَضَرٌ مِنْ صُفْرَةٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: مَهْيَمْ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَ: مَا سُقْتَ إِلَيْهَا. قَالَ: نَوَاةً مِنْ ذَهَبٍ، أَوْ وَزْنَ نَوَاةٍ مِنْ ذَهَبٍ، قَالَ: أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ.

﴿انسؓ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف (ہجرت کرکے) مدینہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو اور سعد بن الربیع انصاری کو بھائی بھائی بنادیا۔ سعد بہت مال دار تھے۔ انہوں نے عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ میں اپنا آدھا مال تم کو بانٹ دیتا ہوں اور تمہارا نکاح بھی کردیتا ہوں۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا کہ مبارک ہو آپ کو آپ کا مال اور آپ کا اہل۔ مجھے آپ بازار کا راستہ بتایئے۔ پھر وہ بازار گئے اور پنیر اور گھی بچا کر اپنے گھر والوں میں لائے۔ تھوڑا ہی عرصہ یا جتنا عرصہ اللہ نے چاہا گزرا تو وہ اس حال میں آئے کہ ان کے اوپر کچھ زعفرانی رنگ نمایاں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ، میں نے ایک انصاری خاتون سے نکاح کیا ہے۔ آپ نے پوچھا کیا نیگ لے گئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا سونے کی گٹھلی یا گٹھلی برابر سونا۔ آپ نے فرمایا ولیمہ تو کرو۔ ایک ہی بکری کا سہی۔﴾

وضاحت:

یہ روایت وہی ہے جو اوپر گزری ہے لیکن اس میں آخری حصہ زیادہ شاندار عربی میں ہے۔ اس روایت میں سعدؓ کی طرف سے مال کی پیش کش تو ہے لیکن اس کا ذکر نہیں کہ میری جس بیوی کو چاہو میں طلاق دے دوں گا تاکہ عدت پوری ہونے پر آپ اس سے نکاح کرلیں۔ لیکن عبدالرحمٰن بن عوف کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ پیش کش اس کی بھی تھی۔ بہرحال وہ بازار گئے، کچھ خریدا، بیچا، دام ادا کیے اور اس کے بعد کچھ بچا تو گھر والوں کے لیے کچھ پنیر اور روغن خریدلیا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ وہ اکیلے نہیں تھے بلکہ گھر والے بھی ان کے ساتھ تھے۔ پچھلی روایت میں یہ ذکر نہیں تھا۔ باقی باتیں وہی ہیں۔

۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَتْ عُكَاظُ" وَمَجَنَّةُ وَذُوالْمَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ فَكَأَنَّهُمْ تَأَثَّمُوا فِيهِ، فَنَزَلَتْ: "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ". قَرَأَهَا ابْنُ عَبَّاسٍ.

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عکاظ اور مجنہ اور ذوالمجاز جاہلیت کے زمانے کے بازار تھے۔ جب اسلام آیا تو گویا لوگوں نے ان کے اندر کاروبار کرنا کچھ برا سمجھا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے رب کا فضل ڈھونڈنا کچھ گناہ نہیں، حج کے موسموں میں۔ ابن عباس کی قرأت ایسی ہی ہے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں کئی چیزیں قابل غور ہیں۔ ایک تو یہاں آیت کا جو شان نزول بیان ہوا ہے وہ قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ اسلام آنے کے بعد بازاروں میں کاروبار کو کسی نے بھی برا نہیں سمجھا تھا اور نہ یہ اسلام کی تعلیم تھی۔ اسلام تو کہتا ہے کہ دنیا کے کاروبار سب کرو لیکن آخرت سے غافل نہ ہو جاؤ، اس کو مدنظر رکھ کر سب کام کرو۔ جس موقع پر یہ آیت آئی ہے وہاں یہ واضح کیا ہے کہ حج بہت بڑی عبادت ہے اور اس کے لیے تقویٰ کا زادِ راہ لے کر جانا چاہیے۔ اس کے باوجود اگر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار سفر حج میں کر لو تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ نیت کے مطابق معاملہ ہوگا اور اگر کاروبار ہی مقصود بن جائے گا تو عبادت میں خلل پیدا ہوگا۔ گویا اس معاملہ میں دین کی جو اصل حکمت تھی وہ بتا دی اور حدود واضح کر دیں۔

اس روایت میں دوسرا سوال یہ ہے کہ ابن عباسؓ جب اس آیت کو پڑھتے تو "فی مواسم الحج" کا جملہ ساتھ ہی ملا کر پڑھتے تھے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ابن عباسؓ ہرگز ایسا نہیں پڑھ سکتے تھے۔ دراصل انہوں نے ان الفاظ میں آیت کی تاویل کی ہوگی جس کو راویوں نے قرأت میں شامل کر دیا۔ اس طرح کی غلطی تفسیروں میں بہت ہے کہ قرآن کی تاویل جو صحابہؓ نے کی لوگوں نے اس کو قرأت قرار دے دیا اور راوی نے کہہ دیا کہ ابن عباسؓ نے یوں پڑھا۔ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک میں وہ جملہ قرآن کی آیت بن جاتا ہے اور دوسری میں وہ قاری کی ایک تاویل ہوتا ہے۔

۲۔ بَاب: الْحَلَالُ بَيِّنٌ" وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ" وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ"

باب: حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ بیچ میں کچھ شبہ کی چیزیں ہیں

۵۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ:

سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ (ح) وَحَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ اَبِي فَرْوَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ (ح). وَحَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ اَبِي فَرْوَةَ، سَمِعْتُ الشَّعْبِيَّ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ ابْنَ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ (ح). وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيْرٍ: اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ اَبِي فَرْوَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ" وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ"، وَبَيْنَهُمَا اُمُوْرٌ" مُشْتَبِهَةٌ"، فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ اَتْرَكَ، وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلٰى مَا يَشُكُّ فِيْهِ مِنَ الْاِثْمِ اَوْشَكَ اَنْ يُوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ، وَالْمَعَاصِي حِمَى اللّٰهِ، مَنْ يَرْتَعْ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يُوَاقِعَهُ.

﴿نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، البتہ ان دونوں کے بیچ میں کچھ امور مشتبہ ہیں۔ تو جس نے وہ بات چھوڑ دی جس کے بارے میں گناہ ہونے کا شبہ ہے تو پھر وہ ظاہری گناہ کو سب سے زیادہ چھوڑنے والا بنے گا اور جو شخص جرأت کر کے شبہ کے گناہ میں پڑ جائے گا تو قریب ہے کہ وہ بدیہی گناہوں میں بھی پڑ جائے۔ یاد رکھو جتنے بھی محرمات ہیں ان کی مثال اللہ تعالیٰ کی چراگاہ کی ہے۔ تو جو شخص چراگاہ کے اردگرد چرائے گا تو قریب ہے کہ وہ اس میں جا ہی پڑے۔﴾

وضاحت:

اس روایت کے اصل راوی نعمان بن بشیرؓ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں اور یہ روایت معنی کا ایک دفتر ہے۔ پیغمبر ﷺ کے اصل کلام کا یہ بہترین نمونہ ہے۔ ایک ماہر سے ماہر آدمی بھی اس کے سارے نکات بیان نہیں کر سکتا۔ دین کی اساس اس میں بیان ہو گئی ہے اور سب سے زیادہ مشکل مسئلہ کا سب سے زیادہ حکیمانہ حل بتا دیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے پہلی بات یہ بتائی کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے، اس لیے کہ یہ فطرت میں ہے اور جب فطرت میں ہے تو شریعت میں بھی ہے، صالحین کے کلام میں بھی ہے۔ دنیا میں انسان صرف اس زمانے میں نیچے گرا ہے جب اس کو حلال اور حرام کی تمیز نہیں رہی۔

واضح حلال اور واضح حرام کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں۔ ان کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو گناہ سے بچائے تو وہ ان مشتبہ امور کو چھوڑ دے جن کے گناہ ہونے کا قطعی یقین تو نہیں ہے لیکن شبہ ہے۔ اگر وہ ان کو چھوڑ دے گا تو وہ بڑے گناہوں کا چھوڑنے والا بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ لیکن اگر وہ مشتبہ چیزوں میں پڑے کہ یہ معمولی چھوٹی چیزیں ہیں، ان کو اختیار کرنے سے ذرا ذائقہ تبدیل ہو جائے گا تو بالآخر یہ ہوگا کہ وہ بڑے بڑے گناہوں میں جری ہو جائے گا۔ یہ بڑی حکیمانہ بات حضور ﷺ نے فرمائی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ تقویٰ کی تربیت کے لیے یہی چیز سمجھ لینا کافی ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے محارم سے فاصلے ہی پر رہو ورنہ ان میں تمہارے پڑ جانے کا ڈر ہے۔ یہ محارم اللہ تعالیٰ کی محفوظ کی ہوئی چراگاہیں ہیں۔ ان کے اندر داخل ہونا یا ان کے قریب جانا بہت بڑا گناہ ہے۔ جس طرح سرکاری چراگاہ کی حدود کے قریب جانور چرانے میں اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی جانور چراگاہ کے اندر داخل ہو سکتا ہے اسی طرح ناجائز کاموں کے قریب ہونے میں بھی خطرہ ہوتا ہے کہ نفس انسانی حرام کام میں ملوث نہ ہو جائے۔ لہٰذا ان کی حدود سے دور رہنے ہی میں عافیت ہے۔

۳. باب: تَفْسِيرِ الْمُشَبَّهَاتِ

وَقَالَ حَسَّانُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَهْوَنَ مِنَ الْوَرَعِ، دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ.

باب: مشتبہات کی وضاحت

اور حسان بن ابی سنان نے کہا کہ میں نے پرہیزگاری سے زیادہ آسان کوئی بات نہیں دیکھی۔ شک کی بات کو چھوڑ کر اس بات کو اختیار کرو جس میں شک نہیں ہوتا۔

مشتبہات کی تفسیر میں امام صاحب نے حسان بن ابی سنان کا ایک قول نقل کیا ہے اور اس کو اصول بنا کر آگے روایت لائیں گے۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ باب میں کوئی قول بطور تعلیق بھی نقل کر دیتے ہیں۔ انہوں نے یہاں جو تعلیق نقل کی ہے وہ بہت اعلیٰ ہے۔ حسان کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تقویٰ کا معاملہ نہایت آسان ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے۔ وہ یہ کہ جو چیز شک پیدا کرے اس کو چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کرو جو شک سے بالاتر ہو۔ ان کے قول کا آخری حصہ حدیث مرفوع ہے۔ میرے نزدیک یہ بات ٹھیک ہے کہ ورع یعنی تقویٰ کے لیے کسوٹی یہی اصول ہے۔ آدمی بڑا زاہد صرف اس ایک اصول کو جان لینے سے بن جائے گا۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ شک و شبہ اور وسوسے میں فرق کرنا چاہیے۔ آدمی کو خواہ مخواہ وسوسے میں گرفتار نہیں ہونا چاہیے۔ بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ ہر وقت وسوسوں کی زد میں رہتے ہیں۔ نہ ان کا وضو پورا ہوتا ہے نہ نماز۔ یہ کیفیت وہم کی بیماری سے پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ سوال ذرا پیچیدہ ہے کہ شبہ میں اور وسوسے میں فرق کیا

ہے، لیکن یہ فرق مخفی نہیں ہے۔ ایک چیز دل میں کھٹکتی ہے اور دوسری چیز کو آپ خود کھٹکاتے ہیں۔

جب حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، اور بیچ میں کچھ چیزیں مشتبہ ہیں تو ان مشتبہ چیزوں میں احتیاط کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ لیکن احتیاط بیماری کی نوعیت نہ بن جائے۔ اس میں راہ آپ کو خود معین کرنا ہے۔ اگر خواہ مخواہ کو غلو کریں گے تو یہ بھی دین کے منافی ہے اور بے احتیاطی کریں گے تو یہ بھی اس کے منافی ہے۔ ایک متقی آدمی کے لیے، اگر وہ حکیم ہے تو، زحمت نہیں ہے اور اگر غیر حکیم ہے تو وہ البتہ الجھن میں پڑ سکتا ہے۔

۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ: أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ: أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي حُسَيْنٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ جَاءَتْ، فَزَعَمَتْ أَنَّهَا أَرْضَعَتْهُمَا، فَذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَأَعْرَضَ عَنْهُ، وَتَبَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ: كَيْفَ وَقَدْ قِيلَ وَقَدْ كَانَتْ تَحْتَهُ ابْنَةُ أَبِي إِهَابٍ التَّمِيمِيِّ.

﴿عقبہ بن حارث روایت کرتے ہیں کہ ایک حبشن عورت آئی اور اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے ان کو اور ان کی بیوی دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور مسکرا دیے۔ آپ نے فرمایا، اب کیا ہو سکتا ہے جب کہ یہ بات کہہ دی گئی۔ عقبہ کی بیوی ابواحاب تمیمی کی بیٹی تھیں۔﴾

وضاحت:

حبشن عورت نے جب یہ کہہ دیا کہ اس نے میاں بیوی دونوں کو دودھ پلایا ہے تو دونوں رضاعی بہن بھائی ٹھہرے۔ عقبہ جب اس صورت حال میں رہنمائی حاصل کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گئے تو آپ نے فرمایا کہ اب تو کیونکر اس عورت کو رکھ سکتا ہے، اس لیے کہ بات تو کہہ دی گئی۔ مطلب یہ ہوا کہ رضاعت کا ثابت ہونا، شہادت ہونا، قرینہ ہونا یہ سب چیزیں تو الگ ہیں، جب ایک بات کہہ دی گئی تو کھٹک تو پیدا ہو گئی۔ اس صورت میں تم بیوی کے ساتھ کیسے رہ سکتے ہو۔ اس روایت کو لا کر امام صاحب شبہ کی وہ نوعیت معین کرنا چاہتے ہیں جو معاملات میں قابل لحاظ ہو گی۔

۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ عُتْبَةُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، عَهِدَ إِلَى أَخِيهِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ ابْنَ وَلِيدَةِ زَمْعَةَ مِنِّي فَاقْبِضْهُ قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عَامَ الْفَتْحِ أَخَذَهُ سَعْدُ بْنُ أَبِي

وقاص وقال: ابنُ اخي، قدْ عهدَ اليّ فيه، فقام عبْدُ بْنُ زمْعة فقال: أخي وابْنُ وليْدةِ أبي، وُلِدَ على فِراشه، فتساوقا الى النّبيِّ ﷺ. فقال سعْدٌ: يا رسُولَ اللّه، ابْنُ أخي، كان قدْ عهِدَ اليّ فيه. فقال عبْدُ بْنُ زمْعة: أخي وابْنُ وليْدةِ أبي، وُلِدَ على فِراشه. فقال رسُولُ اللّه ﷺ: هُو لك يا عبْدُ بْنَ زمْعة. ثُمّ قال النّبيُّ ﷺ: الْولدُ للْفراشِ وللْعاهرِ الحجرُ. ثُمّ قال لسوْدة بِنْتِ زمْعة، زوْجِ النّبيِّ ﷺ: احتجبي منْهُ لما رأى من شبهه بعُتْبة، فما رآها حتّى لقي اللّه.

﴿حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص کو یہ ذمہ داری سونپی کہ زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کو تم اپنے قبضہ میں کر لینا کیونکہ وہ مجھ سے ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب مکہ فتح ہوا تو سعدؓ نے اس بچے کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور مجھے اس نے اس کے بارے میں ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ عبد بن زمعہ اٹھے اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے اور اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ دونوں مقدمہ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سعد بن ابی وقاص نے کہا یارسول اللہ، یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے اور اس نے مجھے اس کی ذمہ داری سونپی ہے۔ عبد بن زمعہ نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کی لونڈی سے اس کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمہارا ہے اے عبد بن زمعہ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اولاد اس کی طرف منسوب ہوگی جس کے بستر پر پیدا ہوئی۔ رہ گیا زانی تو اس کے لیے محرومی ہے۔ پھر جب آپ نے لڑکے میں عتبہ کی مشابہت دیکھی تو اپنی زوجہ سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ تم اس سے پردہ کرنا۔ چنانچہ اس نے مرتے دم تک ان کو (حضرت سودہؓ کو) نہیں دیکھا۔﴾

وضاحت:

للعاهر الحجر میں حجر محرومی کے معنی میں ہے۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیافہ شناسوں نے لڑکے کی مشابہت عتبہ کے ساتھ بتائی لیکن آنحضرت ﷺ نے مشابہت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ عام قانون کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا۔ وہ یہ کہ جس کے ہاں بچہ پیدا ہو وہ اسی کا مانا جائے گا۔ کوئی دوسرا مدعی اس کا مستحق نہیں ہے۔ آپ کا حضرت سودہؓ کو یہ ہدایت کرنا کہ تم لڑکے

سے پردہ کرو تو اس کا سبب یہ ہوا کہ لڑکے کی مشابہت دوسرے مدعی کے ساتھ ثابت ہو گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ مشابہت کی بنیاد پر ایک رائے تو قائم ہو سکتی ہے لیکن قانونی معاملات میں جو حکم قانون کا ہو گا اس پر عمل کیا جائے گا۔ شبہ کی بنیاد پر واضح قانون کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی۔ قیافہ میں اور قانون میں اگر تصادم ہو گا تو قانون کا ساتھ دیا جائے گا۔

یہ بات میرے نزدیک اس لیے واضح ہے کہ قیافہ وغیرہ میں بڑے جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ہاں کسی معاملہ میں اگر دوسرے قرائن موجود ہوں اور قانون کی خلاف ورزی نہ ہو رہی ہو تو قیافہ ایک مزید تائید فراہم کرتا ہے۔ اس طریقہ سے یہ معلوم ہوا کہ شکوک وشبہات کو قانون پر موثر نہیں ہونا چاہیے ورنہ بڑے جھگڑے پیدا ہو سکتے ہیں۔

روایت کے حوالے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا ہو''۔ کا اصول پہلے سے مروج تھا اور عبد بن زمعہ نے اس کا حوالہ دیا۔ لیکن حضور ﷺ نے بھی یہی اصول بیان فرمایا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا۔

۸۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: اَخْبَرَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِي السَّفَرِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْمِعْرَاضِ، فَقَالَ: اِذَا اَصَابَ بِحَدِّهِ فَكُلْ، وَاِذَا اَصَابَ بِعَرْضِهِ فَلَا تَاْكُلْ، فَاِنَّهُ وَقِيذٌ" قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ اُرْسِلُ كَلْبِي وَ اُسَمِّي، فَاَجِدُ مَعَهُ عَلَى الصَّيْدِ كَلْبًا آخَرَ لَمْ اُسَمِّ عَلَيْهِ، وَلَا اَدْرِي اَيُّهُمَا اَخَذَ؟ قَالَ: لَا تَاْكُلْ، اِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ وَلَمْ تُسَمِّ عَلَى الْآخَرِ.

﴿عدی بن حاتم کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اگر معراض سے شکار ماریں تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر دھار کی طرف سے لگے تو کھا لو اور اگر چوڑان سے لگے تو مت کھاؤ کیونکہ وہ چوٹ سے مرا مردار ہے۔ پھر میں نے پوچھا یا رسول اللہ، اپنا کتا بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑ دیتا ہوں، پھر اس شکار پر دوسرے کتے کو بھی پاتا ہوں جس پر میں نے بسم اللہ نہیں کہا تھا، اور مجھے پتہ نہیں کہ اس شکار کو اصل میں کس کتے نے پکڑا ہے تو اس کا کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس شکار کو نہ کھاؤ، اس لیے کہ تم نے بسم اللہ اپنے کتے پر پڑھی تھی، دوسرے کتے پر نہیں پڑھی تھی۔﴾

وضاحت:

معراض برچھی کی قسم کا آلۂ شکار تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس کے ایک طرف نوک یا دھار ہوتی تھی اور پھر کچھ چوڑا حصہ ہوتا تھا۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر شکار نوک یا دھار لگنے سے ہلاک ہوا ہے تو اس کو کھا سکتے ہیں اور اگر چوڑائی کی طرف سے برچھی کی چوٹ لگنے سے مرا ہے تو اس کو نہ کھاؤ کیونکہ وہ چوٹ کھایا ہوا مردار ہے۔ چھوٹے جانور اور پرندے وغیرہ آسانی سے چوٹ لگنے سے مر سکتے ہیں۔ سورہ مائدہ میں چوٹ سے مرے ہوئے جانور کی حرمت آئی ہے۔

اسی طرح شکاری کتا سدھایا ہوا ہوتا ہے۔ بسم اللہ پڑھ کر اس کو شکار پر چھوڑتے ہیں تو اس کا کیا ہوا شکار گویا ذبح ہو گیا۔ لیکن اگر کوئی دوسرا کتا بھی وہاں پہنچ گیا اور پتہ نہیں چلتا کہ شکار کو کس کتے نے مارا ہے تو شبہ پیدا ہو گیا۔ اس شکار کو حلال نہیں سمجھا جائے گا، اس لیے کہ بسم اللہ سدھائے ہوئے کتے پر پڑھی گئی تھی، دوسرے کتے پر نہیں پڑھی گئی تھی۔

امام صاحب یہ سب روایات اس لیے نقل کر رہے ہیں کہ آپ اس کے ذریعہ سے متعین کر سکیں کہ کون سا شبہ قابل اعتماد ہے اور کون سا نہیں، اور یہی فقاہت ہے۔

۴. باب: مَا يُتَنَزَّهُ مِنَ الشُّبُهَاتِ

باب: کس طرح کے شبہات سے پرہیز کرنا چاہیے

۹۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِتَمْرَةٍ مَسْقُوطَةٍ، فَقَالَ: لَوْلَا أَنْ تَكُونَ صَدَقَةً لَأَكَلْتُهَا

وَقَالَ هَمَّامٌ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: أَجِدُ تَمْرَةً سَاقِطَةً عَلَى فِرَاشِي.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا گزر راستے میں ایک پڑی ہوئی کھجور پر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ گمان نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہوگی تو میں اسے کھالیتا۔ اور ھمام، ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے الفاظ تھے کہ میں اپنے بستر پر پڑی ہوئی بھی کوئی کھجور پاتا ہوں۔﴾

وضاحت:

اس روایت کے دوسرے حصے میں، جو حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے، یہ الفاظ ہیں کہ میں اپنے بستر پر بھی کوئی کھجور پڑی ہوئی پاتا ہوں، تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہاں صدقہ کا مال آتا اور غریبوں اور ناداروں میں تقسیم ہوتا رہتا تھا۔ لہٰذا اس طریقہ سے کوئی کھجور پڑی ہوئی نظر آتی تو شبہ کے لیے معقول وجہ تھی کہ وہ صدقے کی ہوگی۔ شبہ کرنے کے لیے کوئی بنیاد ہونی چاہیے۔ لیکن راستے میں کہیں گری ہوئی کھجور پائیں تو یہ گمان کیوں ہو کہ وہ صدقہ کی ہوگی۔ حضرت انسؓ میں یہ بات ہے کہ کبھی وہ بات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ابہام رہ جاتا ہے۔ کھجور کہیں

بھی ملے، یہ شک کرلینا کہ صدقے کی ہے اس کے لیے کوئی مظنہ نہیں ہے۔ معقول شبہ ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

آنحضرت ﷺ کے پاس جو صدقے کا مال آتا تھا آپ اپنے کو اس کا حق دار نہیں سمجھتے تھے۔ آپ دنیا کو کھلانے والے تھے، خود صدقہ کیوں کھاتے ؟ لیکن آپ کے عمل سے یہ بات نکال لینا کہ تمام بنی ہاشم کے لیے صدقہ جائز نہیں ہے، غلط ہے۔ یہ لوگوں کی ایجاد ہے۔ صدقہ فقراء کا حق ہے، چاہے وہ بنی ہاشم میں سے ہوں یا ان کے سوا دوسرے لوگوں میں سے۔

٥. باب: مَنْ لَمْ يَرَ الْوَسَاوِسَ وَنَحْوَهَا مِنَ الْمُشَبَّهَاتِ

باب: جن لوگوں کی رائے میں وسوسے وغیرہ شبہ میں ڈالنے والی چیزیں نہیں ہیں

١٠۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ قَالَ: شُكِيَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ الرَّجُلُ يَجِدُ فِي الصَّلَاةِ شَيْئًا، أَيَقْطَعُ الصَّلَاةَ؟. قَالَ: لَا، حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا.

وَقَالَ ابْنُ أَبِي حَفْصَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: لَا وُضُوءَ إِلَّا فِيمَا وَجَدْتَ الرِّيحَ أَوْ سَمِعْتَ الصَّوْتَ.

﴿آنحضرت ﷺ کے سامنے ایک شخص کی تکلیف بیان کی گئی کہ اس کو نماز میں کچھ محسوس ہوتا ہے تو کیا وہ نماز توڑ دے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، جب تک حدث کی آواز نہ سنے یا بدبو نہ پائے۔ اور ابوحفصہ نے زہری سے نقل کیا کہ وضو جب ہی لازم ہوگا جب حدث کی آواز سنے یا بو پائے۔﴾

وضاحت:

روایت کے مطابق خواہ مخواہ کو وسوسے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ آدمی کو ظن غالب ہو کہ ناقض وضو حالت پیش آئی ہے، کوئی بو پائے یا آواز سنے تب نماز توڑ کر دوبارہ وضو کرے۔

اس مسئلہ میں بھی امام صاحب کی رائے یہی ہے کہ وسوسے کی کوئی بنیاد ہونی چاہیے۔ خواہ مخواہ کو آدمی اپنے آپ کو زحمت میں نہ ڈالے۔ زہری کا فتویٰ بھی یہی ہے۔

١١۔ حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْمِقْدَامِ الْعِجْلِيُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الطُّفَاوِيُّ: حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ قَوْمًا قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ،

اِنَّ قَوْمًا يَاْتُوْنَنَا بِاللَّحْمِ، لَا نَدْرِی. اَذَكَرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اَمْ لَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَمُّوا اللّٰهَ عَلَيْهِ وَكُلُوْهُ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے سوال کیا یا رسول اللہ! ہمارے پاس کچھ لوگ گوشت لاتے ہیں اور ہمیں پتہ نہیں ہوتا کہ انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا ہے یا نہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھ کر اس کو کھالیا کرو۔﴾

وضاحت:

ایک تو وہ لوگ ہیں جن کا دین و مذہب الگ ہے۔ ان کے متعلق معلوم ہے کہ مشرک ہیں یا کافر و بے دین ہیں۔ یہ سوال ان کے بارے میں نہیں ہے۔ سوال ایسے لوگوں کے بارے میں ہے جو ہیں تو اپنوں میں سے لیکن دیہاتوں وغیرہ کے ہیں اور یہ فیصلہ نہیں ہوتا کہ واقعی قاعدے کے مطابق انہوں نے ذبح کیا ہے کہ نہیں۔ تب اس صورت میں کیا کیا جائے۔ کیا شبہ کی بنیاد پر گوشت رد کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم بسم اللہ پڑھ کر کھالیا کرو۔

ان روایات سے امام صاحب یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ خواہ مخواہ کو شبہات میں پڑ کر اپنے آپ کو اللہ کے فضل اور نعمت سے محروم نہیں کرنا چاہیے۔

۲. باب: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی: "وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا اِلَيْهَا" (الجمعه: ۱۱)

باب: اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ جب وہ کوئی تجارت یا کھیل تماشا کی بات دیکھیں تو ادھر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

۱۲۔ حَدَّثَنَا طَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَالِمٍ قَالَ: حَدَّثَنِي جَابِرٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ اِذْ اَقْبَلَتْ مِنَ الشَّامِ عِيرٌ تَحْمِلُ طَعَامًا، فَالْتَفَتُوا اِلَيْهَا، حَتّٰی مَا بَقِيَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ اِلَّا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا، فَنَزَلَتْ: "وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا اِلَيْهَا".

﴿حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ شام سے قافلہ غلہ لے کر

آیا تو سب لوگ اس کی طرف ٹوٹ پڑے اور نبی ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ اس پر آیت نازل ہوئی کہ جب وہ کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھتے ہیں تو ادھر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

وضاحت:

اس روایت میں سورہ جمعہ کی آیت ۱۱ کا شان نزول بیان ہوا ہے۔ شان نزول کے بارے میں میں یہ بتا چکا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی ان واقعات میں سے ہے جن کا حکم آیت کے اندر موجود ہے۔ یہ نہیں کہ بعینہٖ یہ واقعہ اس کے نزول کا سبب بنا ہے۔ سورہ جمعہ کے مطالعہ سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس آیت میں پچھلے ایک واقعہ کا حوالہ دیا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر ایک تعلیم ہمیں دی گئی ہے۔

تجارت خود اپنی جگہ پر معاش کا ذریعہ، تمدن کی بنیاد اور قومی اور بین الاقوامی تعلقات کی اساس ہے۔ یہ بجائے خود تو باطل چیز نہیں ہے البتہ یہ ہے کہ یہ دنیا اور آخرت اور اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی چیز ہے۔ لہٰذا اس تعلیم کی ضرورت ہے جو یہاں دی گئی ہے۔ بہت سے مذاہب میں کاروبار اور تجارت وغیرہ تقویٰ اور تقدس کے منافی ہیں۔ رہبانیت میں اور بدھ مذہب وغیرہ میں اسے بالکل آلائش سمجھا گیا ہے۔ ہمارے صوفی حضرات بھی لوگوں کے تین درجے قائم کرتے ہیں۔ ایک عوام کا، دوسرا خواص کا اور تیسرا اخص الخواص کا، تو اخص الخواص کے لیے تجارت کو آلائش دنیا سمجھتے ہیں۔ اس تقسیم کی رو سے اخص الخواص میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ شامل نہیں ہو سکتے اس لیے کہ یہ سب تجارت اور کاروبار کرتے تھے۔

اس آیت کو امام صاحب تجارت کے باب میں لائے ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بجائے خود یہ منافی دین نہیں ہے اور یہ درست ہے۔ اس لیے کہ جو چیز معاش اور معیشت کی اساس ہوگی وہ ناجائز، یا تقویٰ اور درجات کے منافی کیسے ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر یہ غفلت کا باعث بنے تب اس پر اعتراض ہوتا ہے۔

۷۔ باب: مَنْ لَمْ يُبَالِ مِنْ حَيْثُ كَسَبَ الْمَالَ

باب: وہ لوگ جن کو اس کی پروا نہیں ہوتی کہ مال کہاں سے کمایا

ہر مسلمان کو اپنی کمائی کا جائزہ لینا اس کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ کمائی کرنا کوئی عیب نہیں، کاملین بھی کرتے ہیں اور غیر کاملین بھی۔ لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ مال حلال راستے سے آیا ہے یا حرام راستے سے۔

۱۳۔ حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ، أَمِنَ

الحَلال أم مِن الحَرَام.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ آدمی کو اس کی پروا نہیں ہوگی کہ کہاں سے اس کو مال ملا، حلال راستے سے یا حرام راستے سے۔﴾

وضاحت:

میرا خیال ہے، اور اس پر تقریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کہ موجودہ دور اس بات کی بہترین شہادت دے رہا ہے۔ اس دور میں اس پر بحث نہیں ہے کہ کمائی حلال ہے یا حرام ہے۔ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مہنگائی کے اس دور میں اگر مال کی حلت و حرمت میں پڑے رہیں تو زندگی کیسے بسر ہوسکتی ہے حالانکہ دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دیکھ بھال کر زندگی گزار رہے ہیں۔

۸. باب: التِّجَارَةِ فِي الْبَزِّ

وَقوله عزَّ وَجلَّ: "رِجَال" لا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ" وَلَا بَيْعٌ" عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ" (النور: ۳۷)

وَقَالَ قَتَادَةُ: كَانَ الْقَوْمُ يَتَبَايَعُونَ وَيَتَّجِرُونَ، وَلكِنَّهُمْ إِذَا نَابَهُمْ حَقٌّ مِنْ حُقُوقِ اللَّهِ لَمْ تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ" وَلَا بَيْعٌ" عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ، حَتَّى يُؤَدُّوهُ إِلَى اللَّهِ.

باب: بز میں تجارت

اور اللہ تعالیٰ نے (سورہ نور میں) فرمایا ہے کہ وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

قتادہ کہتے ہیں کہ لوگ آپس میں خرید وفروخت اور تجارت کرتے تھے لیکن جب اللہ کے حقوق کا معاملہ پیش آجاتا تھا تو ان کو تجارت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کر پاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کا حق ادا کردیتے تھے۔

وضاحت:

بر کا لفظ بحر کے مقابل میں ہے۔ یعنی یہ باب خشکی کی تجارت کے بارے میں ہے۔ آگے چند ابواب میں چونکہ بحری تجارت کا حکم آرہا ہے اس لیے بعض لوگوں نے یہاں لفظ بر ہی مراد لیا ہے۔ لیکن عام نسخوں میں جو روایت ہے وہاں لفظ بز ہے اور بز کے معنی ریشم کے ہیں یعنی ریشمی کپڑا۔

باب میں ایک آیت اور حضرت قتادہ کا ایک قول نقل ہے۔ لیکن اس آیت کا اور اس قول کا کوئی تعلق نہ بز

سے بچا نہ ہو سکے۔

۱۴۔ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ قَالَ: كُنْتُ أَتَّجِرُ فِي الصَّرْفِ، فَسَأَلْتُ زَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَحَدَّثَنِي الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ: حَدَّثَنَا الْحَجَّاجُ بْنُ مُحَمَّدٍ: قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ وَعَامِرُ بْنُ مُصْعَبٍ: أَنَّهُمَا سَمِعَا أَبَا الْمِنْهَالِ يَقُولُ: سَأَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ وَزَيْدَ بْنَ أَرْقَمَ عَنِ الصَّرْفِ، فَقَالَا: كُنَّا تَاجِرَيْنِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَسَأَلْنَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ عَنِ الصَّرْفِ، فَقَالَ: إِنْ كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَأْسَ، وَإِنْ كَانَ نَسَاءً فَلَا يَصْلُحُ.

﴿ابوالمنہال کہتے ہیں کہ میں صرافے کا کاروبار کرتا تھا تو میں نے زید بن ارقم سے بیع صرف کا حکم پوچھا تو انہوں نے حدیث بیان کی۔

دوسری روایت کے مطابق ابوالمنہال نے کہا کہ میں نے براء بن عازب اور زید بن ارقم سے بیع صرف کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم دونوں بھی آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ کاروبار کرتے تھے۔ ہم نے آپ سے اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر معاملہ دست بدست ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر ادھار ہو تو جائز نہیں ہے۔﴾

وضاحت:

صرافے سے مراد کرنسی کے مبادلے کا کاروبار ہے۔ اس زمانے میں دینار کے بدلے میں درہم اور درہم کے بدلے میں دینار کا لین دین ہوتا تھا۔ دینار سونے کا سکہ تھا اور سونے کو معیار کی حیثیت حاصل تھی۔ درہم چاندی کا ہوتا تھا اور اس کے بھاؤ بدلتے رہتے تھے۔ روایت کا مفہوم واضح ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس روایت کا باب سے کیا تعلق ہے۔ اگر لفظ بَر خشکی کے معنی میں ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا صرافے کا کاروبار صرف خشکی میں ہو سکتا ہے، بحر میں نہیں ہو سکتا۔ جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے وہ ایک الگ بات ہے اور اس کی بحث ربا کے تحت آ جائے گی کہ نقد اور نسیہ معاملہ میں کیا فرق ہے۔ معاملہ نقد کرنے میں کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔ جو وقت کا بھاؤ ہو گا اس پر آپ مبادلہ کریں گے۔ لیکن ادھار میں کل کو بھاؤ بدل سکتا ہے اور جو اضافہ ہو گا وہ ربا میں داخل ہے۔ تو یہ ایک فقہی مسئلہ الگ ہے جس کا اس باب سے کوئی تعلق نہیں۔

جس طرح کی ذہانت شارحین نے دکھائی ہے اگر وہ دکھاؤں تو کہہ سکتا ہوں کہ لفظ بَر ہے نہ بز، بلکہ اگر ہو سکتا

ہے تو بر (ب کی کسرہ کے ساتھ) ہو سکتا ہے۔ بر کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی مکمل وفاداری۔ اس کے تحت بیع صرف کو لا سکتے ہیں کہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ لیکن اس توجیہ کی نسبت میں اپنی طرف نہیں چاہتا۔ جب تک کوئی چیز قطعی طور پر ثابت نہ ہو مجھے اطمینان نہیں ہوتا۔

ایک نکتہ اور بھی یاد رکھیے۔ وہ یہ کہ روایات میں بڑا گھپلا اس وجہ سے ہو گیا ہے کہ لوگ مناولہ کے طریقے سے کتاب سے روایت کرتے ہیں۔ یعنی ایک شیخ کتاب کے ایک نسخے پر یہ اجازت دے دیتا ہے کہ آپ اس کی روایت کر سکتے ہیں۔ اب اس میں جو کچھ لکھا ہے کاتب نے لکھا ہے اور کاتب حضرات کے کمالات معلوم ہیں۔ کتابت کرتے ہوئے بعض دفعہ لفظ کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔ آپ اس نسخہ سے روایت کریں گے تو زبانی روایت سے مختلف ہو سکتی ہے۔ اگرچہ محدثین کو مناولہ پر بڑا ناز ہے لیکن میرے نزدیک یہ فتنے کا دروازہ ہے۔ کاتب حضرات نے جو کچھ گھسیٹا ہے اس کی روایت ہو رہی ہے۔

اس روایت کے بارے میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ مشکل روایت ہے اور میں اس کو حل نہیں کر سکا۔ جو حل میں نے آپ کو بتایا ہے وہ میرے معیار کی بات نہیں ہے اس لیے میں اس کی ذمہ داری نہیں لیتا۔

۹. باب: الْخُرُوجِ فِي التِّجَارَةِ. وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى : "فَانْتَشِرُوا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ". (الجمعة: ١٠)

باب: تجارت کے لیے نکلنے اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں کہ زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

١٥۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ: أَخْبَرَنَا مَخْلَدُ بْنُ يَزِيدَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَيْرٍ: اَنَّ أَبَا مُوسَى الْاَشْعَرِيَّ: اسْتَأْذَنَ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمْ يُؤْذَنْ لَهُ، وَكَأَنَّهُ كَانَ مَشْغُولًا، فَرَجَعَ أَبُومُوسَى، فَفَرَغَ عُمَرُ فَقَالَ: أَلَمْ أَسْمَعْ صَوْتَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ، ائْذَنُوا لَهُ. قِيلَ: قَدْ رَجَعَ، فَدَعَاهُ، فَقَالَ: كُنَّا نُؤْمَرُ بِذٰلِكَ. فَقَالَ: تَأْتِينِي عَلَى ذٰلِكَ بِالْبَيِّنَةِ، فَانْطَلَقَ إِلَى مَجْلِسِ الْاَنْصَارِ فَسَأَلَهُمْ، فَقَالُوا: لَا يَشْهَدُ لَكَ عَلَى هٰذَا إِلَّا أَصْغَرُنَا أَبُو سَعِيدِ الْخُدْرِيُّ، فَذَهَبَ بِأَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ، فَقَالَ عُمَرُ: أَخَفِيَ هٰذَا عَلَيَّ مِنْ أَمْرِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟ أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ. يَعْنِي

الخُرُوجَ اِلٰی تِجارَۃ.

﴿عبید بن عمیر روایت کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو ان کو اجازت نہیں ملی۔ حضرت عمرؓ اس وقت کام میں مشغول تھے۔ ابوموسیٰ اشعری لوٹ کر چل دیے۔ حضرت عمرؓ جب فارغ ہوئے تو پوچھا کیا میں نے عبداللہ بن قیس کی آواز نہیں سنی تھی تو ان کو بلاؤ۔ کہا گیا کہ وہ تو واپس جا چکے ہیں۔ تو آپؓ نے ان کو بلوایا۔ ابوموسیٰ نے کہا کہ ہم کو نبی ﷺ کی طرف سے ایسا ہی حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا آپ اس پر دلیل لائیں۔ تو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ انصار کی مجلس میں گئے اور ان سے اس کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے کہا آپ کے لیے اس کی گواہی تو ابوسعید خدری دے گا جو ہم میں سب سے کم سن ہے۔ آخر وہ ابوسعید خدری کو اپنے ساتھ لے گئے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے شہادت دی۔ یہ سن کر حضرت عمر نے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کا حکم مجھ سے مخفی رہا کہ میری کاروباری مشغولیت نے اس سے مجھے محروم رکھا۔﴾

وضاحت:

عبداللہ بن قیس حضرت ابوموسیٰ اشعری کا نام ہے لیکن ان کی کنیت نام پر غالب آ گئی ہے۔ اس روایت میں یہ تاثر ملتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ قرآن میں یہ حکم نازل ہو چکا ہے کہ وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا (اور اگر تم سے کہا جائے کہ لوٹ جاؤ تو واپس ہو جاؤ) واقعہ یہ ہے کہ یہ فرض کرنے کی نسبت کہ حضرت عمر کو یہ حکم نہیں معلوم تھا بدرجہا آسان یہ ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ اس روایت میں سخت قسم کا ایسا جھول ہے کہ اس کی کوئی توجیہ ممکن نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس معاملہ میں کسی راوی سے بیان کرنے میں بات بہت مبہم ہو گئی ہے اور صحیح مطلب واضح نہیں ہوتا۔ بات اصل میں یہ ہو گی اور ایک دوسری روایت جس کے الفاظ یوں ہیں کہ فلمس استاذن احدکم ثلاثا فلم یوذن له فلیرجع (جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت مانگے اور اسے اجازت نہ دی جائے تو وہ واپس لوٹ جائے) بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے یہ کہا ہو گا کہ ہمیں یہ حکم تھا کہ تین مرتبہ اجازت مانگو اور تیسری بار بھی اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جاؤ۔ یہ بات ایسی ہو سکتی ہے کہ اس کے معاملہ میں حضرت عمر کو اشتباہ پیش آیا ہو۔ اس لیے کہ یہ چیز قرآن مجید میں نہیں ہے۔ قرآن مجید میں صرف اتنا ہے کہ اجازت لو اور نہ ملے تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تین مرتبہ اجازت لینا قرآن کی تبیین ہے۔

حضرت ابوموسیٰ کے اس قول کا حوالہ دینے پر حضرت عمرؓ نے اس کی دلیل مانگی تو ابوسعید خدریؓ نے اس کی

گواہی دی۔

یہ فقرہ راوی کا اضافہ ہے کہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت اس بنا پر نہیں ملی کہ حضرت عمرؓ کسی ضروری کام میں مشغول تھے۔

مہاجرین کا زیادہ تر تعلق کاروبار سے تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی کاروبار کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ الهانی الصفق بالاسواق یعنی کیا بازار کے لین دین کے معاملات نے مجھے اس علم سے غافل رکھا یا یہ کہ کوئی اور بات ہوگئی۔ یہ دونوں استفہامی انداز ہیں اور سوال دوسرے سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے ہے۔ گویا ایک طرح کے تردد کا اظہار ہے۔

اس روایت میں باب سے متعلق اتنا ہی ٹکڑا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کی یہ بات مجھ سے کیسے مخفی رہی؟ کیا یہ ہوا کہ کاروبار کی مصروفیت میں اس کے سننے کا موقع نہیں ملا۔ اس ٹکڑے کی بنا پر امام صاحب نے باب قائم کیا ہے۔ اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تجارت کے لیے نکلنا دین ہی سے متعلق ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تجارت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہیں احساس ہوا کہ اس کی وجہ سے میں کبھی کبھی بعض ضروری چیزوں سے محروم رہا۔ رہبانیت کی تقلید میں صوفیوں میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ کاروبار دنیا مایا کا جال ہے۔ اس میں جو لوگ پھنستے ہیں ان کو دین و ایمان سے واسطہ نہیں رہ جاتا۔ پاؤں توڑ کر گھر بیٹھو، یہ ہے دین داری۔ اس نقطۂ نظر کی امام صاحب تردید کر رہے ہیں اور یہ درست ہے۔ اس لیے کہ جو شخص دنیا سے فرار اختیار کرکے دین سیکھنا چاہتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ وہ امتحان ہال میں تو بیٹھنا نہیں چاہتا اور محض دھونس کے ذریعہ گھر بیٹھے ڈگری لینا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں تصور یہ ہے کہ دنیا کے جو کام ہیں ان کو دین کے مطابق چلانا چاہیے اور یہی اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

اس روایت سے جو نہایت اہم سبق ملتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہی شخص کی روایت پر اعتماد نہیں کیا اور صاف کہہ دیا کہ اس پر گواہ لانا پڑے گا۔ تو معلوم ہوا کہ خبر ایسی ہو کہ ماننے میں کوئی قباحت نہیں تو ایک ہی شخص کا کہہ دینا کافی ہے۔ لیکن خبر دین کے نقطۂ نظر سے ذرا بھی اہمیت رکھتی ہو تو ایک شخص کیا، دو تین کو گواہی دینی چاہیے۔

١٠. باب: التِّجَارَةِ فِي الْبَحْرِ

وَقَالَ مَطَرٌ: لَا بَأْسَ بِهِ، وَمَا ذَكَرَهُ اللّٰهُ فِي الْقُرْآنِ اِلَّا بِحَقٍّ، ثُمَّ تَلَا: "وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ" (فاطر: ١٢) وَالْفُلْكُ: السُّفُنُ، الْوَاحِدُ وَالْجَمْعُ سَوَاءٌ". وَقَالَ مُجَاهِدٌ: تَمْخَرُ السُّفُنُ الرِّيحَ، وَلَا تَمْخَرُ الرِّيحَ مِنَ السُّفُنِ اِلَّا الْفُلْكُ الْعِظَامُ. وَقَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ

اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: أَنَّهُ ذَكَرَ رَجُلاً مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، خَرَجَ فِي الْبَحْرِ فَقَضَى حَاجَتَهُ، وَسَاقَ الْحَدِيثَ.

باب: سمندر میں تجارت

اور مطر نے کہا ہے کہ بحر میں تجارت کے لیے سفر کرنا برا نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو اس کا ذکر کیا ہے تو بجا کیا ہے۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی کہ تم کشتیوں کو دیکھتے ہو پانی کو پھاڑتی چلتی ہیں تا کہ تم اللہ کا فضل تلاش کرو۔ فلک یعنی کشتیاں۔ اس کا واحد اور جمع دونوں فلک ہی ہیں۔ اور مجاہد نے کہا کہ کشتیاں ہوا کو پھاڑتی ہیں اور ہوا کو وہی کشتیاں پھاڑتی ہیں جو بڑی ہوں جیسے جہاز۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا۔ اس نے سمندر کا سفر کیا اور اپنی ضرورت پوری کی۔ انہوں نے اخیر حدیث تک بیان کیا۔

وضاحت:

امام صاحب نے یہ باب جو باندھا ہے تو اس میں تعلیقات بھی ہیں۔ قرآن کی ایک آیت کا حوالہ بھی ہے، ایک بالکل غیر معروف شخص مطر صاحب کا بیان بھی ہے اور معانی کی تحقیق بھی ہے۔

سمندری تجارت کی مخالفت میں بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ یہ بلا وجہ کا خطرہ (Risk) مول لینا ہے۔ اس میں اپنے آپ کو مبتلا نہیں کرنا چاہیے۔ تو امام صاحب نے باب باندھ کر یہ واضح کیا کہ یہ خطرہ مول لینا ضروری ہے ورنہ مرغی کے ڈربے کے اندر بند قسم کے لوگ بن جاؤ گے۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ بحری تجارت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن میں ایک حق کے ساتھ کیا ہے۔ پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی کہ تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ ہوا کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں کہ تم اللہ کا رزق تلاش کرو۔ پھر ایک روایت کا حوالہ ہے جس میں بنی اسرائیل کے کسی شخص کا ذکر ہے جس نے سمندری سفر کیا۔ یہ روایت نا تمام ہے۔

امام صاحب اس باب میں کوئی اور روایت نہیں لائے۔

۱۱. باب: "وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا"

وَقَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ: "رِجَالٌ" "لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ" "وَلَا بَيْعٌ" "عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" (النور: ۳۷)

وَقَالَ قَتَادَةُ: كَانَ الْقَوْمُ يَتَجِرُونَ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا نَابَهُمْ حَقٌّ" مِنْ حُقُوقِ اللّٰهِ، لَمْ تُلْهِهِمْ

تِجَارَةٌ" وَلَا بَيْعٌ" عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ، حَتّٰى يُؤَدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ.

باب: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ جب کوئی تجارت یا کھیل تماشا دیکھتے ہیں تو ادھر ٹوٹ پڑتے ہیں اور (سورہ نور میں) یہ فرمانا کہ وہ مرد جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔ اور قتادہ نے کہا کہ صحابہ تجارت کرتے تھے مگر جب اللہ تعالیٰ کا فرض آن پڑتا تو کوئی تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے ان کو غافل نہ کر پاتی۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حق ادا کر دیتے۔

۱۶۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ" قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: أَقْبَلَتْ عِيرٌ" وَنَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ الْجُمُعَةَ، فَانْفَضَّ النَّاسُ إِلَّا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ: "وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا".

﴿حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک قافلہ غلہ لے کر آیا اور اس وقت ہم نبی ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے۔ بارہ آدمیوں کے سوا سب لوگ قافلہ پر ٹوٹ پڑے۔ اس وقت یہ آیت اتری کہ جب کوئی بیوپار یا کھیل تماشا دیکھتے ہیں تو ادھر چل دیتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔﴾

وضاحت:

یہ باب اور حدیث دونوں اوپر گزر چکے ہیں۔ ان کا دوبارہ یہاں لکھا جانا کسی کاتب کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ امام صاحب کچھ نہ کچھ تنوع پیدا فرماتے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے باب ۶۔

۱۲. باب: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: "أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ" (البقرہ:۲۶۷)

باب: اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ اپنی کمائی سے اچھی پاکیزہ چیزیں خرچ کرو

۱۷۔ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ"، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ، كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ، وَلِزَوْجِهَا بِمَا كَسَبَ، وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ، لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے کچھ خیرات کرے جو بگاڑ کی نیت سے نہ ہو تو اس کو خرچ کرنے کا اور خاوند کو کمائی کرنے کا ثواب ملے گا اور گھر کے داروغے کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ کسی کا ثواب دوسرے کے ثواب کو کم نہ کرے گا۔﴾

۱۸۔ حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ جَعْفَرٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ هَمَّامٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا، عَنْ غَيْرِ أَمْرِهِ، فَلَهَا نِصْفُ أَجْرِهِ.

﴿حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی میں سے، اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے تو اس کو شوہر کے اجر کا نصف اجر ملے گا۔﴾

وضاحت:

شوہر کے مال پر اس کی بیوی بھی تصرف کا حق رکھتی ہے اور شرفاء میں یہ حق تسلیم کیا جاتا ہے۔ اگر ایک بیوی شوہر کی خیر خواہ ہوتی ہے تو وہ اس کے مال کی محافظ بھی ہوتی ہے اور اسے بے جا خرچ کر کے برباد نہیں کرتی۔ ایسی بیوی کو جب شوہر کی طرف سے یہ حق ملا ہوا ہے اور وہ اس کے مال میں سے صدقہ و خیرات کرتی رہتی ہے تو میاں بیوی دونوں برابر کا اجر پاتے ہیں۔ لیکن اگر بیوی شوہر کی خیر خواہ نہ ہو اور اس کے مال کو لٹاتے اور اسے ضائع کرنے کے درپے رہتی ہو تو ظاہر ہے کہ اپنی بدنیتی کے باعث وہ اجر سے محروم رہے گی۔ اسی طرح اگر اس نے صدقہ و خیرات کرنے کی اجازت نہیں لے رکھی ہے اور اس کے باوجود انفاق کرتی ہے تو اس کا اجر اس اجر کے نصف ہو گا جو شوہر کو روزی کما کر لانے کا ملتا ہے۔

۱۳. باب: مَنْ أَحَبَّ الْبَسْطَ فِي الرِّزْقِ

باب: جو شخص رزق کی کشایش چاہے وہ کیا کرے

۱۹۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي يَعْقُوبَ الْكِرْمَانِيُّ: حَدَّثَنَا حَسَّانُ: حَدَّثَنَا يُونُسُ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، أَوْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ

﴿انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جس کو رزق کی کشائش یا عمر کی درازی بھلی لگے وہ اپنے ناتے والوں سے تعلق جوڑے رکھے۔﴾

وضاحت:

جس طرح کام کا آغاز بسم اللہ کے ساتھ کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مدد اس میں شامل ہو جاتی ہے اور آدمی شیطان کی دراندازی سے محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے کے بھی بعض ایسے اثرات ہوتے ہیں جو ظاہر نظر سے دیکھے نہیں جا سکتے۔ قرابت داروں سے تعلق جوڑے رکھنا اور اپنے مال میں سے ان کے حقوق ادا کرتے رہنا اللہ تعالیٰ کے احکام میں بہت بڑا حکم ہے۔ اس کی بجا آوری کے ثمرات میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی کے مال میں وہ برکت ظاہر ہوتی ہے جو ایک خسیس آدمی کے مال میں نہیں ہوتی۔ آدمی اپنی ضروریات کی قربانی دے کر دوسروں کے حقوق ادا کرتا ہے تو خدا کا غیر مرئی ہاتھ حرکت میں آتا ہے اور اسے وہاں سے روزی دیتا ہے جہاں سے اسے توقع بھی نہیں ہوتی۔ وہ کتنی آفتوں سے محفوظ کر دیا جاتا ہے جو اس کے مال اور عمر کو نقصان پہنچانے والی ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں سورہ الطلاق میں بیان ہوا ہے کہ جو شخص اپنی مطلقہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کر کے اسے رخصت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام مصارف کی تلافی فرمادے گا۔ کیونکہ اس نے یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں کیا۔

۱۴. باب: شِرَاءِ النَّبِيِّ ﷺ بِالنَّسِيئَةِ

باب: آنحضرت ﷺ کا ادھار خریدنا

۲۰۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ اَسَدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ قَالَ: ذَكَرْنَا عِنْدَ اِبْرَاهِيمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَمِ فَقَالَ: حَدَّثَنِي الْاَسْوَدُ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اشْتَرَىٰ طَعَامًا مِنْ يَهُودِيٍّ اِلَىٰ اَجَلٍ، وَ رَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيْدٍ۔

﴿اعمش کہتے ہیں کہ ہم نے ابراہیم نخعی سے ادھار لے کر کچھ گروی رکھنے کے بارے میں گفتگو کی۔ انہوں نے کہا کہ مجھ سے اسود نے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی کہ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت مقرر کر کے ادھار غلہ خریدا اور اپنی لوہے کی زرہ اس کے پاس گروی رکھ دی۔﴾

۲۱۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ اَنَسٍ (ح) وَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَوْشَبٍ: حَدَّثَنَا اَسْبَاطٌ اَبُوالْيَسَعِ الْبَصْرِيُّ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ الدَّسْتَوَائِيُّ، عَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ مَشَىٰ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ بِخُبْزِ شَعِيْرٍ، وَ اِهَالَةٍ سَنِخَةٍ، وَلَقَدْ

رَهَنَ النَّبِيُّ ﷺ دِرْعَالَهُ بِالْمَدِيْنَةِ عِنْدَ يَهُوْدِيٍّ، وَاَخَذَ مِنْهُ شَعِيْرًا لِاَهْلِهِ. وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ: مَا اَمْسٰى عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ صَاعُ بُرٍّ، وَلَا صَاعُ حَبٍّ وَاِنَّ عِنْدَهُ لَتِسْعَ نِسْوَةٍ.

﴿حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے پاس جو کی روٹی اور چربی، جس سے بو آ رہی تھی، لے گئے اور اس وقت نبی ﷺ کی حالت یہ تھی کہ آپ نے اپنی زرہ مدینے میں ایک یہودی کے پاس گرو رکھوائی ہوئی تھی اور اس سے اپنی بیویوں کے لیے جو لیے تھے۔ اور میں نے ان کو یہ بیان کرتے بھی سنا کہ محمد ﷺ کے گھر والوں کے پاس کبھی شام کو ایک صاع گیہوں یا غلے کا جمع نہ رہا حالانکہ آپ کی نو بیویاں تھیں۔﴾

وضاحت:

ایک دور میں آنحضرت ﷺ کے حالات بے شک ایسے رہے ہیں کہ بسا اوقات کھانے کو گھر میں کچھ نہ ہوتا تھا۔ کبھی پانی اور کھجور کے سوا کوئی چیز میسر نہ ہوتی البتہ آنحضرتؐ کے اور ان کے گھر والوں کے یہ حالات مدنی زندگی کے شروع میں نہایت سخت رہے تھے۔ فتوحات کے بعد بہر حال غربت کا وہ حال نہ تھا جو یہاں بیان ہوا ہے۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ابتدائی مدنی دور میں حضور ﷺ کی نو بیویاں نہیں تھیں۔ سیاسی، سماجی اور دینی مصالح کی بنیاد پر تو بیویاں جو ہوئیں تو تاریخ بتاتی ہے کہ وہ ساری آخری چند سالوں میں ہوئیں۔ ابتدائی دور میں حضرت سودہؓ و حضرت عائشہ سمیت شاید تین یا چار ازواج مطہرات تھیں اور اسی زمانے میں آپ نے قرض لیا اور اپنی زرہ گروی رکھی۔ فتوحات کے بعد مسلمان بہر حال فاتح کی حیثیت سے رہتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی بھی اپنی اختیار کردہ ایثار کی زندگی ضرور تھی لیکن یہ نوبت نہیں تھی کہ بدر و حنین اور احزاب کا فاتح اپنی زرہ کسی یہودی کے ہاں گروی رکھے۔ لہذا میرے نزدیک روایت کرنے والوں نے ماضی کو مستقبل میں اور مستقبل کو ماضی میں ملا دیا ہے یعنی روایت کی ترتیب بالکل غیر منطقی ہوگئی ہے۔ زرہ گروی رکھنے کی بات ابتدائی دور مدینہ کی ہے اور آپ کی نو بیویاں آخری دور میں ہوئیں۔

۱۵. باب : كَسْبِ الرَّجُلِ وَعَمَلِهِ بِيَدِهِ

باب: آدمی کو اپنی ضروریات اپنی محنت اور کمائی سے پوری کرنی چاہئیں

۲۲۔ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، عَنْ يُوْنُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ؛ اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَمَّا اسْتُخْلِفَ اَبُوْبَكْرٍ الصِّدِّيْقُ قَالَ: لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِيْ اَنَّ حِرْفَتِيْ لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مَؤُنَةِ اَهْلِيْ، وَشُغِلْتُ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ، فَسَيَاْكُلُ آلُ اَبِيْ بَكْرٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ، وَيَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِيْنَ فِيْهِ۔

﴿حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے کہا کہ میری قوم کے لوگوں کو خوب پتہ ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل وعیال کی ضرورت کے لیے کافی تھا۔ اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول رہوں گا تو ابوبکر کے گھر والے مسلمانوں کے مال ہی میں سے اپنی ضروریات پوری کریں گے اور ابوبکر مسلمانوں کے لیے اس میں جدوجہد کریں گے۔﴾

وضاحت:

روایت کا مفہوم واضح ہے۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ بننے کے بعد بیت المال سے گھر کے اخراجات لینے کا جواز بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ بننے کے بعد میں حکومت کی ذمہ داریوں میں مشغول ہوگیا ہوں اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ مسلمانوں کے مال میں سے اپنی ضروریات پوری کروں۔ دوسری روایات میں جو تفصیل آئی ہے وہ بڑی دلچسپ ہے کہ خلیفہ بننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے کپڑے کے تھان کندھے پر ڈالے اور بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بڑے لوگوں میں سے حضرت عمرؓ یا کوئی اور ملے اور پوچھا کہ حضرت یہ کیا؟ انہوں نے کہا کہ یہ نہ کروں تو بیوی بچے کھائیں گے کیا؟ حضرت عمرؓ نے کہا اسے رہنے دیجئے اور یہ طے پایا کہ حضرت ابوبکرؓ اپنی ضروریات بیت المال سے پوری کریں گے۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ جو فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے لیے جدوجہد کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے مال میں برکت بڑھے اور اضافہ ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ جو مال مسلمانوں کا اس کے قبضہ میں آتا ہے وہ اس کو مختلف طریقوں سے بڑھانے کی کوشش کرے۔

۲۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يَزِيدَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ قَالَ: حَدَّثَنِي اَبُو الْاَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: كَانَ اَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عُمَّالَ اَنْفُسِهِمْ، وَكَانَ يَكُونُ لَهُمْ اَرْوَاحٌ، فَقِيلَ لَهُمْ: لَوِ اغْتَسَلْتُمْ.

رَوَاهُ هَمَّامٌ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ۔

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اپنے کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتے تھے۔ ان کے بدن سے پسینے کی بو نکلتی تھی تو ان سے کہا جاتا اگر تم نہا لیا کرو تو بہتر ہے۔﴾

وضاحت:

ارواح روح کی جمع ہے۔ صحابہ کرام کھیتی باڑی، تجارت، مویشی پالنا غرض جتنے کام تھے اپنے ہاتھ سے

کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کے کپڑوں میں پسینے سے بو پیدا ہو جاتی تھی۔ اسی بنیاد پر ان سے کہا گیا کہ اگر جمعہ کے جمعہ غسل کر لیا کریں تو بہتر ہے۔ یہ آداب میں سے بھی ہے۔ جہاں اجتماعی کام ہو تو ہر آدمی کو اپنی انفرادی خصوصیات میں ترمیم کرنی پڑے گی۔ دوسروں کا بھی لحاظ کرنا پڑے گا۔ نہانا پڑے گا، کپڑے بدلنے پڑیں گے، خوشبو ملے تو وہ بھی لگائی جائے گی۔ ایسا نہ کیا جائے تو اجتماعات میں طبیعت کا نشاط مفقود ہو جاتا ہے۔

روایت کا زور اس بات پر ہے کہ لوگ اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے اور مقصود اس سے یہ ہے کہ یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے بلکہ اصلی شرف یہی ہے کہ آدمی اپنا رزق اپنے ہاتھ سے کمائے۔

۲۴۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُوْسٰى: أَخْبَرَنَا عِيْسٰى، عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا اَكَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ، وَاِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ.

﴿حضرت مقدام رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی شخص نے اس سے بہتر کھانا نہیں کھایا جو اس نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے فراہم کیا ہو اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے اپنی ضروریات پوری کیا کرتے۔﴾

۲۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوْسٰى: حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ: اَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ: حَدَّثَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَا يَاْكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ.

﴿حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے محنت کر کے اپنی کمائی سے کھاتے۔﴾

وضاحت:

جو روزی اپنے ہاتھ کی کمائی کی ہوتی ہے، اس سے زیادہ پاکیزہ، بابرکت اور لذیذ کوئی کھانا نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو اپنے ہاتھ کی کمائی ہے اور پھر پاکیزہ بھی، تو اس کا ذرہ ذرہ آدمی کے اندر پاکیزہ خون پیدا کرے گا جو اس کی رگوں میں ایک مجاہد کا خون بن کر دوڑے گا۔

اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ تھے اور بادشاہ بھی معمولی نہیں، بنی اسرائیل کو ان کی پوری تاریخ

پر فخر ہے اور کیوں نہ ہو- انہوں نے بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک اہم مرحلہ میں ان کے دشمن جالوت کا مقابلہ کیا اور اس کو قتل کیا- اس وقت یہ ایک غریب قبیلہ کے گذریے اور بہت کم سن نوجوان تھے- جالوت پر فتح پانے کے بعد حضرت داؤدؑ کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے- یہ جوہر قابل ان کے اندر تھا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عظیم سلطنت دی جس کی تمنا اسرائیلی آج تک رکھتے ہیں- لوہے کی اعلیٰ صنعت کا آغاز انہی کے عہد حکومت میں ہوا- ان کے دور میں زرہ سازی شروع ہوئی- تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے زمانے میں بڑی طاقت بڑی حد تک مکمل ہو گئی تھی- اس تمام کروفر کے باوجود حضرت داؤدؑ اپنی ابتدائی غربت کو نہیں بھولے- اتنی بڑی سلطنت کا حکمران بن جانے کے باوجود وہ اپنی محنت کی کمائی کھاتے تھے- یہاں روایت کو مختصر کر دیا ہے- کان یاکل من عمل یدہٖ کی تفصیل بہت ہے- مراد یہ ہے کہ اپنی تمام ضروریات اپنی کمائی سے پوری کرتے تھے-

یاد رہے کہ یہ روایات سب کتاب البیوع میں آ رہی ہیں- بحث ساری کی ساری ہاتھ کی کمائی کی ہے جبکہ بیع کی تعریف یہ ہے کہ مبادلۃ الشئی بالشئی - ہاتھ کی کمائی کی بحث پاکیزہ زندگی اور اخلاقیات کی بحث ہے- اس کو بیع سے تعلق نہیں-

۲۶۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ، مَوْلَى عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَأَنْ يَحْتَطِبَ أَحَدُكُمْ حُزْمَةً عَلَى ظَهْرِهِ خَيْرٌ" مِنْ أَنْ يَسْأَلَ أَحَدًا، فَيُعْطِيَهُ أَوْ يَمْنَعَهُ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ بات کہ تم میں سے کوئی اپنی پیٹھ پر لکڑیوں کا ایک گٹھا لیے ہوئے ہو (جس کو بازار میں بیچ کر اپنی روزی کمائے) اس بات سے کہیں بہتر ہے کہ وہ کسی سے سوال کرے، پھر معلوم نہیں وہ اسے کچھ دے یا نہ دے۔﴾

۲۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ": حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ أَحْبُلَهُ خَيْرٌ" لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ.

﴿زبیر بن العوامؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات کہ تم میں سے کوئی اپنی رسیاں اٹھائے بہتر ہے اس بات سے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے۔﴾

وضاحت:

یہ ہدایت بہت پاکیزہ اور شاندار ہے۔ آدمی کے اندر عزت نفس اور حوصلہ مندی ہونی چاہیے۔ ضرورت کے وقت سائل بن کر لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلانا کمینگی ہے۔ ایک خوددار آدمی جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹے اور پیٹھ پر لاد کر ان کو بیچے اور جو چند پیسے مل جائیں اس سے اپنا پیٹ پالے لیکن کسی کے آگے مدد کے لیے ہاتھ نہ پھیلائے تو یہ اعلیٰ ظرف اور بلند کرداری کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی مدد فرماتا ہے اور اس کو ذلت سے بچاتا ہے۔

دوسری روایت میں رسیوں سے مراد لکڑیاں باندھنے کی رسیاں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آدمی رسیاں اٹھائے، جنگل میں جا کر لکڑی کاٹے اور باندھ کر بازار میں لے جائے، پھر بیچ کر کمائے کھائے تو یہ بہتر ہے اس بات سے کہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے۔

١٦. باب: السُّهُولَةِ وَالسَّمَاحَةِ فِي الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ، وَمَنْ طَلَبَ حَقًّا فَلْيَطْلُبْهُ فِي عَفَافٍ

باب: خرید وفروخت میں نرمی اور سیر چشمی کا معاملہ کرنا اور جو اپنا حق مانگے تو پاکیزہ طریقہ سے مانگے

یطلبه في عفاف کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ مطالبہ شرافت کے ساتھ، پاکیزگی کے ساتھ اور مہذب طریقہ سے کرے۔

۴۸۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ: حَدَّثَنَا أَبُو غَسَّانَ، مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ، وَإِذَا اشْتَرَى، وَإِذَا اقْتَضَى.

﴿حضرت جابر بن عبداللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو بیچتے، خریدتے اور تقاضا کرتے وقت فیاضی دکھاتا ہے۔﴾

وضاحت:

سمح کے معنی فیاض، دل کا سخی، سیر چشم کے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی کنجوس بنیے کے طریقے پر کسی کے در پے نہ ہو جائے۔ کسی سے کچھ وصول کرتا ہے تو نرمی

سے طلب کرے۔ کسی نے معذرت کی تو قبول کر لے اور مہلت دے دے۔ خرید و فروخت میں آسمان و زمین کے قلابے نہ ملائے کہ مال تو گھٹیا ہو اور ثابت کرنا چاہے کہ اس میں کوئی خرابی نہیں۔ ہر معاملہ میں فیاضی، رواداری اور خوشدلی ہونی چاہیے۔ معاملات کے لیے یہ بہت عمدہ روایت ہے۔

۱۷. باب: مَنْ أَنْظَرَ مُوسِرًا

باب: اس شخص کے بارے میں جو مال دار کو مہلت دے

۲۹۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ: حَدَّثَنَا مَنْصُورٌ" أَنَّ رِبْعِيَّ بْنَ حِرَاشٍ حَدَّثَهُ أَنَّ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: تَلَقَّتِ الْمَلَائِكَةُ رُوحَ رَجُلٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَقَالُوا: أَعَمِلْتَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا؟ قَالَ: كُنْتُ آمُرُ فِتْيَانِي أَنْ يُنْظِرُوا الْمُعْسِرَ وَ يَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُوسِرِ، قَالَ: قَالَ: فَتَجَاوَزُوا عَنْهُ.

وَقَالَ أَبُو مَالِكٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ. كُنْتُ أُيَسِّرُ عَلَى الْمُوسِرِ، وَأُنْظِرُ الْمُعْسِرَ.

وَ تَابَعَهُ شُعْبَةُ، عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِيٍّ. وَقَالَ أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِالْمَلِكِ، عَنْ رِبْعِيٍّ: أُنْظِرُ الْمُوسِرَ، وَ أَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ. وَ قَالَ نُعَيْمُ بْنُ أَبِي هِنْدٍ، عَنْ رِبْعِيٍّ: فَأَقْبَلُ مِنَ الْمُوسِرِ، وَأَتَجَاوَزُ عَنِ الْمُعْسِرِ.

﴿حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں کی ملاقات ایک ایسے شخص کی روح سے ہوئی جو تم سے پہلے لوگوں میں سے تھا تو ملائکہ نے پوچھا: آپ نے دنیا میں کوئی نیکی کا کام بھی کیا ہے؟ تو اس نے کہا میں اپنے نوکروں کو یہ حکم دیتا تھا کہ تم لوگ مہلت دو تنگ دست کو اور درگزر کرو کشادہ حال سے بھی۔ تو فرشتوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ ابو مالک نے ربعی سے یوں روایت کی ہے کہ میں مالدار پر آسانی کرتا تھا اور نادار کو مہلت دیتا تھا۔۔ عبدالملک نے ربعی سے یوں روایت کی ہے کہ میں مالدار کو مہلت دیتا تھا اور نادار کو معاف کر دیتا تھا اور نعیم بن ابی ھند نے ربعی سے یوں روایت کی کہ میں مالدار کا وعدہ قبول کر لیتا تھا اور نادار کو معاف کر دیتا تھا۔﴾

وضاحت:

مالک کی نوکروں کو اس ہدایت کہ 'کشادہ حال سے درگزر کرو' کا مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ درگزر کا

معاملہ تنگ دستوں کے ساتھ تو کرتے ہی ہو، اس کو کشادہ حالوں تک وسعت دے دو۔

آدمی کو معاملات میں بہت ہی روادار، کشادہ دل اور نرم خو ہونا چاہیے۔ وہ آدمی ہی کیا جو ہر ایک سے پائی پائی کا حساب کرتا پھرے۔ میرے نزدیک ایک شریف آدمی کا کردار یہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی سے کچھ لینا ہے اور وہ آدمی کچھ واپس کرتا ہے تو چپکے سے چھپا کر جیب میں رکھ لے۔ اس کے سامنے رقم گننا بھی شرافت کے منافی ہے۔ اگر دینے والے نے کچھ کم بھی دیا ہو تو کیا ہوا، امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بہتر صلہ دے گا۔

پہلی روایت میں روح سے فرشتوں کی سر راہ ملاقات کا جو ذکر آیا ہے کہ وہ پوچھیں گے کہ آپ کوئی نیکی بھی کر کے آئے ہو تو اس کا کوئی محل نہیں۔ قرآن مجید سے اس طرح کے امکانات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اس میں اگر فرشتوں کے تبصرے ملتے ہیں تو حساب کتاب کے وقت یا جنت اور جہنم میں داخلہ کے وقت ملتے ہیں۔ فرشتے اہل جنت کا خیر مقدم کریں گے اور جہنمیوں سے یہ پوچھیں گے کہ کیا خدا کی ہدایت لے کر انبیاء تمہارے پاس نہ آئے تھے، اگر آئے تھے تو تم نے ان کی تکذیب کر کے کیوں اپنی عاقبت خراب کر لی۔

۱۸. باب: مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا

باب: اس شخص کے بارے میں جس نے نادار کو مہلت دی

۳۰۔ حَدَّثَنَا هِشَامُ بْنُ عَمَّارٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَمْزَةَ: حَدَّثَنَا الزُّبَيْدِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِاللهِ بْنِ عَبْدِاللهِ: أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كَانَ تَاجِرٌ يُدَايِنُ النَّاسَ، فَإِذَا رَأَى مُعْسِرًا قَالَ لِفِتْيَانِهِ: تَجَاوَزُوا عَنْهُ، لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا، فَتَجَاوَزَ اللهُ عَنْهُ.

﴿حضرت ابوہریرہ ؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک تاجر تھا جو لوگوں کو قرض دیتا تھا۔ وہ جب دیکھتا کہ آدمی تنگ حال ہے تو اپنے آدمیوں سے کہتا کہ اس سے درگزر کرو تا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بھی درگزر فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر کیا۔﴾

وضاحت:

احادیث میں بہت سی روایتیں ایسی آئی ہیں، اوپر کی روایت بھی انہی میں شامل ہے اور زیر بحث روایت بھی انہی میں سے ہے، جن میں پچھلے لوگوں کے حوالہ سے بات کی گئی ہے، گویا یہ واقعہ کسی پہلی امت کے کسی فرد کے ساتھ پیش آیا۔ معلوم ہوتا ہے اس طرح کے قصے بنی اسرائیل میں رائج رہے ہوں گے۔ ان سب کا انداز واعظانہ

ہے۔ گویا لوگ ترغیب وترہیب کے لیے ان کو بیان کرتے رہے۔ یہی قصے ہمارے ہاں احادیث میں داخل ہو گئے۔ بعض روایتوں میں بیان کسی صحابی سے منسوب ہے اور بعض میں خود نبی ﷺ سے۔ ایک روایت میں راوی ایک ایسے ہی قصہ کی نبی ﷺ کی طرف نسبت کی تردید کرتے ہیں۔ یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ جب حضور خود شریعت دینے والے اور دین کے اصول متعارف کرانے والے تھے تو آپ مجہول راویوں کے ترغیب وترہیب کے قصوں کو کیوں اہمیت دیتے۔ ایک توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ ممکن ہے کسی خاص موقع پر آنحضرت ﷺ نے کوئی قصہ سنایا ہو۔ یہ ممکن تو ہے، البتہ موقع واضح نہیں۔ یہی واقعہ بطور تنبیہ بھی تو سنایا جاسکتا ہے کہ احمق لوگوں نے دین کے نام پر کیسی کیسی باتیں دین میں داخل کر دیں۔

اس طرح کی واعظانہ باتوں کا اثر یہ ہوا کہ عوام خوش ہو گئے کہ چھوٹی چھوٹی نیکیاں کر کے ہم بھی مغفرت حاصل کر سکتے ہیں۔ اب وہ بڑے احکام کو تو پس پشت ڈالتے ہیں کہ ان پر عمل آسان نہیں ہوتا اور قربانی چاہتا ہے، لیکن چھوٹے چھوٹے بھلائی کے کاموں پر مغفرت کی امید لگائے رکھتے ہیں اور ہمارے واعظین بھی یہ قصے سنا سنا کر معافی کے پروانے بانٹتے رہتے ہیں۔

حدیثوں میں بعض روایتیں ایسی بھی آئی ہیں جن میں کسی جزوی عمل پر آدمی کی مغفرت کا بیان ہے جیسے بعینہ وہی معمولی عمل مغفرت کا سبب بن گیا ہو۔ یہ بات دین کی اصولی تعلیم کے خلاف ہے۔ اصول کی تعلیم جو قرآن نے دی ہے اس کے مطابق کوئی بھی بڑا یا چھوٹا عمل، خواہ وہ حج کا ہو، جہاد کا ہو یا ہجرت کا ہو، قبول نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کے لیے نہ کیا گیا ہو۔ اگر کوئی اور نیت ہو گی تو اس عمل کی کوئی وقعت نہیں۔ اسی طرح آدمی کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس کے نیک اعمال سے دھل جاتے ہیں مگر جتنے بھی بڑے گناہ ہیں جن سے حقوق العباد پر اثر پڑتا ہے یا حقوق اللہ متاثر ہوتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ ان گناہوں کے صدور کے بعد فوراً توبہ کی جائے، استغفار کیا جائے اور معاملہ کی اصلاح کی جائے تب اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے گا۔ لیکن اگر توبہ کی توفیق نہیں ملی اور گناہ زندگی کا اوڑھنا بچھونا بن گیا اور اسی حالت میں موت آ گئی تو یہ گناہ آدمی کو جہنم میں پہنچانے کا سبب بن جائے گا۔

اب ایک درمیانی حالت ہے کہ فوری توبہ تو نہیں کی لیکن موت سے پہلے توفیق ہو گئی تو اس پر قرآن خاموش ہے۔ اس خاموشی سے امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا اور ڈرتے بھی رہنا چاہیے کہ کہیں پکڑے نہ جائیں۔ باقی رہ گیا کہ کوئی صاحب چھوٹے موٹے کام کریں، بچوں کے سر پر ہاتھ پھیریں، کچھ چیزیں لوگوں میں تقسیم کرتے رہیں، لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں کشادہ دلی کا مظاہرہ کریں تو یہ نیکی کے کام ضرور ہیں لیکن یہ نجات کا ذریعہ نہیں۔

میں ان روایتوں کو محدثین کے اس اصول پر پرکھتا ہوں کہ اگر معمولی نیکی پر بہت بڑے اجر کی خبر کسی روایت

میں دی گئی ہو تو یہ اس روایت کے ضعف کی دلیل ہوتی ہے- عمل اور جزا کے معاملات میں قرآن نے جو رہنمائی دی ہے ہمیں اسی پر اعتماد کرنا چاہیے اور واعظانہ قسم کی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے-

۱۹. باب : اِذَا بَیَّنَ الْبَیِّعَانِ وَ لَمْ یَکْتُمَا وَ نَصَحَا

وَ یُذْکَرُ عَنِ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ: کَتَبَ لِی النَّبِیُّ ﷺ: هٰذَا مَا اشْتَرٰی مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ الْعَدَّاءِ بْنِ خَالِدٍ، بَیْعَ الْمُسْلِمِ لِلْمُسْلِمِ، لَا دَاءَ وَلَا خِبْثَةَ وَلَا غَائِلَةَ. وَ قَالَ قَتَادَةُ: اَلْغَائِلَةُ الزِّنَا وَالسَّرِقَةُ وَالْاِبَاقُ.

وَ قِیلَ لِاِبْرَاهِیمَ: اِنَّ بَعْضَ النَّخَّاسِینَ یُسَمِّی آرِیَّ خُرَاسَانَ وَ سِجِسْتَانَ، فَیَقُولُ: جَاءَ اَمْسِ مِنْ خُرَاسَانَ، جَاءَ الْیَوْمَ مِنْ سِجِسْتَانَ، فَکَرِهَهُ کَرَاهِیَةً شَدِیدَةً.

وَ قَالَ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ: لَا یَحِلُّ لِامْرِیءٍ یَبِیعُ سِلْعَةً، یَعْلَمُ اَنَّ بِهَا دَاءً، اِلَّا اَخْبَرَهُ.

باب: جب بیچنے والا اور خریدار دونوں صاف صاف بیان کر دیں، کچھ چھپائیں نہیں اور ایک دوسرے کی بہتری چاہیں

اور عداء بن خالد سے منقول ہے کہ نبی ﷺ نے (مجھ سے کوئی چیز لی تو) یہ تحریر لکھ دی کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے خرید اعداء بن خالد سے اور مسلمان کی بیع مسلمان کے لیے اس طرح ہونی چاہیے کہ نہ اس میں کوئی خرابی ہو، نہ کوئی دھوکہ ہو اور نہ فریب ہو- اور قتادہ نے کہا کہ الغائلہ سے مراد زنا، چوری اور غلام کا بھاگنا ہے- اور ابراہیم نخعی سے پوچھا گیا کہ بعض دوکاندار اپنے اڈوں کا نام خراسان اور بجستان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مال کل ہی خراسان سے آیا، یہ مال آج ہی بجستان سے پہنچا ہے، تو ابراہیم نے اس کو بہت ہی مکروہ گردانا- اور عقبہ بن عامر نے کہا کہ جس کو اپنے مال کا کوئی عیب معلوم ہو اور وہ اسے بیچ رہا ہو تو خریدار سے اس کو بیان کر دے-

وضاحت:

اس باب میں اقوال ہیں- روایت کا حوالہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عداء بن خالد سے کوئی چیز خریدی اور یہ تحریر لکھ دی کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے خرید اعداء بن خالد سے اور مسلم کی بیع مسلم کے لیے اس طرح ہونی چاہیے کہ اس

میں کوئی خرابی اور دھوکہ نہ ہو- یہ نصیحت کے کلمات ہیں- آنحضرت ﷺ کو موقع ملا اور آپ نے نصیحت فرمادی کہ مومن کا معاملہ مومن سے ایسا ہونا چاہیے کہ دغل فشل اور فساد سے پاک ہو- ان کلمات کا اور کوئی محل نہیں اور یاد نہیں پڑتا کہ آنحضرت ﷺ نے اور کسی کاروباری تحریر میں یہ لکھا ہو- جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے یہ بس یہیں مذکور ہے- صحاح کی بعض کتابوں میں یہ روایت اس طرح آئی ہے کہ عداء بن خالد نے حضور سے کوئی چیز خریدی- قتادہ نے الغائلہ سے مراد زنا، چوری اور اباق یعنی غلام کا بھاگ جانا بتایا ہے- بھلا بتایئے یہ شرح کس لغت سے ہے-

مال تجارت جب مخصوص علاقوں سے آئے تو لوگ اس کی مارکیٹیں قائم کر لیتے ہیں- اسی طرح لوگوں نے خراسان اور بجستان کے علاقوں کا مال فروخت کرنے کے اڈے قائم کیے ہوئے تھے- اس لیے کہ مال انہی جگہوں سے آتا تھا اور لوگ کھڑے کھڑے آواز لگاتے تھے کہ ابھی ابھی تازہ مال خراسان سے آیا ہے یا بجستان سے آیا ہے- خرید لیجیے ورنہ نکل جائے گا- ابراہیم نخعی سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ سب لغویات ہیں- ان کا خیال یہ رہا ہوگا کہ لوگ اس طرح خریداروں کو دھوکہ دے کر مال نکالتے ہیں- ابن عامر کا امام صاحب نے یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر مال میں کوئی عیب ہے تو خریدار کو بتا دینا چاہیے کہ مال میں یہ نقص ہے-

۳۱۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ صَالِحٍ اَبِی الْخَلِيْلِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ: رَفَعَهُ اِلٰى حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا، اَوْ قَالَ: حَتّٰى يَتَفَرَّقَا، فَاِنْ صَدَقَا وَ بَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِىْ بَيْعِهِمَا، وَ اِنْ كَتَمَا وَ كَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا.

﴿حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معاملہ کرنے والے اس وقت تک اختیار رکھتے ہیں جب تک وہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں- پھر اگر وہ سچ بولیں اور عیب وغیرہ صاف صاف بیان کریں تو ان کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کی بیع کی برکت مٹا دی جائے گی۔﴾

وضاحت:

معاملہ کے فریقین یعنی خریدار اور دوکاندار دونوں کو اختیار دیا گیا ہے، خریدار کو یہ کہ وہ خریدا ہوا مال واپس کر دے اور دوکاندار کو یہ کہ وہ مال فروخت کرنے سے معذرت کر دے جب تک کہ دونوں معاملہ کر کے جدا نہیں ہو جاتے اور جائے معاملہ پر ہی موجود ہوتے ہیں- اگر جدا ہو گئے اور خریدار مال خرید کر دوکان سے اٹھ کر چلا گیا تب خیار آپ کا ختم- پھر آپ نے جو لیا وہ آپ کا اور دوکاندار نے جو بیچا وہ اس کو منسوخ نہیں کر سکتا- حدیث میں اصولی بات یہی بتائی گئی ہے- البتہ فقہاء نے اس میں بہت سے اختلافات پیدا کر لیے ہیں- میں اس وقت فقہ کی بحث چھیڑنے کی پوزیشن

میں نہیں ہوں۔

حدیث کے باقی حصہ میں یہ ہدایت ہے کہ مال میں اگر کوئی عیب تھا، دکاندار نے وہ صاف صاف بیان کیا اور چھپایا نہیں اور خریدار نے رضامند ہو کر مال لے لیا تو ان کے معاملہ میں برکت ہوگی۔ یہ برکت بڑی چیز ہے۔ اس میں شے موجود رہتی ہے اور اس کا خزانہ کبھی خالی نہیں ہوتا۔ اور اگر برکت نہ ہو اور ڈھیروں مال ہو تو ہر طرف نحوست، غربت اور مصیبت نظر آتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اگر معاملہ کرنے والوں نے اصل حقیقت کو چھپایا اور جھوٹ بول کر مال کی خرید و فروخت کی تو ان کی بیع کی برکت مٹا دی جائے گی۔

۲۰ . باب: بَيْعِ الْخِلْطِ مِنَ التَّمْرِ

باب: اچھی اور خراب کھجور ملی جلی بیچنا

۳۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُرْزَقُ تَمْرَ الْجَمْعِ، وَهُوَ الْخِلْطُ مِنَ التَّمْرِ، وَكُنَّا نَبِيعُ صَاعَيْنِ بِصَاعٍ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا صَاعَيْنِ بِصَاعٍ، وَلَا دِرْهَمَيْنِ بِدِرْهَمٍ.

﴿ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ ہم کو سب قسم کی کھجوریں ملی جلی ملا کرتی تھیں تو ہم اس کے دو صاع دے کر ایک صاع اچھی کھجور لے لیتے تو نبی ﷺ نے فرمایا دو صاع کھجور کا ایک صاع کے بدل بیچنا درست نہیں ہے اور نہ دو درہم کا ایک درہم کے ساتھ مبادلہ جائز ہے۔﴾

وضاحت:

معلوم ہوتا ہے کہ قسم قسم کی کھجوریں بیت المال میں جو صدقے وغیرہ کے طور پر آتی تھیں سب رلا ملا کر مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھیں تو لوگ ان ملی جلی کھجوروں کے دو صاع کے بدلے ایک صاع اچھی کھجوریں خرید لیتے تھے۔ نبی ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے اس معاملہ سے منع فرمایا۔

راوی نے یہاں اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ کس شکل میں آپ نے اس معاملہ سے منع فرمایا ہے۔ ہاتھوں ہاتھ معاملہ کی صورت میں یا ادھار میں۔ اگر کوئی معاملہ یدا بید یعنی ہاتھوں ہاتھ ہو رہا ہے تو یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ خراب چیز زیادہ دے کر اچھی چیز کم لے لی جائے۔ مثلاً عمدہ قسم کے قلمی آم ہیں تو اگر کوئی دو ٹوکرے دیسی آم دے کر ایک ٹوکرا عمدہ آم لے لیتا ہے تو یہ بات ٹھیک ہے۔ دونوں قسم کے آموں کے ایک ہی دام تو نہیں ہوں گے۔ اسی طرح چاول ہیں باسمتی بھی اور اری بھی تو دونوں کا ایک ہی بھاؤ تو نہیں ہوگا۔ آمنے سامنے کے معاملہ میں

قیمت کا فرق شے کی نوعیت کے لحاظ سے جائز ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس معاملہ سے جو منع فرمایا ہے تو یہ نسیہ یعنی ادھار کی صورت میں ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ آج اتنا چاول دیتا ہوں اور چند دن بعد اس سے مختلف مقدار میں لوں گا تو یہ جائز نہیں اس لیے کہ یہ ربا کی شکل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ منع ہے۔

درہم کا درہم سے مختلف قیمتوں پر مبادلہ عجیب سا لگتا ہے۔ لیکن اگر یہ بات ذہن میں ہو کہ درہم چاندی کے ہوتے تھے اور وہ گھس گھس کر کبھی بہت کم وزن کے رہ جاتے اور لوگ مبادلہ میں ان کے وزن کا لحاظ کرتے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ میرے خیال میں یہ ہدایت بھی معاملہ کے ادھار ہونے کی صورت میں ہے۔

۲۱۔ باب: ما قِيلَ فِي اللَّحَّامِ وَالجَزَّارِ

باب: گوشت بنانے والوں اور قصابوں کے بارے میں روایات

۳۳۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ، يُكْنَى أَبَا شُعَيْبٍ، فَقَالَ لِغُلَامٍ لَهُ قَصَّابٍ: اجْعَلْ لِي طَعَامًا يَكْفِي خَمْسَةً، فَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَدْعُوَ النَّبِيَّ ﷺ خَامِسَ خَمْسَةٍ، فَإِنِّي قَدْ عَرَفْتُ فِي وَجْهِهِ الجُوعَ، فَدَعَاهُمْ، فَجَاءَ مَعَهُمْ رَجُلٌ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ هَذَا قَدْ تَبِعَنَا، فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَأْذَنَ لَهُ فَأْذَنْ لَهُ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ يَرْجِعَ رَجَعَ. فَقَالَ: لَا، بَلْ قَدْ أَذِنْتُ لَهُ.

﴿ابومسعود روایت کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نے، جن کی کنیت ابوشعیب تھی، اپنے غلام سے جو قصاب تھا کہا کہ میرے لیے کھانا تیار کرو جو پانچ آدمیوں کے لیے کافی ہو۔ میرا ارادہ ہے کہ میں نبی ﷺ سمیت پانچ آدمیوں کو کھانے پر بلاؤں کیونکہ میں نے آپ کے چہرے پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ پھر اس نے آپ کو دعوت دی تو ان کے ساتھ ایک صاحب زیادہ آ گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ یہ صاحب ہمارے ساتھ آ گئے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ان کو اجازت دے دیں اور اگر آپ کہیں تو یہ لوٹ جائیں۔ تو انہوں نے کہا کہ نہیں، میں ان کو بھی اجازت دیتا ہوں۔﴾

وضاحت:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑا بے تکلف معاشرہ تھا۔ وہ صاحب بن بلائے آ بھی گئے اور حضور ﷺ نے صفائی کے ساتھ صورت حال بتا دی، لیکن صاحب خانہ معقول آدمی تھے انہوں نے اجازت دے دی۔ یہ روایت ہمیں تعلیم

دیتی ہے کہ اگر کوئی مہمان بن بلائے آ جائے تو میزبان کو چاہیے کہ خوشدلی سے اس کو قبول کرلے۔ نیکی اور فیاضی کا یہی تقاضا ہے۔ لیکن کسی کو ناخواندہ مہمان بننا نہیں چاہیے کیونکہ اس سے میزبان پر ایک ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ یہاں دیکھئے حضور ﷺ کو میزبان سے اجازت لینی پڑی۔ ہاں جب کوئی آ ہی گیا ہو تو مسلمان کو خندہ پیشانی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔

یہ روایت یہاں سیاق وسباق کے لحاظ سے بالکل بے جوڑ ہے۔ اس لیے کہ اوپر والی روایت میں اشیاء کے کم وبیش مبادلہ کی بات ہے اور آگے والی روایت جھوٹ اور عیب چھپانے سے برکت اٹھ جانے کے بارے میں ہے۔ صحیح بخاری کے جو راوی ہیں، خواہ مناولہ کے طریقہ پر انہوں نے روایت کا حق حاصل کیا ہو یا شیخ کے درس میں شریک ہو کر قرأت لیا قرأت علیہ کے طریقہ پر، تو ان کے جو نسخے مطبوعہ یا غیر مطبوعہ لائبریریوں میں محفوظ ہیں ان میں بہت سے نسخوں میں یہ روایت وہاں ہے جہاں مختلف پیشوں کا اکٹھا ذکر ہوا ہے اور بعض میں اس طرح ہے جیسا کہ زیر مطالعہ نسخہ میں ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ امام بخاری کو مکمل طریقہ پر کتاب کی تنقیح کا موقع نہ ملا اور اس کی روایت شروع ہو گئی۔ جس راوی نے جس ترتیب سے سنایا جس طریقہ سے اپنے نسخہ میں لیا ہے وہ کتابوں میں آیا ہے۔ اس حدیث کو پیشوں کے ذیل میں بیان کیا جائے تو وہاں اس کے بیان کا ایک موزوں محل ہے۔

۲۲ . باب : مَا يَمْحَقُ الْكَذِبُ وَالْكِتْمَانُ فِي الْبَيْعِ

باب: کاروبار میں جھوٹ بولنا اور مال کے عیب کو چھپانا برکت کو ختم کر دیتا ہے

برکت کا مفہوم بیان کرنے میں تو مشکل ہے لیکن ہم میں سے ہر شخص اس کو سمجھتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ بہت سا ناجائز مال آتا ہے تو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ خوب کمائی کی ہے لیکن ایسا مال اپنے ساتھ ہزاروں ایمانی واخلاقی آفتیں اور مصیبتیں صحت کے اعتبار سے، خاندان کے اعتبار سے اور معاشرے کے اعتبار سے لاتا ہے۔ یہ مال آفتوں کا ایک جال ہوتا ہے اور آدمی سمجھ نہیں پاتا کہ یہ سب کہاں سے آ گئیں۔ آج پڑھے لکھے لوگوں کی زندگی پر آپ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ اس جال میں بہت بڑی اکثریت پھنسی ہوئی ہے۔ مال اگر ملے اور زندگی کی ساری قدر و قیمت برباد کر دے، کار، کوٹھی، وزارت، صدارت سب کچھ ہو لیکن زندگی کی حقیقی اقدار تمام کی تمام برباد ہو جائیں تو ایسے مال پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔ اگر مال میں برکت ہو گی تو ان شاء اللہ ان تمام آفات سے محفوظ رہیں گے۔ گو مال تھوڑا سا ہے لیکن آپ کی عقل سلامت ہے، آپ کا کردار سلامت ہے اور آپ کا ریکارڈ آپ کے رب کے آگے اچھا ہے اور آپ صراط مستقیم پر چل رہے ہیں، آپ کی اولاد آپ سے سبق لے رہی ہے اور ان کا مستقبل روشن ہے تو یہ برکت ہوتی ہے۔

۳۴ـ حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الْخَلِيلِ يُحَدِّثُ،

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا، اَوْ قَالَ: حَتّٰی یَتَفَرَّقَا، فَاِنْ صَدَقَا وَ بَیَّنَا بُوْرِکَ لَھُمَا فِیْ بَیْعِھِمَا، وَ اِنْ کَتَمَا وَ کَذَبَا مُحِقَتْ بَرَکَۃُ بَیْعِھِمَا.

﴿حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ خرید و فروخت کرنے والے اس وقت تک اختیار رکھتے ہیں جب تک کہ وہ الگ نہ ہوئے ہوں۔ اگر انہوں نے اپنے معاملہ میں راستی اختیار کی اور جو عیوب ہیں کھول دیے تو ان کے معاملہ میں برکت ہوگی۔ اور اگر انہوں نے کچھ چھپایا اور جھوٹ بولا تو ان کی بیع کی برکت مٹ جائے گی۔﴾

وضاحت:

یہ روایت تین حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ وہاں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

۲۳. باب: قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً"

باب: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ دگنا چوگنا بڑھتا ہوا

اس باب میں سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۰ کا حوالہ ہے لیکن امام صاحب نے اس کے تحت کوئی روایت نقل نہیں کی۔ ہوسکتا ہے ان کو اپنے معیار پر کوئی موزوں روایت نہ ملی ہو۔

ربا سے مراد وہ معین اضافہ ہے جو ایک قرض دینے والا مجرد مہلت کے عوض اپنے مقروض سے اپنی اصل رقم پر وصول کرتا ہے۔ اس آیت میں ربا کی ممانعت کی گئی ہے۔ اضعافاً مضاعفۃ سے مراد 'دگنا چوگنا بڑھتا ہوا' ہے۔ اس قید سے مقصود یہ نہیں ہے کہ اسلام میں ممنوع صرف سود در سود ہے بلکہ مراد عربوں کے معاشرے کی اس وقت کی کیفیت کو واضح کرنا اور سود کے نفرت انگیز ہونے کو ظاہر کرنا ہے۔ جس طرح یہودی ساہوکار سود کے ذریعے دولت کمانے کے لیے سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے، عربوں میں بھی کمائی کا یہ ذریعہ بہت مقبول ہو رہا تھا۔ اسلام نے یہ تعلیم دی کہ مسابقت اور مقابلہ کا اصل میدان انفاق فی سبیل اللہ ہے جس کا محرک بلند ہمتی، ہمدردی، فیاضی اور ایثار ہے، نہ کہ سود خوری جس کی محرک خودغرضی، سنگ دلی اور دوسروں کی مشکلات سے فائدہ اٹھانے کی خواہش ہوتی ہے۔

۲۴. باب: اَکْلِ الرِّبَا وَ شَاھِدِہٖ وَ کَاتِبِہٖ وَقَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا

لا يَقُوْمُونَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ.

باب: سود کھانے والے، اس کے گواہ اور کاتب کے بارے میں۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں کہ 'جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھیں گے مگر اس شخص کے مانند جس کو شیطان نے اپنی چھوت سے پاگل بنا دیا ہو'۔

اس باب میں امام صاحب کے پیش نظر وہ حدیثیں لانا ہے جن میں سود کھانے والے، سودی معاملہ کے گواہ اور منشی کے بارے میں تعلیم دی گئی۔ اسی طرح سورہ بقرہ کی آیت ۲۷۵ کے حوالے سے بھی وہ روایات لانا چاہتے ہیں۔

سورہ بقرہ کی مذکورہ آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ سود خوار جب قیامت کے دن اٹھیں گے تو اس شخص کی مانند اٹھیں گے جس پر کسی جن یا بھوت کا سایہ ہو جس سے وہ بالکل مخبوط الحواس ہو رہا ہو۔ یہ اس دن ان کی وحشت زدگی اور پریشان حالی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

۳۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ مَنْصُوْرٍ عَنْ اَبِي الضُّحٰى عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ اٰخِرُ الْبَقَرَةِ قَرَاَهُنَّ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْهِمْ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَةَ فِي الْخَمْرِ.

﴿حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سورہ بقرہ کی آخری آیات جب نازل ہوئیں تو نبی ﷺ نے مسجد میں لوگوں کو سنائیں، پھر شراب کی تجارت حرام کر دی۔﴾

وضاحت:

شراب کی حرمت کے احکام بتدریج نازل ہوئے۔ سورہ بقرہ میں بتایا گیا کہ شراب میں اگر کچھ پہلو تمہیں مفید نظر آتے ہیں تو اس کے مفاسد پر بھی نظر رکھو۔ اس کے بعد حکم نازل ہوا کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ سورہ مائدہ میں حرمت کا آخری حکم آیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کے بعد اگرچہ لوگ شراب پینے سے رک گئے لیکن اس کی تجارت جاری رہی۔ جب سورہ بقرہ میں ربا کے احکام نازل ہوئے تو جہاں نبی ﷺ نے صحابہ کو ان سے آگاہ کیا، وہیں شراب کی تجارت پر بھی پابندی عائد کر دی۔

۳۶۔ حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ حَدَّثَنَا جَرِيْرُ بْنُ حَازِمٍ حَدَّثَنَا اَبُوْ رَجَاءٍ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ رَاَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ اَتَيَانِي فَاَخْرَجَانِي اِلٰى اَرْضٍ مُقَدَّسَةٍ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى نَهَرٍ مِنْ دَمٍ فِيْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ وَ عَلٰى وَسَطِ

النَّهرِ رَجلٌ " بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ " فَاَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِي فِي النَّهرِ فَإِذَا اَرَادَ اَنْ يَخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ مِنَ الْحِجَارَةِ فِي فِيهِ فَرَدَّهُ حَيْثُ كَانَ فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمَى فِي فِيهِ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ فَقُلْتُ مَا هٰذَا فَقَالَ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّهرِ اٰكِلُ الرِّبَا۔

﴿سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: رات میں نے دو آدمی خواب میں دیکھے۔ وہ میرے پاس آئے اور مجھے ایک مقدس سرزمین کو لے چلے۔ ہم چلتے گئے یہاں تک کہ ایک دریا پر پہنچے جس میں خون رواں تھا۔ اس میں ایک آدمی کھڑا تھا اور دریا کے بیچ میں ایک اور آدمی تھا جس کے سامنے پتھر ڈھیر کیے ہوئے تھے۔ وہ اپنا رخ دریا میں کھڑے آدمی کی طرف کیے ہوئے تھا۔ جب وہ آدمی دریا سے نکلنا چاہتا تو دوسرا آدمی اس کے منہ پر پتھر دے مارتا اور اس کو واپس لوٹا دیتا۔ جب جب وہ نکلنے کی کوشش کرتا وہ اس کے منہ پر پتھر مار کر اس کو پہلی جگہ لوٹنے پر مجبور کر دیتا۔ میں نے پوچھا: یہ کیا معاملہ ہے تو اس آدمی نے بتایا کہ آپ نے جس شخص کو دریا میں دیکھا وہ سود خور تھا۔﴾

وضاحت:

یہ نبی ﷺ کے ایک رویا کا بیان ہے۔ پوری رویا خاصی طویل ہے اور امام صاحب نے اس کو کتاب الجنائز میں نقل کیا ہے۔ یہاں اس کا اتنا حصہ بیان ہوا ہے جو سود خور کے انجام سے متعلق ہے۔

انبیاء کے رویا وحی کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ ان کے ذریعے انبیاء کو بعض ایسے حقائق سے آگاہ کیا جاتا ہے جو ابھی پردہ خفاء میں ہوتے ہیں تاکہ ان کے علم میں اضافہ ہو اور وہ پورے شرح صدر کے ساتھ لوگوں کو تعلیم دے سکیں۔ معراج کی احادیث میں مختلف گناہوں میں ملوث لوگوں کا انجام بیان ہوا ہے۔ یہ انجام حضورؐ کو جہنم کا مشاہدہ کروا کے دکھایا گیا۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا تعلق بھی اسی قبیل کے ایک رویا سے ہے۔

روایت کی عبارت میں الجھاؤ ہے اور صحیح صورت حال سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ پہلا آدمی بھی خون کے دریا میں کھڑا ہے اور دوسرا بھی اس کے بیچ میں ہے لیکن اس کے پاس پتھر بھی ڈھیر کیے ہوئے ہیں۔ جب دونوں آدمی دریا کے اندر ہیں تو دوسرے آدمی کا پہلے کو باہر نکلنے سے روکنا سمجھ میں نہیں آتا۔ دوسرے واسطوں سے روایت کے جو الفاظ نقل ہوئے ہیں ان میں وسط النھر کے بجائے شط النھر ہے۔ گویا ایک آدمی تو خون کے دریا میں تھا اور دوسرا دریا کے کنارے پر پتھروں کے ڈھیر کے پاس کھڑا تھا تاکہ جب جب پہلا آدمی باہر نکلنے کی کوشش کرے تو وہ کنارے پر سے اس کو پتھر مار مار کر واپس جانے پر مجبور کر دے۔ میرے نزدیک عبارت کا الجھاؤ کسی کاتب کی غلطی کا نتیجہ معلوم ہوتا

ہے، جس نے شط کو وسط لکھ دیا اور اسی طرح روایت ہونے لگ گئی۔

سود خور کا کردار نہایت ظالمانہ ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کا خون چوس چوس کر اپنے آپ کو موٹا کرتا ہے اور اسے ان پر ذرا بھی ترس نہیں آتا۔ معلوم ہوتا ہے یہی خون اس کے لیے قیامت کے روز مصیبت بن جائے گا اور اسی میں غوطے کھانے کے لیے اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر وہ خون کے دریا سے باہر نکلنے کے لیے تگ و دو کرے گا تو کنارے سے اس پر پتھر برسائے جائیں گے تاکہ وہ لہولہان ہو کر اپنا خون بھی اس دریا میں شامل کر دے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ آدمی کے گناہوں اور اس کی سزا میں مماثلت ہوگی۔ اس کی مثالیں قرآن مجید میں بھی موجود ہیں۔

امام صاحب نے عنوان باب میں جن امور کی نشاندہی کی تھی ان میں سے سود خور کے انجام کے بارے میں صرف ایک روایت لا سکے ہیں۔ شائد وہ معروف حدیث جس میں ربا کے شاہد اور کاتب کے گناہ میں شریک ہونے کے بارے میں ارشاد ہوا ہے، امام صاحب کے معیار پر پوری نہیں اتری۔

۲۵۔ باب: مُوكِلُ الرِّبَا لِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِلٰى قَوْلِهٖ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ. (بقرہ:۲۷۸۔۲۷۹)

وقال ابن عباس هذا اخر اية نزلت على النبى ﷺ

باب: سود کھلانے والا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی رو سے کہ "اے ایمان والو! اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے خبردار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کر لو تو اصل رقم کا تمہیں حق ہے۔ نہ تم کسی کا حق مارو، نہ تمہارا حق مارا جائے"۔

ابن عباس کا قول ہے کہ یہ آخری آیت ہے جو نبی ﷺ پر نازل ہوئی۔

نبی ﷺ کی حیات مبارکہ کے مکی دور ہی سے قرآن نے سود کا ظلم ہونا واضح کر دیا تھا لیکن چونکہ اس مسئلہ کی نوعیت ایک وسیع معاشی فساد کی تھی اس وجہ سے سودی کاروبار کو کالعدم کرنا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک پورا ملک اسلام کے زیر اقتدار نہ آتا۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد جب عرب قبائل کو زیر کر لیا گیا تو حجۃ الوداع کے موقع پر سود خوروں کو الٹی میٹم دیا گیا کہ وہ اگر راہ راست پر نہ آئے تو اللہ اور رسول کی طرف سے جنگ کے لیے خبردار ہو جائیں۔ آنحضرت ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بھی نہایت سختی سے لوگوں کو سود کی حرمت سے آگاہ فرمایا۔

حضرت ابن عباسؓ نے سورہ بقرہ کی آیت کو نازل ہونے والی قرآن کی آخری آیت بتایا ہے۔ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض صحابہ نے آیت کلالہ کو، بعض نے سورہ توبہ کی آخری آیات کو اور بعض نے آیت واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله کو آخری نازل ہونے والا کلام قرار دیا ہے۔

۳۷۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْوَلِيْدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ رَاَيْتُ اَبِي اشْتَرىٰ عَبْدًا حَجَّامًا فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَ ثَمَنِ الدَّمِ وَ نَهٰى عَنِ الْوَاشِمَةِ وَالْمَوْشُوْمَةِ وَ اٰكِلِ الرِّبَا وَ مُوْكِلِهٖ وَ لَعَنَ الْمُصَوِّرَ۔

﴿عون بن ابی جحیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ میرے والد نے ایک حجام غلام خریدا۔ پھر میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ نبی ﷺ نے کتے کی قیمت اور خون نکالنے کی اجرت لینے سے منع فرمایا۔ نیز آپ نے گودنے والی، گدوانے والی، سود خور اور سود کھلانے والے (کے فعل) سے بھی منع فرمایا اور تصویر بنانے والے پر لعنت کی۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بھی بالبداہت ناتمام ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے بعض ضروری الفاظ اور جملے حذف کر دیے ہیں جس کے باعث صرف اس روایت سے حقیقت کو سمجھنا مشکل ہو گیا ہے۔ دوسری اسناد سے جو روایت سامنے آئی ہے (دیکھیے روایت ۱۷۹) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجحیفہؓ نے ایک غلام خریدا جو پچھنے لگانے کا کام کرتا تھا۔ انہوں نے اس کا خون نکالنے کا سامان توڑ دیا تاکہ وہ ان کے پاس رہتے ہوئے یہ کام نہ کر سکے۔ ابوجحیفہ کے بیٹے عون نے جب یہ سامان توڑنے کا سبب پوچھا تو والد نے وضاحت کی کہ آنحضرتؐ نے خون نکالنے کی اجرت لینے سے منع فرمایا۔ یہ تفصیل روایت سے غائب ہے اس لیے صورت حال واضح نہیں ہوتی۔ روایت کے باقی الفاظ بھی مبہم ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہاں بھی کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہیں۔

میرے نزدیک کتے کی قیمت نہ لینے کے حکم کا اطلاق تربیت یافتہ کتوں پر نہیں ہو گا کیونکہ وہ نہایت اہم خدمات انجام دیتے ہیں اور ان کی تربیت پر کافی خرچ آتا ہے۔ البتہ عام کتوں کو بیچ کر روزی کمانا بے حد گھٹیا کام ہے۔ روزی کمانے کا ذریعہ بھی باوقار ہونا چاہیے، خواہ وہ مزدوری ہی ہو۔

بعض علاقوں میں عورتیں اپنے چہرے، بازوؤں اور ہاتھوں پر نیل سے نقش و نگار بنواتی ہیں۔ یہ ایک فضول رسم ہے۔ نبی ﷺ نے اس طرح بیل بوٹے گودنے والی اور گدوانے والی دونوں کے فعل کو ممنوع قرار دیا۔

ربا کے حوالہ سے اس روایت میں سود کھانے اور کھلانے والے دونوں کے فعل کو ناجائز کہا گیا ہے۔ سود کھانے والا تو ظاہر ہے کہ سود خوار ہے لیکن سود کھلانے والے سے کون مراد ہے۔ کیا وہ شخص جس نے سود پر قرض لیا یا وہ کہ جو سود خوار کے ایجنٹ کے طور پر بھاگ دوڑ کر کے ضرورت مندوں کو گھیر کر سود خوار کے پاس لاتا ہے۔ سود پر قرض لینا تو کبھی مجبوری کے تحت بھی ہوسکتا ہے، اگر معاشرہ حاجت مندوں کی ضروریات کی طرف سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہو۔ لہٰذا ایسے آدمی کا گناہ سود خوار کے برابر نہیں ہوسکتا۔ البتہ جو شخص سود خوار کا ایجنٹ ہو وہ اس کے گناہ میں برابر کا شریک ہے۔

تصویر کے بارے میں میں اپنا نقطہ پیچھے بیان کر چکا ہوں۔ لہٰذا میرے نزدیک ملعون مصور وہ ہوگا جو مشرکانہ تصورات کے تحت تصویر کشی کرتا ہو۔

۲۶. باب: "يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰا وَ يُرْبِى الصَّدَقَاتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيمٍ" (البقرہ: ۲۷۶)

باب: اللہ تعالیٰ سود کو مٹائے گا اور صدقات میں برکت ڈالے گا اور اللہ ناشکروں اور گناہگاروں کو دوست نہیں رکھتا۔

۳۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: إِنَّ أَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: اَلْحَلِفُ مُنَفِّقَةٌ لِلسِّلْعَةِ، مُمْحِقَةٌ لِلْبَرَكَةِ.

﴿ حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جھوٹی قسم کھانے سے گو مال بک جاتا ہے لیکن برکت مٹ جاتی ہے۔ ﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ سڑکوں پر اور بازاروں میں کھڑے اپنا مال بیچنے کے لیے گاہک کو جھوٹی سچی قسمیں کھا کھا کر مال کی خوبیاں گنواتے ہیں تو ان کا مال بک تو جاتا ہے لیکن اس طرح کی قسمیں کھانا برکت کو ختم کر دیتا ہے۔ جس چیز میں برکت ہوگی تو وہ ہر پہلو سے فائدہ مند ہوگی اور جو چیز برکت سے خالی ہوتی ہے تو اس کی جتنی بھی زینت کاری کی جائے وہ مہلک ہو جاتی ہے۔ برکت کی وضاحت اوپر کی جاچکی ہے۔

۴۷. باب : مَا يُكْرَهُ مِنَ الْحَلِفِ فِي الْبَيْعِ

باب: لین دین میں جھوٹی قسم میں کس طرح کی کراہت ہے؟

۳۹۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: اَخْبَرَنَا الْعَوَّامُ، عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي اَوْفَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اَنَّ رَجُلًا اَقَامَ سِلْعَةً، وَهُوَ فِي السُّوقِ، فَحَلَفَ بِاللّٰهِ لَقَدْ اَعْطَى بِهَا مَالَمْ يُعْطِ، لِيُوقِعَ فِيهَا رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَنَزَلَتْ: "اِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِاللّٰهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا".

﴿عبداللہ بن ابی اوفی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے بیچنے کے لیے اپنا سامان بازار میں رکھا اور اللہ کی قسم کھا کے کہتا تھا کہ میں نے اس کے لیے وہ قیمت ادا کی ہے جو اس نے ادا نہیں کی تھی، تا کہ اپنے جال میں مسلمانوں میں سے کسی شخص کو پھنسا لے تو یہ آیت اتری کہ 'جو لوگ اللہ کی قسموں اور عہد کے بدلے تھوڑی پونجی لیتے ہیں'۔﴾

وضاحت:

روایت میں زبان روزمرہ کی استعمال ہوئی ہے جیسے اردو ئے معلی ہوتی ہے۔ **لقد اعطی بھا مالم یعط** یعنی اس کے خریدنے میں وہ کچھ خرچ کیا ہے جو اس نے نہیں کیا تھا۔ مطلب یہ کہ جھوٹی قسم کھا کر لوگوں کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ اس مال کے خریدنے میں ایک بڑی رقم اس نے ادا کی ہے۔

آیت جو یہاں نقل ہوئی ہے تو یہ نازل ہوئی ہے یہود کے بارے میں ان کے جھوٹ کے رویے پر، اور عہد سے مراد ان کا وہ عہد ہے جو انہوں نے اللہ سے باندھا اور پھر دنیاوی مفاد کے لیے انہوں نے اللہ کے عہد کو بیچا۔ قرآن کے سیاق وسباق میں آیت کا موقع محل بالکل واضح ہے۔ روایت کے الفاظ کی رو سے ایک شخص کے جھوٹی قسم کھا کر مال بیچنے پر یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ بات غلط ہے۔ نزول آیات کے مواقع کے اس طرح کے حوالوں کی جو بہتر سے بہتر تاویل کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ سلف جب کسی آیت کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بارے میں یہ نازل ہوئی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بعینہ وہی واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب بنا بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اس کے تحت آتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ تاویل قبول نہیں کرتا تو پھر اس کے سوا کوئی شکل نہیں رہ جاتی کہ روایت میں بیان کردہ واقعہ کی آیت کے ساتھ نسبت کو غلط قرار دیا جائے۔

۲۸۔ باب : مَا قِيلَ فِي الصَّوَاغِ

وَ قَالَ طَاؤسٌ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : لَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا وَقَالَ الْعَبَّاسُ: إِلَّا الْاِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَ بُيُوْتِهِمْ. فَقَالَ: إِلَّا الْاِذْخِرَ.

باب: سناروں کے بارے میں

اور طاؤس نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کی گھاس کو نہ کاٹا جائے تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ اذخر کے سوا، کیونکہ وہ سناروں کے کام آتی ہے اور چھتوں میں استعمال ہوتی ہے۔ تو آپ نے فرمایا اذخر کے سوا۔

وضاحت:

یہ روایت، جو اس باب میں یہاں نقل ہے، اس خطبے کا ایک حصہ ہے جو حضور ﷺ نے حرم کے تقاضوں اور اس کی حرمت کے بارے میں دیا تھا۔ یہ امام صاحب کا طریقہ ہے کہ وہ اس طرح روایت نقل کرتے ہیں کہ صرف ایک ٹکڑا بیان کر دیتے ہیں۔ اس کو سمجھے تو بڑی داستان ہے اور نہ سمجھے تو بڑی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حرم کے حدود میں شکار نہیں کیا جا سکتا، اس کے درخت نہیں کاٹے جا سکتے اور اس کی گھاس کو بھی نہیں کاٹا جا سکتا۔ تو حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ سوائے اذخر گھاس کے، اس لیے کہ یہ سناروں کے کام آتی ہے اور چھتوں کے پاٹنے میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ الا الاذخر (ہاں اذخر کے سوا) اذخر کے متعلق محدثین کہتے ہیں کہ یہ ایک خوشبودار گھاس ہے۔ کام اس کا جو بتاتے ہیں وہ سرکنڈوں کا کام ہے جو ہم ان سے چھتوں اور مکانوں کی تعمیر میں لیتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ سنار اور لوہار اس سے کیا کام لیتے تھے کیونکہ سونے کو پگھلانے کے لیے جس آگ کی ضرورت پڑتی ہے وہ اس طرح کی گھاس سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ وہ تو زوردار کوئلہ کی آگ دھکائی ہو تب یہ کام ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے چاندی یا کسی اور چیز کی صفائی وغیرہ میں کام لیتے رہے ہوں۔

یہ بات سمجھنے کی ہے کہ بعض اوقات بیان کرنے سے کوئی بدیہی چیز اگر چھوڑ دی جائے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس بدیہی استثناء کو ہر عاقل شخص سمجھ جائے گا۔ مثلاً قرآن میں سارق اور سارقہ کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو اس حکم کا اطلاق یوں نہیں ہوگا کہ نابالغ بچوں پر بھی آپ گرفت کریں گے یا جو بھی کہیں گری پڑی چیز اٹھالے گا تو آپ اس کو سارق قرار دے دیں گے۔ حضور ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ کلام اپنی جگہ پر بالکل کافی تھا لیکن حضرت عباسؓ نے ایک چیز کی طرف توجہ دلا دی جو بعد میں ہر فقیہ اور ہر مجتہد سمجھ سکتا تھا تو حضور ﷺ نے اس کو اسی وقت قبول کر لیا کہ ٹھیک

ہے۔ بہر حال میرے نزدیک یہ بات واضح تھی۔ حضرت عباسؓ نے یاد دلا دیا کہ ضرورت کی چیز ہے تو آپ ﷺ نے اس کو قبول کر لیا۔

امام صاحب کتاب البیوع میں یہاں اہل پیشہ کا ذکر کر رہے ہیں تو ان کا مطلب یہ ہے کہ جتنے بھی پیشے تمدن کی ترقی، اس کے قیام اور بقا کے لیے ضروری ہیں وہ اس زمانے میں بھی تھے اور حضور ﷺ نے ان کا لحاظ کیا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو چیز بھی تمدن اور اس کی ترقی کے لیے ضروری ہو اس کو حقیر نہیں جاننا چاہیے اور جو لوگ ان کاموں میں مصروف ہیں ان کو حقیر سمجھنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ یہ ضروری ہے کہ اس کی اصلاح ہو۔ جولاہے، دھوبی، حجام، سنار، لوہار وغیرہ ان میں سے کسی کو بھی حقیر نہیں سمجھنا چاہیے یہاں تک کہ صفائی کرنے والوں کو بھی، اس لیے کہ وہ ہمارے تمدن کی سب سے زیادہ خدمت کر رہے ہیں۔ ان میں سے کسی پیشے کو بھی جو حقیر سمجھتا ہے وہ تمدن کے تقاضوں سے ناواقف ہے۔

۴۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ: اَخْبَرَنَا يُوْنُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: اَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ: اَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهُ: اَنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: كَانَتْ لِي شَارِفٌ مِنْ نَصِيْبِي مِنَ الْمَغْنَمِ، وَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اَعْطَانِي شَارِفًا مِنَ الْخُمُسِ، فَلَمَّا اَرَدْتُ اَنْ اَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ، بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَاعَدْتُ رَجُلًا صَوَّاغًا مِنْ بَنِي قَيْنُقَاعَ اَنْ يَرْتَحِلَ مَعِيَ، فَنَاْتِيَ بِاِذْخِرٍ اَرَدْتُ اَنْ اَبِيْعَهُ مِنَ الصَّوَّاغِيْنَ، وَاَسْتَعِيْنَ بِهِ فِي وَلِيْمَةِ عُرْسِي.

﴿حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک اونٹنی غنیمت میں سے اپنے حصے کی تھی اور نبی ﷺ نے خمس کے مال میں سے ایک اونٹنی عطا فرمائی تو جب میں نے حضرت فاطمہؓ کو رخصت کرانے کا ارادہ کیا تو میں نے ایک شخص سے جو بنی قینقاع کے سناروں میں سے تھا یہ معاملہ کیا کہ وہ میرے ساتھ جنگل کو چلے کہ وہاں سے اذخر کاٹ کر لائیں۔ میرا ارادہ یہ ہوا کہ میں اذخر سناروں کے ہاتھ بیچ کر ولیمہ کی دعوت کروں۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں یہ بات غور طلب ہے کہ کیا جب حضرت فاطمہؓ کی رخصتی ہوئی تھی اس وقت تک غنیمت اور خمس کا مسئلہ پیدا ہو چکا تھا۔ حضرت علیؓ کی شادی ہجرت کے جلد بعد ہوئی تھی اور غزوہ بدر اس کے ڈیڑھ سال بعد ہوا

جس میں مال غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ پیدا ہوا اور یہ چیز بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت علیؓ ایک چھوٹے سے معاملہ کی پوری تاریخ کیوں بیان کر رہے ہیں کہ یہ اونٹنی کہاں سے ملی تھی اور وہ اونٹنی کہاں سے آئی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ میرے پاس دو اونٹنیاں تھیں اور میں نے ان کے ذریعہ سے یہ چاہا کہ جنگل سے گھاس کاٹ کر لاؤں اور اس سے حاصل ہونے والی رقم سے ولیمہ کروں۔ بنی قینقاع ایک یہودی قبیلہ تھا اور اس کے ایک سنار سے حضرت علیؓ نے یہ معاملہ کیا تھا۔

حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام جو روایت میں لکھا ہے تو دیکھیں کہ تقیہ اس وقت سے چلا آ رہا ہے۔ اب ہمارے مولوی شبلی اگر علی علیہ السلام لکھیں تو اس پر آپ کو تعجب کیوں ہو۔ یہاں تو امام بخاری نے لکھا ہے اور یہ شیعیت کے غلبہ کی دلیل ہے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ جیسے جلیل القدر حضرات کے لیے ہم علیہ السلام نہیں لکھتے۔ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ ان الفاظ کے استعمال سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن بڑا فرق پڑ جاتا ہے اگر فاسد ذہنیت کے ساتھ یہ چیزیں سامنے آتی رہیں۔ اس روایت میں ابن شہاب موجود ہیں۔ انہوں نے یہ الفاظ گھسائے ہوں گے جو ان کے مسلک کو ظاہر کر رہے ہیں۔ روایت کی سند بھی خاص اہل بیت کی سند ہے۔ سلف صالحین کے زمانہ سے سورہ صافات کی آیت "وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ" پرمبنی کرتے ہوئے "علیہ السلامؑ" کے الفاظ کو امت نے رسولوں کے ساتھ خاص کیا ہے لیکن شیعہ حضرات اپنے اماموں کے لیے ان کو استعمال کرتے ہیں۔

۴۱۔ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَ لَمْ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَا لِأَحَدٍ بَعْدِي، وَ إِنَّمَا حَلَّتْ لِي سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا وَلَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا، وَلَا يُلْتَقَطُ لُقَطَتُهَا إِلَّا لِمُعَرِّفٍ وَ قَالَ عَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ: إِلَّا الْإِذْخِرَ، لِصَاغَتِنَا وَلِسُقُفِ بُيُوتِنَا. فَقَالَ إِلَّا الْإِذْخِرَ. فَقَالَ عِكْرِمَةُ: هَلْ تَدْرِي مَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا؟ هُوَ أَنْ تُنَحِّيَهُ مِنَ الظِّلِّ وَ تَنْزِلَ مَكَانَهُ.

قَالَ عَبْدُالْوَهَّابِ، عَنْ خَالِدٍ: لِصَاغَتِنَا وَ قُبُورِنَا.

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو محترم قرار دیا ہے۔ کسی کے لیے بھی مجھ سے پہلے اور کسی کے لیے بھی میرے بعد اس کو حلال نہیں کیا جائے گا اور میرے لیے بھی اس کو حلال دن کے کچھ وقت کے لیے کیا گیا۔ اس کی نہ گھاس کاٹی جائے گی، نہ اس کے درخت کاٹے

جائیں گے، نہ اس کے شکار کو بھگایا جا سکتا ہے اور نہ اس کی گری پڑی چیز اٹھائی جا سکتی ہے مگر اس کے لیے جو شناخت کرا دے۔ اس وقت حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ اذخر کو ہمارے سناروں اور مکانوں کی چھتوں کے لیے مستثنیٰ کیجیے تو آپ نے فرمایا اذخر مستثنیٰ ہے۔ عکرمہؒ کہتے ہیں کہ تم جانتے ہو شکار کو بھگانے کا مطلب کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم اس کو سایہ دار جگہ سے ہٹا کر وہاں خود بیٹھنا چاہو اور عبدالوہاب نے یوں نقل کیا کہ ہمارے سناروں اور قبروں کے لیے۔

وضاحت:

یہ وہی روایت ہے جس کا صرف ایک ٹکڑا باب میں لیا گیا ہے۔ یہاں پوری روایت نقل کی ہے اور یہ فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ کے خطبہ پر مشتمل ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے لیے فتح مکہ کے وقت مکہ کو حلال کیا گیا تھا تاکہ حرم کو پاک کیا جائے اور یہ مہلت بھی صرف کچھ دیر کے لیے تھی۔ ساعۃ کے معنی ہے ایک گھڑی کے لیے، یا ایک گھنٹہ کے لیے کہہ لیجیے۔ فتح مکہ کے موقع پر قریش کے کچھ شریر نوجوانوں نے مسلمانوں پر حملے کیے تو جوابی کارروائی ضروری ہوگئی جس میں کچھ افراد مارے گئے۔ حضورؐ کا اشارہ اس کی طرف ہے۔ مکہ کی نہ گھاس کاٹی جا سکتی ہے اور نہ درخت۔ اس کے شکار کو چھیڑا نہیں جا سکتا۔ اور یہاں کی گری پڑی چیز کو اٹھایا نہیں جا سکتا۔ ہاں جس کی چیز ہے وہ اگر شناخت کرا دے کہ یہ میری ہے تو وہ اس کو اٹھا سکتا ہے۔ حضرت عباسؓ کے توجہ دلانے پر جو آپ ﷺ نے فرمایا کہ الا الاذخر اس کی وجہ بھی ہے کہ یہ ایک بدیہی بات تھی۔ اس طرح کی چیزیں مضمرات میں ہوتی ہیں۔ لہٰذا آپ نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔

عکرمہ نے ما ینفر صیدھا کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ شکار کو اس کے سایہ کی جگہ سے ہٹا کر خود وہاں بیٹھ جانا۔ عکرمہ ایسی بات نہیں کہہ سکتے۔ شکار کو چھیڑنے کا مطلب یہ ہے کہ شکار کو تنگ کر کے بھگایا جائے۔

عبدالوہاب نے اپنی روایت میں اذخر کا استعمال قبروں کے لیے بھی بتایا ہے تو ان کی یہ رائے ٹھیک ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ حرم مکہ میرے بعد کسی کے لیے حلال نہ ہوگا تو اس حکم عام کو مقید بالخصوص مانیے اور اس کی تعبیر یہ کیجیے کہ مکہ حضور ﷺ کے بعد بھی کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا الا آن کہ اس طرح کے حالات پیش آ جائیں جس طرح کہ آپ ﷺ کو پیش آئے تھے۔ تو یہ تاویل ٹھیک ہوگی، اس لیے کہ تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ حرم کے خاص آداب ہیں اور اس کی حرمت اور اس کی نگرانی امت کے فرائض میں سے ہے اور یہ ذمہ داری تمام عالم کے مسلمانوں پر ہے۔ امت اس بات کی ذمہ دار ہے کہ حرم کو اس کے مقاصد کے خلاف استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی کرے گا تو تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کی اصلاح کے لیے جو کچھ بھی کر سکتے ہیں وہ کریں۔

۲۹. باب : ذِكْرِ الْقَيْنِ وَالْحَدَّادِ

باب: لوہاروں کے بیان میں

قین اور حداد دونوں کا اطلاق لوہاروں پر ہوتا ہے۔ خاص طور پر ان لوہاروں کے لیے، جو تیزے وغیرہ کی قسم کی چیزیں بناتے تھے، لفظ قین تھا اور باقی عام لوہار حداد تھے۔

۴۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا بْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي الضُّحٰى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ خَبَّابٍ قَالَ: كُنْتُ قَيْنًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَ كَانَ لِي عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ دَيْنٌ"، فَأَتَيْتُهُ أَتَقَاضَاهُ، قَالَ: لَا أُعْطِيْكَ حَتّٰى تَكْفُرَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ. فَقُلْتُ: لَا أَكْفُرُ حَتّٰى يُمِيْتَكَ اللّٰهُ ثُمَّ تُبْعَثَ. قَالَ: دَعْنِي حَتّٰى أَمُوْتَ وَ أُبْعَثَ، فَسَأُوْتٰى مَالًا وَ وَلَدًا فَأَقْضِيْكَ. فَنَزَلَتْ: "أَفَرَأَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَ قَالَ لَأُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا. أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَالرَّحْمٰنِ عَهْدًا".

﴿حضرت خباب ؓ کہتے ہیں کہ میں دور جاہلیت میں لوہار تھا۔ عاص بن وائل کے اوپر میرا قرض آتا تھا۔ میں تقاضے کے لیے آیا تو اس نے کہا کہ میں تیرا قرض اس وقت تک نہیں دینے کا جب تک کہ تو محمد (ﷺ) کا انکار نہ کرے۔ میں نے جواب دیا کہ میں تو تیرے مرنے تک بھی کفر کرنے والا نہیں بلکہ مرنے کے بعد اٹھنے تک بھی۔ تو وہ بولا اچھا اب مجھے چھوڑ، میں مر کر اٹھوں گا تو مجھے مال ملے گا، اولاد ہو گی تب تیرا قرض ادا کروں گا۔ اس وقت یہ آیت اتری "ذرا دیکھو تو اس کو جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مال و اولاد پاؤں گا۔ کیا اس نے غیب میں جھانک کر دیکھ لیا یا اللہ سے وعدہ کرا لیا ہے"۔﴾

وضاحت:

روایت کا مضمون واضح ہے۔ جہاں تک واقعہ کا تعلق ہے وہ ٹھیک ہے۔ مشرکین کا خیال یہی تھا کہ ہم دنیا میں یہ نعمتیں پا رہے ہیں۔ آخرت اول تو ہے نہیں، اگر ہوئی تو وہاں بھی ہم اس سے زیادہ نعمتیں پائیں گے۔ اس پر دلیل وہ دنیاوی زندگی میں اپنی خوش حالی کو بناتے تھے۔ عاص بن وائل نے اپنے نظریہ کے مطابق حضرت خباب کو جواب دیا۔ لیکن روایت میں یہ جو آیا ہے کہ اس پر یہ آیت اتری تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح کے واقعات میں اس طرح کی

زینت کارفرما ہے۔جس زینت کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ یہ بات درست نہیں کہ بعینہ یہی واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب بنا ہے۔ میرے استاد مولانا حمید الدینؒ نے لکھا ہے کہ جب اس طرح کی بات آئے تو سلف اس معنی میں لیتے ہیں کہ اس طرح کے احکام پر بھی یہ آیت دلالت کرتی ہے۔ یہ مولانا کا محض سلف کے لیے اپنے احساس وجذبات کا اظہار ہے۔ ہمارے بزرگوں میں ایک اصول ہے کہ سلف کی کسی بات کی کوئی توجیہ اگر ہو سکے تو کر دینی چاہیے۔ لیکن صاف معلوم ہوتا ہے کہ راوی حضرات بے سوچے سمجھے بھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۳۰. باب : ذِكْرِ الْخَيَّاطِ

باب: درزی کے بارے میں

۴۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: اَخْبَرَنَا مَالِكٌ" عَنْ اِسْحٰقَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي طَلْحَةَ: اَنَّهُ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: اِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ، قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ اِلَى ذٰلِكَ الطَّعَامِ، فَقَرَّبَ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ خُبْزًا وَ مَرَقًا، فِيهِ دُبَّاءٌ" وَ قَدِيدٌ"، فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ الْقَصْعَةِ، قَالَ: فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ.

﴿اسحاق بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالک سے سنا کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے پر بلایا جو اس نے خاص طور پر تیار کیا تھا۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو لیا۔ اس نے آپ کے سامنے روٹی، کدو کا شوربا اور بھنا ہوا گوشت رکھا۔ میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ پیالے کے اطراف سے کدو کے ٹکڑے ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھاتے تھے۔ اس دن سے میں برابر کدو کو پسند کرتا ہوں۔﴾

وضاحت:

قدید یعنی کاٹا ہوا گوشت۔ چاہے قیمہ ہو چاہے بوٹی بنائی ہوئی ہو سب کے لیے لفظ قدید ہے۔ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گوشت کے مقابل میں کدو کی طرف توجہ فرمائی ہو اس لیے کہ کدو تمام اعتراضات سے ماوراء چیز ہے۔ مجھے بھی کدو بہت پسند ہے۔ اگر حضور ﷺ کو بھی پسند تھا تو یہ مزید انعام ہوا۔ باقی رہ گیا یہ کہ اگر آپ کدو کھانے کو سنت قرار دیتے ہیں تو پہلے سنت کا مفہوم سمجھ لیجئے۔ جو چیزیں آداب میں شمار ہوتی ہیں یا روایات اور رواج میں داخل

ہیں ان چیزوں کو رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے تو عادتے کے رواج کے تحت کیا ہے۔ سنت میں وہ چیزیں داخل ہوں گی جن کی تعلیم دینا اور امت کو اس پر چلانا مقصود تھا۔ عادت وغیرہ کی جو چیزیں ہیں ان کو سنت سے تعلق نہیں۔ بعض لوگ تو نیند میں خرانے لیتے ہیں تو اس کو بھی سنت سمجھتے ہیں۔

امام صاحب نے اس روایت میں خیاط (درزی) کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ امام بخاریؒ اتنے تتبع کے ساتھ تمام پیشوں کو جو ظاہر کر رہے ہیں تو ان کا مطلب یہ ہے کہ تمدن کے تقاضوں کے تحت جتنے پیشے وجود میں آئیں گے ان میں سے کسی کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔

۳۱. باب : ذِكْرِ النَّسَّاجِ

باب: کپڑا بننے والے کا ذکر

۴۴۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ بِبُرْدَةٍ، قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْبُرْدَةُ؟ فَقِيلَ لَهُ: نَعَمْ، هِيَ الشَّمْلَةُ، مَنْسُوجٌ فِي حَاشِيَتِهَا. قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي نَسَجْتُ هٰذِهِ بِيَدِي أَكْسُوكَهَا فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ ﷺ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَ إِنَّهَا إِزَارُهُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اكْسُنِيهَا. فَقَالَ: نَعَمْ. فَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الْمَجْلِسِ، ثُمَّ رَجَعَ فَطَوَاهَا، ثُمَّ أَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ: مَا أَحْسَنْتَ، سَأَلْتَهَا إِيَّاهُ، لَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ سَائِلًا. فَقَالَ الرَّجُلُ: وَاللّٰهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِتَكُونَ كَفَنِي يَوْمَ أَمُوتُ. قَالَ سَهْلٌ: فَكَانَتْ كَفَنَهُ.

﴿ سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک خاتون ایک بردہ لے کر آئیں۔ تم جانتے ہو بردہ کیا ہے۔ تو کہا گیا ہاں بردہ حاشیہ دار چادر کو کہتے ہیں۔ اس نے کہا یارسول اللہ میں نے خاص آپ کو پہنانے کے لیے اپنے ہاتھ سے بنی ہے۔ نبی ﷺ کو اس کی ضرورت تھی آپ نے لے لی۔ پھر باہر تشریف لائے تو وہی چادر آپ کا تہ بند تھی۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا یارسول اللہ یہ چادر مجھے عنایت کر دیجئے۔ آپ نے کہا اچھا۔ نبی ﷺ تھوڑی دیر مجلس میں بیٹھے رہے پھر اندر جا کر چادر تہہ کر کے اس شخص کو بھیج دی۔ لوگوں نے اس سے کہا تم نے یہ اچھا نہیں کیا جو حضور ﷺ سے یہ چادر مانگی۔ تم جانتے ہو کہ آپ کسی

کا سوال رد نہیں کرتے – وہ شخص بولا قسم اللہ کی، میں نے یہ چادر اس لیے مانگی کہ مرتے وقت یہ میرا کفن ہو- سہل نے کہا وہی چادر اس کا کفن ہوئی - ﴾

وضاحت:

دیہاتی بہت سادہ مزاج اور بے تکلف ہوتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی فیاضی کے تو کیا کہنے- آپ نے چادر اس شخص کو دے دی اور اس پر کوئی نکیر بھی نہیں کی- لیکن یہ بات محض حسن ظن اور عقیدت میں داخل ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ سے کسی نے چادر یا قمیص مانگ لی اور اس کا کفن کیا تو یہ اس کی نجات کا ذریعہ بنے گی- یہ بات آپ لوگوں پر کتنی ہی شاق گزرے لیکن ان چیزوں سے اصول نہیں ٹوٹ سکتا اور نجات کا معاملہ ایک اصول کے تحت ہے- اس کا ضابطہ بالکل متعین ہے اور وہ اللہ رب العزت کا بنایا ہوا ہے- بجائے خود اس عقیدت کا ایک محل ہے اور آنحضرت ﷺ کا چادر دے دینے کا بھی ایک محل ہے- آپ نے تو اپنی قمیص ایک کٹر منافق کو اس کے بیٹے کی فرمائش پر دے دی تھی تو یہ نبی ﷺ کی فیاضی ہے-

یہ جو روایت میں آیا ہے کہ آپ کو اس چادر کی ضرورت تھی تو یہ راوی کا اضافہ معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے- نبی ﷺ نے اخلاقی طور پر اس تحفہ کو قبول کر لیا-

٣٢. باب : النَّجَّارِ

باب: بڑھئی کا ذکر

٣٥۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ، عَنْ اَبِي حَازِمٍ قَالَ: اَتَى رِجَالٌ اِلَى سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ يَسْاَلُونَهُ عَنِ الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اِلَى فُلَانَةَ، امْرَاَةٍ قَدْسَمَّاهَا سَهْلٌ: اَنْ مُرِي غُلَامَكِ النَّجَّارَ، يَعْمَلُ لِي اَعْوَادًا، اَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ اِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ. فَاَمَرَتْهُ يَعْمَلُهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ، ثُمَّ جَاءَ بِهَا، فَاَرْسَلَتْ اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بِهَا، فَاَمَرَبِهَا فَوُضِعَتْ، فَجَلَسَ عَلَيْهِ.

﴿ ابو حازم سے روایت ہے کہ سہل بن سعد کی خدمت میں لوگ آتے رہے- وہ ان سے اس منبر کے بارے میں پوچھتے جو آنحضرت ﷺ کے لیے بنا تھا- تو انہوں نے بتایا کہ حضور ﷺ نے فلاں عورت کو، جس کا نام سہل نے لیا، یہ کہا کہ اپنے غلام کو، جو بڑھئی ہے، یہ کہہ کہ کچھ تختے جوڑ کر ایسی چیز بنا دے

جس پر میں اس وقت بیٹھا کروں جب مجھے لوگوں سے بات کرنا ہو۔ اس عورت نے اسے حکم دیا کہ جنگل سے طرفا کی لکڑی سے بنائے۔ جب وہ بنا کر اس کے پاس لایا تو اس عورت نے یہ منبر حضور ﷺ کی خدمت میں بھجوا دیا۔ آپ نے اسے مسجد میں رکھوایا اور اس پر بیٹھے۔ ﴾

وضاحت:

حضرت سہل بن سعدؓ کی خدمت میں لوگ منبر کے بارے میں پوچھنے کے لیے آیا کرتے تو میرے نزدیک وہ اس معاملے میں سب سے زیادہ معلومات رکھتے رہے ہوں گے۔ حضرت سہل لوگوں کو بتاتے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں خطبہ دیا کرتے تھے۔ آپ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ سامعین سے کچھ اونچا بیٹھنے کے لیے کوئی چیز ہونی چاہیے۔ آپ کے علم میں یہ بات تھی کہ ایک خاتون کا غلام بڑھئی ہے۔ آپ نے اس خاتون سے کہا کہ اپنے غلام سے کہو کہ لکڑیاں جوڑ کر کوئی چیز بنا دے۔ چنانچہ اس نے غلام کو ہدایت کی کہ جنگل سے طرفاء کی لکڑی حاصل کرے اور مطلوبہ چیز بنا دے۔ تو فلاں عورت نے اپنے غلام سے منبر بنوایا، حضور ﷺ نے اس کو مسجد میں رکھوایا اور اس پر بیٹھ کر خطبہ دیتے۔

۴۶۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَلَا أَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ، فَإِنَّ لِي غُلَامًا نَجَّارًا. قَالَ: إِنْ شِئْتِ. قَالَ: فَعَمِلَتْ لَهُ الْمِنْبَرَ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ، قَعَدَالنَّبِيُّ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ الَّذِي صُنِعَ، فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِي كَانَ يَخْطُبُ عِنْدَهَا، حَتَّى كَادَتْ أَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِيُّ ﷺ حَتَّى أَخَذَهَا فَضَمَّهَا إِلَيْهِ، فَجَعَلَتْ تَئِنُّ أَنِينَ الصَّبِيِّ الَّذِي يُسَكَّتُ، حَتَّى اسْتَقَرَّتْ، قَالَ: بَكَتْ عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ.

﴿ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری خاتون نے آنحضرت ﷺ سے کہا: کیا میں آپ کے لیے کوئی ایسی چیز نہ بنوا دوں جس پر آپ (خطبہ کے لیے) بیٹھا کریں کیونکہ میرا ایک غلام بڑھئی ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر تم چاہو۔ تو اس نے منبر بنوا دیا۔ جب جمعہ کا دن ہوا تو نبی ﷺ اس منبر پر جو بنایا گیا تھا بیٹھے تو وہ نخلہ چیخنے لگی جس کے پاس آپ پہلے خطبہ دیا کرتے تھے۔ قریب تھا کہ وہ پھٹ پڑے کہ نبی ﷺ منبر سے اترے، اس کو پکڑا اور سینے سے لگایا تو وہ اس چھوٹے بچے کی طرح بلکنے لگی جس کو چپ کراتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ تھم گئی۔ انہوں نے کہا کہ وہ اس لیے روئی کہ وہ ذکر جو سنتی

تھی اس سے محروم ہوگئی۔ ہے

وضاحت:

اس روایت میں کئی سوالات ہیں۔ منبر کے بارے میں یہ روایت حضرت جابرؓ سے ہے جب کہ وہ روایت جو اوپر گزری ہے سہل بن سعدؓ سے ہے جن کے بارے میں روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منبر کے بارے میں اتھارٹی تھے اور لوگ ان سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے۔ دوسری بات یہ ہے کہ سہل بن سعدؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منبر کی تیاری کی خود فرمائش کی تھی۔ یہاں اس روایت میں ہے کہ انصاری خاتون نے منبر بنانے کی پیشکش کی تھی کہ میرے ہاں بڑھئی ہے جو منبر بنا دے گا۔ یہ فرق بھی نہایت اہم ہے۔ گویا پہلی روایت کے مطابق تو آنحضرتؐ نے خطبہ کے لیے منبر کی ضرورت خود محسوس فرمائی جبکہ اس روایت کی رو سے کسی خاتون کو اس کا احساس ہوا۔

تیسری اہم بات یہ ہے کہ اس روایت کے راوی خلاد بن یحییٰ اور عبدالواحد بن ایمن ہیں اور یہ دونوں حضرات صرف امام بخاری کے راویوں میں ہیں۔ کسی اور نے ان سے روایت نہیں لی ہے کیونکہ یہ دونوں راوی حضرات مجہول ہیں۔

نخلہ کے بارے میں یہاں اس روایت میں جو اتنا غیر معمولی واقعہ بیان ہوا ہے کہ وہ حضورؐ کے منبر پر بیٹھتے ہی رونے لگی۔ نبی ﷺ منبر سے اترے، نخلہ کو سینے سے لگایا اور اس کو چپ کراتے رہے تو وہاں سہل کی روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۳۳. باب : شِرَاءِ الْحَوَائِجِ بِنَفْسِهِ

وَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اشْتَرَى النَّبِيُّ ﷺ جَمَلاً مِنْ عُمَرَ. وَ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ ابْنُ اَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: جَاءَ مُشْرِكٌ بِغَنَمٍ، فَاشْتَرَى النَّبِيُّ ﷺ مِنْهُ شَاةً. وَاشْتَرَى مِنْ جَابِرٍ بَعِيْرًا.

باب: اپنی ضروریات خود خریدنا

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے ایک اونٹ خریدا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے کہا کہ ایک مشرک بکریاں لے کر آیا تو آنحضرت ﷺ نے اس سے ایک بکری خریدی۔ اور حضرت جابرؓ سے آپؐ نے ایک اونٹ خریدا۔

۲۷۔ حَدَّثَنَا یُوسُفُ بْنُ عِیسَی: حَدَّثَنَا أَبُومُعَاوِیَةَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِیمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: اشْتَرَی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ یَهُودِیٍّ طَعَامًا بِنَسِیئَةٍ، وَرَهَنَهُ دِرْعَهُ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار غلہ خریدا اور اس کے ہاں اپنی زرہ گرو رکھ دی۔﴾

وضاحت:

یہ روایت پہلے گزر چکی ہے اور وہاں میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ واقعہ مدینہ کے بالکل ابتدائی دور میں پیش آیا ہوگا۔ مدینہ کے حالات بہت جلد تبدیل ہو گئے تھے اور حضور ﷺ کو اپنی زرہ گرو رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ رہ گیا رہن کا مسئلہ تو سورہ بقرہ میں تحریر اور گواہ کے قانون کے نازل ہونے کے بعد رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ رہن رکھنا صرف اس شکل میں جائز ہوگا جہاں تحریر اور گواہ میسر نہ آتے ہوں۔ اور جونہی یہ موقعہ پیدا ہو جائے کہ تحریر ہو سکتی ہے تو تحریر کر کے رہن واپس کیا جائے گا۔ نیز رہن چیز کو کسی نوعیت سے استعمال نہیں کیا جائے گا۔

۳۴. باب : شِرَاءِ الدَّوَابِّ وَالْحَمِیرِ وَ إِذَا اشْتَرَی دَابَّةً أَوْ جَمَلًا وَهُوَ عَلَیْهِ، هَلْ یَکُونُ ذَالِکَ قَبْضًا قَبْلَ أَنْ یَنْزِلَ

وَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ لِعُمَرَ. بِعْنِیهِ یَعْنِی جَمَلًا صَعْبًا بعنیه.

باب: چوپایہ جانوروں اور گدھوں کی خریداری۔ اور اگر کوئی سواری کا جانور یا اونٹ خریدے اور بیچنے والا اس پر سوار ہو تو اس کے اترنے سے پہلے خریدار کا قبضہ پورا ہو گا یا نہیں

اور ابن عمرؓ نے کہا آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ سے ایک اڑیل اونٹ کے بارے میں کہا کہ اسے میرے ہاتھ بیچ دو۔

۲۸۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا عُبَیْدُاللّٰهِ، عَنْ وَهْبِ بْنِ کَیْسَانَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِی غَزَاةٍ

فَابْطَأَبِي جَمَلِي وَ اَعْيَا، فَأَتٰى عَلَى النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ: جَابِر". فَقُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: مَا شَأْنُكَ. قُلْتُ: اَبْطَأَ عَلَيَّ جَمَلِي وَ اَعْيَا فَتَخَلَّفْتُ، فَنَزَلَ يَحْجُنُهُ بِمِحْجَنِهِ، ثُمَّ قَالَ: اَرْكَبْ فَرَكِبْتُ، فَلَقَدْ رَأَيْتُهُ اَكُفُّهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ تَزَوَّجْتَ. قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: بِكْرًا اَمْ ثَيِّبًا قُلْتُ: بَلْ ثَيِّبًا، قَالَ: اَفَلَا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَ تُلَاعِبُكَ. قُلْتُ: اِنَّ لِي اَخَوَاتٍ، فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَتَزَوَّجَ امْرَاَةً تَجْمَعُهُنَّ وَ تَمْشُطُهُنَّ، وَ تَقُومُ عَلَيْهِنَّ، قَالَ: اَمَّا اِنَّكَ قَادِمٌ"، فَاِذَا قَدِمْتَ فَالْكَيْسَ الْكَيْسَ. ثُمَّ قَالَ: اَتَبِيْعُ جَمَلَكَ. قُلْتُ: نَعَمْ، فَاشْتَرَاهُ مِنِّي بِاُوقِيَّةٍ، ثُمَّ قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَبْلِي، وَ قَدِمْتُ بِالْغَدَاةِ، فَجِئْنَا اِلَى الْمَسْجِدِ فَوَجَدْتُهُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ، قَالَ: آلْآنَ قَدِمْتَ. قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فَدَعْ جَمَلَكَ، فَادْخُلْ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ. فَدَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ، فَاَمَرَ بِلَالًا اَنْ يَزِنَ لِي اُوقِيَّةً، فَوَزَنَ لِي بِلَال" فَاَرْجَحَ فِي الْمِيزَانِ، فَانْطَلَقْتُ حَتّٰى وَلَّيْتُ، فَقَالَ: ادْعُ لِي جَابِرًا. قُلْتُ: الْآنَ يَرُدُّ عَلَيَّ الْجَمَلَ، وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ" اَبْغَضَ اِلَيَّ مِنْهُ قَالَ: خُذْ جَمَلَكَ وَلَكَ ثَمَنُهُ.

﴿حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ میں ایک غزوہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا، میرا اونٹ سست ہو گیا اور اس نے مجھے بے بس کر دیا- نبی ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور پوچھا جابر ہو، میں نے کہا جی- آپ نے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ میں نے کہا یہ میرا اونٹ چلتا نہیں، اس نے مجھے عاجز کر دیا ہے اس لیے میں پیچھے رہ گیا- آپ نے نیچے اتر کر محجن سے اسے ٹھوکے لگائے- پھر فرمایا سوار ہو جاؤ- میں سوار ہو گیا تو اونٹ ایسا تیز ہو گیا کہ میں اس کو روکنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ سے آگے نہ نکلنے پائے- آپ نے پوچھا جابر تم نے نکاح کیا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں- آپ نے پوچھا کنواری سے یا شوہر آشنا سے- میں نے کہا شوہر آشنا سے- آپ نے فرمایا کنواری سے کیوں نہ کیا؟ تو اس سے کھیلتا، وہ تجھ سے کھیلتی- میں نے عرض کیا کہ میری بہت سی بہنیں ہیں تو میں نے یہ چاہا کہ ایسی عورت کروں جو ان کا خیال رکھے، کنگھی چوٹی کرے اور ان کی نگرانی کرے- آپ نے فرمایا، تم ہمارے پیچھے آ رہے ہو- پس جب پہنچ جاؤ تو دیکھنا بردباری سے کام لینا- پھر فرمایا، یہ اپنا اونٹ بیچو گے؟ میں نے کہا، بیچتا ہوں۔ تو نبی ﷺ نے ایک اوقیہ پر خرید لیا- پھر نبی ﷺ مجھ سے پہلے مدینے پہنچ گئے- میں دوسرے دن صبح کو پہنچا- ہم مسجد

میں آئے تو آپ مسجد کے دروازے پر ملے- پوچھا تم اب آئے ہو- میں نے کہا جی ہاں- آپ نے فرمایا اونٹ کو چھوڑ دو، مسجد میں جاؤ اور دو رکعتیں نماز پڑھو- میں مسجد میں گیا اور نماز پڑھی- پھر آپ نے بلالؓ کو حکم دیا کہ مجھے ایک اوقیہ تول دیں- بلالؓ نے جھکتی ہوئی تول دی- میں مڑ کر چلا- اس وقت آپ نے فرمایا جابرؓ کو بلاؤ- میں اپنے دل میں سمجھا آپ شاید اونٹ مجھے لوٹا دیں- اور اس کا لوٹانا مجھے اس وقت بہت ناگوار لگ رہا تھا- آپ نے فرمایا اپنا اونٹ لے جاؤ اور اس کی قیمت بھی تمہاری ہے-

وضاحت:

یہ روایت اس رویہ کو بہت اچھی طرح نمایاں کرتی ہے جو نبی ﷺ کا اپنے صحابہ سے تھا- آپ اگر کسی کو دیکھتے کہ پیچھے نہیں آ رہا ہے تو سواری واپس کر کے لے جاتے اور اس کی خبر لیتے- ضمناً موقع ملتا تو بے تکلفی کی باتیں بھی کرتے- قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو معلوم تھا کہ حضرت جابرؓ کی سات یا نو بہنیں ہیں اور یہ بھی علم تھا کہ وہ شادی کرنا چاہتے ہیں- شادی کا ذکر کرنے میں سوال ایسا کیا جس سے ان کی طبیعت کی سلامت روی واضح ہو- مطلب یہ کہ دیکھیں کہ ابھی وہی جوانوں کا سا سوچنے کا انداز ہے یا عاقبت بینی ان کے اندر ہے- یہ دیکھنے کے لیے آپ نے دلچسپی کا فقرہ کہا کہ شادی کنواری سے کی ہے یا شوہر آشنا خاتون سے- تو انہوں نے کہا کہ شوہر آشنا سے- گھر میں اتنی بہنیں بیٹھی ہیں، ایک لڑکی کو لا کر میں اپنے آپ کو کیوں مصیبت میں ڈالتا- میں نے چاہا کہ ایک ایسی خاتون لاؤں جو سب بہنوں کو اکٹھا رکھے اور سلیقہ سکھائے- دوسری روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں داد دی کہ یہ تم نے بہت اچھا کام کیا- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا تعلق صحابہ سے لیڈرانہ قسم کا نہیں تھا بلکہ نہایت گہرا رفیقانہ تھا- آپ ان سے بے تکلف بھی ہو جاتے تھے اور یہ کہ آپ نام لے کر اپنے صحابہ کو مخاطب کرتے تھے- نفسیات کے ماہر کہتے ہیں کہ ہر افسر کو چاہیے کہ اپنے ماتحت کو نام لے کر پکارے، اس میں بڑی حکمتیں ہیں- ماتحت جان جائے گا کہ میرا افسر مجھ پر اعتماد کرتا ہے-

حضور ﷺ نے ایک اوقیہ وزن پر حضرت جابرؓ کا اونٹ خرید لیا- یہ معلوم نہیں اوقیہ چاندی کی تھی یا سونے کی- اس میں بڑا اختلاف ہے- لیکن اس تحقیق سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہے- جب مدینہ پہنچے تو آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ سے کہا کہ ایک اوقیہ تول کر حضرت جابرؓ کو دے دیں- حضرت بلالؓ حضور ﷺ کے خزانچی، سیکرٹری سب کچھ تھے- انہوں نے جھکتا تول کر دیا- معلوم ہوتا ہے ایسا کرنے کی ان کو ہدایت دی ہوگی- جابرؓ جب گھر جانے لگے تو آپ نے ان کو بلا کر اونٹ بھی واپس دے دیا اور قیمت بھی اپنے پاس رکھنے کو کہا- گویا حضور نے ان کی مالی اعانت کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا-

اس روایت میں ایک لفظ اور بھی ہے۔ فالکیس الکیس۔ شارحین نے اس پر جو کچھ لکھا ہے وہ میں کیا بیان کروں۔ بات صرف اتنی ہے کہ آنحضرت ﷺ جانتے تھے کہ جابرؓ کی سات بہنیں ہیں۔ بیوی اس کی ابھی نئی آئی ہے۔ ہو سکتا ہے گھر میں جائیں تو کوئی بے ترتیبی یا بے نظمی دیکھیں۔ اس لیے قاعدہ یہ بنایا گیا تھا کہ لوگ جب سفر سے لوٹ کر آئیں تو پہلے سے گھر والوں کو اطلاع کر دیں۔ اچانک آئیں تو بے تکلفی کے ساتھ عورتیں رہتی ہیں۔ ممکن ہے کسی بے نظمی پر نظر پڑ جائے اور مرد غصہ میں کچھ کہہ بیٹھے یا کر بیٹھے۔ تو یہاں آپ نے جابرؓ سے فرمایا کہ فالکیس الکیس۔ مطلب یہ کہ گھر میں کوئی بات بے ترتیبی یا بے نظمی کی دیکھو تو بردباری اور حلم سے کام لینا۔

٣٥۔ باب : اَلْاَسْوَاقُ الَّتِي كَانَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَتَبَايَعَ بِهَا النَّاسُ فِي الْإِسْلَامِ

باب: زمانہ جاہلیت کے بازار جن میں لوگوں نے اسلام کے دور میں کاروبار کیا

٣٩۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَتْ عُكَاظٌ وَ مَجَنَّةُ وَ ذُوالْمَجَازِ اَسْوَاقًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ تَاَثَّمُوا مِنَ التِّجَارَةِ فِيهَا، فَاَنْزَلَ اللّٰهُ: "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ. قَرَاَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَذَا.

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت کے بازار تھے۔ جب اسلام کا دور آیا تو لوگوں نے ان میں کاروبار کرنے کو کچھ برا محسوس کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اتارا کہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" فِي مَوَاسِمِ الْحَجِّ. تم پر کچھ گناہ نہیں حج کے موسموں میں۔ ابن عباسؓ نے ایسا ہی پڑھا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت اوپر گزر چکی ہے۔ وہاں اس پر پیدا ہونے والے سوالات کا ذکر ہو چکا ہے۔ اس روایت کی رو سے جب اسلام آیا تو لوگوں نے جاہلیت کے دور سے جو بازار چلے آ رہے تھے ان میں تجارت کرنا برا جانا۔ یہ بات غلط معلوم ہوتی ہے۔ مہاجرین کا تو پیشہ ہی تجارت تھا۔ اوپر یہ روایت گزر چکی ہے کہ عبدالرحمن بن عوفؓ ہجرت کر کے آئے تو ان کے انصاری بھائی نے کہا کہ جناب میں اپنا نصف مال آپ کو دیتا ہوں اور میری بیویوں میں سے آپ جس کو کہیں طلاق دے دیتا ہوں، عدت گزرنے کے بعد آپ ان سے نکاح کر لیجئے، تو مہاجر بھائی نے کہا مجھے یہ کچھ نہیں چاہیے۔ آپ مجھے بازار کا راستہ بتا دیجئے تو انہوں نے بنو قینقاع کے بازار کا راستہ بتا دیا جو یہودیوں کی بستی تھی۔ انہوں نے وہاں کاروبار شروع کر دیا اور کسی تعصب کا اظہار نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال

پیدا ہوا ہو کہ جہاں جاہلیت میں کاروبار کرتے تھے وہاں اسلام میں بھی کر سکتے ہیں یا نہیں۔ حالانکہ جس زمین پر جاہلیت میں رہتے تھے اسی زمین پر اسلام میں رہے۔ اسلام میں اخلاق اور ایمان میں تبدیلی آتی ہے۔ آسمان اور زمین نیز بازار وغیرہ سب وہی رہتے ہیں۔

آخر میں آیت لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم (بقرہ:۱۹۸) کا حوالہ ہے کہ ابن عباسؓ نے اسے 'فی مواسم الحج' کے اضافہ کے ساتھ پڑھا۔ راوی نے یہ تاثر دیا ہے جیسے یہ ٹکڑا قرآن کا حصہ ہو۔ حالانکہ ابن عباس نے تاویل کی ہے اور اس آیت کو موقع حج سے متعلق مانا ہے اور یہ بات درست ہے۔

۳۶. باب : شِرَاءِ الْاِبِلِ الْهِيمِ، اَوِ الْاَجْرَب

اَلْهَائِمُ: اَلْمُخَالِفُ لِلْقَصْدِ فِی کُلِّ شَیْءٍ

باب: تونسے ہوئے اونٹوں یا خارشی اونٹوں کی خریداری

ہائم ہر معاملہ میں راست روی اور میانہ روی کے مخالف کو کہتے ہیں

باب کی عبارت کا پہلا حصہ عنوان باب ہے۔ اور اَلْهَائِمُ: اَلْمُخَالِفُ لِلْقَصْدِ فِی کُلِّ شَیْءٍ الگ جملہ ہے جو امام بخاریؒ نے لفظ ہیم کی وضاحت میں تحریر کیا ہے۔ وہ اس سے آوارہ گرد اونٹ جس کی چال میں فرق ہو اور سیدھا نہ چلتا ہو، مراد لے رہے ہیں۔

بڑے لوگوں کی غلطیاں بھی شاندار ہوتی ہیں۔ امام بخاریؒ کو مغالطہ ہوا ہے کہ ہائم ہیم کی واحد ہے حالانکہ دونوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ ہیم لفظ اہیم کی جمع ہے اور یہ لفظ ہیام سے بنا ہے جو اونٹوں کی تونس کی ایک بیماری ہے۔ اس بیماری میں وہ پانی پیئے جاتے ہیں اور پانی نہ ملے تو مر جاتے ہیں۔ یہ متعدی بیماری نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے لفظ کی شرح اس طرح کی ہے کہ گویا لفظ هیم انهم فی کل واد یهیمون سے لیا گیا ہے جو قرآن میں سورہ شعراء میں شاعروں کے بارے میں آیا ہے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ قرآن میں فشاربون شرب الهیم جو آیا ہے اس پر ان کی نظر نہیں گئی۔

۵۰۔ حَدَّثَنَا عَلِیٌّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: قَالَ عَمْرٌو: كَانَ هٰهُنَا رَجُلٌ "اسْمُهُ نَوَّاسٌ"، وَكَانَتْ عِنْدَهُ اِبِلٌ "هِيمٌ"، فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَاشْتَرٰی تِلْکَ الْاِبِلَ مِنْ شَرِيْکٍ لَهُ، فَجَاءَ اِلَيْهِ شَرِيْکُهُ، فَقَالَ: بِعْنَا تِلْکَ الْاِبِلَ. فَقَالَ: مِمَّنْ بِعْتَهَا؟ قَالَ: مِنْ شَيْخٍ كَذَا وَ كَذَا، فَقَالَ: وَيْحَکَ، ذَاکَ وَاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ، فَجَاءَهُ فَقَالَ: اِنَّ شَرِيْکِی بَاعَکَ

إِبِلًا هِيمًا وَلَمْ يَعْرِفْكَ. قَالَ: فَاسْتَقْهَا، قَالَ: فَلَمَّا ذَهَبَ يَسْتَاقُهَا، فَقَالَ: دَعْهَا، رَضِينَا بِقَضَاءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ: لَا عَدْوَى سَمِعَ سُفْيَانُ عَمْرًا.

﴿عمرو کہتے ہیں کہ یہاں نواس نامی ایک شخص تھا اس کے پاس اونٹ تھا جس کو تونس کی بیماری تھی- عبداللہ بن عمرؓ گئے اور نواس کے ایک ساجھی سے وہ اونٹ خرید لیا- وہ ساجھی نواس کے پاس گیا اور کہا کہ ہم نے اونٹ بیچ ڈالا- نواس نے پوچھا کس کے ہاتھ- اس نے کہا کہ ایک بزرگ کے ہاتھ جو ایسی ایسی شکل کے تھے- نواس نے کہا ناس ہو تیرا، یہ تو اللہ کی قسم عبداللہ بن عمرؓ تھے- وہ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے ساجھی نے آپ کے ہاتھ اونٹ بیچ ڈالا جس کو تونس کی بیماری ہے اور آپ کو پہچانا نہیں- تو انہوں نے کہا وہ اونٹ ہانک لے جا- وہ اس کو ہانک لے جانے لگا تو ابن عمرؓ نے کہا رہنے دے- ہم آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر راضی ہیں کہ اسلام میں تعدی کا نظریہ نہیں- یہ روایت سفیان نے عمرو سے سنی-﴾

وضاحت:

ابل اونٹ کے لیے اسم جنس ہے اور اس کی جمع بھی یہی ہے- روایت میں یہ ہے کہ اونٹ حیام کی بیماری میں مبتلا تھے اور ان میں سے کوئی اونٹ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خریدا تھا- یہ بیماری متعدی نہیں ہے تو حضرت ابن عمرؓ کا یہ فرمانے کا کیا مطلب کہ لا عدوی- یہ الگ مسئلہ ہے کہ عدوی یعنی متعدی بیماری کے معاملہ میں صحیح نقطہ نظر کیا ہے- بہر حال انہوں نے کہا کہ ہم حضور ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہیں- اس روایت میں جھول معلوم ہوتا ہے-

امراض متعدی ہیں یا نہیں، تو اس معاملہ میں سیدنا عمرؓ کے ایک موقع پر اپنے طرز عمل سے رہنمائی ملتی ہے- ایک مرتبہ آپ کسی علاقہ میں جانا چاہتے تھے تو لوگوں نے کہا وہاں مت جائیے، وہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے- آپ رک گئے- کسی نے اعتراض کیا کہ کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف جا رہا ہوں- میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کہ وبا میں چھلانگ لگا دیں- ہاں اگر کوئی وبا آگئی ہے تو فرار ہونے میں کئی خطرے ہیں- وہ لوگ جن کے پاس ذرائع ہیں وہ تو نکل جائیں گے، غریب لوگ کیا کریں گے- یہ نکل جانا اخوت، محبت اور ہمدردی کے بھی خلاف ہے- ہو سکتا ہے کہ بہت زیادہ اموات واقع ہو جائیں تو تجہیز و تکفین کے لیے بھی لوگ موجود نہ ہوں- بیماروں کی تیمارداری کے لیے لوگوں کو رہنا چاہیے- اگر وبا آگئی ہے تو اللہ کے بھروسے پر آپ ٹکے رہیں- نہیں آئی ہے تو چھلانگ لگا کر اس میں نہ کود پڑیں-

اس حقیقت کو حضرت مسیحؑ نے عمدہ طریقہ پر واضح کیا ہے۔ ایک یہودی نے کہا 'بہت اللہ اللہ کرتے ہو، اس پہاڑ کی چوٹی سے کود کر دکھاؤ کہ تمہارا اللہ تمہیں کیسے بچالیتا ہے۔ تب جانوں کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے'۔ حضرت مسیحؑ نے کہا 'اے بے ایمان دور ہو۔ میرے رب نے مجھے اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے آزمائے، مجھ کو اس لیے نہیں پیدا کیا کہ میں اس کو آزماؤں'۔ اس واقعہ میں صحیح حکمت ہے۔ آپ اپنے اونٹ کو باندھ دیجئے اور توقع رکھیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اونٹ کی حفاظت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ایک پتا تک نہیں ہلتا۔

۳۷. باب : بَيْعِ السِّلَاحِ فِى الْفِتْنَةِ وَغَيْرِهَا

وَ كَرِهَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ بَيْعَهُ فِى الْفِتْنَةِ

باب: مسلمانوں کے آپس میں فساد کے دور میں ہتھیار بیچنا

عمران بن حصین نے فتنہ کے زمانہ میں اس کو مکروہ جانا ہے

۵۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ، عَنِ ابْنِ اَفْلَحَ، عَنْ اَبِى مُحَمَّدٍ، مَوْلَى اَبِى قَتَادَةَ، عَنْ اَبِى قَتَادَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ حُنَيْنٍ، فَاَعْطَاهُ. يَعْنِى دِرْعًا. فَبِعْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِى بَنِى سَلِمَةَ، فَاِنَّهُ لَاَوَّلُ مَالٍ تَاَثَّلْتُهُ فِى الْاِسْلَامِ.

﴿ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حنین کی جنگ کے لیے نکلے تو آپ نے ان کو ایک زرہ دی۔ کہتے ہیں کہ میں نے زرہ بیچ کر بنی سلمہ کے محلہ میں ایک باغ خرید لیا۔ یہ پہلی جائیداد ہے جو اسلام کے زمانے میں میں نے حاصل کی۔﴾

وضاحت:

عام حنین کے معنی ہوں گے حنین کے سال۔ مطلب یہ ہے کہ حنین کی جنگ کے لیے نکلے۔ فاعطاه یعنی درعا میں لفظ درعا فاعطاہ کا مفعول ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہاں لفظ یعنی لگایا گیا ہے۔ گویا یہ اعطاہ کی شرح ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہاں جملے میں کچھ چھوٹ گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے ایک زرہ ابوقتادہؓ کو دی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حنین میں مال غنیمت کا کیا سوال جبکہ اس جنگ میں شکست ہوئی۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ شروع کی بھگدڑ کے بعد مسلمان سنبھل گئے تھے۔ ابوقتادہؓ کہتے ہیں کہ میں نے زرہ بیچ کر اس سے ایک باغ خرید لیا تو زرہ کیا من کی تھی۔

مخرفا سے مراد باغ ہی ہے۔ باغ ایک درخت یا دو درخت کا تو نہیں ہوتا۔ باغ ہی رہا ہوگا۔ کسی نے مخرفا کا ترجمہ نوکری بھی کیا ہے لیکن میں نے اسے چھوڑ دیا اس لیے کہ آگے آ رہا ہے کہ اتنی بڑی جائداد حاصل کی۔ تاثلثه کے یہی معنی ہوں گے۔ البتہ شاید یہ ہو کہ انہوں نے طنز کے طور پر یہ لفظ استعمال کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت انسؓ سے ایک روایت گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے ہاں گرو رکھ کر صاع دو صاع گندم ادھار لیے تھے۔ اس سے زرہ کی قدر و قیمت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

۳۸. باب : فِي الْعَطَّارِ وَ بَيْعِ الْمِسْكِ

باب: عطار اور مشک بیچنے کے بارے میں

۵۲۔ حَدَّثَنِي مُوسىٰ بْنُ إِسْمٰعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا أَبُوبُرْدَةَ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَابُرْدَةَ بْنَ أَبِي مُوسىٰ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السَّوْءِ، كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ وَ كِيرِ الْحَدَّادِ، لَا يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ الْمِسْكِ: إِمَّا تَشْتَرِيهِ أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ، وَ كِيرُ الْحَدَّادِ: يُحْرِقُ بَدَنَكَ أَوْ ثَوْبَكَ، أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً.

﴿ابوموسیٰ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صالح ہمنشین اور برے ہمنشین کی تمثیل یوں ہے جیسے کہ ایک مشک فروش اور لوہار کی پھونکنی۔ تو مشک والے کے پاس جائے تو فائدہ سے خالی نہیں آتا۔ یا تو مشک خریدے گا یا نہ بھی خریدے تو خوشبو ہی سونگھتا ہے۔ اور لوہار کی بھٹی کا حال یہ ہے کہ یا تو اس کی چنگاری تمہارے بدن کو جلائے گی یا کپڑے کو یا تجھے بدبو سنگھاتی ہے۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ اچھے ساتھی کے پاس اگر بیٹھنے کا موقع نہ بھی ملا تو اس کے پاس سے گزرتے ہوئے بھی کچھ نہ کچھ برکت پالو گے۔ اور برے ساتھی سے بجز اس کے کہ دکھ اور تکلیف پہنچ جائے اور کوئی فائدہ نہیں۔ یہ بات قدیم حکمتوں میں بھی آئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی احادیث میں اس طرح کی اکثر باتیں قدیم حکمتوں سے مشابہ آئی ہیں۔ بعض جگہ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے لی ہیں اور منسوب آنحضرت ﷺ سے کر دی ہیں۔ الحکمة ضالة

المومن. حکمت کی بات مومن کا گمشدہ مال ہے- جہاں پائے حق ہے کہ اس پر قبضہ کرلے-

٣٩. باب : ذِكْرِ الْحَجَّامِ

باب: پچھنی لگانے والے کا بیان

۵۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: حَجَمَ أَبُو طَيْبَةَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ، وَأَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يُخَفِّفُوا مِنْ خَرَاجِهِ.

﴿حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوطیبہ نے رسول اللہ ﷺ کے پچھنی لگائی- آپ نے ایک صاع کھجور اس کو دلوادی اور اس کے مالکوں کو یہ حکم دیا کہ اس کا محصول کم کردیں-﴾

وضاحت:

پچھنا لگانا یعنی کسی شریان سے خون نکالنا، اس زمانے میں یہ کام حجام کیا کرتے تھے- رسول اللہ ﷺ نے حجام کو بطور اجرت ایک صاع کھجور دلوادی اور اس کے مالکوں کو حکم دیا کہ اس کے خراج میں کمی کردیں- پیشہ ور لوگ اپنی کمائی میں سے ایک قطعی رقم اپنے مالکوں کو دیتے تھے اسے خراج کا نام دیا جاتا تھا- اگر آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا تو اس کو اس بات پر محمول نہیں کیا جائے گا کہ آپ نے دوسرے پر دباؤ ڈالا- دوسروں کو جو حکم آپ نے دیا وہ دینی ہدایت اور رہنمائی کے لیے دیا تھا- انہی باتوں کی تعلیم کے لیے آپ مبعوث ہوئے تھے- ہوسکتا ہے کہ آپ کے علم میں یہ بات آئی ہو کہ جو خراج اس سے لیا جاتا ہے وہ زیادہ ہے اور اس میں آپ نے مناسب کمی کا حکم دیا ہو- یہ اگر مشورہ ہو تو، حکم ہو تو، آپ کو اس کا حق تھا-

۵۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، هُوَ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: احْتَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ وَ أَعْطَى الَّذِي حَجَمَهُ، وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ.

﴿ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے پچھنا لگوایا اور جس نے پچھنی لگائی تھی اس کو کچھ دیا، اگر دینا حرام ہوتا تو آپ اس کو کیوں دیتے؟﴾

وضاحت:

نبی ﷺ نے حجام کو مزدوری دی۔ اگر اس کی اجرت دینا حرام ہوتا تو آپ نہ دیتے۔

اس روایت میں ثمن الدم والی روایت کا جواب دیا ہے۔ یہ حدیث نمبر ۲۷ پر گزر چکی ہے۔

۴۰. باب : التِّجَارَةِ فِيمَا يُكْرَهُ لُبْسُهُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ

باب: ایسی چیزوں کی تجارت جن کا پہننا مردوں اور عورتوں کے لیے مکروہ ہے

۵۵۔ حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُوبَكْرِ بْنُ حَفْصٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَرْسَلَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِحُلَّةِ حَرِيرٍ، أَوْ سِيَرَاءَ، فَرَآهَا عَلَيْهِ، فَقَالَ: إِنِّي لَمْ أُرْسِلْ بِهَا إِلَيْكَ لِتَلْبَسَهَا، إِنَّمَا يَلْبَسُهَا مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ، إِنَّمَا بَعَثْتُ إِلَيْكَ لِتَسْتَمْتِعَ بِهَا يَعْنِي تَبِيعَهَا.

﴿ عبداللہ بن عمرؓ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ کے پاس ایک ریشمی سوٹ بھیجا۔ آپ نے دیکھا کہ اسے خود حضرت عمرؓ پہنے ہوئے ہیں۔ تو فرمایا کہ میں نے یہ اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ تم اس کو پہنو۔ اس کو تو وہ پہنتا ہے جس کا جنت میں کوئی حصہ نہیں۔ میں نے اس لیے بھیجا تھا کہ اس سے کوئی فائدہ اٹھالو۔ ﴾

وضاحت:

حلة سوٹ کو کہتے ہیں جس میں قمیض اور پہننے کی چادر ایک ہی کپڑے کے ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ اس کو وہ لوگ پہنتے ہیں جن کا جنت میں کوئی حصہ نہیں تو مطلب یہ ہے کہ یہ غافلوں کا لباس ہے۔ ہر چیز جو پہننے کی ہے وہ ہر شخص کے پہننے کی نہیں ہوتی۔ آدمی کو اپنے مقام اور مرتبہ کا لحاظ کر کے لباس پہننا چاہیے۔ اس کو اگر وہ لوگ پہنتے ہیں جن کو نہیں پہننا چاہیے تو گویا استکبار کے طور پر پہنتے ہیں اور اس کی سزا یہ ہے کہ آدمی جنت سے محروم رہے گا۔ حضور نے تو یہ لباس اس لیے بھیجا تھا کہ حضرت عمرؓ اس سے کوئی فائدہ اٹھا لیتے۔ مثلاً حضرت عمرؓ کی بیوی اس کو پہن سکتی تھیں اس لیے کہ عورتوں کے لیے ریشم جائز ہے۔ یا اس کو بیچ کا فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔ اس طریقہ کی چیزوں کی بیع اور شراء تو ہوگی اس لیے کہ سوسائٹی میں عورتیں بھی تو ہیں۔ روایت کے آخر میں تبیعها جو بڑھایا ہے تو یہ راوی کا لفظ ہے۔

۵۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: اَخْبَرَنَا مَالِکٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤمِنِيْنَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا اَخْبَرَتْهُ: اَنَّهَا اشْتَرَتْ نُمْرُقَةً فِيْهَا تَصَاوِيْرُ، فَلَمَّا رَآهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَلَمْ يَدْخُلْهُ، فَعَرَفْتُ فِى وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ وَ اِلَى رَسُوْلِهِ ﷺ، مَاذَا اَذْنَبْتُ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا بَالُ هٰذِهِ النُّمْرُقَةِ قُلْتُ: اشْتَرَيْتُهَا لَکَ لِتَقْعُدَ عَلَيْهَا وَ تَوَسَّدَهَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اَصْحَابَ هٰذِهِ الصُّوَرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُعَذَّبُوْنَ، فَيُقَالُ لَهُمْ: اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ. وَ قَالَ: اِنَّ الْبَيْتَ الَّذِى فِيْهِ الصُّوَرُ لَا تَدْخُلُهُ الْمَلٰئِكَةُ.

﴿حضرت عائشہ صدیقہؓ سے قاسم بن محمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے ان کو بتایا کہ میں نے ایک مرتبہ ایک قالین خریدا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب اس کو دیکھا تو دروازے پر ٹھٹک گئے، اندر نہیں داخل ہوئے۔ میں نے اس کراہت کو تاڑ لیا جو آپ کے چہرہ پر ظاہر ہوئی تھی۔ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ، میں توبہ کرتی ہوں اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف۔ میری غلطی کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ یہ قالین کیسا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نے اس کو خریدا تھا کہ آپ اس پر تشریف رکھیں گے اور اس پر ٹیک لگائیں گے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان صورتوں کے بنانے والے جو لوگ ہیں ان پر قیامت کے دن عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائے گا کہ زندہ کرو ان چیزوں کو جو تم نے ڈیزائن کیا ہے اور آپ نے فرمایا کہ وہ گھر، جن میں تصاویر ہوتی ہیں، ان میں فرشتے نہیں داخل ہوتے۔﴾

وضاحت:

اتوب الی الله و الی رسوله کے معنی تو ہیں کہ میں توبہ کرتی ہوں اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف، لیکن مطلب یہ ہے کہ میں آپ کے سامنے آپ کو گواہ بنا کر توبہ کر رہی ہوں کیونکہ رسول اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے۔

قالین میں جو اصل خرابی تھی وہ تصاویر کی تھی۔ وہ تصاویر حرام ہیں جن میں شرعی قباحت یا اخلاقی قباحت ہو۔ میری یہ تقسیم سمجھانے کے لیے ہے ورنہ جو شرعی قباحت ہوگی اس میں اخلاقی قباحت بھی ہوگی اور جو اخلاقی قباحت ہوگی اس میں شرعی قباحت بھی ہوگی۔

عربوں میں رواج تھا کہ وہ جو خاکے اور تصویریں بناتے تھے وہ ان کے معبودوں کی، دیوی دیوتاؤں کی اور جنات وغیرہ کی ہوتی تھیں- عقیدے اور ایمان کے اعتبار سے وہ مانتے تھے کہ یہ زندہ ہیں، یہ دیوی ہماری مرادیں پوری کرتی ہے، یہ جن سب کو ختم کر دیتا ہے، وغیرہ- لہٰذا یہ سب تصاویر مشرکانہ تصورات پر بنیاد ہونے کے باعث حرام کر دی گئیں-

دوسری تصویریں فحاشی پھیلانے والی ہیں جو آج فوٹو کے ذریعے سے، رسالوں کے ذریعے سے، مختلف طریقوں سے اتنی کثرت سے پھیلی ہوئی ہیں کہ دنیا ان سے بھری ہوئی ہے- یہ سب کی سب اخلاقی اعتبار سے نہایت قبیح اور حرام ہیں-

باقی رہ گیا کہ فوٹو اور صورت اپنی جگہ مفید مقاصد کے لیے بھی استعمال ہو سکتی ہے- تعلیم کے لیے ہو سکتی ہے، تاریخ کے ریکارڈ، ثبوت اور شہادت کے لیے ہو سکتی ہے تو اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا- یہاں تک کہ فرض کیجیے کہ کوئی شخص بت پرستی پر ایک تحقیقی کتاب لکھتا ہے کہ کیا شکلیں اور کیا کیا چیزیں تھیں جن کی پوجا ہوتی تھی اور ان کے متعلق تصورات کیا تھے- وہ محقق اس کتاب میں تصاویر بھی دے تو وہ کتاب میں بھی خرید لوں گا، اس لیے کہ مجھے قرآن مجید کی ان سے متعلق باتیں سمجھنے میں مدد ملے گی- لیکن ظاہر ہے کہ وہ میرے ایمان اور عقیدے پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتیں- وہ علمی تحقیق کی چیزیں ہیں-

جو چیزیں بے جان ہیں ان کی تصاویر پر بحث نہیں ہے- جاندار چیزوں کی تصاویر، خواہ اخلاقی مفاسد کی نوعیت کی ہوں یا عقائدی گمراہی پھیلانے والی ہوں، وہ جہاں بھی ہوں گی وہاں رحمت کے فرشتے کاہے کو جائیں گے، البتہ ملک الموت وہاں بھی ضرور پہنچ جائیں گے-

۴۱. باب : صَاحِبِ السِّلْعَةِ اَحَقُّ بِالسَّوْمِ

باب: جس کا مال ہے اس کو قیمت بتانے کا زیادہ حق ہے

۵۷- حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمٰعِيْلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ، عَنْ اَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَا بَنِي النَّجَّارِ، ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ. وَفِيْهِ خِرَبٌ" وَ نَخْلٌ".

﴿حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے بنو نجار! تم مجھ سے اپنے باغ کا مول کر لو- اس باغ میں کھنڈر اور کھجور کے درخت تھے-﴾

وضاحت: ثامونی یعنی قیمت بتاؤ کر کیا لینا ہے- یہ باغ بنو نجار کی زمین پر تھا اور آنحضرت ﷺ اس کو مسجد نبوی

کی تعمیر کے لیے حاصل کر رہے تھے- یہ عام قاعدہ اور فطرت کے مطابق ہے کہ جس کی چیز ہو وہ قیمت بتائے- اس میں کوئی بحث نہیں ہے-

۴۲. باب : كَم يَجُوزُ الْخِيَارُ

باب: خیار کس حد تک جائز ہے

۵۸۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ: اَخْبَرَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ يَحْيىٰ قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ الْمُتَبَايِعَيْنِ بِالْخِيَارِ فِي بَيْعِهِمَا مَالَمْ يَتَفَرَّقَا، اَوْ يَكُوْنُ الْبَيْعُ خِيَارًا. قَالَ نَافِعٌ: وَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا اشْتَرَى شَيْئًا يُعْجِبُهُ فَارَقَ صَاحِبَهُ.

﴿حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ خرید و فروخت کرنے والے دونوں اپنی بیع کے بارے میں اس وقت تک اختیار رکھتے ہیں جب تک وہ دونوں الگ نہ ہوں یا یہ کہ خود بیع ہی میں خیار کی شرط ہو- نافع کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ جب کوئی ایسی چیز خریدتے جو ان کو پسند آتی تو اس کے مالک سے جدا ہو جاتے۔﴾

وضاحت:

یہ بات مسلم ہے کہ فروخت کنندہ اور خریدار دونوں کو اس وقت تک سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہونا چاہیے جب تک وہ دونوں وہیں دکان پر موجود ہوں- بعض لوگ کہتے ہیں کہ فروخت کنندہ کو اختیار نہیں ہونا چاہیے صرف خریدار کو ہونا چاہیے لیکن ان کی دلیل کچھ کمزور سی ہے- وہ یہ کہتے ہیں کہ فروخت کنندہ نے جب ایک چیز دے دی تو اپنا اختیار ساقط کر دیا- میں کہتا ہوں کہ جب خریدار نے ایک چیز لے لی تو اس نے اپنا اختیار ساقط کر دیا- اس لیے یہ موقف صحیح نہیں ہے- ہو سکتا ہے کہ بائع چیز کی قیمت بھول گیا اور ٹھیک نہیں بتائی یا کم بتا دی تو خیار ہونا چاہیے- خیار کی بھی کئی قسمیں ہیں- اصطلاحات بنا کر لوگ مشکل کر دیتے ہیں کہ یہ خیار مجلس ہے اور یہ خیار شرط ہے اور یہ فلاں قسم کا خیار ہے-

خیار مجلس یہ ہے کہ جب تک دونوں جدا نہ ہوں انہیں سودا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے- خیار شرط یہ ہے کہ کوئی شرط لگا دی، کوئی مہلت لے لی یا کوئی اور اسی طرح کی بات کر دی- خیار شرط ہوگا تو خیار مجلس ختم ہو جائے گا- اور یہ چیز کامن سنس پر مبنی ہے-

خیار کے بارے میں جو حدیثیں آگے آئیں گی تو ان کے ذریعہ چند باتیں اور بھی معلوم ہو جائیں گی۔ وہ یہ کہ خیار کی مدت کتنی ہونی چاہیے۔ یہ مدت غیر معین تو ہو نہیں سکتی۔ شوافع اور احناف کا عام خیال یہ ہے کہ خیار کی مدت صرف ۳ دن ہے۔ لیکن ۳ دن کی مدت میں ایک بکری کے دودھ کا اندازہ تو ہو سکتا ہے مگر ایک مکان کے مناسب حال ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ بکری والی روایت کی بنا پر لوگوں نے ۳ دن کی مدت کو بہت اہمیت دی ہے۔ صحیح رائے ان لوگوں کی ہے جو کہتے ہیں کہ حالات کے تحت ضرورت کو دیکھ کر مدت مقرر کی جاسکتی ہے۔ ایک سوال یہ ہے کہ اگر مدت کا تعین نہیں ہوا تو کیا ہوگا؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیع ہوگی اور شرط منسوخ۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں ہوں گی۔ یہ بات بڑے جھگڑے کی ہے، اس لیے کہ جب تک چیز خریدار کے قبضہ میں ہے تو آخر کسی نہ کسی نوعیت کا تصرف تو اس میں کرے گا اور بعد میں خریدار نے اگر بیع منسوخ کر دی تو ممکن ہے بائع کو وہ چیز اپنی اصلی حالت میں نہ ملے۔ اس لیے میری رائے میں مجمل فیصلہ ٹھیک نہیں ہے کہ بیع منسوخ کر دی جائے گی۔ بلکہ اس معاملہ میں بھی وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو اس نکاح میں ہوتا ہے جس میں مہر معین نہیں ہوتا۔ اگر مہر معین نہیں تو مہر مثل لیتے ہیں۔ علی ھذا القیاس حالات کو دیکھ کر اور رواج کو دیکھ کر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

رہ گئی یہ بات جو ابن عمرؓ کی طرف منسوب ہے کہ ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ کوئی چیز خریدتے تو یہ بات پسند کرتے کہ خریدنے کے بعد چند قدم ہٹ جائیں تاکہ دکاندار سے مفارقت ہو جائے۔ تو یہ ابن عمرؓ کا خاص ذوق تھا۔ اس بارے میں مجھے عباسی خلیفہ کی بات پسند آئی جب اس نے امام مالک سے کہا کہ ایک فقہ آپ ایسی مرتب کیجئے جو عبداللہ ابن عمرؓ کے متشددانہ عمل اور عبداللہ بن مسعودؓ کی رخصتوں کے بیچ میں اعتدال پر ہو۔

باب کا عنوان کم یجوز الخیار جو امام صاحب نے رکھا ہے بہت مبہم سا ہے۔ اور اس کے تحت جو روایت لائے ہیں اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خیار خریدار اور بائع کی جدائی کی مدت تک محدود ہے حالانکہ معاملہ آگے بھی جاتا ہے۔

۵۹۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ اَبِی الْخَلِيْلِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَفْتَرِقَا.

وَزَادَ اَحْمَدُ: حَدَّثَنَا بَهْزٌ قَالَ: قَالَ هَمَّامٌ: فَذَكَرْتُ ذٰلِکَ لِاَبِی التَّيَّاحِ فَقَالَ: كُنْتُ مَعَ اَبِی الْخَلِيْلِ لَمَّا حَدَّثَهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْحَارِثِ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ.

﴿ حکیم بن حزامؓ روایت کرتے ہیں نبی ﷺ سے کہ بائع اور مشتری دونوں خیار رکھتے ہیں جب تک

الگ الگ نہ ہو جائیں- اور ابو التیاح کہتے ہیں کہ میں ابو الخلیل کے پاس تھا جب عبداللہ بن حارث نے یہ حدیث بیان کی-﴾

وضاحت:

اوپر والی روایت میں لفظ یتفرقا تھا اور یہاں یفترقا ہے- یہ روایت بالمعنی کے باعث ہے- مفہوم ایک ہی ہے- اس روایت کی رو سے بھی بائع اور مشتری دونوں کو سودا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے۔ اس لیے یہ بات غلط ہے کہ بائع چیز دے کر اپنا خیار ختم کر دیتا ہے-

۴۳. باب : اِذَالَمْ یُوَقِّتْ فِی الْخِیَارِ، هَلْ یَجُوزُ الْبَیْعُ

باب: جب خیار کا وقت معین نہ کیا گیا ہو تو کیا بیع جائز ہوگی

۶۰۔ حَدَّثَنَا اَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَیْدٍ: حَدَّثَنَا اَیُّوبُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ مَالَمْ یَتَفَرَّقَا، اَوْ یَقُولُ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ اخْتَرْ. وَ رُبَّمَا قَالَ: اَوْ یَکُونُ بَیْعَ خِیَارٍ.

﴿ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ خرید و فروخت کرنے والے دونوں فریق جب تک الگ الگ نہ ہو جائیں خیار رکھتے ہیں، یا یہ کہ ان میں سے ایک اپنے دوسرے ساتھی سے کہے کہ آپ کو اختیار ہے- کبھی آپ نے یوں کہا کہ یا یہ کہ بیع خیار ہو-﴾

وضاحت:

امام صاحب نے باب تو یہ باندھا ہے کہ اگر وقت مقرر نہیں کیا ہے تو بیع جائز ہوگی یا نہیں، لیکن اس کے تحت جو روایت لائے ہیں اس میں وہی بات ہے جو اوپر والی روایت میں گزری ہے- مالم یتفرقا سے وقت تو متعین ہو گیا- اور جب ایک ساتھی نے دوسرے کو اختیار دے دیا تو اس اختیار دینے میں یہ بات مضمر ہوتی ہے کہ آپ چیز لے جائیے- ایک دو دن بعد اگر کچھ نقص نظر آئے تو واپس کر دیجئے- یہ بات بھی جاتی ہے اور اس بنیاد پر بیع ہو جاتی ہے اور وقت بھی متعین ہوتا ہے البتہ منٹ اور گھنٹے کا حساب نہیں ہوتا-

عنوان باب میں دیے گئے سوال کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ بیع ہو جائے گی البتہ معروف رواج اور دستور کے مطابق وقت کا تعین کر دیا جائے گا-

۴۴. باب : الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا

وَبِهِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ، وَ شُرَيْحٌ، وَ الشَّعْبِيُّ، وَ طَاؤُسٌ، وَ عَطَاءٌ، وَ ابْنُ اَبِي مُلَيْكَةَ

باب : بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں

ابن عمر، شریح، الشعبی، طاؤس، عطاء و ابن ابی ملیکہ کا یہی قول ہے۔

یہ تو ساری دنیا نے کہا ہے اور ٹھیک کہا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ کیا اس طریقہ پر عمل بھی ضروری ہے جو ابن عمرؓ سے منسوب ہے، تو میری رائے میں یہ غیر ضروری سی چیز ہے۔ عرف عام میں جب آپ موقع بیع سے اٹھ جاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خیار ختم ہو گیا۔ اس میں کسی قسم کے تکلف کی ضرورت نہیں۔ بائع کو بھی اختیار ہونا چاہیے۔ جس طریقہ کی زحمت آپ کو پیش آ سکتی ہے اس طریقہ کا تردد اسے بھی ہو سکتا ہے۔

۶۱۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: اَخْبَرَنَا حَبَّانُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: قَالَ قَتَادَةُ: اَخْبَرَنِي عَنْ صَالِحٍ اَبِي الْخَلِيْلِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: سَمِعْتُ حَكِيْمَ بْنَ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا، فَاِنْ صَدَقَا وَ بَيَّنَا بُوْرِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَ اِنْ كَذَبَا وَ كَتَمَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا.

﴿حکیم بن حزام نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ خرید و فروخت کرنے والے دونوں اپنی بیع کو نافذ کرنے یا منسوخ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اس وقت تک جب تک کہ جدا نہ ہوں۔ اگر وہ اپنے معاملہ میں سچ بولیں گے اور جو نقص ہے بیان کریں گے تو ان کی بیع میں برکت ہو گی اور جھوٹ بولیں گے اور خرابی چھپائیں گے تو برکت مٹ جائے گی۔﴾

وضاحت:

برکت اٹھنے کا مطلب بیان کر چکا ہوں کہ لاکھوں کا منافع ہوتا ہے لیکن دوسری طرف سے سرنگ لگ جاتی ہے اور زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ نہ جانے کتنے پہلوؤں سے وہ چیز آدمی کے لیے فتنے کا باعث بن جاتی ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ برکت دے تو بہت تھوڑے میں بڑے بڑے کام ہو جاتے ہیں۔ اس برکت کی کوئی حد نہیں ہے۔

۶۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ: اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: الْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلٰى صَاحِبِهِ

مَالَمْ يَتَفَرَّقَا إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بائع اور مشتری دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل میں اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں، سوائے بیع خیار کی صورت میں۔﴾

وضاحت:

یہاں الفاظ کل واحد منهما آئے ہیں۔ یعنی بائع اور مشتری دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہے۔ یہ سب روایت بالمعنی کے باعث ہوتا ہے۔ یہ غور کرنا پڑے گا کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے یعنی شریعت کی بات ہے یا کسی راوی صاحب کا اجتہاد ہے۔ حدیثوں میں یہ بہت ہے اور روایت بالمعنی نے مفہوم میں بڑا فرق کر دیا ہے۔

۴۵۔ بَاب: إِذَا خَيَّرَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ بَعْدَ الْبَيْعِ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ

باب: جب بائع یا مشتری دوسرے کو بیع کے بعد اختیار دے تو بیع لازم ہوگئی

۶۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا تَبَايَعَ الرَّجُلَانِ، فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا، وَ كَانَا جَمِيعًا، أَوْ يُخَيِّرُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَتَبَايَعَا عَلَى ذٰلِكَ، فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ، وَ إِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ يَتَبَايَعَا وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ، فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ.

﴿ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب دو آدمیوں نے لین دین کیا تو ان میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے جب تک کہ جدا نہ ہوں اور اکٹھے رہیں یا یہ کہ ایک نے دوسرے کو اختیار دے دیا اور اس پر دونوں نے معاملہ طے کر لیا تو بیع ہوگئی۔ اگر دونوں لین دین کرنے کے بعد الگ ہو گئے اور ان میں کسی نے بھی بیع کو چھوڑا نہیں تو بیع واجب ہوگئی۔﴾

۴۶۔ بَاب: إِذَا كَانَ الْبَائِعُ بِالْخِيَارِ هَلْ يَجُوزُ الْبَيْعُ

باب: جب بیچنے والا بھی اختیار رکھتا ہو تو کیا بیع جائز ہو جائے گی

۶۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كُلُّ بَيِّعَيْنِ لَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا حَتّٰى يَتَفَرَّقَا، إِلَّا بَيْعَ

الْخِيَارِ.

﴿ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بیع کرنے والے دونوں فریقوں کے درمیان بیع نہیں ہے جب تک کہ وہ الگ نہ ہوں الا آں کہ بیع خیار ہو۔﴾

وضاحت:

ان ابواب اور احادیث میں ایک ہی بات دہرائی جاری ہے اور وہ بالکل بدیہی بات ہے۔

٦٥۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ: حَدَّثَنَا حَبَّانُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَبِي الْخَلِيلِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَفَرَّقَا.

قَالَ هَمَّامٌ: وَجَدْتُ فِي كِتَابِي: يَخْتَارُ - ثَلَاثَ مِرَارٍ - فَإِنْ صَدَقَا وَ بَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَ إِنْ كَذَبَا وَ كَتَمَا، فَعَسٰى أَنْ يَرْبَحَا رِبْحًا، وَيُمْحَقَا بَرَكَةَ بَيْعِهِمَا.

قَالَ: وَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ: حَدَّثَنَا أَبُو التَّيَّاحِ: أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ يُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

﴿حکیم بن حزام روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک جدا نہ ہوں۔ حمام کہتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میں یوں لکھا پایا تین بار اختیار کرے۔ پھر اگر وہ دونوں سچ بولیں گے اور جو عیب ہو بیان کریں گے تو ان کی بیع میں برکت ہوگی اور اگر جھوٹ بولیں گے اور عیب کو چھپائیں گے تو تھوڑا سا نفع شاید کمالیں لیکن ان کی بیع میں برکت نہیں ہوگی۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں ایک بات غور طلب ہے وہ یہ کہ حمام کی اس بات کا کیا مطلب ہے کہ تین بار اختیار کرے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کہے میں نے دیا، میں نے دیا، میں نے دیا، تین بار۔ اور دوسرا کہے میں نے لیا، میں نے لیا، میں نے لیا۔ بہرحال میں اس کے سمجھنے سے قاصر ہوں۔

٤٧ ـ باب : اِذَا اشْتَرَى شَيْئًا، فَوَهَبَ مِنْ سَاعَتِهٖ قَبْلَ اَنْ يَتَفَرَّقَا، وَلَمْ يُنْكِرِ الْبَائِعُ عَلَى الْمُشْتَرِىْ، اَوِ اشْتَرَى عَبْدًا فَاَعْتَقَه.

و قال طاؤس فيمن يشترى السلعة على الرضا ثم باعها و جبت له و الربح له

باب: جب کوئی شخص کوئی چیز خرید کر اسی وقت کسی اور کو ھبہ کر دے جب کہ ابھی بائع سے جدا بھی نہ ہوا ہو اور بائع مشتری پر اعتراض نہ کرے، یا ایک غلام خریدے اور جدا ہونے سے پہلے اس کو آزاد کر دے۔

اور طاؤس نے کہا جو کوئی کچھ سامان خرید لے بائع کی رضامندی سے اور پھر اس کو بیچ ڈالے اور بائع انکار نہ کرے تو ان صورتوں میں بیع لازم ہو جائے گی اور نفع خریدار ہی کو ملے گا۔

٦٦ ـ وَ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ، فَكُنْتُ عَلَى بَكْرٍ صَعْبٍ لِعُمَرَ، فَكَانَ يَغْلِبُنِي فَيَتَقَدَّمُ اَمَامَ الْقَوْمِ، فَيَزْجُرُهُ عُمَرُ وَ يَرُدُّهُ، ثُمَّ يَتَقَدَّمُ، فَيَزْجُرُهُ عُمَرُ وَيَرُدُّهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعُمَرَ: بِعْنِيهِ. قَالَ: هُوَ لَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: بِعْنِيهِ. فَبَاعَهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: هُوَ لَكَ يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، تَصْنَعُ بِهٖ مَا شِئْتَ.

﴿ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ میں ایک جوان اونٹ پر سوار تھا جو حضرت عمرؓ کا تھا۔ وہ مجھ سے بے قابو ہو کر لوگوں سے آگے بڑھ جاتا تھا اور حضرت عمرؓ اس کو جھڑکتے اور پیچھے پھیر دیتے تھے۔ آخر نبی ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اس کو میرے ہاتھ بیچ دیجئے۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ، مفت لے لیجئے۔ آپ نے فرمایا قیمت سے دیں۔ حضرت عمرؓ نے وہ اونٹ آپ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ نبی ﷺ نے فرمایا عبداللہ بن عمر! یہ اونٹ تم لے لو اور جو چاہو سو کرو۔ ﴾

٦٧ ـ قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ: وَ قَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: قَالَ بِعْتُ مِنْ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ

عُثْمَانَ مَالًا بِالْوَادِي بِمَالٍ لَهُ بِخَيْبَرَ، فَلَمَّا تَبَايَعْنَا، رَجَعْتُ عَلَى عَقِبِي حَتَّى خَرَجْتُ مِنْ بَيْتِهِ، خَشْيَةَ أَنْ يُرَادَّنِي الْبَيْعَ، وَ كَانَتِ السُّنَّةُ: أَنَّ الْمُتَبَايِعَيْنِ بِالْخِيَارِ حَتَّى يَتَفَرَّقَا. قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: فَلَمَّا وَجَبَ بَيْعِي وَ بَيْعُهُ، رَأَيْتُ أَنِّي قَدْ غَبَنْتُهُ، بِأَنِّي سُقْتُهُ إِلَى أَرْضِ ثَمُودَ بِثَلَاثِ لَيَالٍ وَ سَاقَنِي إِلَى الْمَدِينَةِ بِثَلَاثِ لَيَالٍ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زمین جو وادی القری میں تھی امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کے ہاتھ اس زمین کے بدلے بیچی جوان کی خیبر میں تھی۔ جب سودا ہو چکا تو میں پیچھے پلٹ کر ان کے گھر سے نکل گیا اس ڈر سے کہ کہیں وہ بیع پھیر نہ لیں اور قاعدہ یہ تھا کہ بائع اور مشتری دونوں کو اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب میری اور حضرت عثمانؓ کی بیع واقع ہوگئی تو میں نے خیال کیا کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو ٹھگ لیا ہے کیونکہ میں نے ان کو ثمود کے ملک کی طرف تین دن زیادہ کی مسافت پر دھکیل دیا اور انہوں نے مجھ کو تین دن کا راستہ مدینہ سے کم کر دیا۔﴾

وضاحت:

یہ بات کہ ایک شخص نے ایک چیز خریدی اور بائع سے جدا ہونے سے پہلے کسی کو ھبہ کر دی اور بائع نے کوئی نکیر نہیں کی، یا ایک غلام خریدا اور اس کو فوراً آزاد کر دیا اور بائع نے اس پر بھی کوئی نکیر نہیں کی، تو اس شکل میں کیا ہوگا۔ اس میں بائع کی خاموشی اس کی رضامندی سمجھی جائے گی اور بیع ہو جائے گی۔ یہ بات قرین عقل ہے اور اس میں کوئی بحث نہیں ہے۔

طاؤس کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز خریدتا ہے علی الرضا یعنی راضی خوشی، وہ دینے پر راضی اور یہ لینے پر راضی اور پھر اس کو بیچ دیتا ہے تو نفع بھی وہی لے گا اور بیع بھی ہو جائے گی۔ مسئلہ کی یہ شکل وہی ہے جو اوپر والی ہے اور ٹھیک ہے۔ اس میں کوئی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

ابن عمرؓ کی جو روایت ہے اس بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ اس سے مسئلہ باب کا استنباط زیادتی ہے۔ بات حضورﷺ کی ہے۔ اونٹ حضرت عمرؓ کا ہے۔ دیا جاتا ہے ابن عمرؓ کو تو یہ سارا معاملہ گھر کا ہے۔ اس میں کسی کو کسی چیز پر شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور ہر ایک کے لیے شرف ہے۔ امام صاحب کو اس سے ہٹ کر کوئی روایت لانی چاہیے تھی۔

آخری روایت میں عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی جائیداد جو ایک وادی میں تھی اس کو حضرت عثمان کے ہاتھ ان کی ایک ایسی جائیداد کے عوض فروخت کر دیا جو مدینہ کے قریب تھی۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب بیع

واجب ہوگئی تو مجھے گمان ہوا کہ میں نے ان کو ٹھگ لیا ہے۔ میں نے ان کو تو ثمود کے علاقہ سے قریب کر دیا اور انہوں نے مجھے مدینہ سے قریب کر دیا۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس روایت کو نقل کر کے راوی صاحب کیا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں بتایا کہ اس کا اثر کیا ہے۔ اگر عبداللہ بن عمرؓ کا بیع کو واجب کرنے کا طریقہ کار بتانا مقصود ہے تو وہ تو اوپر بیان ہو چکا اور اس کے بارے میں کئی احادیث گزر چکی ہیں۔

۴۸. باب : مَا يُكْرَهُ مِنَ الْخِدَاعِ فِي الْبَيْعِ

باب: بیع میں دھوکا دینا مکروہ ہے

۶۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلًا ذَكَرَ لِلنَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ، فَقَالَ: إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ.

﴿ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے ذکر کیا کہ میں جب بھی کوئی کاروبار کرتا ہوں دھوکا کھا جاتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب تم کوئی خرید و فروخت کرو تو کہہ دیا کرو کہ کوئی دھوکہ نہیں ہوگا۔﴾

وضاحت:

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیع اس شخص کی طرف سے بیع شرط ہو جائے گی۔ چونکہ بیع مشروط ہے اس لیے اگر کوئی دھوکا ہوگا تو چیز واپس ہو سکے گی۔ گویا آنحضرت ﷺ نے اسے یہ ہدایت فرمائی کہ جب بھی وہ بیع کرے قطعی نہ کرے بلکہ مشروط کرے۔

۴۹. باب : مَا ذُكِرَ فِي الْأَسْوَاقِ

وَ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ، قُلْتُ: هَلْ مِنْ سُوقٍ فِيهِ تِجَارَةٌ؟ قَالَ: سُوقُ قَيْنُقَاعَ. وَقَالَ أَنَسٌ: قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ: دُلُّونِي عَلَى السُّوقِ. وَ قَالَ عُمَرُ: أَلْهَانِي الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ.

باب: بازاروں کے متعلق

عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو میں نے پوچھا کہ یہاں کوئی بازار بھی ہے جہاں

کوئی کاروبار ہو سکتا ہو تو کہا گیا کہ قینقاع کا بازار ہے- اور انس کہتے ہیں کہ عبدالرحمن نے کہا کہ مجھے بازار کا رستہ بتلا دو- اور حضرت عمرؓ نے کہا کہ مجھ کو بازاروں کے کاروبار نے غافل رکھا-

اس باب میں تین تعلیقات ہیں- دو تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے متعلق ہیں اور یہ روایت پہلے گزر چکی ہے- وہ جب مدینہ آئے تو ان کے انصاری بھائی نے کہا کہ میری جائیداد ہے، بیویاں ہیں، جو کہو گے آدھا آپ کو دوں گا تو حضرت عبدالرحمن نے کہا کہ دلونی علی السوق یعنی مجھ کو بازار کا راستہ بتلا دو اور مال اور بیویاں تم ہی کو مبارک ہوں- چنانچہ ان کو بنو قینقاع کے بازار کا رستہ دکھایا گیا-

حضرت عمرؓ سے متعلق روایت بھی پہلے تفصیل سے آ چکی ہے کہ جب انہیں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے یہ بتایا کہ تین مرتبہ ملاقات کی اجازت طلب کرنے کے بعد حکم ہے کہ اجازت نہ ملنے پر آدمی واپس چلا جائے تو انہوں نے کہا کہ گواہی لاؤ- جب گواہی دی گئی تو حضرت عمرؓ نے افسوس کا اظہار کیا کہ بازار کے لین دین میں پھنس کر میں غافل رہا اور اس حدیث کی سماعت سے محروم رہا- امام صاحب نے یہاں تینوں روایتوں کا حوالہ دیا ہے-

۶۹ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ: حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَةَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ: حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَغْزُوْ جَيْشٌ الْكَعْبَةَ، فَاِذَا كَانُوْا بِبَيْدَاءَ مِنَ الْاَرْضِ يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَ آخِرِهِمْ. قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَيْفَ يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَ آخِرِهِمْ، وَ فِيْهِمْ اَسْوَاقُهُمْ، وَ مَنْ لَيْسَ مِنْهُمْ؟ قَالَ: يُخْسَفُ بِاَوَّلِهِمْ وَ آخِرِهِمْ، ثُمَّ يُبْعَثُوْنَ عَلٰى نِيَّاتِهِمْ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک لشکر کعبہ پر حملہ کرے گا تو جب وہ سرزمین کے کھلے میدان میں ہوں گے تو ان کے اول و آخر سب زمین میں دھنسا دیے جائیں گے- حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیسے ہوگا کہ ان کے اول اور آخر سب دھنسا دیے جائیں گے جبکہ ان میں ان کے بازار بھی ہوں گے اور وہ لوگ بھی جو ان میں سے نہیں ہوں گے- آپ نے فرمایا اول سے لے کر آخیر تک سب دھنس جائیں گے پھر قیامت کے دن اپنی اپنی نیت کے مطابق اٹھائے جائیں گے-﴾

وضاحت:

یہ روایت بہت مشکل ہے- یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی پیشین گوئی کی ہے یا کوئی

رویا بیان فرمائی ہے- یہ شبہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دوسری روایت میں جو حضرت عائشہؓ ہی سے ہے، وہ فرماتی ہیں ایک دن نبی ﷺ سے سوتے میں کچھ غیر معمولی باتیں صادر ہوتے دیکھنے میں آئیں- اس کے بعد حضور نے یہ واقعہ بیان فرمایا تو ظاہر ہے کہ اس کا واضح قرینہ تو یہی ہوا کہ آپ نے کوئی رویا بیان کی ہو- رویا تعبیر کی محتاج ہوتی ہے اور کسی روایت میں اس کی تعبیر نہیں ہے- اگر فرض کر لیجئے کہ رویا کو ظاہر ہی پر محمول کریں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا لشکر ہے جو مکہ پر حملہ آور ہوا اور پھر اس کا یہ انجام ہوا- صرف ایک واقعہ کا حوالہ دیا جاتا ہے اور وہ عبداللہ بن زبیرؓ کا ہے جب وہ مکہ پر قابض ہو گئے تو اموی حکومت نے ان پر حملہ کیا- لیکن اس لشکر کو بھی یہ افتاد پیش نہیں آئی بلکہ وہ تو اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور اس نے عبداللہ بن زبیرؓ کو سولی بھی دے دی- کعبہ پر چڑھائی کا حضور کی بعثت سے پہلے کا واقعہ اصحاب فیل کا ہے لیکن اس کا بھی یہاں سوال پیدا نہیں ہوتا کیونکہ حوالہ بعد میں پیش آنے والے کسی واقعہ کا ہے- اگر اس کو پیش گوئی پر محمول کیجئے تو ابھی تک اس کی تصدیق نہیں ہوئی- لیکن پیشین گوئیوں کے وقت کا تعین نہیں ہو سکتا- وہ مستقبل میں کسی وقت بھی ظاہر ہو سکتی ہیں-

عذاب دو طرح کے ہوتے ہیں- ایک تو یہ کہ رسول کے کامل اتمام حجت کے بعد اس کے نہ ماننے والوں پر عذاب آتا ہے- سنت الٰہی اس وقت یہ ہوتی ہے کہ رسول کو صالحین و ابرار کو ساتھ لے کر ہجرت کر جانے کا حکم ہوتا ہے- اور اس کے بعد خاص ان لوگوں پر عذاب آتا ہے جو متکبرین اور مکذبین ہوتے ہیں- دوسرا وہ عذاب ہوتا ہے جو ابتلاء کے لیے ہوتا ہے اور اس میں البتہ نیک و بد دونوں لپیٹ میں آ جاتے ہیں- اس دوسرے عذاب میں مبتلا تو ہو جائیں گے سب نیک و بد، لیکن قیامت کے دن اٹھیں گے اپنی نیت کے مطابق- مطلب یہ کہ قیامت کے دن نیکوکار بری ہوں گے اور اس ابتلاء میں جو دکھ ان کو پہنچا ہو گا وہ ان کے لیے کچھ کفارہ بن جائے گا- یہ دونوں اصول قرآن کے مطابق ہیں اور روایت میں یہ پہلو قابل غور ہے-

۷۰- حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: صَلٰوةُ أَحَدِكُمْ فِي جَمَاعَةٍ، تَزِيدُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي سُوقِهِ وَ بَيْتِهِ بِضْعًا وَ عِشْرِينَ دَرَجَةً، وَ ذَالِكَ بِأَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلٰوةَ، لَا يَنْهَزُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَ بِهَا دَرَجَةً، أَوْ حُطَّتْ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ"، وَالْمَلٰئِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَادَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، مَالَمْ يُحْدِثْ فِيهِ، مَالَمْ يُؤْذِ فِيهِ، وَقَالَ: أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَتِ الصَّلٰوةُ تَحْبِسُهُ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کی نماز باجماعت اس کی اس نماز سے بیس درجہ سے کچھ زیادہ ہوگی جو اس نے بازار میں یا گھر میں پڑھی ہوگی۔ یہ اس وجہ سے کہ جب وہ اچھی طرح وضو کر کے مسجد میں آتا ہے اور صرف نماز ہی کی نیت سے آتا ہے، نماز ہی نے اس کو اٹھایا ہوتا ہے تو جو قدم وہ اٹھاتا ہے ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے یا ایک گناہ مٹتا ہے اور فرشتے تم میں سے اس شخص پر رحمت بھیجتے ہیں جب تک کہ وہ جائے نماز پر ہوتا ہے جہاں وہ نماز پڑھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ اس پر رحم کر، اے اللہ اس پر اپنا فضل فرما۔ اس وقت تک یہ بات ہوتی رہتی ہے جب تک کہ وہ اس میں کسی حدث کا مرتکب نہ ہو یا اس میں کسی کو نہ ستائے۔ اور آپ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک نماز ہی میں رہتا ہے جب تک نماز کے لیے رکا رہے۔﴾

وضاحت:

گھر کی نماز، بازار کی نماز اور مسجد کی نماز میں بہرحال فرق درجات ہوگا، کیونکہ نماز کے لیے مسجد اصل جگہ ہے۔ وہاں پر سارے لوازم ساری خصوصیات سمیت جمع ہوتے ہیں۔ جبکہ بازار کاروبار کے لیے اور گھر آرام اور آسائش کے لیے ہے۔ نمازوں میں فرق درجات اس وجہ سے ہوگا کہ آدمی مسجد میں آئے گا تو اس کا مقصد سوائے نماز کے اور کچھ نہ ہوگا۔ لا یرید الا الصلوۃ اس کی شرح ہے۔ اور فرشتے اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ کسی حدث کا مرتکب نہ ہو۔ یعنی جب تک اس کا وضو قائم رہے۔ مالم یوذ فیہ اسی حدث کی تعبیر ہے یعنی حدث ان کے لیے باعث اذیت ہوگا۔ فرشتے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اس پر رحم کر، اے اللہ اس پر فضل فرما۔ میرے نزدیک یہی فرشتوں کی شفاعت ہے۔ اس وجہ سے اس شخص کے لیے جو بے عمل ہے کسی کی شفاعت کا سوال بالکل خلاف عقل ہے۔

۷۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِي السُّوقِ، فَقَالَ رَجُلٌ: "يَا أَبَا الْقَاسِمِ، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ، فَقَالَ إِنَّمَا دَعَوْتُ هٰذَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: سَمُّوا بِاسْمِي، وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ بازار میں تھے تو ایک شخص نے کہا اے ابوالقاسم! نبی ﷺ سن کر متوجہ ہوئے تو اس شخص نے کہا میں نے اس شخص کو بلایا ہے (آپ کو نہیں) تو نبی ﷺ نے کہا کہ میرے نام پر نام تو رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔﴾

۷۲۔ حَدَّثَنَا مَالِکُ بْنُ اِسْمٰعِيلَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: دَعَا رَجُلٌ بِالْبَقِيعِ: يَا اَبَاالْقَاسِمِ، فَالْتَفَتَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: لَمْ اَعْنِکَ، قَالَ: سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي.

﴿انسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے بقیع میں آواز دی اے ابوالقاسم! نبی ﷺ نے اس کی طرف دیکھا تو وہ کہنے لگا میں نے آپ کو نہیں پکارا تھا۔ آپ نے فرمایا میرے نام پر نام تو رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔﴾

وضاحت:

اس حدیث کے بارے میں علماء کا کہنا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیات مبارکہ میں یہ ہدایت تھی لیکن بعد میں منسوخ ہوگئی۔ یہ بات صحیح ہے۔ اب اگر یہ ہدایت منسوخ ہوگئی تو خواہ مخواہ اس کے درپے کیوں ہوں۔ عینی نے نقل کیا ہے کہ کتنے صحابہ ہیں جن کا نام اور کنیت ابوالقاسم ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا وہ تو آنحضرت ﷺ کو 'یا محمدؐ' کہہ کر پکار نہیں سکتے تھے۔ یہ ادب کے خلاف ہے۔ اسی لیے شروع ہی سے مسلمان 'یا رسول اللہ' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اور کنیت آدمی کی تکریم کے لیے آتی ہے۔

۷۳۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي يَزِيْدَ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ الدَّوْسِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فِي طَائِفَةِ النَّهَارِ لَا يُكَلِّمُنِي وَلَا اُكَلِّمُهُ، حَتّٰى اَتٰى سُوقَ بَنِي قَيْنُقَاعَ، فَجَلَسَ بِفِنَاءِ بَيْتِ فَاطِمَةَ، فَقَالَ: اَثَمَّ لُكَعُ، اَثَمَّ لُكَعُ. فَحَبَسَتْهُ شَيْئًا، فَظَنَنْتُ اَنَّهَا تُلْبِسُهُ سِخَابًا اَوْ تُغَسِّلُهُ، فَجَاءَ يَشْتَدُّ حَتّٰى عَانَقَهُ وَ قَبَّلَهُ، وَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اَحِبَّهُ وَ اَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ.

قَالَ سُفْيَانُ: قَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ: اَخْبَرَنِي: اَنَّهُ رَاٰى نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ اَوْتَرَ بِرَكْعَةٍ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں اور نبی ﷺ دن کے ایک حصے میں نکلے، اس طریقہ سے کہ نہ آپ مجھ سے بات کر رہے تھے اور نہ میں آپ سے بات کرنے کی جرأت کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ آپ بنی قینقاع کے بازار میں آئے اور حضرت فاطمہؓ کے گھر کے صحن میں بیٹھے اور پوچھا کہ کیا ننھا یہیں ہے، کیا ننھا یہیں ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے کچھ دیر تک بچے کو روک لیا۔ میں نے گمان کیا وہ انہیں یا ہار پہنا رہی

ہیں یا نہلا رہی ہیں- اس کے بعد وہ دوڑتے ہوئے آئے- آپ نے ان کو سینے سے لگایا اور ان کو پیار کیا اور دعا کی کہ اے اللہ، ان کو محبوب رکھ اور ان کو بھی محبوب رکھ جو ان کو محبوب رکھے- سفیان کہتے ہیں کہ عبید اللہ نے مجھ کو خبر دی کہ انہوں نے نافع بن جبیر کو وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا تھا-

وضاحت:

لکع کے معنی صغیر کے آتے ہیں- حضور ﷺ نے یہ لفظ استعمال کر کے مطلب واضح فرما دیا کہ بچہ کیا یہیں ہے- یہ متعین نہیں ہوتا کہ آپ نے حضرت حسنؓ کو پوچھا یا حضرت حسینؓ کو- جب وہ دوڑتے ہوئے آئے تو آپ نے ان کو گلے لگا لیا اور دعا دی- یہ دعا بالکل فطری ہے-

بنی قینقاع کے بازار سے حضرت فاطمہؓ کے گھر کا تعلق بیان نہیں ہوا- بات یہ ہوگی کہ آپ بازار قینقاع سے گزرتے ہوئے حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے ہوں گے- اس حدیث کا باب سے جو تعلق ہے وہ بس سوق قینقاع کے ذکر کا ہے- زیادہ سے زیادہ کہیں تو بازار کا شرف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی بازار جایا کرتے تھے- قرآن مجید بھی انبیاء کے بارے میں بتاتا ہے یمشون فی الاسواق- بازار جانا تقویٰ کے خلاف نہیں البتہ بازاریت تقویٰ کے خلاف ہے- یہ نہیں ہونی چاہیے- اگر گھر بیٹھے بازاریت ہے تو وہی گھر بازار ہے-

باقی رہ گیا نافع کا ایک رکعت وتر کی نماز پڑھنا تو اس کا باب سے کوئی تعلق نہیں۔ امام صاحب نے یہ بات شاید اس لیے نقل کر دی ہے کہ راوی کی نافع بن جبیر سے ملاقات ثابت ہو جائے۔ اوتر برکعه یعنی وتر کی ایک رکعت پڑھی۔ میرا مذہب یہ ہے کہ ایک رکعت کوئی نماز نہیں ہے۔ روایات میں جہاں یہ جملہ آتا ہے وہاں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ دو دو رکعت کر کے پڑھتے رہے ثم اوتر برکعه یعنی دو کے ساتھ ایک ملا کر طاق کیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ مسلسل چار رکعتیں پڑھیں اور پھر ایک رکعت ملا کر طاق کیا۔ اس طرح جملہ پانچ رکعتیں ہوئیں۔ صرف ایک رکعت حضور نے نہیں پڑھی۔

۴۷۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ: حَدَّثَنَا اَبُو ضَمْرَةَ: حَدَّثَنَا مُوسٰى، عَنْ نَافِعٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ عُمَرَ: اَنَّهُمْ كَانُوا يَشْتَرُوْنَ الطَّعَامَ مِنَ الرُّكْبَانِ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، فَيَبْعَثُ عَلَيْهِمْ مَنْ يَمْنَعُهُمْ اَنْ يَبِيْعُوْهُ حَيْثُ اشْتَرَوْهُ، حَتّٰى يَنْقُلُوْهُ حَيْثُ يُبَاعُ الطَّعَامُ.

قَالَ: وَ حَدَّثَنَا ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ اَنْ يُبَاعَ الطَّعَامُ اِذَا اشْتَرَاهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ.

﴿ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانے میں لوگ اونٹوں پر غلہ لے کر آنے والوں سے جا کر غلہ خریدتے تھے۔ آپ ان کے پاس آدمی بھیجتے کہ وہ لوگوں کو اس جگہ غلہ بیچنے سے روکیں جہاں سے اسے خریدا ہو، جب تک کہ وہ اس کو اس جگہ منتقل نہ کر لیں جہاں غلہ بکتا ہے۔ اور ابن عمرؓ ہی سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غلہ خرید کر اس کو بیچنے سے منع فرمایا جب تک خریدار اس پر قبضہ نہ کر لے۔﴾

وضاحت:

پہلی بات تو یہ ہے کہ جس راستے سے غلہ والے یا سبزی والے آتے ہیں ان کو وہاں روکنا نہیں چاہیے بلکہ مال مارکیٹ میں لے جانے دینا چاہیے۔ راستے میں بڑھ کر ان سے مول بھاؤ کرنا اور خریداری کرنا گویا ڈکیتی ہے اور لوگوں کے حقوق تلف کرنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انکو بھاؤ تو ابھی معلوم نہیں ہوتا اور وہاں کوئی موقع بھی نہیں پڑتا جہاں یہ بحث ہو سکے۔ لہذا مال کو مارکیٹ میں پہنچنا چاہیے تاکہ یکساں طریقہ پر تمام تاجروں کو اور یکساں طریقہ پر تمام خریداروں کو بھاؤ تاؤ کا موقع ملے۔ روایت میں سوق کا ذکر لفظوں میں نہیں لیکن معناً ہے۔ فرمایا ہے جہاں غلہ بیچا جاتا ہے یعنی بازار۔ حدیث کی جو تعلیم ہے اس سے تجارت کا ایک اچھا اصول متعین ہوتا ہے۔

دوسری روایت جو ابن عمرؓ ہی سے ہے یہ ہے کہ جو غلہ خریدے اس کو اس وقت تک نہ بیچے جب تک کہ اس نے پوری طرح اس کو قبضے میں نہ کر لیا ہو۔ ظاہر ہے قبضے میں کرنے سے پہلے فروخت کر دینے سے بہت سی نزاعات پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب تک آپ نے اپنے قبضے میں نہیں کیا ابھی بائع کی مداخلت باقی ہے اور وہ کوئی اعتراض اٹھا دیتا ہے۔ اس طرح اگر آپ بیچ چکے ہوں تو ایک تیسرے کو بھی الجھن میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ غلہ کا ابھی تول نہیں ہوا اور جھگڑے پیدا ہوں۔ آپ جب غلہ قبضے میں لے لیں گے تو پورے مالک کی حیثیت سے آگے معاملہ کریں گے اور کسی کو اعتراض کا حق نہ ہوگا۔

اس معاملے میں فقہاء کے بڑے اختلافات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ قبضہ سے پہلے بیع بالکل ناجائز ہے۔ بعض کہتے ہیں مطلق جائز ہے۔ بعض شرط عائد کرتے ہیں مثلاً احناف۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ایسی چیزوں پر جو غیر منقولہ ہوں قبضہ کی شرط ضروری نہیں لیکن جو منقولہ ہیں ان پر قبضہ ضروری ہے۔ لیکن میری سمجھ میں حنفیہ کی یہ بات نہیں آئی۔ غیر منقولہ جیسے مکان یا زمین وغیرہ ہے ان میں تو زیادہ جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اس لیے میرے نزدیک قبضہ ضروری ہے۔ البتہ جو تجارتیں ان اصولوں پر ہوتی ہیں جو بین الاقوامی مارکیٹ میں ہیں اور جن کے لیے ضابطے بنے ہوئے ہیں وہ کی جا سکتی ہیں۔ ان میں جھگڑوں کا سد باب ثالثی وغیرہ کے قوانین کے ذریعہ سے کر دیا گیا ہے۔

٥٠۔ باب: كَرَاهِيَةِ السَّخَبِ فِي السُّوقِ

باب: بازار میں شور وغل مچانا مکروہ ہے

٢٠٧٥ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ: حَدَّثَنَا هِلَالٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: لَقِيتُ عَبْدَاللهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: قُلْتُ: أَخْبِرْنِي عَنْ صِفَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي التَّوْرَاةِ، قَالَ: أَجَلْ، وَاللهِ إِنَّهُ لَمَوْصُوفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ: "يَاأَيُّهَاالنَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَ مُبَشِّرًا وَ نَذِيرًا" وَ حِرْزًالِلْأُمِّيِّينَ، أَنْتَ عَبْدِي وَ رَسُولِي، سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ، وَ لَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلٰكِنْ يَعْفُو وَ يَغْفِرُ، وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللهُ حَتَّى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ، بِأَنْ يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَ يَفْتَحُ بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا، وَ آذَانًا صُمًّا، وَقُلُوبًا غُلْفًا.

تَابَعَهُ عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ هِلَالٍ. وَ قَالَ سَعِيدٌ، عَنْ هِلَالٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ ابْنِ سَلَامٍ: غُلْفٌ: كُلُّ شَيْءٍ فِي غِلَافٍ، سَيْفٌ أَغْلَفُ، وَ قَوْسٌ غَلْفَاءُ، وَ رَجُلٌ أَغْلَفُ: إِذَا لَمْ يَكُنْ مَخْتُونًا.

﴿عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ملا اور عرض کی کہ آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کی صفت جو تورات میں بیان ہوئی ہے وہ بتایئے۔ انہوں نے کہا بے شک میں آپ کی خواہش پوری کروں گا۔ پھر اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ وہ تورات میں بعض انہی صفات سے متصف ہیں کہ جو قرآن نے ان کی بتائی ہیں۔ 'اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہ بنا کر بھیجا ہے اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا' اور امیوں کے لیے پناہ۔ تم میرے بندے اور رسول ہو۔ میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے، نہ درشت، نہ سخت دل، نہ بازاروں میں غل مچانے والا۔ وہ برائی کو برائی سے نہیں دفع کرے گا بلکہ درگزر اور معاف کرے گا، اور اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک دنیا سے نہیں اٹھائے گا جب تک کہ وہ کج روملت کو درست نہ کر دے، یعنی لوگ جب تک یہ نہ کہنے لگیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور جب تک وہ کھول نہ دے اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اور بند دلوں کو۔

اس حدیث کو عبداللہ بن سلام سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ غلف کہتے ہیں ہر اس چیز کو جو غلاف میں ہو۔ سیف اغلف اس تلوار کو کہتے ہیں جو میان میں ہو۔ غلاف میں ڈالی ہوئی کمان کو قوس غلفاء کہتے ہیں۔ اور رجل اغلف سے مراد وہ مرد ہے جس کے ختنے نہ ہوئے ہوں۔ ﴾

وضاحت:

اس روایت سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ تورات سے واقف تھے اور یہ بات بعید نہیں۔ ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ہاتھ میں شہد ہے اور ایک ہاتھ میں اسی طرح کی کوئی اور چیز۔ کبھی اس کو چاٹ رہے ہیں اور کبھی اس کو۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو یہ خواب سنایا تو آپ نے فرمایا کہ تم دوسرے آسمانی صحیفوں سے بھی متمتع ہو گے۔

آیت اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا کا حوالہ دینے سے مراد یہ ہے کہ جو صفات یہاں بیان ہوئی ہیں وہ تورات میں بھی ہیں۔ اس کے بعد کچھ صفات مخاطب کے صیغہ سے بیان ہوئی ہیں مثلاً تم میرے بندے اور رسول ہو۔ اور آخر میں پھر غائب کا صیغہ استعمال ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک اس کو دنیا سے نہیں اٹھائے گا وغیرہ وغیرہ۔

تورات سے مراد صرف تورات ہی نہیں بلکہ تمام صحف انبیاء یعنی یرمیاہ، یسعیاہ، نحمیاہ، وغیرہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس اسلوب کے اندر ان میں کچھ باتیں ملتی ہیں۔ رہ گئے موجودہ تورات اور انجیلوں میں اشارات تو ان کی نوعیت اور ہے اور میں نے تفسیر تدبر قرآن میں ان کا حوالہ دے دیا ہے۔ ان میں ان حوالوں کا انہی لفظوں میں ملنا بھی بڑا مشکل ہے اس لیے کہ جہاں تک میں نے مطالعہ کیا ہے ان میں کوئی ایسی چیز میری نظر سے نہیں گزری۔ انجیل برناباس میں تو بے شک ایسے حوالے ہیں لیکن اس کو عیسائیوں نے اور ان کے کلیساء نے رد کر دیا ہے۔ میں نے بھی مطالعہ کے بعد یہی رائے قائم کی ہے کہ یہ کتاب منحول ہے۔ زبور میں بھی اس طرح کی چیزیں ہیں لیکن بہت ماہر آدمی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ فلاں پیشین گوئی آنحضرت ﷺ کے متعلق ہے اس لیے کہ وہ گیت ہیں اور گیتوں میں اس طریقہ کا منطقی اسلوب بیان ہو نہیں سکتا تاہم اس میں اس طرح کی کچھ چیزیں ہیں، اور زبور بھی صحائف میں شامل ہے۔ تورات کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو قدیم اور جدید تمام مجموعوں پر بولا جاتا ہے۔

غلف ایسا لفظ نہیں کہ اس کی تحقیق کی ضرورت ہو۔ یہ محض امام صاحب کا اہتمام ہے کہ انہوں نے اس کے استعمالات بیان کر دیے ہیں۔

۵۱۔ باب: الْكَيْلِ عَلَى الْبَائِعِ وَالْمُعْطِي

لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالَى: "وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ" (المطففين: ۳) يَعْنِي كَالُوا لَهُمْ وَوَزَنُوا لَهُمْ، كَقَوْلِهِ: "يَسْمَعُونَكُمْ" (الشعراء: ۸۳) يَسْمَعُونَ لَكُمْ.

وَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِكْتَالُوا حَتّٰى تَسْتَوْفُوا. وَيُذْكَرُ عَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ: اِذَا بِعْتَ فَكِلْ، وَ اِذَا ابْتَعْتَ فَاكْتَلْ

باب: تولنا بائع اور دینے والے کی ذمہ داری ہے

کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ ان کو ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ کالوھم اور وزنوھم سے مراد کالوا لھم اور وزنوا لھم ہے جیسے دوسری آیت میں یسمعونکم سے مراد یسمعون لکم ہے۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ تول کر لو یہاں تک کہ پورا اپنے قبضہ میں کر لو۔ اور حضرت عثمان سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تم بیچو تو مال ماپ کر دو اور خریدو تو میوا کر لو۔

وضاحت:

بائع کی اور معطی یعنی دینے والے کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تولے۔ یہ ضروری نہیں کہ اپنے ہاتھ سے تولے مگر ذمہ داری اس کی ہوگی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس پر کچھ خرچ آئے گا تو وہ بائع کے ذمہ ہوگا۔ یہ اصل مسئلہ ہے۔ یہ نہ سمجھیے کہ یہ کوئی معمولی مسئلہ ہے اس لیے کہ تولنا من دو من کا بھی ہو سکتا ہے اور ہزاروں من کا بھی، اس کے لیے بڑی مہارت کی ضرورت ہے اور ہر جگہ اس کے ایکسپرٹ ہوتے ہیں۔ تولنے کی ذمہ داری بائع کی ہے اور پورا لینے کی ذمہ داری مشتری کی ہے۔

۷۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا، فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اناج خریدے وہ اس کو نہ بیچے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کر لے۔﴾

وضاحت:

قبضے سے پہلے بیچ دینے میں قمار یعنی جوے کا اندیشہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو غلہ آپ نے خریدا وہ

ڈھیری کی شکل میں ہے، وزن اس کا ہوا نہیں اور قبضہ سے پہلے بیچ دیا، تو اس میں کئی جھگڑے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے پہلے قبضہ میں لینا ضروری ہے۔

۷۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: أَخْبَرَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: تُوُفِّيَ عَبْدُاللَّهِ بْنُ عَمْرِو بْنِ حَرَامٍ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَاسْتَعَنْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى غُرَمَائِهِ أَنْ يَضَعُوا مِنْ دَيْنِهِ، فَطَلَبَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَفْعَلُوا، فَقَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: اذْهَبْ فَصَنِّفْ تَمْرَكَ أَصْنَافًا، الْعَجْوَةَ عَلَى حِدَةٍ، وَ عَذْقَ زَيْدٍ عَلَى حِدَةٍ، ثُمَّ أَرْسِلْ إِلَيَّ. فَفَعَلْتُ، ثُمَّ أَرْسَلْتُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَجَلَسَ عَلَى أَعْلَاهُ أَوْ فِي وَسَطِهِ، ثُمَّ قَالَ: كِلْ لِلْقَوْمِ. فَكِلْتُهُمْ حَتَّى أَوْفَيْتُهُمُ الَّذِي لَهُمْ وَ بَقِيَ تَمْرِي كَأَنَّهُ لَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ شَيْءٌ''.

وَ قَالَ فِرَاسٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ: حَدَّثَنِي جَابِرٌ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: فَمَا زَالَ يَكِيلُ لَهُمْ حَتَّى أَدَّاهُ. وَ قَالَ هِشَامٌ، عَنْ وَهْبٍ، عَنْ جَابِرٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: جُذَّ لَهُ، فَأَوْفِ لَهُ

﴿جابرؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن حرام (یہ جابرؓ کے والد تھے) کا انتقال ہوا تو ان کے ذمہ قرض تھا۔ میں نے نبی ﷺ سے ان کے قرض خواہوں کے مقابل میں مدد مانگی کہ وہ کچھ قرض معاف کر دیں تو نبی ﷺ نے ان لوگوں سے اس کی خواہش کی لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اس پر نبی ﷺ نے مجھ سے کہا کہ جاؤ اپنی کھجوروں کی قسمیں الگ الگ کرو۔ عجوہ ایک جگہ اور عذق ابن زید ایک جگہ، پھر مجھ کو بلا بھیجو۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد نبی ﷺ کو کہلا بھیجا۔ آپ تشریف لائے اور ڈھیری پر یا اس کے بیچوں بیچ بیٹھے اور کہا کہ لوگوں کے لیے ماپو۔ میں نے ماپنا شروع کیا اور جو کچھ میرے ذمہ انکا تھا وہ پورا کر دیا اور میری کھجوریں اتنی باقی رہ گئیں کہ گویا ان میں سے کچھ خرچ نہ ہوا ہو۔ اور فراس کی روایت میں یوں ہے کہ جابر بانٹتے رہے یہاں تک کہ قرض ادا کر دیا۔ اور ہشام نے روایت کی کہ نبی ﷺ نے جابر سے فرمایا کہ کھجور توڑ اور قرض خواہ کا قرض پورا ادا کر دے۔﴾

وضاحت:

یہ گنتی کی چند مثالوں میں سے ایک ہے کہ جس میں حضور ﷺ نے مسلمانوں میں سے کسی گروہ سے ایک خواہش کی اور انہوں نے انکار کیا۔ اس پر حضور ﷺ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ تم کھجور توڑو اور ہر قسم کی کھجور الگ

الگ ڈھیر لگا کر مجھے بلوانا۔ حضرت جابرؓ نے ایسا ہی کیا اور آپ کو بلوایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ جلال کے ساتھ گئے اور نبی کا جلال کوئی معمولی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا احترام فرماتا ہے۔ حضرت جابرؓ نے تول تول کر لوگوں کا قرض پورا کر دیا اور پھر بھی اتنی کھجوریں بچ رہیں کہ گویا ان میں سے کچھ خرچ ہی نہ ہوا ہو۔ یہ برکت ہے اور برکت کا ظاہر ہونا بعید امر نہیں ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ درخت کی کھجوروں یا اس کے ذخیرہ سے جابر یہ اندازہ نہ کر سکے کہ ان سے قرض ادا ہو جائے گا۔ آدمی یہی سوچتا ہے کہ اتنے سے کہاں پورا ہوگا حالانکہ صحیح اندازہ ناپ تول کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

روایت میں عجوہ اور عذق ابن زید کے جو الفاظ آئے ہیں یہ کھجوروں کی دو قسموں کے نام ہیں۔

۵۲۔ باب: مَا يُسْتَحَبُّ مِنَ الْكَيْلِ

باب: ماپنا جو مستحب ہے

۷۸۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، عَنْ ثَوْرٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: كِيلُوا طَعَامَكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ.

﴿مقدام بن معدی کرب سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنے غلے ماپ لیا کرو۔ یہ تمہارے لیے باعث برکت ہوگا۔﴾

وضاحت:

اس کی دو شکلیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ خرید و فروخت میں لیتے وقت ماپ کر یا وزن کروا کر لیا جائے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ گھر کا بجٹ ہونا چاہیے۔ یہ نہ کیا جائے کہ گھر میں اناج رکھوا دیا اور خرچ ہو رہا ہے۔ بغیر اندازہ کے خرچ کرنے سے سال پورا ہونے سے پہلے غلہ ختم ہو سکتا ہے، جس کی وجہ یہ ہوگی کہ آپ نے حساب کتاب نہیں کیا۔ ماپ کر یا وزن کر کے غلہ آپ رکھیں گے تو گھر والوں کو بھی آگاہ کریں گے کہ خرچ میں بے احتیاطی نہ کرنا۔ اس سے آپ کے غلہ میں برکت ہوگی۔

روایت سے دونوں باتیں نکلتی ہیں یعنی بیع تول کر ہونی چاہیے اور گھر کا بجٹ ہونا چاہیے۔ ناپ تول کے بغیر خرچ کرنا جائز ہے۔ اسی لیے امام صاحب بھی ناپنے کو مستحب کہتے ہیں۔ واجب یا فرض نہیں کہتے۔

۵۳۔باب: بَرَكَةِ صَاعِ النَّبِيِّ ﷺ وَ مُدِّهِمْ فِيهِ عَائِشَةُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ

باب: نبی ﷺ کے صاع اوران کے مد کی برکت۔اس بارے میں حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے۔

۷۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَ دَعَا لَهَا، وَ حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ، وَ دَعَوْتُ لَهَا فِي مُدِّهَا وَ صَاعِهَا مِثْلَ مَا دَعَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِمَكَّةَ.

﴿عبداللہ بن زیدؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو محترم قرار دیا اوراس کے لیے دعا کی اور میں نے مدینہ کو محترم کیا،جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کو کیا،اوراس کے لیے اس کے مد اور صاع میں برکت کی دعا کرتا ہوں،جس طریقہ سے حضرت ابراہیمؑ نے مکہ کے لیے دعا فرمائی۔﴾

وضاحت:

مد اور صاع غلہ ناپنے کے پیمانے ہیں لیکن عربیت کے قاعدے کے مطابق کبھی ظرف بولتے ہیں اور مقصود اس سے مظروف ہوتا ہے۔یہ جو کہا ہے کہ میں مد اور صاع میں برکت کی دعا کرتا ہوں تو مطلب اس سے یہ ہے کہ اہل مدینہ کے غلہ اور پیداوار میں برکت ہو۔انہی دعاؤں کی برکت ہے کہ یہ سرزمین یوں سمجھئے کہ اب سونا اگلتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے یہ دعا فرمائی تھی کہ:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ. (سورہ ابراہیم: آیت ۳۷)

(اے ہمارے رب!میں نے اپنی اولاد میں سے ایک بن کھیتی کی وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے۔اے ہمارے رب،تاکہ وہ نماز کا اہتمام کریں۔تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اوران کو پھلوں کی روزی عطا فرما تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔)

یہ دعا لوگوں کے دل نیکی کی طرف مائل کرنے اور وسائل رزق کی کثرت کے بارے میں ہے۔ حضور نے یہ جو فرمایا کہ جس طریقہ سے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی تو میں نے بھی مدینہ کے لیے دعا کی، تو یہ انہی مقاصد کے لیے اور انہی پہلوؤں سے ہوگی۔ دوسری کوئی بات مشترک نہیں بیان ہوئی۔ جہاں تک مکہ کی حرمت کا تعلق ہے تو یہ حضرت ابراہیمؑ نے نہیں کی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حرم کے احترام کی حدود وقیود خود مقرر کیں۔ حرم کی تاریخ، اس کے آداب، اس کی رسوم سب الگ ہیں۔ ان میں سے کسی چیز میں مدینہ شریک نہیں ہے۔ حرم مکہ میں تو کوئی آفاقی آدمی بغیر احرام کے داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ داخل ہوگا تو عمرہ کرے گا۔ مکہ میں سعی کے لیے صفا و مروہ ہے۔ طواف کی عبادت صرف بیت اللہ کے گرد ہو سکتی ہے۔ حج کے آداب و ارکان مخصوص ہیں۔ ان میں سے کسی چیز میں مدینہ شامل نہیں۔ بعض اکابر کے بارے میں آتا ہے کہ حج کے سفر میں وہ مدینہ گئے بھی نہیں۔ اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ اتنی بات آنحضرت ﷺ نے فرمائی ہو کہ میں نے مدینہ کے لیے رزق وفضل کی دعا کی ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے رزق وفضل کی دعا کی۔

باقی مدینہ کو حرم بنانا جس طرح مکہ حرم ہے، کسی اعتبار سے درست نہیں بیٹھتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصل روایت پر اضافہ ہے۔

٨٠۔ حَدَّثَنِي عَبْدُاللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مِكْيَالِهِمْ، وَ بَارِكْ لَهُمْ فِي صَاعِهِمْ وَ مُدِّهِمْ يَعْنِي أَهْلَ الْمَدِينَةِ.

﴿انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ، ان کے ماپ میں برکت دے، ان کے صاع میں اور ان کے مد میں برکت دے۔ آپ کی مراد مدینہ والوں سے تھی۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں دیکھ لیجیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ حوالہ موجود نہیں ہے جو اوپر والی روایت میں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مدینہ کے غلہ و پیداوار میں برکت کی دعا فرمائی۔ جہاں تک مدینہ کے شرف کا معاملہ ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مدینہ دارالہجرت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے وہاں اپنی مسجد بنوائی اور اس مسجد میں صحابہ اور صحابیات نے ایک عرصہ تک نماز پڑھی ہے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں مدینہ سیادت و قیادت کا مرکز رہا ہے۔ لیکن اس شرف کے باوجود مسجد نبوی کا قبلہ حرم مکہ کی طرف ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو مسجد مسجد نہیں رہتی۔ میرے نزدیک یہی دوسری روایت ٹھیک ہے۔

۵۴۔ باب: مَا يُذْكَرُ فِي بَيْعِ الطَّعَامِ وَالْحُكْرَةِ

باب: اناج کا بیچنا اور ذخیرہ کرنا کیسا ہے

۸۱۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ: اَخْبَرَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: رَاَيْتُ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ الطَّعَامَ مُجَازَفَةً، يُضْرَبُوْنَ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَبِيْعُوْهُ حَتّٰى يُؤْوُوْهُ اِلٰى رِحَالِهِمْ.

﴿سالم بن عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جو لوگ بغیر ناپ تول کے غلہ خرید لیتے تھے تو ان کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اس بات پر سزا دی جاتی تھی کہ وہ اس کو اپنے ڈیروں پر منتقل کرنے سے پہلے بیچیں۔﴾

وضاحت:

مجازفہ یعنی بغیر ناپ تول کیے بغیر وزن کیے، ڈھیروں کی حالت میں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اس غلے کو اپنے ڈیروں پر منتقل کرنے سے پہلے بیچ دیتے تو اس پر ان کو سزا ملتی تھی۔ ڈیروں پر منتقل کرنے میں حق ملکیت واضح ہو جاتا ہے جبکہ اس کے بغیر کئی پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

امام صاحب نے باب جو باندھا ہے اس میں حکرہ کا لفظ مذکور ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد احتکار ہے جو اس زمانے کی بھی اصطلاح ہے۔ یعنی مال کو گرانی کے انتظار میں روک رکھنا اور گراں ہونے پر بیچ دینا۔ لیکن امام صاحب نے روایت جو نقل کی ہے اس میں احتکار کا ذکر نہیں ہے۔ بعض ذہین لوگوں نے یہ نکتہ پیدا کیا ہے کہ غلہ کو دوسری جگہ منتقل کرنے سے قبل ڈھیری کی صورت میں روک رکھنے کو بھی احتکار میں شامل کیا جاتا ہے، لیکن اس نکتہ کا شارحین بخاری نے بھی مذاق اڑایا ہے۔ احتکار اس زمانے میں بھی اسی مفہوم میں تھا کہ مال روکے رکھیں تا کہ بھاؤ بڑھے تو بیچ دیں۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ احتکار کن چیزوں میں ہوتا ہے۔ اکثریت کی رائے یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں احتکار ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات اس زمانے میں سمجھ میں نہیں آتی۔ مثلاً پٹرول ہے، سیمنٹ ہے، کھاد ہے، اس طرح کی جتنی چیزیں ہیں ان میں سے کسی کا احتکار کر لیجئے، شہری زندگی معطل ہو کر رہ جائے گی۔ پٹرول اگر روک لیجئے کہ بجٹ آ رہا ہے، دام بڑھ جائیں گے تو شہر کی کاریں، بسیں اور ٹرانسپورٹ بند ہو جائے گی اور لوگ چیخ اٹھیں گے۔

میرے نزدیک جو چیزیں ضروریات (Necessities) میں داخل ہیں ان کا احتکار جائز نہیں ہے۔ تعیشات (Luxuries) مستثنیٰ ہیں۔ یہ بھی ہے کہ جو چیزیں آج تعیشات میں شمار ہوتی ہیں ایک وقت آتا ہے کہ ضروریات بن

جاتی ہیں۔ جن چیزوں کا نام میں نے لیا ہے ایک زمانے میں تعیشات میں شمار ہوتی تھیں، یہ صرف امیروں کی ضرورت تھیں، اب ہر ایک کی ضرورت ہیں۔ تاہم جامع اصطلاح یہ ہو سکتی ہے کہ ضروریات کا احتکار جائز نہیں ہے۔ البتہ شریفانہ طریقہ یہ ہے کہ تعیشات ہوں یا ضروریات کسی کا بھی احتکار نہیں ہونا چاہیے اور ہر چیز کو کھلی مارکیٹ میں آنا چاہیے۔

روایت میں احتکار کا ذکر نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحب کے ذہن میں جو روایت رہی ہو وہ ان کے اصولوں پر پوری نہ اتری ہو اور باب کے عنوان میں احتکار کا ذکر باقی رہ گیا۔

۸۲۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمٰعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى أَنْ يَبِيعَ الرَّجُلُ طَعَامًا حَتَّى يَسْتَوْفِيَهُ. قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: كَيْفَ ذَاكَ؟ قَالَ: ذَاكَ دَرَاهِمُ بِدَرَاهِمَ، وَالطَّعَامُ مُرْجًا".

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غلہ کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنے کو منع فرمایا ہے۔ طاؤس نے ابن عباس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہوئی (یعنی اس صورت میں منع کیوں ہے) تو انہوں نے کہا کہ یہ تو درہموں کی بیع درہموں کے بدلے میں ہوئی کیونکہ غلہ پر قبضہ میں تاخیر ہے۔﴾

وضاحت:

یعنی غلہ قبضہ میں نہیں لیا ہے، بس ایک ڈھیری ہے، نہ وزن معلوم ہے نہ ناپا ہے۔ فرض کیجئے کہ اسے ۵۰ درہم میں لیا ہے اور لینے والا قبضہ سے پہلے کہہ رہا ہے کہ اس کے ۶۰ یا ۷۰ درہم لوں گا۔ اس صورت میں بیع درہم بدرہم ہوگی اور اس چیز کی ہوگی جس کے ابھی آپ مالک نہیں ہوئے۔ ایسا سودا ممنوع ہے۔

۸۳۔ حَدَّثَنِي أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے جو کوئی غلہ خریدے تو اس کو نہ بیچے جب تک کہ اپنے قبضہ میں نہ لے لے۔﴾

وضاحت:

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک آپ موقع پر موجود ہیں بیچنے والے کو بھی حق ہے کہ بیع کو منسوخ کر دے اور آپ کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ آپ جب غلہ اٹھائیں گے اور دوسری جگہ منتقل کر لیں گے تو یہ اب آپ کی ملکیت ہوگا اور اب آپ اس کے بیچنے کے مجاز ہیں۔

۸۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيٌّ": حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: كَانَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ يُحَدِّثُهُ عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ أَنَّهُ قَالَ: مَنْ عِنْدَهُ صَرْفٌ"؟ فَقَالَ طَلْحَةُ: أَنَا، حَتَّى يَجِيءَ خَازِنُنَا مِنَ الْغَابَةِ. قَالَ سُفْيَانُ: هُوَ الَّذِي حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ لَيْسَ فِيهِ زِيَادَةٌ"، فَقَالَ: أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَوْسٍ: سَمِعَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: يُخْبِرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَالَ: الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ.

﴿ زہری مالک بن اوس کے بارے میں بتاتے ہیں کہ انہوں نے پوچھا: ہیں کسی کے پاس مبادلہ کے لیے سکے، تو طلحہ نے کہا میرے پاس ہیں۔ ہمارے خازن کو غابہ سے آنے دو۔ سفیان کہتے ہیں زہری سے تو ہم نے اتنی روایت ہی محفوظ رکھی ہے۔ اس پر کوئی اضافہ نہیں ہے۔ پھر زہری نے یہ کہا کہ مجھ کو مالک بن اوس نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کو آنحضرت ﷺ سے نقل کرتے سنا کہ سونا سونے کے بدلے میں ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ، گیہوں کا گیہوں کے بدلے بیچنا ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ، کھجور کا کھجور کے عوض بیچنا ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ اور جَو کا جَو کے بدلے بیچنا ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ۔ ﴾

وضاحت:

یہ بات یاد رکھیے کہ اس روایت میں زہری موجود ہیں اور وہ کوئی نہ کوئی اڑنگا ڈال دیتے ہیں۔ طلحہؓ نے یہ جو کہا کہ غابہ سے خازن آئے گا تو دے دیں گے، اس پر زہری روایت نقل کر کے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ معاملہ ہو نہیں سکتا اس لیے کہ ہاتھوں ہاتھ والی شرط پوری نہیں ہوتی۔ زہری نے روایت نقل کر کے اس کو موکد کر دیا ہے۔

روایت سے یہ بات نکلتی ہے کہ ان چار چیزوں کی بیع نسیہ (ادھار) نہیں ہوسکتی۔ سوال یہ ہے کہ کیوں نہیں ہوسکتی۔ فرض کیجئے میں ایک شخص کو ایک من گندم دیتا ہوں اور کہتا ہوں فصل پر ایک من لے لوں گا۔ یہ نسیہ تو ہے لیکن اس میں قباحت بھی نہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ معاملہ نسیہ تو ہوسکتا ہے لیکن تفاضل نہیں ہوسکتا تو یہ بات بھی غلط ہے اس لیے کہ گندم کی کئی قسمیں ہیں اور سب قسموں کا ایک ہی بھاؤ تو نہیں ہوگا۔

میرے نزدیک نقدا نقد اور آمنے سامنے کے معاملہ میں مقدار میں اگر کمی بیشی ہوگی تو وہ فریقین کی مرضی سے اور کوالٹی کے فرق کی بنا پر ہوگی۔ ادھار کی صورت میں تبادلہ ایک غیر متعین چیز کے ساتھ ہونے کے باعث اس میں

ربا کا امکان ہے۔ تاہم ایسی صورتیں ممکن ہیں، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، جن میں کوالٹی یکساں رکھ کر نسیہ تبادلہ بھی کیا جا سکے اور کوالٹی کے فرق کے ساتھ مقدار میں کمی بیشی بھی کی جا سکے۔

۵۵۔ باب: بَيْعِ الطَّعَامِ قَبْلَ اَنْ يُقْبَضَ، وَ بَيْعِ مَالَيْسَ عِنْدَكَ

باب: اناج کو قبضہ میں لینے سے پہلے بیچنا اور کسی ایسی چیز کا بیچنا جو اپنے پاس نہ ہو

۸۵۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: اَلَّذِيْ حَفِظْنَاهُ مِنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ: سَمِعَ طَاوُسًا يَقُوْلُ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُوْلُ: اَمَّا الَّذِيْ نَهَى عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ فَهُوَ الطَّعَامُ اَنْ يُبَاعَ حَتّٰى يُقْبَضَ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَلَا اَحْسِبُ كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا مِثْلَهُ.

﴿سفیان کہتے ہیں کہ جو بات ہم نے عمرو بن دینار سے محفوظ رکھی ہے یہ ہے کہ انہوں نے طاؤس کو بیان کرتے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے ابن عباسؓ کو فرماتے سنا ہے کہ جس چیز سے نبی ﷺ نے روکا ہے وہ تو غلہ ہے جو قبضہ سے پہلے بیچا جائے۔ لیکن میں ہر چیز پر یہی حکم لگاتا ہوں۔﴾

۸۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَسْتَوْفِيَهُ. زَادَ اِسْمٰعِيْلُ: مَنِ ابْتَاعَ طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَقْبِضَهُ.

﴿ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس نے غلہ خریدا اس کو نہ بیچے جب تک کہ اس کو پوری طرح سے سونت نہ لے۔ اسمٰعیل نے اس پر اضافہ کیا کہ جس نے غلہ خریدا اس کو نہ بیچے جب تک کہ قبضہ نہ کر لے۔﴾

وضاحت:

غلہ جب تک اٹھایا نہیں جائے گا تب تک خریدار اور فروخت کنندہ دونوں کو حق حاصل رہتا ہے کہ وہ معاملہ کو ختم کر دیں۔ مال کی جگہ بدل جانے سے ملکیت مکمل ہو جاتی ہے۔ جس چیز کے آپ ابھی مالک نہیں ہوئے اس کو بیچیں گے تو نزاعات پیدا ہوں گے۔ جب قبضہ کر لیں گے تب یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ اب کوئی نزاع نہیں ہے۔ اس حکم کے اطلاق میں غلہ اور دوسری اشیا برابر ہیں۔

۵۶۔ باب: مَنْ رَأَى: إِذَا اشْتَرَى طَعَامًا جِزَافًا أَنْ لَا يَبِيعَهُ حَتَّى يُؤْوِيَهُ إِلَى رَحْلِهِ، وَالْأَدَبِ فِي ذَالِكَ

باب: جو شخص غلہ کا ڈھیر، بن ماپے، بن تولے، خرید لے وہ اس کو اس وقت تک نہ بیچے جب تک اس کو اپنے ٹھکانے پر نہ لائے۔ اس کے خلاف کرنے والے کی سزا

۸۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يُونُسَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ: أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ النَّاسَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَبْتَاعُونَ جِزَافًا، يَعْنِي الطَّعَامَ، يُضْرَبُونَ أَنْ يَبِيعُوهُ فِي مَكَانِهِمْ، حَتَّى يُؤْوُوهُ إِلَى رِحَالِهِمْ.

﴿عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے زمانے میں دیکھا کہ لوگوں کو اس بات پر سزا دی جاتی کہ وہ غلہ کا ڈھیر خرید کر اپنے ٹھکانے پر لانے سے پہلے اس کو اسی جگہ بیچ ڈالیں۔﴾

وضاحت:

اس میں بھی سب سے بڑی قباحت وہی ہے کہ بیع ایسی چیز کی ہے جس کے ابھی آپ مالک نہیں ہوئے۔ ایسی بیع کرنے والے کے خلاف تادیبی کارروائی کی جا سکتی ہے۔

۵۷۔ باب: إِذَا اشْتَرَى مَتَاعًا أَوْ دَابَّةً فَوَضَعَهُ عِنْدَ الْبَائِعِ أَوْ مَاتَ قَبْلَ أَنْ يُقْبَضَ

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: مَا أَدْرَكَتِ الصَّفْقَةُ حَيًّا مَجْمُوعًا فَهُوَ مِنَ الْمُبْتَاعِ

باب: اگر کسی نے کوئی شے یا کوئی جانور خریدا اور اس کو بیچنے والے کے پاس ہی چھوڑ دیا یا وہ قبضے سے پہلے مر گیا تو اس کا حکم کیا ہوگا۔

ابن عمرؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ بیع کے وقت جو چیز زندہ اکٹھی موجود تھی اس میں اگر کسی قسم کا نقصان ہوا تو وہ

مشتری کے ذمہ ہوگا۔

وضاحت:

یہ عبارت بالکل معمہ ہے اور میری رائے میں غلط روایت ہوئی ہے اس لیے کہ صفقة (یعنی کاروباری معاملہ) کو ادرکت کا فاعل بنانا بالکل بے تکی سی بات ہے اور یہ کہ حیا مجموعا اگر صفقہ سے حال ہے تو اس کا مفہوم واضح نہیں۔

جو کچھ میری سمجھ میں آیا ہے اس کے مطابق میں نے ترجمہ کر دیا ہے۔ شارحین نے "اومات" (یا وہ مرگیا) سے مراد لیا ہے کہ بائع مرگیا لیکن یہ غلط ہے۔ یہ کہنا پڑے گا کہ جو مال زندہ تھا اور بیع میں موجود تھا اگر وہ تلف ہوگیا یا غلہ تھا اس میں سے کچھ تلف ہوگیا تو مجموعہ نہیں رہا۔ اس صورت میں یہ بار خریدار پر پڑے گا۔ بائع اس کا تاوان نہیں دے گا کیونکہ بیع کے وقت جس چیز کی بیع ہوئی وہ اکٹھی تھی۔ مشتری کی ذمہ داری تھی کہ قبضہ میں لیتا۔ اگر نہیں لیتا تو نقصان کا بائع ذمہ دار نہیں ہے۔

۸۸۔ حَدَّثَنَا فَرْوَةُ ابْنُ اَبِی الْمَغْرَاءِ: اَخْبَرَنَا عَلِیُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: لَقَلَّ یَوْمٌ "کَانَ یَاْتِی عَلَی النَّبِیِّ ﷺ اِلَّا یَاْتِی فِیْهِ بَیْتَ اَبِی بَکْرٍ اَحَدَ طَرَفَیِ النَّهَارِ، فَلَمَّا اُذِنَ لَهٗ فِی الْخُرُوْجِ اِلَی الْمَدِیْنَةِ، لَمْ یَرُعْنَا اِلَّا وَ قَدْ اَتَانَا ظُهْرًا، فَخُبِّرَ بِهٖ اَبُوْبَکْرٍ، فَقَالَ: مَا جَاءَ نَا النَّبِیُّ ﷺ فِی هٰذِهِ السَّاعَةِ اِلَّا لِاَمْرٍ حَدَثَ، فَلَمَّا دَخَلَ عَلَیْهِ قَالَ لِاَبِی بَکْرٍ: اَخْرِجْ مَنْ عِنْدَکَ. قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا هُمَا ابْنَتَایَ، یَعْنِی عَائِشَةَ وَ اَسْمَاءَ، قَالَ: اَشَعَرْتَ اَنَّهٗ قَدْ اُذِنَ لِی فِی الْخُرُوْجِ قَالَ: الصُّحْبَةَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ عِنْدِی نَاقَتَیْنِ اَعْدَدْتُهُمَا لِلْخُرُوْجِ، فَخُذْ اِحْدٰهُمَا قَالَ: قَدْ اَخَذْتُهَا بِالثَّمَنِ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ کم ہی کوئی دن ایسا ہوتا تھا کہ نبی ﷺ ابوبکرؓ کے گھر نہ آئے ہوں مگر جب آپ آتے تو دن کے اگلے حصہ میں یا پچھلے حصہ میں تشریف لاتے۔ جب آپ کو مدینہ ہجرت کی اجازت ملی تو دفعتاً ہمیں اس بات سے پریشانی ہوئی کہ آپ ٹھیک ظہر کے وقت تشریف لائے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کو اطلاع دی گئی تو انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ کا اس وقت آنا کسی نئی صورت حال سے ہے۔ جب آپ گھر میں آئے تو حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ تمہارے پاس جو لوگ ہیں ان کو باہر

بھیج دو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ، یہاں صرف میری دونوں بیٹیاں ہیں۔ ان کی مراد عائشہؓ اور اسماءؓ تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو پتہ چلا کہ مجھے اب ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ مجھے بھی صحبت کا شرف حاصل ہوگا یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا ہاں تم کو بھی صحبت کا شرف حاصل ہوگا۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ، میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں۔ میں نے ان کو ہجرت ہی کے لیے پال رکھا ہے تو ایک آپ لے لیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے لے لی لیکن قیمتاً۔

وضاحت:

اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے سفر ہجرت کی تیاری کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب آپ کو ہجرت کا اذن ہوا تو آپ نے نہایت رازداری سے اس کی خبر حضرت ابوبکرؓ کو دی۔ انہوں نے پہلے سے دو اونٹنیاں خرید کر سفر ہجرت کے لیے پال رکھی تھیں اور ان کو تیز سفر کا عادی کر دیا تھا۔ جونہی نبی ﷺ کی زبان سے انہیں معلوم ہوا کہ اب سفر درپیش ہے تو آنحضرتؐ سے یہ تصدیق کرائی کہ انہیں کیا سفر میں رفاقت کا شرف حاصل ہوگا؟ جب حضورؐ نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے اونٹنیوں کے بندوبست کی خبر دی اور ایک اونٹنی آپ کے حوالہ کرنی چاہی۔ حضور نے اس پیشکش کو قبول فرمایا لیکن قیمت ادا کرنے کی شرط عائد کر دی۔ یہ واقعہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔

امام صاحب پچھلے ابواب میں جو بات ثابت کر چکے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر آپ کوئی چیز خریدیں تو اس کو بائع کے ہاں سے اپنی جگہ پر منتقل کر لیں تب بیع مکمل ہوگی۔ یہاں یہ ہے کہ اونٹنی نبی ﷺ نے خرید تو لی لیکن اس کو بائع کے پاس ہی چھوڑ دیا۔ اس باب میں یہ روایت لا کر وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بیع ہو جانے کے بعد مال کو مشتری کی ذمہ داری پر بائع کے پاس چھوڑا جا سکتا ہے۔ اصطلاح میں اس کو التزام کہتے ہیں۔ یہ ایک کامن سینس کا معاملہ ہے اور اس کا انحصار خریدی گئی چیز پر بھی ہے۔ اگر آپ نے کسی سے ایک قلم خریدا ہے تو اس کو ساتھ لے جانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی لیکن اگر آپ نے ایک ڈھیر غلے کا خریدا ہے تو اس کو اٹھانے میں کچھ وقت لگ سکتا ہے۔ جب تک آپ اٹھا نہیں لیتے تو معاملہ نزاعی بن سکتا ہے۔ اس صورت میں اگر نقصان ہوگا تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا بار مشتری پر ڈالا جائے۔

یہاں جس واقعہ سے یہ حکم نکالا گیا ہے میرے نزدیک وہ محل نظر ہے اور اس کی نوعیت بالکل الگ ہے۔ یہ بیع وشرا کا معروف معنوں میں معاملہ تھا ہی نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ایک جاں نثار ساتھی کی حیثیت سے حالات کے پس منظر میں اونٹنیاں خرید لی تھیں، یہ کاروبار کی غرض سے نہیں تھیں۔ وقت آنے پر انہوں نے آنحضرتؐ کو اس انتظام سے آگاہ کیا تو آپ نے ایک اونٹنی کی قیمت ادا کرنے کی شرط عائد کر دی۔ آنحضرتؐ کے شایان شان یہی بات تھی۔ آپ نے اپنے ایک جاں نثار کے ہدیہ کو قیمت کے ساتھ قبول کر لیا تو حضرت ابوبکرؓ کے لیے

بھی کچھ کم شرف نہیں تھا۔

۵۸۔باب: لَا یَبِیعُ عَلَی بَیْعِ اَخِیهِ، وَلَا یَسُومُ عَلَی سَوْمِ اَخِیهِ، حَتّٰی یَاذَنَ لَهُ اَوْ یَتْرُکَ.

باب: اپنے بھائی کی بیع کے اوپر بیع کرنے کی کوشش نہ کرے اور اپنے بھائی کے مول کے اوپر مول بھاؤ نہ کرے جب تک کہ وہ اس کو اجازت نہ دے یا معاملہ کو چھوڑ کر الگ نہ ہو جائے۔

۸۹۔ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِیْلُ قَالَ: حَدَّثَنِی مَالِکٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا یَبِیعُ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ اَخِیهِ.

﴿عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بیع کے اوپر بیع کرنے کی کوشش نہ کرے۔﴾

وضاحت:

اگر کوئی شخص کوئی معاملہ کر رہا ہو یا کوئی مول بھاؤ کر رہا ہو تو دوسرے شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ بیچ میں کود کر مول لگائے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کچھ بن گن لے لی اور بائع سے کہہ دیا کہ میں اتنا زائد دیتا ہوں، آپ فلاں بیع فسخ کر دیجئے۔ خیار کے دوران ایسا ہونا ممکن ہوتا ہے لیکن آنحضرتؐ نے اس سے منع فرمایا کیونکہ اگر کاروبار کا انداز یہی ہو جائے تو کوئی معاملہ سنجیدگی سے طے نہیں ہو سکے گا۔ پھر یہ اس اخوت و محبت کے بھی منافی بات ہے جس کی تعلیم اسلام اپنے ماننے والوں کو دیتا ہے۔

۹۰۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِیُّ، عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ، عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یَبِیعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا یَبِیعُ الرَّجُلُ عَلٰی بَیْعِ اَخِیهِ، وَلَا یَخْطُبُ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِیهِ، وَلَا تَسْاَلُ الْمَرْاَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَکْفَاَ مَا فِی اِنَائِهَا.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اس بات سے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی

کا ایجنٹ بن کر اس کا مال بیچے، اور یہ کہ قیمت بڑھانے کے معاملہ میں مقابلہ نہ کرو، اور کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع کے اوپر بیع نہ کرے، اور کوئی شخص اپنے بھائی کے پیام پر پیام نہ دے۔ اور کسی عورت کے لیے بھی یہ روا نہیں ہے کہ وہ اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے تا کہ اس کا حصہ اپنے پیالے میں انڈیل لے۔

وضاحت:

اس روایت میں ایک جیسے طرزِ عمل کی کئی مثالیں جمع کر دی گئی ہیں اور یہ شاید زہری کا کمال ہے کیونکہ اس روایت کے مختلف حصے الگ الگ بھی روایت ہوئے ہیں۔ انہوں نے ان کو یکجا کر کے ایک روایت بنا دی ہے۔ کئی اہم واقعات کی روایت میں بھی انہوں نے یہ کمال دکھایا ہے۔

یہاں ایک تو وہ معاملات ہیں جن کا تعلق منڈی سے ہے اور کاروباری لوگ دخل اندازی کر کے عوام الناس کے لیے مشکلات پیدا کرتے اور اپنی تجوریاں بھرنے کی خاطر ان کے لیے اشیائے صرف کی قیمتیں بڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔ دوسرے معاملات وہ ہیں جو اسلامی اخوت و محبت کے منافی ہیں لیکن لوگ اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کے مفاد کو نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے۔

پہلی قسم کے معاملات میں نبی ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ شہری لوگ دیہات سے مال لانے والوں کے ایجنٹ بن کر ان کا مال بیچیں۔ دیہاتیوں کو مال منڈی میں لانا چاہیے تا کہ وہ خود بھاؤ کر سکیں۔ اس طرح بازار میں مصنوعی قیمتیں رائج نہ کی جا سکیں گی۔ اسی طرح آپ نے بولی لگا کر قیمتیں بڑھانے سے بھی روکا۔ دوسری قسم کے معاملات میں آنحضرتؐ نے کسی بھائی کے سودے کو زیادہ قیمت کا لالچ دے کر خراب کرنے، کسی بھائی کی شادی کے پیام پر اپنا پیام بھیجنے سے منع فرمایا کہ یہ اسلامی جذبۂ اخوت و محبت کے منافی کام ہے۔

اسی طرح کسی شخص نے کسی عورت کو شادی کا پیام دیا تو اگر وہ یہ شرط لگاتی ہے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دو تب منظور کروں گی تا کہ جو کچھ اس کے پیالہ میں ہے وہ بھی یہی کھائے، اس کو شریک نہیں کرنا چاہتی، تو یہ بھی جائز نہیں اس لیے کہ یہ نہایت شدید قسم کی خست اور سنگ دلی کی بات ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں۔ ان پر قیاس کر کے جہاں جہاں بھی یہی خرابی پائی جائے گی تو اسی اصول پر اس کی ممانعت کا حکم لگایا جائے گا۔ آج کل ہماری اسمبلیوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی اس میں داخل ہے۔ وہ زمانہ گزر گیا جب خطبہ علی خطبہ ہوتا تھا، اب تو وزارت علی الوزارت ہوتی ہے۔

۵۹۔ باب: بَيْعِ الْمُزَايَدَةِ

وَ قَالَ عَطَاءٌ: اَدْرَكْتُ النَّاسَ لَا يَرَوْنَ بَأْسًا بِبَيْعِ الْمَغَانِمِ فِيْمَنْ يَزِيْدُ

باب: نیلام کے بیان میں

عطاء کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ غنیمت کے مال کی بیع ایسے شخص کے ہاتھ کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے جو اس کی قیمت زیادہ دے۔

مزایدہ کے معنی نیلام کے ہیں۔ مثلاً کوئی چیز ہے، اس کی قیمت ایک نے کچھ لگائی، دوسرے نے کہا میں اتنا زیادہ دیتا ہوں۔ اس طرح قیمت جو زیادہ دے گا چیز اس کو دے دی جائے گی۔ عطاء کہتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اس بات میں حرج نہیں سمجھتے تھے کہ غنیمت کے مال کو نیلام کے ذریعہ فروخت کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ پبلک پراپرٹی کو نیلام کے ذریعہ بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کسی غریب کا مال ہے، کسی یتیم کا مال ہے اور آپ کی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ قیمت اس کو ملے۔ آپ اس کو مزایدہ کے ذریعہ بیچ سکتے ہیں۔ اس کے جائز ہونے کی علت واضح ہے۔ اس کو ناجائز کہنے کی علت سمجھ میں نہیں آتی۔ لیکن شخصی طور پر شریفانہ طریقہ یہی ہے کہ ایک شخص آتا ہے اور چیز دیکھ کر اس کی قیمت طے کرتا اور خرید لیتا ہے۔ ہر جگہ نیلام نہیں چل سکتا ورنہ بہت مشکل ہو جائے گا۔

۹۱۔ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ: اَخْبَرَنَا الْحُسَيْنُ الْمُكْتِبُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ، فَاحْتَاجَ فَاَخَذَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ بِكَذَا وَ كَذَا، فَدَفَعَهُ اِلَيْهِ.

﴿حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو اپنی موت کے بعد آزادی کا پروانہ دے دیا، لیکن پھر وہ خود محتاج ہو گیا تو نبی ﷺ نے اس غلام کو لے کر یہ فرمایا کہ کون اس کو مجھ سے خریدتا ہے؟ نعیم بن عبداللہ نے اس اس قیمت پر اسے خرید لیا تو آپ نے غلام ان کے حوالے کر دیا۔﴾

وضاحت:

مدبر غلام وہ ہوتا ہے جس کے بارے میں اس کا مالک اعلان کر دے کہ میرے مرنے کے بعد یہ آزاد ہو گا۔ امام صاحب نے اس روایت سے مزایدہ کا جواز نکالا ہے۔ وہ اس طرح کہ آنحضرت ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ کون اس کو مجھ سے خریدتا ہے تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ اعلان عام نیلامی کی ایک شکل ہے۔ اس اعلان سے نیلامی کا جواز کہاں تک نکلتا ہے، آپ اس پر غور فرمالیں۔

مدبر کے معاملہ میں میری رائے یہ تھی کہ اس کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کو بدلا نہیں جا سکتا۔ لیکن اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو ضیق سے نکالنے کے لیے ایسا کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شدید ضرورت کی صورت میں اس کے مالک کی زندگی میں معاہدہ بدلا جا سکتا ہے لیکن اس کے مرنے کے بعد مالک کی وصیت میں کوئی تبدیلی اس کا وارث نہیں کر سکتا۔ اس معاملہ میں اب پڑنے کی ضرورت نہیں رہی اس لیے کہ غلامی کے مسئلہ سے ہماری اور آپ کی جان چھوٹ گئی ہے۔ الحمد اللہ اب یہ مسئلہ ختم ہو چکا ہے۔

٦٠ ـ باب: النَّجشِ، وَ مَنْ قَالَ: لَا يَجُوزُ ذٰلِکَ الْبَيْعُ

وَ قَالَ ابْنُ اَبِی اَوْفٰی: النَّاجِشُ آکِلُ رِبًا خَائِنٌ". وَ هُوَ خِدَاعٌ" بَاطِلٌ" لَا يَحِلُّ. قَالَ النَّبِیُّ ﷺ الْخَدِيعَةُ فِی النَّارِ وَ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ".

باب: دھوکا دینے کے لیے قیمت بڑھانے اور ان کے بارے میں جنہوں نے کہا کہ یہ بیع جائز نہیں ہے۔

اور ابن ابی اوفی نے کہا ناجش سود خوار ہے، خائن ہے، اور نجش فریب ہے، جھوٹ ہے، یہ درست نہیں ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا دھوکا دوزخ میں پڑے گا اور جس نے وہ عمل کیا جس میں ہمارا حکم موجود نہیں تو وہ مردود عمل ہے۔

وضاحت:

صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ نے اس باب میں جو کچھ لکھا تھا وہ ایک نوٹ تھا لیکن لوگوں نے اس کی روایت کر دی۔ یہ سب تعلیقات ہیں اور وہ بھی معلق۔ تلاش کرتے رہیے موصول روایت نہیں ملے گی۔

نجش یہ ہے کہ کچھ لوگ بازار میں بیٹھے ہوتے ہیں جو قیمت بڑھانے کے لیے اصل خریدار کی لگائی ہوئی قیمت سے زیادہ بولی لگا دیتے ہیں۔ مقصود ان کا بیع کرنا نہیں بلکہ صرف قیمت بڑھوانا ہوتا ہے تاکہ اس کے بدلے میں کچھ پالیں۔ امام صاحب نے کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لا یجوز ذالک البیع یہ بیع جائز نہیں ہے۔ اخلاقی طور پر آپ یہ کہہ سکتے ہیں لیکن بری قسم کی ہی سہی، قانوناً تو یہ بیع منعقد ہو جائے گی۔ اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ وہ لوگ گناہ گار ہوں گے۔

ابن ابی اوفی کہتے ہیں کہ ناجش سود کھاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ وہاں بیٹھا صرف یہ کام کرتا ہے کہ قیمت بڑھوا کر اس میں سے اپنا حصہ لے لیتا ہے۔ اس کے اوپر عین ربا کا اطلاق نہیں ہوتا۔ شاید وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ شخص حرام کھانے والا ہے اور اس کا عمل دھوکا ہے، جھوٹ ہے اور ناجائز ہے۔ امام صاحب نے بڑی تاکید کے ساتھ

نبی ﷺ کا قول نقل کیا ہے کہ دھوکا دوزخ میں پڑے گا، اور وہ عمل مردود ہے جس کے بارے میں ہمارا حکم موجود نہیں ہے۔ یہ سب کچھ نقل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ یہ بیع، بیع نہیں ہے۔ میرے نزدیک اس میں قانونی قباحت تو کوئی نہیں اور یہ بیع منعقد ہو جائے گی البتہ ایسی بیع کرنے والا گناہگار ہوگا۔ یہ اسی طرح ہے کہ حیلہ کے طور پر جو کام ہوتا ہے، وہ کام تو ہو جائے گا، اس لیے کہ اس پر قانونا گرفت نہیں کر سکتے لیکن حرام ہوگا۔

۹۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا مَالِکٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَی النَّبِیُّ ﷺ عَنِ النَّجْشِ.

﴿ابن عمرؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے نجش سے منع فرمایا ہے۔﴾

نجش کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

۶۱۔ باب: بَیْعِ الْغَرَرِ وَ حَبَلِ الْحَبَلَةِ

باب: دھوکے کی بیع اور حاملہ کے حمل کی بیع کا بیان

۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ یُوسُفَ: اَخْبَرَنَا مَالِکٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَی عَنْ بَیْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ، وَ کَانَ بَیْعًا یَتَبَایَعُهُ اَهْلُ الْجَاهِلِیَّةِ، کَانَ الرَّجُلُ یَبْتَاعُ الْجَزُوْرَ اِلَی اَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ، ثُمَّ تُنْتَجُ الَّتِی فِی بَطْنِهَا.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حاملہ کے حمل کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ یہ بیع اس طریقہ سے کرتے تھے کہ ایک شخص اونٹ یا اونٹنی خریدتا تھا، اتنی مدت تک کے لیے کہ اونٹنی بچہ جنے اور پھر بچہ جنے وہ مادہ جو ابھی اس کے بطن میں ہے۔﴾

وضاحت:

روایت میں و کان بیعا یتبایعه اهل الجاهلية سے لے کر آخر تک جو قول نقل ہوا ہے وہ اکثر محدثین کی رائے میں نافع کا ہے۔ اس وجہ سے اس کی اہمیت رسول اللہ ﷺ کے قول کی طرح نہیں ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جاہلیت میں لوگ ایسا کرتے تھے۔ اس کی کچھ علت رہی ہوگی۔ میری رائے میں حاملہ کے حمل کے بیچنے کی نوعیت یہ رہی ہوگی کہ نسل کا اہتمام ہو۔ اچھی نسل کا اونٹ اور اچھی نسل کی اونٹنی ہو۔ اس زمانے میں عرب نسل کا تحفظ ضروری سمجھتے تھے۔ کیونکہ عرب میں پائیدار اور تیز تر سواری ناقہ کی سواری تھی۔ کھانے کی اس کو پروا نہیں، پانی کی ضرورت نہیں،

طوفان کی طرح ازی جاری ہے۔ اونٹنی تو عربوں کے ہاں شاعری کا مضمون ہے۔ جب امرأ القیس اپنی اونٹنی کی تعریف میں اشعار کہتا ہے تو بس عش عش کیجئے۔

جزور کا لفظ عام ہے اور نر و مادہ دونوں کے لیے آتا ہے۔ حبل الحبلة کا مطلب حاملہ اونٹنی کا وہ بچہ ہے جو ابھی اس کے پیٹ میں ہے۔ ہوتا یہ تھا کہ خریدار کہتا کہ حاملہ اونٹنی جو بچہ جنے گی وہ مجھے دے دو۔ جواب ملتا کہ وہ تو بک گیا ہے تو خریدار کہتا کہ اس کی اگلی نسل کے دام لے لو۔ اس میں ظاہر ہے کہ جو کچھ ہوگا وہ ایک خیالی شے ہے۔ معلوم نہیں اونٹنی جنے گی تو ناقص جنے گی یا کامل، مردہ جنے گی یا زندہ۔ یہ بیع اسلام میں ممنوع ہے۔ اسلام میں معاملات کے عدم جواز کی بنیادیں دو ہیں۔ غرر اور ضرر۔ یعنی ہر وہ معاملہ باطل ہے جس میں ایک پارٹی کو دھوکا یا نقصان ہوتا ہے اور دوسری اس سے محفوظ رہتی ہے۔

بیع غرر اور ضرر میں ایک پیچیدہ مشکل پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر بیع مجہول جائز نہیں ہوگی تو کاروبار کیسے چلے گا۔ آج کروڑوں اور اربوں کا کاروبار ہوتا ہے۔ آپ نے امریکہ سے F/16 طیارے خریدنے ہیں، قیمت کا بڑا حصہ جمع بھی کرا دیتے ہیں اور طیارے ابھی کہیں موجود ہی نہیں تو کیا یہ بیع مجہول نہیں ہے۔ اسی طرح تالاب کی مچھلی ہے جو اندازے پر بکتی ہے۔ پھر اس سے بڑا مسئلہ باغ کی فروخت کا ہے۔ جب تک باغ پکنے کے قریب نہ ہوں آپ ان کو بیچ نہیں سکتے۔

میرے نزدیک اصول یہ رہے گا کہ جب یہ معلوم ہے کہ تالاب میں اتنی مچھلی ڈالی گئی اور تخمینا اتنی ہوگی تو اس کو بیچنا غرر میں شامل نہیں۔ عالمی منڈی میں بڑے بڑے سودے علی الوصف ہوتے ہیں۔ اشیاء کی باقاعدہ پوری تفصیل اور ان کی صفات (Specifications)، نیز قواعد وضوابط تجارتی اصولوں کے مطابق طے ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ بیع مجہول نہیں ہے۔ البتہ باغوں کا معاملہ بڑا کٹھن ہے۔ خریدار یہ کہتے ہیں کہ باغ ہمیں تین سال کے لیے یا کم از کم دو سال کے لیے دے دیں۔ یہ تو وہی ہوا کہ ناقہ کے پیٹ میں جو ہے وہ بھی اور اس کی پوتی بھی مطلوب ہوتی ہے۔ اگر آپ نہ دیں تو خریدار انتظار کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے کہ پھل پکنے لگے تو باغ لیں۔ میں رحمان آباد میں اپنے رقبے پر آٹھ سال تک سر ٹکرا کر عاجز ہو کر بیٹھ گیا۔ میں کہتا کہ کچھ بھی ہو جب پھل پکنے لگے گا تب میں باغ بیچوں گا۔ باغ میں روک لیتا اور عین پھل پکنے کے وقت خریدار نہ ملتا۔ پھل تڑوا تڑوا کر بازار بھیجنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ شدید نقصان ہو رہا ہے۔ پھر میں نے یہ کیا کہ چونکہ از روئے شریعت ایک ثلث تک کے نقصان کا اعتبار کیا جاتا ہے تو میں نے کہا کہ اگر ایک ثلث تک کا نقصان ہوگا تو میں برداشت کروں گا۔ اس سے کم کا اعتبار نہیں اور باغ دے دیا۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہوا کہ آپ باغ روک رکھیں کیونکہ پھل پکنے کے قریب ہوتا ہے تو گاہک اس وقت نہیں ہوتے۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ پکنے سے پہلے آپ بیچ نہیں سکتے کیونکہ ایسی بیع مجہول ہے۔

٦٢۔ باب: بَيْعِ الْمُلَامَسَةِ

وَ قَالَ اَنَسٌ: نَهَى عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ

باب: بیع ملامسۃ

اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے روکا ہے

٩٤۔ حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ: اَنَّ اَبَا سَعِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَخْبَرَهُ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُنَابَذَةِ — وَ هِيَ طَرْحُ الرَّجُلِ ثَوْبَهُ بِالْبَيْعِ اِلَى الرَّجُلِ قَبْلَ اَنْ يُقَلِّبَهُ اَوْ يَنْظُرَ اِلَيْهِ — وَ نَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ. وَالْمُلَامَسَةُ لَمْسُ الثَّوْبِ لَا يَنْظُرُ اِلَيْهِ.

﴿ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے منابذہ سے منع کیا ہے۔ منابذہ یہ ہے کہ ایک آدمی اپنے کپڑے کا تھان بیع کے لیے دوسرے کی طرف پھینکے اور وہ اس کو الٹ کر دیکھنے سے قبل ہی اس کو خریدے۔ نیز آپ نے بیع ملامسہ سے بھی منع فرمایا ہے اور ملامسہ میں یہ ہوتا ہے کہ خریدار کپڑے کو بغیر دیکھے ہاتھ لگادے۔﴾

وضاحت:

منابذہ اور ملامسہ کی جو تعریف بیان ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک طرح کا جوا تھا۔ منابذہ میں یہ ہوتا کہ کپڑے کا تھان خریدار کی طرف پھینک دیا جاتا اور بیع ہو جاتی۔ اب معلوم نہیں کہ کپڑا ریشمی ہے، سوتی ہے، ناقص ہے، یا ٹھیک ہے۔ تو اس بیع میں غرر ہے، چیز کو خریدار نے دیکھا نہیں اور بیع واجب ہوگئی۔ اسلام نے اس کو ممنوع ٹھہرایا ہے۔ ملامسہ میں کپڑے کو دیکھے بغیر تھان پر ہاتھ مار دیا جاتا اور شرط یہ ہوتی کہ اسی کی بیع ہوگی تو اس میں بھی قمار ہے اور یہ بھی منع ہے کیونکہ خریدار دھوکے میں مبتلا ہو سکتا تھا۔

٩٥۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا اَيُّوْبُ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نُهِيَ عَنْ لِبْسَتَيْنِ: اَنْ يَحْتَبِيَ الرَّجُلُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ، ثُمَّ يَرْفَعَهُ عَلَى مَنْكِبِهِ، وَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ: اللِّمَاسِ وَالنِّبَاذِ.

﴿ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کو دو طرح کے لباس سے روکا گیا ہے۔ ایک یہ

کہ آدمی ایک ہی کپڑا لپیٹے اور اسی کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر بھی ڈال لے۔ اور دو قسم کی بیع سے روکا ہے۔ ایک ملامسہ دوسری منابذہ۔ ﴾

وضاحت:

احتباء یہ ہے کہ آدمی زمین پر نشست کو آرام دہ بنانے کے لیے چادر کو کمر اور گھٹنوں کے گرد لپیٹ لے۔ اس عمل میں دو چادریں استعمال ہوں، ایک تہبند کے طور پر باندھ لی جائے اور دوسری کمر کے گرد لپیٹی جائے تو کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ایک ہی چادر سے دونوں کام لیے جائیں تو ستر کھل جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ علی ھذا القیاس ایک چادر بطور تہبند باندھی جائے اور اس کے دو کونے کندھے پر باندھ لیے جائیں تب بھی چلتے ہوئے ستر کھل جائے گا۔ نبی ﷺ نے ان دو لباسوں سے منع فرمایا۔ کیونکہ یہ حیا کے منافی ہیں۔ بیع کی جن دو قسموں سے منع فرمایا ان کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

۶۳۔ باب: بَيْعِ الْمُنَابَذَةِ وَ قَالَ أَنَسٌ: نَهَى عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ

باب: بیع منابذہ، اور انسؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۹۳۔ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ، وَعَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُلَامَسَةِ وَ الْمُنَابَذَةِ.

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بیع ملامسہ اور منابذہ سے منع فرمایا۔﴾

۹۴۔ حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْأَعْلَى: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَطَاءِ ابْنِ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ لِبْسَتَيْنِ وَ عَنْ بَيْعَتَيْنِ: الْمُلَامَسَةِ وَ الْمُنَابَذَةِ.

﴿ابو سعیدؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے دو طرح کے لباس اور دو طرح کی بیع یعنی ملامسہ اور منابذہ سے۔﴾

وضاحت:

اس باب کی روایات کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

٦٣۔ باب: النَّهْيِ لِلْبَائِعِ اَنْ لَا يُحَفِّلَ الْاِبِلَ وَالْبَقَرَ وَالْغَنَمَ وَ كُلَّ مُحَفَّلَةٍ

الْمُصَرَّاةُ الَّتِي صُرِّيَ لَبَنُهَا وَ حُقِنَ فِيهِ وَ جُمِعَ، فَلَمْ يُحْلَبْ اَيَّامًا، وَ اَصْلُ التَّصْرِيَةِ حَبْسُ الْمَاءِ، يُقَالُ مِنْهُ: صَرَّيْتُ الْمَاءَ إِذَا حَبَسْتَهُ.

باب: اونٹنی یا گائے یا بکری یا اور کسی جانور کے تھن میں دودھ جمع کر رکھنا بائع کے لیے منع ہے۔

مصراۃ وہ جانور ہے جس کے تھن میں دودھ روک کر اکٹھا کر لیا گیا ہو اور کئی روز تک اسے دوہا نہ گیا ہو۔ تصریہ سے اصل مراد پانی روکنا ہے۔ اسی سے صریت الماء ہے یعنی میں نے پانی روک لیا۔

٩٨۔ حَدَّثَنَا ابْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ، عَنِ الْاَعْرَجِ: قَالَ اَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: لَا تُصَرُّوا الْاِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ اَنْ يَحْتَلِبَهَا: إِنْ شَاءَ اَمْسَكَ، وَ إِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَ صَاعَ تَمْرٍ.

وَ يُذْكَرُ عَنْ اَبِي صَالِحٍ وَ مُجَاهِدٍ وَالْوَلِيدِ بْنِ رَبَاحٍ وَ مُوسَى بْنِ يَسَارٍ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: صَاعَ تَمْرٍ وَ قَالَ بَعْضُهُمْ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ: صَاعًا مِنْ طَعَامٍ، وَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثًا. وَ قَالَ بَعْضُهُمْ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ: صَاعًا مِنْ تَمْرٍ. وَلَمْ يَذْكُرْ ثَلَاثًا. وَالتَّمْرُ اَكْثَرُ.

﴿ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنے اونٹوں اور بکریوں کا دودھ تھن میں نہ روک رکھو۔ جس نے ایسا جانور دودھ روکنے کے بعد خریدا تو اس کو دو معاملوں میں سے ایک کا اختیار ہے۔ چاہے تو اس کو روک رکھے، چاہے تو اس کو واپس کر دے اور ایک صاع کھجور دودھ کے عوض دے۔ ابو صالح، مجاہد، ولید بن رباح اور موسیٰ بن یسار نے ابو ہریرہؓ سے اور انہوں نے نبی ﷺ سے ایک صاع کھجور نقل کیا ہے۔ اور بعضوں نے ابن سیرین سے ایک صاع اناج نقل کیا ہے اور کہا کہ خریدار کو تین دن تک اختیار رہوگا۔ اور بعضوں نے ابن سیرین سے ایک صاع کھجور نقل کیا ہے اور تین دن تک کا اختیار رہونے کا ذکر نہیں کیا۔ ایک صاع کھجور اکثر لوگوں نے نقل کیا ہے۔ ﴾

وضاحت:

جو بیوپاری دودھ دینے والے جانور منڈی میں لے جاتے ہیں تو کچھ وقت کے لیے ان کا دودھ نہیں دوہتے تاکہ تھن بھرے بھرے نظر آئیں اور خریدار یہ سمجھے کہ اس جانور کے دودھ کی مقدار اچھی ہے۔ خریدار جب جانور کو اپنے ہاں لے جاتا ہے تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا اور ایک مرتبہ دودھ دوہ لینے کے بعد دودھ کی مقدار بہت کم تھی۔ نبی ﷺ نے بیوپاریوں کی اس حرکت کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا کہ اگر کسی شخص نے جانور خریدا اور اسے گھر لے آیا، پھر دودھ دوہنے کے بعد سودے پر مطمئن رہا تو وہ اس کو رکھ سکتا ہے اور اگر سمجھے کہ اس کے ساتھ فریب کیا گیا ہے تو وہ اس کو واپس کر دے گا اور ایک صاع کھجور دودھ کے بدلے میں دے گا۔ بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ایک صاع کھجور ہی کیوں، کوئی اور غلہ بھی دے سکتا ہے تو یہ حالات پر مبنی ہے، اور یہ بات درست ہے۔ ہمارے ہاں ایک صاع کھجور دینا آسان نہیں۔ اپنے دیار کا جو غلہ ہوگا وہ دیں گے۔ ویسے احناف اس کے بھی قائل نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں دینا چاہیے اس لیے کہ خریدار کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے تو وہ کیوں دے۔ میرے نزدیک بھی یہ حکم شرعی اس معنی میں نہیں ہے جو واجب التعمیل ہوتا ہے بلکہ ایک اخلاقی بات ہے۔ اخلاق کی تربیت کے لیے یہ حکم دیا گیا ہے۔ اس میں وزن کا لفظ (صاع) اور شئے کا لفظ (تمر) سب اتفاقی ہے۔

ابن سیرین سے جو روایت ہے اس میں تین دن کے اندر فیصلہ کرنے کی شرط غور طلب ہے۔ روایت میں یہ لفظ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فقہاء کی رائے ہے۔ حدیث میں جب یہ لفظ نہیں ہے تو اس سے کچھ کم یا زیادہ وقت بھی ہو سکتا ہے جس میں خریدار کی تسلی ہو جائے اور وہ کوئی فیصلہ کر سکے۔

باب میں امام صاحب نے گائے اور ہر جانور کا ذکر کر دیا ہے۔ یہ صحیح ہے۔ ہمارے ہاں بھینس پائی جاتی ہے تو اس کے سودے میں بھی مصراۃ کا لحاظ ہوگا اور خریدار کو شریعت یہ اجازت دیتی ہے کہ وہ دو چار وقت دودھ دوہ کر دیکھ لے کہ بھینس کتنا دودھ دیتی ہے۔

۹۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَنِ اشْتَرَى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ، وَ نَهَى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنْ تُلَقَّى الْبُيُوعُ.

﴿عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا جس نے کسی ایسی بکری کو خریدا جس کا دودھ روکا گیا تھا تو اس کو لوٹا دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی دے۔ اور نبی ﷺ نے اس بات سے روکا ہے کہ بستی سے آگے بڑھ کر مال لانے والوں سے معاملہ کیا جائے۔﴾

وضاحت:

اگر خریدار کو بعد میں اندازہ ہو جائے کہ بکری کے تھن میں دودھ روکا گیا تھا اور وہ اتنا دودھ دینے والی نہیں جتنا کہ ظاہراً لگ رہا تھا تو وہ بکری لوٹا سکتا ہے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور بھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کھجور موقع کے لحاظ سے ہے اور اتفاقی ہے۔ آپ وہ غلہ جو آپ کے ہاں عام ہے لوٹا سکتے ہیں۔ گویا یہ مقدار اس دودھ کی قیمت ہو گی جو دوہا گیا۔

مال لانے والوں سے آگے بڑھ کر معاملہ کرنے سے جو روکا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مال کو مارکیٹ میں لانے دیا جائے تاکہ آنے والوں کو بھاؤ کا پتہ چلے اور مختلف خریدار انہیں پیش کش کر کے بیچنے والے کو موقع فراہم کریں تاکہ مارکیٹ کے بھاؤ پر اسے مناسب دام ملیں۔ یہ نہ ہو کہ کوئی بستی سے آگے بڑھ کر اس سے کم داموں سودا کر کے دھوکا دے دے۔ اس طرح آگے بڑھ کر سودا کرنے سے مارکیٹ کو بھی نقصان ہو سکتا ہے، شہریوں کو بھی اور خود بیچنے والے کو بھی۔ اس لیے اس سے روکا ہے۔

۱۰۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ، وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَلَا تُصَرُّوا الْغَنَمَ، وَمَنِ ابْتَاعَهَا فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْتَلِبَهَا: إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا، وَ إِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آگے بڑھ کر تجارتی قافلوں سے معاملہ کرنے کی کوشش نہ کرو، اور تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر اپنی بیع نہ کرے، اور بولی دے کر قیمتیں بڑھانے کی کوشش نہ کرو اور کوئی شہری باہر سے آنے والے دیہاتی کے لیے دلال نہ بنے اور بکریوں کا دودھ تھن میں جمع کر کے مغالطہ نہ دو۔ اور جس نے اس طرح کی کوئی بکری خریدی تو وہ دو باتوں میں سے ایک کا اختیار رکھتا ہے، اگر وہ مطمئن ہو تو اس کو رکھ لے اور اگر ناپسند ہو تو اس کو واپس کر دے اور اس کے ساتھ ایک صاع کھجور دے دے۔﴾

وضاحت:

حضرت ابو ہریرہؓ نے اس ایک روایت میں بہت سے احکام جمع کر دیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب احکام مختلف اوقات میں دیے گئے ہیں۔

لا تلقوا الرکبان. یعنی جب معلوم ہو کہ کوئی تجارتی قافلہ آ رہا ہے تو آگے بڑھ کر اس سے معاملہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ پچھلی روایت میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

ولا یبیع بعضکم علی بیع بعض. مطلب یہ ہے کہ جب سنیں کہ فلاں اور فلاں کے درمیان کسی چیز کی خرید و فروخت پر گفتگو ہو رہی ہے اور آپ بیچ میں پڑ کر اپنی پیشکش کر دیں تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ انتظار کرنا چاہیے کہ وہ دونوں معاملہ ختم کر لیں اور اگر ان کے درمیان معاملہ طے نہیں ہوا تو پھر آپ اپنی پیشکش کریں۔

ولا تناجشوا. یعنی قیمتیں بڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ بعض اوقات ایک بائع اور ایک خریدار کے مابین سودا طے پا رہا ہوتا ہے۔ خریدار مال کی قیمت کی بولی لگاتا ہے۔ آپ کی کوئی چیز خریدنے کی نیت نہیں ہوتی لیکن آپ یہ کرتے ہیں کہ اس مال کی زیادہ بولی لگا دیتے ہیں۔ آپ کی زیادہ بولی دیکھ کر حقیقی خریدار زیادہ قیمت پر معاملہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قیمت بڑھانے کے لیے اس طرح بولی لگانا نجش کہلاتا ہے۔ یہ عوام کے لیے ضرر کا باعث ہوتا ہے۔ اس طرح نجش کرنے والا تو بائع کو زیادہ قیمت دلوا کر اپنا کمیشن کھرا کرے گا یا مارکیٹ میں مصنوعی طور پر قیمتیں بڑھانے کے لیے بھی یہ حربہ استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بھی کاروبار میں فریب دہی کی ایک کوشش ہے۔

لا یبیع حاضر لباد. کوئی شہری کسی دیہاتی کا دلال نہ بنے۔ یہ فتنہ ہمارے ہاں بھی پایا جاتا ہے کہ دیہاتی جو مال منڈی میں لاتے ہیں خود ان کو فروخت نہیں کرنے دیا جاتا بلکہ آڑھتی ان سے مال لے لیتے ہیں اور پھر اپنی من مانی قیمتیں لگا کر خود بیچتے ہیں۔ اس طرح دیہاتی اپنے مال کا پورا عوض حاصل نہیں کر پاتے لیکن دلال مفت میں غیر معمولی منافع حاصل کر لیتے ہیں۔ شہروں میں قربانی کے جانوروں کی آمد کے ساتھ ہی دلال متحرک ہو جاتے ہیں اور مال لانے والوں کو اس کے صحیح فائدہ سے متمتع نہیں ہونے دیتے۔ اسلام ہر معاملہ میں عدل و انصاف چاہتا ہے۔ لہٰذا مارکیٹ میں قیمتوں کے تعین کی ہر مصنوعی کوشش کو، بالخصوص جس میں ضرر اور غرر (ایک پارٹی کا نقصان اور دھوکا) پایا جائے، ممنوع قرار دیتا ہے۔

لا تصروا الغنم. جانوروں کی بیع میں فریب کی اس شکل کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے کہ بائع ایک دو دن دودھ نہیں نکالتا تاکہ جانور کے تھن بھرے ہوئے نظر آئیں اور خریدار دودھ کی مقدار کے بارے میں دھوکا کھا جائے۔ اس بارے میں تعلیم دی کہ اس طرح کا فریب خوردہ شخص جانور لوٹانے کا حق رکھتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اس دودھ کی قیمت ادا کر دے گا جو اس نے نکالا۔

۱۰۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو: حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ: اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: اَخْبَرَنِي زِيَادٌ": اَنَّ ثَابِتًا مَوْلَى عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ اَخْبَرَهُ: اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ

رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : مَنِ اشْتَرٰى غَنَمًا مُصَرَّاةً فَاحْتَلَبَهَا، فَاِنْ رَضِيَهَا اَمْسَكَهَا، وَاِنْ سَخِطَهَا فَفِى حَلْبَتِهَا صَاعٌ" مِنْ تَمْرٍ.

﴿ابوہریرہؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی ایسی بکری خریدے جس کے تھن میں دودھ اکٹھا کیا گیا ہو، پھر اس کا دودھ دوہے، تو اس کو اختیار ہے کہ اگر اس سے مطمئن ہو تو اس کو رکھ لے اور اگر ناپسند کرتا ہو تو لوٹا دے، دودھ کا بدل ایک صاع کھجور دے دے۔﴾

وضاحت:

یہ وہی روایت ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

۶۵۔ باب: بَيْعِ الْعَبْدِ الزَّانِى

و قال شريح ان شاء رد من الزنا

باب: زانی غلام کی فروخت

اور شریح نے کہا خریدار اگر چاہے تو زنا کے سبب سے غلام کو لوٹا سکتا ہے

۱۰۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ: حَدَّثَنِى سَعِيدٌ" الْمَقْبُرِىُّ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: قَالَ النَّبِىُّ ﷺ : اِذَا زَنَتِ الْاَمَةُ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ، ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا وَلَا يُثَرِّبْ، ثُمَّ اِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعَرٍ.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اگر کوئی لونڈی زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اس کو کوڑے لگوائے جائیں اور اس پر لعن طعن نہ کی جائے۔ اور اگر زنا کی پھر مرتکب ہو تو پھر کوڑے مارے جائیں اور اسے نہ جھڑکا جائے۔ اگر پھر وہ تیسری بار کرے تو اس کو بیچ ڈالے، چاہے بالوں کی ایک رسی کے بدل ہی کیوں نہ ہو۔﴾

وضاحت:

میرا خیال یہ ہے کہ اب غلامی کے یہ مسائل ہماری دلچسپی کے نہیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غلامی کے مسئلے

سے اب آپ سبکدوش ہیں۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ اب اس کی حکمت پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ لونڈیوں اور غلاموں کو ان کے پست اخلاقی معیار کے لحاظ سے وہ سزا تو نہیں دی جاتی تھی جو ایک حر کو دی جاتی ہے اس لیے کہ ان کے اخلاقی تحفظ کا وہ سامان بھی نہیں تھا جو ایک حر کو حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے دوبارہ سہ بارہ جرم کی صورت میں لونڈیوں کے ساتھ یہ رعایت تھی کہ ان کو کوڑوں ہی کی سزا دی جائے گی اور اگر پھر بھی اس حرکت سے باز نہ آئیں تو ان کو بیچ دیا جائے گا۔

١٠٣۔ حَدَّثَنَا إِسْمٰعِيلُ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَ زَيْدِ ابْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الْأَمَةِ إِذَا زَنَتْ وَ لَمْ تُحْصَنْ؟ قَالَ: إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَبِيعُوهَا وَلَوْ بِضَفِيرٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: لَا أَدْرِي، بَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ.

﴿ابو ہریرہؓ اور زید بن خالد دونوں سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر لونڈی محصنہ (بیاہی ہوئی) نہ ہو اور وہ زنا کرے تو کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو کوڑے مارو۔ اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو اور اگر پھر کرے تو اس کو بیچ ڈالو، چاہے ایک رسی کے عوض سہی۔ ابن شہاب نے کہا مجھے یاد نہیں کہ تیسری بار کے بعد بیچنے کا کہا یا چوتھی بار کے بعد۔﴾

وضاحت:

یہ بات یاد رکھیے کہ اس میں یہ جو آتا ہے کہ اس کو کوڑے لگائے جائیں تو میرے نزدیک کوڑے لگانے کا کام بہرحال حکومت کی نگرانی میں ہو سکتا ہے۔ دوسری روایات پر غور کرنے سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عام اشخاص یہ کام نہیں کر سکتے۔ قانون کا نفاذ بہرحال اتھارٹی کرے گی۔ غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں فقہ کی کتابوں میں جس طرح کا اختیار بیان کیا گیا ہے یہ سب بعد کا ذخیرہ ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ یہ فقہاء کی ذہانت ہے، اس لیے کہ اس میں بہت کچھ ان کلیات کے منافی ہے جو قرآن اور حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔

٦٦۔ باب: اَلْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ مَعَ النِّسَاءِ

باب: عورتوں سے خرید و فروخت کرنا

١٠٤۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: قَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: قَالَتْ

عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنھَا: دَخَلَ عَلَیَّ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ فَذَکَرْتُ لَہُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: اشْتَرِی وَ اَعْتِقِی، فَاِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ اَعْتَقَ. ثُمَّ قَامَ النَّبِیُّ ﷺ مِنَ الْعَشِیِّ فَاَثْنٰی عَلَی اللّٰہِ بِمَا ھُوَ اَھْلُہُ، ثُمَّ قَالَ: مَا بَالُ اُنَاسٍ یَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَیْسَ فِی کِتَابِ اللّٰہِ، مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَیْسَ فِی کِتَابِ اللّٰہِ، فَھُوَ بَاطِلٌ"، وَ اِنِ اشْتَرَطَ مِائَۃَ شَرْطٍ، شَرْطُ اللّٰہِ اَحَقُّ وَ اَوْثَقُ.

﴿سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم خرید لو اور آزاد کر دو۔ ولاء اس کے لیے ہے جو آزاد کرتا ہے۔ پھر نبی ﷺ سہ پہر میں اٹھے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق ثنا کی، پھر فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، وہ ایسی شرطیں عاید کرتے ہیں جن کا کتاب اللہ میں کوئی نشان نہیں ہے۔ تو جس نے بھی کوئی شرط ایسی عاید کی جو کتاب اللہ میں نہیں تو وہ باطل ہے، اگرچہ وہ سو شرطیں عاید کر لے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی شرط سب سے زیادہ مبنی برحق اور مضبوط ہے۔﴾

وضاحت:

راوی نے روایت کرنے میں اس واقعہ کے بہت ضروری حصے چھوڑ دیے ہیں جس کی وجہ سے اس میں ابہام پیدا ہو گیا ہے اور ایک عام آدمی اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے ذکر کیا۔ یہاں اس کی وضاحت نہیں ہے کہ کس امر کا ذکر کیا۔ وہ ذکر اس بات کا تھا کہ سیدہ عائشہؓ کو ایک لونڈی بریرہ بہت پسند تھی۔ ان کی خواہش ہوئی کہ اس کو اس کے مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیں۔ جب انہوں نے بریرہ کے مالکوں سے اس کے بارے میں گفت و شنید کی تو معلوم ہوا کہ وہ لونڈی کو بیچنے کے لیے تو تیار ہیں لیکن چاہتے یہ ہیں کہ جب یہ آزاد ہو جائے تو اس کا ولاء انہی کو حاصل ہو۔ حضرت عائشہؓ نے یہ مسئلہ نبی ﷺ کے سامنے رکھا۔

عربوں کے ہاں ولاء کی بڑی اہمیت تھی۔ قبائلی زندگی تھی۔ بہت سے مسائل جو افراد قبیلہ پیدا کر دیتے قبیلہ ان کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ اگر دیت دینی پڑتی یا کوئی تاوان ادا کرنا پڑ جاتا تو پورا قبیلہ اس ذمہ داری کو اپنے سر لے لیتا۔ غلاموں کے معاملہ میں یہ ہوتا کہ جب تک غلام کسی فرد یا قبیلہ کے ساتھ بندھا ہوا ہوتا تو مالک اس کا ذمہ دار ہوتا۔ لیکن اگر کسی غلام کو آزاد کر دیا جاتا اور اس کا نہ اپنا خاندان ہوتا نہ اقربا اور برادری، تو اس کو معاشرہ میں کھپانے کے لیے ناگزیر ہوتا کہ اس کو کسی خاندان کا فرد مانا جائے تاکہ اگر وہ کوئی جرم کرے تو وہ خاندان اس کی ذمہ داری میں شریک ہو۔ اسلام نے جب غلاموں کی آزادی کی راہ کھولی تو یہ اصول دیا کہ جو کسی غلام کو آزاد کرے گا اس کا ولاء اس کے

پاس ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ غلام اگر کوئی وراثت چھوڑے گا تو وہ آزاد کرنے والے کی ہوگی اور ذمہ داری میں بھی آزاد کرنے والا شریک ہوگا۔

بریرۂ کے پاس کچھ مال تھا۔ اس لیے مالکوں نے چاہا کہ اس کا ولاء انہیں حاصل رہے تا کہ یہ دولت کہیں اور نہ جانے پائے۔ حضرت عائشہؓ کے سوال پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم بریرہ کو خرید لو اور آزاد کر دو۔ ولاء اس کے لیے ہوتا ہے جو آزاد کرتا ہے۔ پھر آپ نے مسجد نبوی میں خطبہ دیا اور فرمایا کہ کوئی شرط اللہ کی کتاب کے خلاف نہیں عائد کی جا سکتی۔ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ کتاب اللہ کی شرائط کے علاوہ اپنی طرف سے شرطیں عائد کر کے معاملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی ہر شرط باطل ہے۔

اللہ کی کتاب کا لفظ ایک جامع لفظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز دین کے منشاء کے مطابق ہے، اقتضائے سنت ہے، نص کتاب سے ثابت ہے تو یہ سب کتاب اللہ ہے۔ اگر قرآن میں نہیں لیکن قرآن کے تقاضوں کے مطابق ہے اور کسی حدیث میں ہے تو یہ سب کتاب اللہ کے مطابق ہی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں تو پانچ وقت کی نمازوں کا تفصیل سے ذکر بھی نہیں ہے۔ یہ تفصیل سنت سے ثابت ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اسی معنی میں فرمایا کہ جو شرط شریعت کے خلاف ہے وہ شرط نہیں مانی جائے گی۔ آپ نے اس کو باطل ٹھہراتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ہی کی شرط مضبوط بھی ہے اور اسی کو اولیت دی جائے گی۔

١٠٥۔ حَدَّثَنَا حَسَّانُ بْنُ اَبِي عَبَّادٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، قَالَ: سَمِعْتُ نَافِعًا يُحَدِّثُ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا سَاوَمَتْ بَرِيْرَةَ، فَخَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ، فَلَمَّا جَاءَ قَالَتْ: اِنَّهُمْ اَبَوْا اَنْ يَبِيْعُوْهَا اِلَّا اَنْ يَشْتَرِطُوا الْوَلَاءَ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ. قُلْتُ لِنَافِعٍ: حُرًّا كَانَ زَوْجُهَا اَوْ عَبْدًا؟. فَقَالَ: مَا يُدْرِيْنِي.

﴿ نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے بریرہ کے مالکوں سے اس کا مول طے کرنا چاہا تو آنحضرت ﷺ نماز کے لیے نکل گئے۔ جب آپ لوٹ کر آئے تو حضرت عائشہؓ نے کہا کہ بریرہ کے مالکوں نے اس کو بیچنے سے انکار کر دیا ہے الا یہ کہ ان کی یہ شرط مانی جائے کہ ولاء ان کا ہوگا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ولاء اس کا ہوتا ہے جو آزاد کرے۔ ہمام کہتے ہیں کہ میں نے نافع سے پوچھا: بریرہ کا خاوند آزاد تھا یا غلام، انہوں نے کہا میں نہیں جانتا۔ ﴾

وضاحت:

تنہا یہ روایت بھی بڑی مبہم ہے اگرچہ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو راوی حضرات نہایت بے احتیاطی سے روایت کرتے ہیں اور واقعہ کی صحیح تصویر سامنے نہیں لاتے یا یہ کتاب نقل کرنے والوں کے کرشمے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بریرہؓ کی قیمت کی بات ہو رہی تھی کہ نماز کا وقت آ گیا اور نبی ﷺ نماز کے لیے نکل گئے۔ جب آپ لوٹ کر آئے تو حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ بریرہ کے مالک بضد ہیں کہ ولاء ان کا ہوگا تب وہ بیچنے کے لیے راضی ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ آزاد کردہ غلام کا ولاء اس کا ہوتا ہے جو اس کو آزاد کرتا ہے۔

یہ بات کہ بریرہ کا شوہر آزاد تھا یا غلام، یہاں کوئی مقام نہیں رکھتی۔

٦٧. باب : هَلْ يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِغَيْرِ اَجْرٍ وَ هَلْ يُعِينُهُ اَوْ يَنْصَحُهُ.

وَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : اِذَا اسْتَنْصَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ. وَرَخَّصَ فِيهِ عَطَاءٌ"

باب: کیا بستی والا باہر والے کا مال بغیر اجرت لیے بیچ سکتا ہے اور کیا اس کی مدد اور اس کو نصیحت کر سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے بھائی سے صلاح خیر چاہے تو اس کو اچھی صلاح دے اور عطا نے اس میں رخصت دی ہے۔

اور اس مضمون کی وضاحت کی گئی تھی کہ شہری کسی دیہاتی کا مال تجارت دلال بن کر فروخت نہ کرے کیونکہ اس میں ضرر اور غرر کا اندیشہ ہے اور یہ چیزیں تجارت کو باطل کرنے والی ہیں۔ اب اس باب میں امام صاحب نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر کوئی آدمی دلال بن کر نہیں بلکہ ایک دیہاتی کو نقصان سے بچانے اور اس کی خیر خواہی کے لیے بلا معاوضہ اس کا مال بازار میں بیچتا ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا۔ اس سلسلہ میں امام صاحب نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے اور عطاء بن ابی رباح کا فتوی بھی بیان کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا اپنا رجحان اس طرف ہے کہ دلال بننے کی ممانعت اس صورت میں نہیں ہوگی جب خیر خواہی پیش نظر ہو اور آدمی ایک دیہاتی کو شہریوں کے فریب سے بچانا چاہتا ہو۔

تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ جب نبی ﷺ کے حکم کی مصلحت ذہن میں رکھی جائے اور ضرر و غرر سے کسی شخص کو بچانا مقصود ہو تو خیر خواہی کرتے ہوئے کسی کا مال صحیح قیمت پر فروخت کروا دینے میں قباحت کا کوئی سوال

نہیں۔ امام صاحب کا رجحان بھی صحیح ہے اور عطاء کا فتویٰ بھی۔

۱۰۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ قَيْسٍ: سَمِعْتُ جَرِيْرًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَ إِقَامِ الصَّلٰوةِ، وَ إِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ.

﴿قیس کہتے ہیں کہ میں نے جریر کو بیان کرتے سنا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے بیعت کی اس گواہی پر کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز کے اہتمام پر، زکوٰۃ دینے پر، سمع و طاعت پر اور ہر مسلمان کی خیر خواہی پر۔﴾

وضاحت:

اس حدیث میں جریرؓ کی بیعت کا ذکر ہے جو معلوم ہوتا ہے ان کے اسلام لانے کے وقت کی ہے کیونکہ اس میں اس شہادت کا بھی ذکر ہے جو اسلام قبول کرتے ہوئے دی جاتی ہے کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہیں مانتا اور محمد ﷺ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتا ہوں۔ اس بیعت میں نماز اور زکوٰۃ کے اہتمام کا عہد ہے جو اسلامی شریعت کا خلاصہ ہیں۔ اس کے بعد اس بات کا عہد ہے کہ میں ہر حکم غور سے سنوں گا اور اس کو مانوں گا۔ یہ عہد بھی ہر مسلمان کا نبی ﷺ کے ساتھ ہے کہ آپ دین کا جو حکم اور تقاضا بتائیں گے ہم اس پر پوری وفاداری کے ساتھ عمل کریں گے۔ بیعت کا آخری جزء ہر مسلمان کی خیر خواہی ہے۔ خواہ وہ مسلمان حاکم ہو یا محکوم، امیر ہو یا غریب، قرابتدار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان اپنے مفاد کے لیے دوسرے مسلمان کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

بیعت کے اس آخری جزو سے امام صاحب یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ خیر خواہی کے جذبہ کے تحت کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال بازار میں بیچ سکتا ہے۔

۱۰۷۔ حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيْهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ، وَلَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ. قَالَ: فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: مَا قَوْلُهُ: لَا يَبِيْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ. قَالَ: لَا يَكُونُ لَهُ سِمْسَارًا.

﴿عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تجارتی قافلوں سے آگے بڑھ کر نہ ملو اور کوئی مقیم کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ اس حکم کا مطلب

کیا ہے کہ کوئی مقیم کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ تو انہوں نے کہا کہ اس کا دلال نہ بنے۔ ﴾

وضاحت:

'سمسار' کسی معاملہ کو سنبھالنے والے اور اس کی نگرانی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یہیں سے یہ لفظ خرید و فروخت کے معاملہ کو طے کرانے والے کے لیے استعمال ہوا۔ گویا آڑھتی، دلال، پراپرٹی ڈیلر وغیرہ اس لفظ کے مفہوم میں شامل ہیں۔

حدیث کے اصل حکم کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔ اس زمانہ میں دلالی اور آڑھت ایک ایسا پیشہ بن گئی ہے جس کے ساتھ معاملہ کیے بغیر نہ کسان اپنی پیداوار بیچ سکتے ہیں اور نہ ملک بھر میں اس کو پھیلانا اور ہر جگہ مہیا کرنا ہی کسی کے لیے ممکن ہے۔ نبی ﷺ نے جن قباحتوں کی بنا پر دلالی سے روکا تھا وہ سب کی سب قباحتیں ہماری منڈیوں میں موجود ہیں۔ کسانوں کو ان کی محنت کی پوری قیمت نہیں ملتی۔ وہ ضرورت مند ہوتے ہیں۔ آڑھتی ان کو قرض کی سہولت فراہم کر کے پہلے سے ان کی پیداوار کے مالک بن جاتے ہیں۔ اونے پونے ان کا مال خریدتے اور خود اچھے داموں بیچتے ہیں۔ اس طرح دلال یا مڈل مین دونوں ہاتھوں سے منافع کماتا ہے اور اشیائے ضروریہ کی مہنگائی کا سبب بنتا ہے۔ نبی ﷺ کے حکم کے منشا کے مطابق اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کی ضرورت ہے اور یہی عوام الناس کی خیر خواہی کا تقاضا ہے۔

۶۸۔ باب: مَنْ كَرِهَ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ "لِبَادٍ بِأَجْرٍ

باب: جس نے اجرت لے کر مقیم کے کسی دیہاتی کے لیے مال بیچنے کو مکروہ جانا

۱۰۸۔ حَدَّثَنِي عَبْدُاللّٰهِ بْنُ صَبَّاحٍ: حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحَنَفِيُّ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ "لِبَادٍ. وَبِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ.

﴿ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ ایک مقیم کسی دیہات والے کا مال بیچے۔ ابن عباس کا فتویٰ اسی پر ہے۔ ﴾

وضاحت:

حدیث کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یہاں امام صاحب نے صرف ابن عباسؓ کی تائید نقل کی ہے۔

۶۹۔ باب: لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِالسَّمْسَرَةِ

وَ كَرِهَهُ ابْنُ سِيرِينَ وَ اِبْرَاهِيمُ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِي. وَ قَالَ اِبْرَاهِيمُ: اِنَّ الْعَرَبَ تَقُولُ: بِعْ لِي ثَوْبًا، وَهِيَ تَعْنِي الشِّرَاءَ.

باب: کوئی مقیم کسی دیہاتی کے لیے دلال بن کر خرید وفروخت نہ کرے

ابن سیرین اور ابراہیم نے اس کو بائع اور مشتری دونوں کے لیے مکروہ جانا ہے۔ ابراہیم نے کہا عرب جب کہتے ہیں بع لی ثوبا تو ان کی مراد خریداری سے ہوتی ہے۔

وضاحت:

بیع کا لفظ خرید اور فروخت دونوں کے لیے آتا ہے، کیونکہ بارٹر سسٹم کے تحت اشیاء کا تبادلہ ہوتا ہے۔ ایک شے خرید کی جاتی ہے تو دوسری شے اس کی قیمت قرار پاتی ہے۔ یہ گویا اس بات کی دلیل ہوئی کہ جب شہری کا دیہاتی کے لیے خرید وفروخت کرنا مکروہ ہے تو خریدار اور فروخت کنندہ دونوں برابر اس مکروہ کام کے ذمہ دار ہوں گے۔

۱۰۹۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ اِبْرَاهِيمَ قَالَ: اَخْبَرَنِي بْنُ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ: اَنَّهُ سَمِعَ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَبْتَاعُ الْمَرْءُ عَلَى بَيْعِ اَخِيهِ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

﴿ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کے مول پر مول نہ کرے اور نہ قیمتیں بڑھانے کی کوشش کرو اور نہ بستی والا باہر والے کے لیے خرید وفروخت کرے۔﴾

۱۱۰۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى: حَدَّثَنَا مُعَاذٌ: حَدَّثَنَا بْنُ عَوْنٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ: قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: نُهِينَا اَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

﴿انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم کو اس کی ممانعت ہوئی کہ بستی والا باہر والے کے لیے خرید وفروخت کرے۔﴾

وضاحت:

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

٧٠۔ باب: النَّهْيِ عَنْ تَلَقِّي الرُّكْبَانِ

وَ اَنَّ بَيْعَهٗ مَرْدُوْدٌ لِاَنَّ صَاحِبَهٗ عَاصٍ آثِمٌ اِذَا كَانَ بِهٖ عَالِمًا وَهُوَ خِدَاعٌ فِی الْبَيْعِ وَالْخِدَاعُ لَا يَجُوْزُ

باب: آگے جا کر تجارتی قافلوں سے ملنے کی ممانعت

اور ایسی بیع لوٹائی جائے گی کیونکہ ایسا کرنے والا نافرمان اور حق تلفی کرنے والا ہے جب کہ وہ جان بوجھ کر ایسا کرتا ہو۔ اور یہ بیع ایک فریب ہے اور فریب جائز نہیں۔

١١١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِی سَعِيْدٍ، عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَی النَّبِیُّ ﷺ عَنِ التَّلَقِّی، وَ اَنْ يَبِيْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ.

﴿ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قافلہ والوں سے آگے بڑھ کر ملنے سے اور بستی والے کو باہر والے کا مال بیچنے سے منع فرمایا۔﴾

١١٢۔ حَدَّثَنِی عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيْدِ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْاَعْلٰی: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: سَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: مَا مَعْنٰی قَوْلِهٖ: لَا يَبِيْعَنَّ حَاضِرٌ لِبَادٍ فَقَالَ: لَا يَكُنْ لَهٗ سِمْسَارًا.

﴿طاؤس کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا اس کا مطلب کیا ہے کہ بستی والا باہر والے کا مال نہ بیچے، انہوں نے کہا اس کا دلال نہ بنے۔﴾

١١٣۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنِی التَّيْمِیُّ، عَنْ اَبِی عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: مَنِ اشْتَرٰی مُحَفَّلَةً فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعًا، قَالَ: وَ نَهَی النَّبِیُّ ﷺ عَنْ تَلَقِّی الْبُيُوْعِ.

﴿عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو کوئی دودھ جمع کی ہوئی بکری خریدے وہ اس کو واپس کرے تو اس کے ساتھ ایک صاع دے دے اور آنحضرت ﷺ نے قافلہ والوں سے آگے بڑھ کر ملنے سے منع فرمایا۔﴾

۲۱۱۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ بَعْضٍ، وَلَا تَلَقَّوْا السِّلَعَ حَتَّى يُهْبَطَ بِهَا اِلَى السُّوقِ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی دوسرے کی بیع پر بیع نہ کرے اور آگے بڑھ کر اس مال تک نہ پہنچو جو باہر سے آ رہا ہو جب تک کہ وہ بازار میں نہ جا اتارا جائے۔﴾

وضاحت:

ان تمام روایات کا مضمون ایک جیسا ہے اور اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

یہ چیز نوٹ کرنے کی ہے کہ باب باندھتے ہوئے امام صاحب نے بیع کے لوٹانے کا جو فتویٰ دیا ہے، روایات میں وہ اس کے حق میں کوئی دلیل نہیں لا سکے۔ باطل طریقے سے اگر کوئی دو پارٹیاں باہم معاملہ کر لیتی ہیں تو قانون کی نظر میں وہ منعقد ہو جاتا ہے۔ البتہ ذرائع کے باطل ہونے کے باعث وہ معاملہ کرنے والے گناہگار ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر حکومت اس کے لیے قانون وضع کر کے نافذ کر دیتی ہے تو بائع اور مشتری دونوں مستوجب سزا ہوں گے۔ بھرے تھنوں والی بکری میں نقص ظاہر ہونے پر بھی اگر مشتری اس کو واپس نہ کرنا چاہے تو بیع منعقد ہو جائے گی اور بیچنے والا فریب دہی کا مرتکب ہونے کے باعث عنداللہ گنہگار ہوگا۔

۷۱۔ باب: مُنْتَهَى التَّلَقِّي

باب: کتنی دور آگے جا کر تجارتی قافلہ سے ملنا جائز ہے

۲۱۱۵۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نَتَلَقَّى الرُّكْبَانَ، فَنَشْتَرِي مِنْهُمُ الطَّعَامَ، فَنَهَانَا النَّبِيُّ ﷺ اَنْ نَبِيعَهُ حَتَّى يُبْلَغَ بِهِ سُوقُ الطَّعَامِ.

قَالَ اَبُو عَبْدِاللّٰهِ هٰذَا فِي اَعْلَى السُّوقِ، يُبَيِّنُهُ حَدِيثُ عُبَيْدِاللّٰهِ

﴿عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ہم آگے جا کر تجارتی قافلے سے ملا کرتے اور ان سے غلہ خریدتے پھر آنحضرت ﷺ نے ہم کو غلہ اسی جگہ بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ اس کو غلہ منڈی میں نہ پہنچایا جائے۔

ابوعبداللہ (امام بخاری) کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ کا یہ ملنا بازار کے بالائی حصہ میں ہوتا۔

عبیداللہ کی حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔﴾

١١٦۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانُوا يَبْتَاعُونَ الطَّعَامَ فِي أَعْلَى السُّوقِ، فَيَبِيعُونَهُ فِي مَكَانِهِمْ، فَنَهَاهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَبِيعُوهُ فِي مَكَانِهِ حَتَّى يَنْقُلُوهُ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ لوگ بازار کے بالائی حصہ میں غلہ خریدتے اور پھر اس کو وہیں بیچ ڈالتے۔ تب آنحضرت ﷺ نے ان کو منع کیا کہ غلہ وہاں نہ بیچیں جب تک کہ اس کو وہاں سے منتقل نہ کر لیں۔﴾

وضاحت:

معلوم ہوتا ہے کہ بیرون سے غلہ لانے والے جونہی بازار میں داخل ہوتے تو خریدار ٹوٹ پڑتے اور وہیں سودے طے پا جاتے۔ اس زمانہ میں نقل و حمل کی مشکلات کے باعث ضروریات زندگی کی فراہمی کبھی بہت مشکل ہو جاتی تھی۔ جب کوئی قافلہ آتا تو لوگ فوراً اس کو جا لیتے تا کہ مال ختم نہ ہو جائے۔ اس روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ شہر سے نکل کر غلہ خریدتے ہوں۔ بازار کا بالائی حصہ بھی بہر حال شہر کے اندر تھا۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کی جو ممانعت نقل ہوئی ہے وہ دوسرے مسئلہ میں ہے۔ یعنی یہ کہ جہاں سودا طے پایا ہو وہاں سے جب تک مال دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے تو اس کا دوسری جگہ سودا کرنا جائز نہیں ہوتا۔ اس کے بارے میں احادیث پیچھے گزر چکی ہیں۔

٧٢. بَابٌ: إِذَا اشْتَرَطَ شُرُوطًا فِي الْبَيْعِ لَا تَحِلُّ

باب: بیع میں ایسی شرطیں رکھنا جو جائز نہ ہوں

١١٧۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْنِي بَرِيرَةُ فَقَالَتْ: كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلَى تِسْعِ أَوَاقٍ، فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ، فَأَعِينِينِي، فَقُلْتُ: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ، وَيَكُونَ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ. فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلَى أَهْلِهَا فَقَالَتْ لَهُمْ فَأَبَوْا عَلَيْهَا، فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِهِمْ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ جَالِسٌ، فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ ذَالِكَ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ، فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ، فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: خُذِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ،

فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ. فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي النَّاسِ، فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ، مَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللَّهِ، مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ"، وَ إِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللَّهِ أَحَقُّ، وَ شَرْطُ اللَّهِ أَوْثَقُ، وَ إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ.

﴿حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بریرہ میرے پاس آئی اور کہا کہ میں نے اپنے مالکوں سے نو اوقیے چاندی پر مکاتبت کی ہے، ہر سال میں ایک اوقیہ دینا ہوگا تو میری کچھ مدد فرمایئے۔ میں نے کہا کہ اگر تیرے مالک مانتے ہیں تو میں ان کو یکمشت سب دے دیتی ہوں اور تیرا ولاء مجھے حاصل ہوگا۔ بریرہ اپنے مالکوں کے پاس گئی۔ ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے انکار کیا۔ پھر وہ لوٹ کر آئی تو آنحضرت ﷺ حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نے ان کو پیشکش بتائی لیکن وہ نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ ولاء تو ہمارے پاس رہے گا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن لیا تو حضرت عائشہؓ نے آپ کو معاملہ کی خبر کردی۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو بریرہ کو خرید لے اور ان کی ولاء کی شرط مان لے کیونکہ ولاء تو اسی کے لیے ہے جو آزاد کرے گا۔ حضرت عائشہؓ نے ایسا ہی کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ خطبہ کے لیے لوگوں میں کھڑے ہوئے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی جیسے چاہیے حمد وثنا کی، پھر اس کے بعد فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جن کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ جو شرط اللہ نے جائز نہیں رکھی وہ باطل اور لغو ہے، اگرچہ کوئی سو بار وہ شرط لگائے۔ اللہ کا حکم سب پر مقدم ہے اور اللہ کی شرط ہی سب سے مضبوط ہے۔ ولاء اس کا ہے جو آزاد کرے۔﴾

وضاحت:

'مکاتبت' غلامی سے آزاد ہونے کی وہ شکل ہے جس میں غلام اپنے مالک سے یہ معاہدہ کر لیتا تھا کہ وہ مقرر کردہ رقم ادا کرنے کے بعد آزاد کر دیا جائے گا۔ قرآن مجید میں مکاتبت کا باقاعدہ حکم آیا ہے کہ باصلاحیت غلام اگر ایسا معاہدہ کرنا چاہیں تو مالک لازماً ان کو یہ سہولت دیں گے۔ بریرہ کی قیمت نو اوقیہ چاندی مقرر ہوئی اور سالانہ ایک اوقیہ انہیں ادا کرنا تھا۔

یہ وہی روایت ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ یہاں کچھ مزید تفصیلات ہیں۔ مثلاً بریرہ کی قیمت اور حضرت عائشہؓ کی یہ پیشکش کہ وہ تمام رقم یک مشت ادا کرنے کو تیار ہیں۔

اس روایت میں نبی ﷺ کی طرف جو یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ بریرہ کو خرید لے اور ان کی ولاء کی شرط مان لے، تو اس پر بحث پیدا ہوگئی ہے۔ بعض لوگوں نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ ہم اس کو نہیں مانتے کیونکہ یہ تو فریب دے کر کام نکالنا ہوا اور آنحضرتؐ دھوکا کرنے کی تعلیم کیسے دے سکتے ہیں؟ ظاہری طور پر یہ حیلہ جوئی کی نوعیت کی بات ہے۔ میرے خیال میں راوی نے روایت کے مضمون میں اپنی سوچ شامل کر دی ہے جس سے یہ بات بدنما ہوگئی ہے۔ روایت بالمعنی میں یہ قباحت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگلی روایت میں یہ قباحت دور ہوگئی ہے۔

۱۱۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ یُوسُفَ: اَخْبَرَنَا مَالِکٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ عَائِشَةَ اُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ: اَرَادَتْ اَنْ تَشْتَرِیَ جَارِیَةً فَتُعْتِقَهَا، فَقَالَ اَهْلُهَا: نَبِیْعُکِهَا عَلٰی اَنَّ وَلَاءَ هَا لَنَا، فَذَکَرَتْ ذَالِکَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَالَ: لَا یَمْنَعُکِ ذٰلِکَ، فَاِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ اَعْتَقَ.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک لونڈی (بریرہ) خرید کر آزاد کرنا چاہی۔ اس کے مالکوں نے کہا کہ ہم آپ کے پاس اس شرط پر بیچتے ہیں کہ اس کا ولاء ہمارے پاس ہو گا۔ حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر آنحضرت ﷺ سے کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کی یہ بات تمہارے فیصلہ میں مانع نہ ہونی چاہیے، اس لیے کہ ولاء تو اس کو حاصل ہوتا ہے جو آزاد کرے۔﴾

وضاحت:

فی الحقیقت روایت اسی طرح ہونی چاہیے تھی جیسی یہاں ہے۔ میں اس کو درست مانتا ہوں اور اس سے مسئلہ حل ہوگیا ہے۔ آنحضرتؐ کے ان الفاظ سے کہ یہ چیز تمہارے لیے مانع نہ ہو، وہ قباحت پیدا نہیں ہوتی جو اوپر کی روایت میں پیدا ہوئی ہے۔ ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی اس بات کے باعث تم لونڈی آزاد کرنے کا ارادہ ترک نہ کر دینا۔ یہ بات تمہارے جذبۂ خیر میں آڑے نہ آئے۔ کیونکہ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ولاء کا حق آزاد کرنے والے کو حاصل ہوتا ہے۔

۷۳۔ باب: بَیْعِ التَّمْرِ بِالتَّمْرِ

باب: کھجور کو کھجور کے بدلے بیچنا

۱۱۹۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِیْدِ: حَدَّثَنَا اللَّیْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِکِ بْنِ اَوْسٍ: سَمِعَ

عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا اِلَّاهَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ رِبًا اِلَّاهَاءَ وَ هَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا اِلَّاهَاءَ وَ هَاءَ.

﴿حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا کہ گیہوں کو گیہوں کے بدلے بیچنا ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ۔ اور جَو کو جَو کے بدلے بیچنا ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ، اور کھجور کو کھجور کے بدلے بیچنا ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ۔﴾

وضاحت:

یہ حدیث پہلے آ چکی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ اور آمنے سامنے کے معاملہ میں مقدار میں کمی بیشی فریقین کی مرضی سے اور کوالٹی کے فرق کی بنا پر ہوگی۔ جنس میں انواع کی بناء پر فرق ہوتا ہے اور ہونا چاہیے۔ آج پنجاب میں نہ جانے بارہ قسمیں گندم کی چل رہی ہیں اور ان میں بہت فرق ہے۔ کھجور کے متعلق خود حدیث میں ہے کہ عجوہ سب سے اعلیٰ قسم ہے اور دوسری اس سے کم تر ہیں۔ تو نوع کی بنیاد پر فرق ہوگا اور تفاضل بھی جائز ہوگا، سود کا اس میں کوئی امکان نہیں ہے۔ البتہ ادھار کی صورت میں تبادلہ ایک غیر متعین چیز کے ساتھ ہونے کے باعث ربا کا امکان ہوتا ہے۔

یاد رکھیے کہ قرآن کے صحیح علم کے بغیر اور حدیث کی صحیح معرفت کے بغیر دین کا کوئی تصور صحیح نہیں ہو سکتا۔ زندگی کا سب سے بڑا نصب العین یہ ہے کہ دین کو سیکھا اور سکھایا جائے۔ سب سے بڑی تمنا یہ کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں کے زمرے میں بنا لے جن کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ بدا الاسلام غریبا و سیعود غریبا کما بدا فطوبیٰ للغرباء هم الذين يصلحون ما يفسد الناس یہی مقدم کام ہے۔ تمام عمل نقلی ہے جب تک کہ آپ کو علم کے اوپر اذعان نہ ہو۔ اذعان اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک آپ کو صحیح معرفت نہ ہو۔ صحیح معرفت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک آپ کے اندر حکمت نہ پیدا ہو۔ جب علم پر اذعان ہوگا تو اس کے مطابق عمل کو اگر آپ چھوڑنا بھی چاہیں گے تو نہیں چھوڑ سکتے۔ میری زندگی کا یہ نصب العین بہت پہلے سے رہا ہے لیکن میں دیکھتا تھا کہ سب رقص مستانہ میں لگے ہوئے ہیں۔ مدرسوں میں حدیث کا دورہ کرایا جاتا ہے لیکن اس سے حدیث کی مشکلات حل نہیں ہوتیں۔ حدیث کو سمجھنا ہے تو اس کے لیے چربی گھلانا ضروری ہے۔ لیکن یہ کام ہے نہایت مشکل۔ میری کوشش یہ ہے کہ علم حدیث کے صحیح راستے کھلیں۔ صحیح علم ہی سے صحیح عمل پیدا ہوگا۔

۷۴۔ باب : بَيْعِ الزَّبِيْبِ بِالزَّبِيْبِ وَالطَّعَامِ بِالطَّعَامِ

باب: منقے کو منقے کے بدل اور اناج کو اناج کے بدل بیچنا

۱۲۰۔ حَدَّثَنَا اِسْمٰعِيْلُ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ

عَنۡهُمَا: اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الۡمُزَابَنَةِ. وَالۡمُزَابَنَةُ: بَيۡعُ الثَّمَرِ بِالتَّمۡرِ كَيۡلًا، وَ بَيۡعُ الزَّبِيۡبِ بِالۡكَرۡمِ كَيۡلًا.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ سے روکا ہے۔ مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر کی کھجور کے بدل خشک کھجور ماپ کر بیچی جائے، اسی طرح بیل پر کے انگور کو منقے کے بدل بیچا جائے۔﴾

وضاحت:

مزابنہ کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بیع مجہول بالمعلوم ہے۔ درخت کا جو پھل ہے اس کے متعلق کوئی بات اطمینان کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ کھجور ابھی درخت پر ہے نیچے آئے تو اس کی کمیت و کیفیت کا پتہ چلے۔ اسی طریقہ سے منقے خشک ہے اور آپ اس کو تر و تازہ انگور کے بدلہ میں برابر لے رہے ہیں تو ان دونوں صورتوں میں علت ایک ہی ہے۔ جب تک پھل شاخ پر ہے کہا جائے گا کہ غیر معلوم ہے، مجہول ہے، تو بیع مجہول میں غرر یعنی دھوکا ہے اور یہ بیع جائز نہیں۔ لیکن اگر پھل توڑ کر نیچے رکھ دیا جائے اور ڈھیری لگا دی جائے تب کیا حکم ہے۔ شوافع اور مالکیہ کے نزدیک یہ بھی جائز نہیں ہے لیکن احناف اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب پھل توڑ لیا گیا اور ڈھیری لگا دی گئی تو اس کی مقدار کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ احناف کے بارے میں یہ ہے کہ وہ زندگی کو بہت تنگ نہیں کرنا چاہتے۔ اس وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بیع ٹھیک ہے۔ پھل اترنے کے بعد یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کس نسبت سے خشک ہوگا۔ تازہ توڑے ہوئے پھل میں کتنی تری ہوتی ہے، اس کے جاننے والے لوگ اندازہ کر کے بتا دیں گے کہ خشک ہو کر پھل اتنا رہ جائے گا۔ میرے نزدیک احناف کی رائے کامن سینس کے مطابق ہے اور اس میں حرمت کا کوئی پہلو میری سمجھ میں نہیں آتا۔

۱۲۱۔ حَدَّثَنَا اَبُوالنُّعۡمَانِ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بۡنُ زَيۡدٍ، عَنۡ اَيُّوۡبَ، عَنۡ نَافِعٍ، عَنِ ابۡنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمَا: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الۡمُزَابَنَةِ.

قَالَ: وَالۡمُزَابَنَةُ: اَنۡ يَبِيۡعَ الثَّمَرَ بِكَيۡلٍ: اِنۡ زَادَ فَلِيۡ وَ اِنۡ نَقَصَ فَعَلَيَّ.

قَالَ: وَ حَدَّثَنِيۡ زَيۡدُ بۡنُ ثَابِتٍ: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ فِي الۡعَرَايَا بِخَرۡصِهَا.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔ مزابنہ یہ ہے کہ درخت کا پھل خشک کھجور کے بدلے ناپ یا تول کر بیچا جائے، اس شرط کے ساتھ کہ پھل زیادہ ہوا تو میں لے لوں گا اور اگر کم ہوا تو میرے ذمہ ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ زید بن ثابتؓ نے مجھ سے روایت

کی کہ نبی ﷺ نے تخمینہ کے ذریعے عرایا کو بیچنے کی رخصت دی ہے۔ ﴾

وضاحت:

مزابنہ کی وضاحت اوپر کی روایت کے تحت ہو چکی ہے۔ اس روایت میں عبداللہ بن عمرؓ نے خود ہی اس کی شرح کردی ہے۔ زید بن ثابت کی روایت میں عرایا کا ذکر ہے تو یہ عرایا کیا چیز ہے۔ فرض کیجئے باغ آپ نے بیچ دیا، پھر خیال آیا کہ بچے تازہ پھل کھانا چاہیں گے تو اس کے لیے باغ کے چند درخت آپ نے مستثنیٰ کر دیے تو یہ عرایا ہیں۔ اب آپ یوں معاملہ کرتے ہیں کہ ان کے پھل کا تخمینہ کرلو، ان پر جتنا پھل ہوگا اس کے بدلے میں خشک پھل دے دوں گا۔ یہ تو بیع مجہول اس لیے کہ ایک طرف خشک معین پھل ہے، دوسری طرف تر مجہول، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی رخصت دی ہے۔ اس کی علت یہ ہے کہ یہ ضرورت کا ایک فطری تقاضا ہے۔ آپ کا اپنا باغ ہے اور آپ اس کا پھل کھانا چاہتے ہیں۔ البتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عرایا کے لیے پانچ وسق تک کی قید ہے۔ یعنی اس کو کاروبار کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ صرف اپنی ذاتی ضرورت کی حد تک اجازت ہے۔

۷۵. باب : بَيْعِ الشَّعِيرِ بِالشَّعِيرِ

باب: جَو کو جَو کے بدل بیچنا

۱۴۲۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسٍ اَخْبَرَهُ: اَنَّهُ الْتَمَسَ صَرْفًا بِمِائَةِ دِينَارٍ، فَدَعَانِي طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ، فَتَرَاوَضْنَا حَتّٰى اصْطَرَفَ مِنِّي، فَاَخَذَ الذَّهَبَ يُقَلِّبُهَا فِي يَدِهِ ثُمَّ قَالَ: حَتّٰى يَاْتِيَ خَازِنِي مِنَ الْغَابَةِ، وَ عُمَرُ يَسْمَعُ ذٰلِكَ، فَقَالَ: وَاللّٰهِ لَا تُفَارِقُهُ حَتّٰى تَاْخُذَ مِنْهُ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَهَاءَ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ رِبًا اِلَّا هَاءَ وَ هَاءَ.

﴿ مالک بن اوس کہتے ہیں کہ انہوں نے سو اشرفیاں بھنانا چاہیں (سو دینار کے بدلے درہم لینا چاہا) وہ کہتے ہیں کہ طلحہ بن عبیداللہ نے مجھ کو بلا لیا اور ہم دونوں نے معاملہ پر بات چیت کر کے اسے طے کرلیا اور طلحہ مجھ سے اشرفیاں ہاتھ میں لے کر الٹنے پلٹنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا کہ غابہ سے میرے خزانچی کو آنے دو۔ حضرت عمرؓ یہ باتیں سن رہے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ اللہ کی قسم، طلحہ سے جدا نہ ہونا جب

تک کہ اپنا بھان (Change) نہ لے لو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ سونے کا سونے سے مبادلہ ربا ہے مگر یہ کہ ہاتھوں ہاتھ ہو اور گندم کا گندم سے مبادلہ ربا ہے الا آنکہ ہاتھوں ہاتھ ہو اور جو کا جو سے مبادلہ ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ اور کھجور سے کھجور کا مبادلہ ربا ہے مگر ہاتھوں ہاتھ۔

وضاحت:

حضرت عمرؓ نے یہ جو فرمایا کہ لا تفارقه حتی تاخذ منه کہ تم ٹلو نہیں جب تک کہ بھان (Change) نہ لے لو تو یہ بات غور طلب ہے کہ کیوں نہ ٹلیں۔

اس کے معنی تو گویا یہ ہیں کہ میں آپ کو سو روپیہ کا نوٹ دوں کہ مجھے بھان دیجئے اور آپ نے کہا کل میں Change لیتا آؤں گا تو میں آپ کا گریبان پکڑ کر بیٹھ جاؤں کہ نہیں یہیں دو ورنہ یہ ربا ہو جائے گا۔ اس روایت کی رو سے تو یہ ہو جائے گا۔ فقہاء کہتے ہیں کہ نقود کے معاملہ میں تقابض فی المجلس ضروری ہے۔ مبادلہ نقد بہ نقد ہوگا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں بیع غائب بناجز کی ممانعت ہے۔ یعنی ایک طرف نقد ہے اور دوسری طرف غائب تو بیع نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ اس معاملہ میں فقہا حضرات کا یہ حال ہے کہ اگر معاملہ کرنے والا یہ کہے کہ میں چابی لاتا ہوں اور صندوق کھولتا ہوں تو وہ اس کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ اس طرح ایک مشکل صورت حال پیدا ہوگئی ہے۔

میرے نزدیک بیع غائب بناجز اس صورت میں ہو سکتی ہے جب علی الوصف ہوتا کہ مجہول نہ رہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا معاہدہ کر لیا جائے جس میں ساری تفصیلات طے کر دی گئی ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جو بات کہی ہے وہ سداً للذریعہ ہو سکتی ہے یعنی کسی برائی کو روکنے کے لیے۔ مثل ہے کہ موت کے پھندے میں ڈالو تاکہ کم از کم بخار کے لیے راضی ہو جائے۔ تو سد ذریعہ اسلام میں ایک اصول ہے لیکن اس کو زندگی تنگ کرنے کے لیے نہیں بنایا گیا ہے بلکہ برائی کو روکنے کے لیے بنایا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے دوسری جو بات کہی الذهب بالذهب ربا الا هاء و هاء ...... الخ تو اس کے معنی جو یہ سمجھے گئے ہیں کہ ان چیزوں کے اندر کسی تفاضل کی گنجائش نہیں ہے، مقدار میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہونا چاہیے، تو سوال یہ ہے کہ تجارت کوئی تفریح کی چیز تو نہیں ہے۔ آپ محض یہ تو نہیں چاہیں گے کہ میری ایک من گندم لے کر اپنی ایک من گندم دے دیں، ظاہر ہے کوئی مقصد ہوگا تب آپ تبادلہ کریں گے۔ اب یہ بات خلاف عقل ہے کہ جنس اگر ایک ہو تو بھاؤ بھی ایک ہی ہو۔ چاول کی کئی قسمیں ہیں۔ اری اور باسمتی میں بڑا فرق ہے۔ دونوں کے بھاؤ میں بڑا فرق ہے تو ان دونوں میں برابر کا برابر سے تبادلہ کون کرے گا۔ اس میں تفاضل ہوگا اور یہ عین عقل کے مطابق ہے۔ اسی طرح سونے کی بھی کئی قسمیں ہیں تو اگر سونے کی کوالٹی میں فرق ہے تو کون آپ سے برابر برابر لے گا یا دے گا۔ تفاضل ہوگا تب ہی تبادلہ ہوگا۔

دوسری طرف ایک اور مشکل پیدا ہوتی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت اسامہؓ سے ایک روایت بیان کرتے ہیں اور اس پر اتفاق اور اجماع ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لا ربا الا فی النسیئۃ ربا جو ہے وہ ادھار میں ہے۔ یعنی اگر ادھار معاملہ میں تفاضل ہوگا تو وہ ربا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں وہ تفاضل مدت کے بدلہ میں ہو گا۔ لیکن جہاں ادھار نہیں بلکہ اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے تو اگر تفاضل ہوگا تو صنف (Quality) کی بنیاد پر ہوگا۔

اس سلسلے میں خیبر والی روایت کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔ خیبر سے نبی ﷺ کے جو عامل آئے تو وہ کھجوریں لائے۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا تمہارے علاقہ کی ساری کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ یہ اچھی کھجور ہے۔ ہم اپنی کھجور دو یا تین صاع دیتے ہیں اور اس کے بدلے میں ایک صاع اچھی کھجور لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو، یوں کیا کرو کہ اپنی کھجور بیچ کر یہ کھجور خرید لیا کرو۔ فقہاء کہتے ہیں کہ اس طریقہ سے معاملہ کرنا چاہیے تاکہ بیع جائز ہو جائے۔ میرے نزدیک جب حضرت اسامہؓ والی روایت موجود ہے کہ لا ربا الا فی النسیہ تو پھر اس زحمت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت اسامہؓ کی روایت بعد کی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پہلی روایت منسوخ ہو جائے گی اور یہ روایت اس کی ناسخ ہوگی۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ خیبر والی روایت میں آنحضرت ﷺ نے گویا ایک مشورہ دیا۔ گو کہ پیغمبر کا مشورہ بڑی اہمیت رکھتا ہے اور شرعی بات ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کا ارشاد یہ تھا کہ یوں کر لیا کرو۔ اس سے اگر یہ گمان کر لیا جائے کہ ابتدا میں آنحضرت ﷺ نے مشورہ کے انداز میں یہ بات فرمائی اور بعد میں لا ربا الا فی النسیہ کہہ کر اس کو بالکل منظم کر دیا تو سارا معاملہ اطمینان بخش طریقہ سے حل ہو جاتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی رائے واپس لے لی تھی حالانکہ وہ تو حضرت اسامہؓ کی روایت بیان کر رہے تھے۔ وہ اس کو واپس کیسے لے سکتے تھے۔ خود حضرت ابن عباسؓ کا اپنا مذہب حضرت اسامہؓ کی روایت ہی پر مبنی ہے۔ اس کے بارے میں روایت آگے آ رہی ہے اور یہ مذہب بالکل ٹھیک ہے۔

امام صاحب کا یہ مذاق ہے کہ باب جَو کے بدلے جَو کی فروخت پر باندھا ہے حالانکہ اس باب کے تحت جو روایت لائے ہیں اس میں الشعیر بالشعیر کسی مسئلہ کی بنیاد نہیں بلکہ شمار کرانے کے لیے کئی چیزیں بیان ہوئی ہیں تو ان میں سب سے حقیر یہ شے ہے۔ اب اس پر شارحین نے جو نکات بیان کیے ہیں پڑھ کر مجھے دردِ سر ہو گیا اس لیے کہ روایت بڑی اہم ہے اور اس میں بڑے پیچ و خم ہیں۔ یہ لوگ ان کو پوری وقعت نہیں دیتے۔

۱۴۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ اَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا

عَلٰی بَعْضٍ، وَلَا تَبِیعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ.

﴿ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونا نہ بیچو سونے کے بدل مگر مثلاً بمثل، ذرا بھی اس میں کمی بیشی نہ کرو۔ اور چاندی نہ بیچو چاندی کے بدل مگر مثلاً بمثل۔ ذرا بھی اس میں کمی بیشی نہ کرو اور یہ بھی کہ غائب کی بیع حاضر کے ساتھ نہیں کر سکتے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں لا تبیعوا غائبا بناجز سے لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ ان اشیاء میں تقابض فی المجلس ضروری ہے۔ گویا دوسری چیزوں میں یہ شرط نہیں لیکن سونا چاندی کی بیع میں ہے۔ اس میں اگر اجازت دے دی جائے تو پھر مجہول کی بیع ہوتی ہے، موجود کی نہیں۔ اس وجہ سے یہ ناجائز ہے۔ اس کی بنیاد حضرت عمرؓ کا وہ قول ہے جو اوپر کی روایت میں آیا تھا کہ ٹلیو نہیں جب تک طلحہ رقم نہ دے دیں۔ دیکھا جائے تو مالک بن اوس وہاں سونے کا چاندی سے مبادلہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ دینار سونے کا سکہ تھا اور درہم چاندی کا۔ اس طرح اس روایت کا اس صورت حال پر اطلاق نہیں ہوتا۔

٧٦۔ باب: بَیْعِ الدِّیْنَارِ بِالدِّیْنَارِ نَسَاءً

باب: دینار کے بدلے دینار ادھار بیچنا

١٢٣۔ حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ : حَدَّثَنَا الضَّحَّاکُ بْنُ مَخْلَدٍ: حَدَّثَنَا ابْنُ جُرَیْجٍ قَالَ: اَخْبَرَنِی عَمْرُو بْنُ دِیْنَارٍ: اَنَّ اَبَا صَالِحٍ الزَّیَّاتَ اَخْبَرَهُ: اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا سَعِیْدٍ الْخُدْرِیَّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ یَقُولُ: اَلدِّیْنَارُ بِالدِّیْنَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ، فَقُلْتُ لَهُ: فَاِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَا یَقُولُهُ، فَقَالَ اَبُو سَعِیْدٍ: سَاَلْتُهُ، فَقُلْتُ: سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ، اَوْ وَجَدْتَهُ فِی کِتَابِ اللّٰهِ؟ قَالَ: کُلَّ ذٰلِکَ لَا اَقُولُ، وَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنِّی، وَلٰکِنَّنِی اَخْبَرَنِی اُسَامَةُ: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: لَا رِبًا اِلَّا فِی النَّسِیْئَةِ.

﴿ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید خدری سے سنا، وہ کہتے تھے کہ دینار کے بدلے دینار اور درہم کے بدلے درہم۔ میں نے ان سے کہا کہ ابن عباسؓ اس کے قائل نہیں ہیں۔ ابوسعید نے کہا کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ آپ نے یہ بات نبی ﷺ سے سنی یا اللہ کی کتاب میں پائی ہے۔ تو انہوں نے کہا

کہ اس میں سے کسی بات کا بھی میں مدعی نہیں ہوں اور آپ رسول اللہ ﷺ کی بات سے مجھ سے زیادہ باخبر ہیں۔ البتہ اسامہؓ نے مجھے خبر دی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ربا صرف ادھار میں ہوگا۔ ؎

وضاحت:

الدینار بالدینار و الدرھم بالدرھم، دینار کے بدلے دینار اور درہم کے بدلے درہم، یہ اوپر والی روایت کا مختصر حوالہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہاتھوں ہاتھ اور مثلاً بمثل، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہونی چاہیے۔ روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباسؓ اس کے قائل نہیں تھے۔ تو ابوسعید نے ان سے پوچھا کہ یہ بات آپ نے نبی ﷺ سے سنی ہے یا قرآن مجید میں پائی ہے۔ قرآن فہمی میں ابن عباسؓ کی جو شہرت تھی، حضرت ابوسعید خدریؓ کی بات سے اس کا اظہار ہو رہا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں اور جہاں تک آنحضرت ﷺ کا تعلق ہے تو آپ بزرگوں کو رسول اللہ ﷺ کے حالات کا زیادہ علم ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ دور رسالت مآب ﷺ میں حضرت ابن عباسؓ کم سن تھے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ اسامہؓ نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ربا صرف نسیہ (ادھار) کی شکل میں ہوگا۔

یہ ہے وہ معرکہ کی بات جس کا حوالہ میں نے پیچھے وضاحت حدیث میں دیا ہے۔ آگے آتا بھی ہے کہ ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے کہا تو انہوں نے اپنی رائے واپس لے لی لیکن رائے واپس لینے کا کیا امکان ہے جبکہ روایت کو سب مانتے ہیں کہ مضبوط اور متفق علیہ ہے۔ جب روایت موجود ہے اور مضبوط ہے تو ابن عباسؓ اپنی رائے واپس کیوں لیتے۔ ابوسعید خدریؓ اگر یہ کہتے ہیں تو کسی غلط فہمی کی بناء پر کہتے ہیں یا یہ کہ انہوں نے ابن عباسؓ کی بات سمجھی نہیں۔ چنانچہ آگے وہ روایت آئے گی تو میں بتا دوں گا کہ مظنہ اس بات کا ہے کہ ابوسعیدؓ نے ابن عباسؓ کی بات سمجھی نہیں۔

اس روایت کو زیر بحث آنا چاہیے تھا اور اس کی رو سے معاملات سب حل ہو سکتے ہیں۔ تفاضل ہوگا تو صفات کی بنیاد پر ہوگا، نوع کی بنیاد پر ہوگا اور وہ ہونا چاہیے۔ باقی ادھار کی شکل میں تفاضل ہوگا تو وہ ربا ہوگا۔ اور کسی شکل میں نہیں۔ اس روایت سے مسئلہ کی شکل بالکل بدل گئی ہے۔ اس باب میں یہ مشکل مقام ہے اور اس کے سمجھنے کے لیے میں نے بہت محنت کی ہے۔

٧٧۔ باب : بَيْعِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ نَسِيئَةً

باب: چاندی کی بیع سونے سے ادھار کی جائے تو کیا حکم ہے

١٢٥۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: أَخْبَرَنِي حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ:

سَمِعْتُ اَبَا الْمِنْهَالِ قَالَ: سَأَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ وَ زَيْدَ بْنَ اَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُم، عَنِ الصَّرْفِ، فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَقُولُ: هٰذَا خَيْرٌ" مِنِّي فَكِلَاهُمَا يَقُولُ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ دَيْنًا.

﴿ابوالمنہال کہتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب اور زید بن ارقم دونوں سے صرف کے بارے میں پوچھا کہ کیا حکم ہے۔ تو دونوں نے ایک دوسرے کے بارے میں یہ کہا کہ ان سے پوچھو، یہ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ آخر دونوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کو چاندی کے بدلے ادھار بیچنے سے منع فرمایا ہے۔﴾

وضاحت:

صرف، یعنی دینار کے بدلے درہم یا سونے کے بدلے چاندی کا مبادلہ، اس روایت کی رو سے نقد ہو سکتا ہے ادھار نہیں ہو سکتا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اس زمانے میں دینار اور درہم مسکوک تو ہوتے لیکن ان کی قدر و قیمت میں ان کے گھسنے کے باعث بڑا فرق واقع ہو جاتا۔ آمنے سامنے کے معاملہ میں تو ان کی کیفیت وکمیت جان کر یہ تعین ممکن ہوتا کہ ایک دینار کے بدلے میں درہم بارہ ہوں یا کم و بیش، لیکن ادھار میں یہ مبادلہ اختلاف کا سبب بن سکتا تھا۔ اس لیے ادھار معاملہ کو منع کر دیا گیا۔

اشیاء کی بیع یا مبادلہ کی ان تمام روایات پر ایک مجموعی نظر ڈالی جائے تو مسئلہ کی نوعیت حسب ذیل ہے:

۱۔ ایک ہی صنف کی اشیاء کا مبادلہ نقد انقد اور برابر مقدار میں ہو سکتا ہے۔ ادھار نہیں ہونا چاہیے ورنہ اس میں ربا کا مظنہ ہے۔

۲۔ اسامہؓ کی روایت لا ربا فی النسیة سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء کی مقدار میں تفاضل نقدا نقد سودے میں ہو تو اس میں حرج نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی بنیاد پر ہوگا۔ لیکن اگر ادھار سودے میں ہو تو یہ ربا ہے۔

۳۔ تقابض فی المجلس کا ماخذ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت عمرؓ والی روایت سے اس کی دلیل نہیں ملتی۔ البتہ بیع غائب ناجائز سے یہ اصول برآمد ہو سکتا ہے۔ لیکن غائب شے کے اوصاف اگر متعین کر دیے جائیں، جیسا کہ آج کل بین الاقوامی سودوں میں Specifications درج کر دی جاتی ہیں تو اس بیع میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی، کیونکہ ضرر اور غرر کا احتمال نہیں ہوتا۔

۴۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کی کتاب البیوع کے باب الصرف و بیع الذهب بالورق نقدا میں حضرت عبادہ بن الصامتؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یوں ہیں۔

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر و الملح بالملح مثلا بمثل سواء بسواء يدا بيد فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد

(سونے کا بدل سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جو کا جو سے، کھجور کا کھجور سے اور نمک کا نمک سے ایک جیسا، برابر برابر اور ہاتھوں ہاتھ ہوگا۔ جب یہ اصناف مختلف ہو جائیں تو بیچو جس طرح چاہو، بشرطیکہ بیع ہاتھوں ہاتھ ہو۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مثلاً بمثل اور سواء بسواء کی پابندی اشیاء کی قسمیں بدل جانے کی صورت میں نہیں ہوگی۔ گویا مختلف قیراط کا سونا الگ صنف سمجھا جائے گا۔ پھلوں اور گیہوں کی اصناف میں ان کی کوالٹی اور خصوصیات کی بناء پر فرق جائز ہوگا۔ اس حدیث کے بعد بیع کی تمام مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔

۷۸. باب : بَيْعِ الذَّهَبِ بِالْوَرِقِ يَدًا بِيَدٍ

باب: چاندی کے بدلے سونا ہاتھوں ہاتھ بیچنا

۱۳۶۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ: حَدَّثَنَا عَبَّادُ بْنُ الْعَوَّامِ: اَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ اَبِي اِسْحٰقَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِي بَكْرَةَ، عَنْ اَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ، وَالذَّهَبِ بِالذَّهَبِ، اِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ. وَ اَمَرَنَا اَنْ نَبْتَاعَ الذَّهَبَ بِالْفِضَّةِ كَيْفَ شِئْنَا، وَالْفِضَّةَ بِالذَّهَبِ كَيْفَ شِئْنَا.

﴿عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے چاندی کو چاندی کے بدل اور سونے کو سونے کے بدل بیع سے روکا ہے، الا آنکہ وہ بالکل ہم وزن ہو۔ اور حکم دیا ہے کہ سونا خریدیں چاندی کے بدلے جس طرح چاہیں اور اسی طرح چاندی خریدیں سونے سے جس طرح چاہیں۔﴾

وضاحت:

یہاں وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اصناف کی تبدیلی ہو تب کیا ہوگا۔ چاندی اور چاندی میں، اور سونے اور سونے میں بڑا فرق ہے۔ اس معاملہ میں ان لوگوں کی دھاندلی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سونا سفید و سیاہ جیسا کچھ بھی ہے سب سونا ہے۔ یہ بات کسی طریقہ سے درست نہیں۔ اخباروں میں ہر روز اصناف کے فرق کے ساتھ سونے کا بھاؤ دیا جاتا

ہے۔ جہاں کوالٹی گر گئی دام کم ہو گئے۔ اسی طرح چاندی کی بھی الگ الگ اصطلاحات ہیں اور قیمت میں فرق ہے۔ معلوم ہوا کہ اس بارے میں عبادہ بن صامتؓ والی روایت پر عمل ہوگا اذا اختلفت الاصناف فبیعوا کیف شئتم

۷۹. باب: بَيْعِ الْمُزَابَنَةِ، وَهِيَ بَيْعُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ، وَ بَيْعُ الزَّبِيبِ بِالْكَرْمِ، وَ بَيْعِ الْعَرَايَا.

قَالَ أَنَسٌ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ.

باب: مزابنہ کی بیع، اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر کی کھجور خشک کھجور کے بدل اور منقیٰ بیل پر کی تازہ انگور کے بدل بیچیں، اور بیع عرایا کے بارے میں

انسؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے۔

مزابنہ کی وضاحت ہو چکی۔ محاقلہ یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ میری ایک کنال پر گندم لگی ہے تو اس کے بدلے میں میں خشک گندم لے لوں۔ اس بیع میں خرابی یہ ہے کہ یہ بیع مجہول ہے، اس لیے کہ معلوم نہیں ایک کنال پر سے کتنی گندم اترے۔ اس میں غرر ہے۔ اور جہاں غرر اور ضرر ہو گا وہ بیع جائز نہیں ہے۔

۱۴۷۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللَّهِ، عَنْ عَبْدِاللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا تَبِيعُوا الثَّمَرَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ، وَلَا تَبِيعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ.

قَالَ سَالِمٌ: وَأَخْبَرَنِي عَبْدُاللَّهِ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ رَخَّصَ بَعْدَ ذَلِكَ فِي بَيْعِ الْعَرِيَّةِ بِالرُّطَبِ أَوْ بِالتَّمْرِ، وَلَمْ يُرَخِّصْ فِي غَيْرِهِ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ درخت پر کا پھل اس وقت تک نہ بیچو جب تک کہ اس کی صلاحیت نمایاں نہ ہو جائے اور تر کھجور کے بدلے میں خشک کھجور نہ بیچو۔ اور سالم کہتے ہیں کہ مجھ کو زید بن ثابت نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد بیع عریہ کی اجازت تر کے بدلے خشک کھجور کی صورت میں دی ہے۔ اس کے سوا کسی صورت میں اجازت نہیں دی۔﴾

وضاحت:

مزابنہ اور عریہ کے بارے میں وضاحت ہو چکی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کھجور ہی میں عرایا کی اجازت ہے یا دوسرے پھلوں میں بھی یہ ہو سکتا ہے۔ میرے نزدیک ہو سکتا ہے بشرطیکہ اور چیزیں بھی اسی حکم میں داخل ہوں۔ مثلاً گندم میں بھی ایک مالک کی خواہش ہو سکتی ہے کہ وہ کچھ مقدار میں ہری گندم حاصل کرے تو وہ خشک گندم کے بدلہ میں لے سکتا ہے۔

لا تبیعوا الثمر حتی یبدو صلاحہ یعنی باغ کا پھل آپ اس وقت تک نہیں بیچ سکتے جب تک اس کی صلاحیت ظاہر نہ ہو۔ اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ہر عاقل سمجھ سکتا ہے۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ جو پھل سرخ ہوتے ہیں ان میں سرخی نمایاں ہونے لگے، جو زرد ہوتے ہیں ان میں زردی نمایاں ہونے لگے یعنی کسی حد تک کھانے کے لائق ہو جائیں، اور یہ بھی کہ درخت آفات و بلیات کے دور سے گزر جائے تو بیع ہو سکتی ہے۔ مثلاً آم کے درختوں پر جب شروع میں پھول ظاہر ہونے لگتا ہے اور بارش ہو جائے تو گچھے بن جاتے ہیں۔ یہی حال کھجور کا ہے کہ اس پر ابتدا میں آفات کا حملہ ہو سکتا ہے لیکن ایک خاص دور میں آ کر یہ خطرہ ٹل جاتا ہے۔ تو اس وقت باغ کا سودا کیا جا سکتا ہے۔

خاص اس روایت کے بارے میں شارحین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک نقطہ نظر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم نہیں دیا تھا بلکہ مشورہ دیا تھا۔ اگر مشورہ دیا تھا تو اس کی نوعیت وہ ہوگی کہ آپ نے فرمایا کہ کھجوروں میں گابھا کیوں لگاتے ہو، نہ لگاؤ، تو ایک سال لوگوں نے نہیں لگایا اور پھل بہت کم آیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم (تم دنیاوی امور مجھ سے بہتر سمجھتے ہو) تو یہاں بھی نوعیت یہی رہی ہوگی۔ مدینہ میں اس وقت خریداروں میں اور باغ والوں میں بڑے جھگڑے چل رہے تھے تو آپ نے یہ مشورہ دے دیا (دیکھیے روایت ۱۳۶) بعد میں لوگوں نے گھس گھس کر اس مشورہ کو حکم بنا دیا۔ یا کسی کی رائے ہوئی کہ یہ مشورہ صائب تھا تو اس کو موکد کر دیا۔

اب اس زمانے میں اس ہدایت کی پابندی کریں تو صلاحیت ظاہر ہونے کے مرحلہ پر آپ کو باغ کا خریدار نہیں ملے گا۔ اب تو خریدار یہ کہتے ہیں کہ باغ کم از کم دو سال ورنہ تین سال کے لیے ہمیں دے دیجئے۔ ہم اپنا ڈیرہ یہاں ڈالیں گے، بچوں کو رکھیں گے اور آپ اپنے گھر بیٹھیے۔ میں نے ایک آدھ سال تقویٰ کا زور دکھایا تو معلوم ہوا کہ گاڑی چل نہیں سکتی۔ تب غور کرنا پڑا کہ اس کا حل کیا ہے۔ میں نے یہ رائے قائم کی کہ اس کی علت ہے خسارہ۔ اگر باغ مارا جائے تو خریدار کو نقصان سے بچانا مقصود ہے۔ تو میں نے کہا کہ باغ تو بیچ دینا چاہیے اس کے بغیر چارا نہیں، لیکن اگر خریدار کو خسارہ ہوا تو میری بھی ذمہ داری ہوگی۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ کتنی ذمہ داری، تو روایات سے معلوم ہوا کہ ثلث تک کا نقصان ہوا تو اس کا لحاظ کرنا پڑے گا، اس سے کم ہو تو قابل لحاظ نہیں ہے۔ اب اگر سوال یہ ہے کہ اس طریقہ سے بیع کی جائے تو بیع منعقد ہوتی ہے یا نہیں تو حدیث مل گئی کہ بیع منعقد ہو جاتی ہے۔ آگے وہ روایت آ رہی

ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ باغ پر آفت آ جائے تو نقصان بائع کے ذمہ ہوگا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ بیع منعقد تو ہوگئی اور نقصان کے متعلق دوسری روایت میں آتا ہے کہ ایک ثلث تک کا لحاظ ہوگا۔ دوسری شکل یہ بھی ہے کہ ایک سال کی بجائے تین سال کے لیے باغ دے دیا جائے تاکہ ایک سال نقصان ہو تو اگلے سال تلافی ممکن ہو۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بیع معدوم ومجہول ہے تب کیا کریں گے۔ معلوم ہوا کہ اس طرح کے اصول منصوص نہیں ہیں بلکہ فقہاء نے خود استنباط کیے ہیں۔ وہ کہہ دیتے ہیں کہ بیع معدوم ہے لیکن جب باغ ہے، مالی ہیں، کارندے ہیں، پانی دیا جارہا ہے تو باغ کو پکنا چاہیے اور ہوتا بھی یہی ہے تو یہ معدوم کیسے ہوا۔ آپ کے لیے آسان تھا کہ ایک اصطلاح آپ نے بنادی کہ بیع معدوم ہے لیکن عملی زندگی میں مسائل کا حل بھی دریافت کرنا ہوتا ہے۔ زمینوں کے متعلق بھی میری رائے میں یہی فارمولا چلے گا۔ اس روایت کے راویوں میں ابن شہاب کا نام بھی ہے لیکن اس کی پرواہ کیجئے اس لیے کہ جب تک کوئی شیعیت کا مسئلہ نہ ہو ابن شہاب روایت میں کوئی اپنی بات داخل نہیں کرتے۔

۱۲۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ.

وَالْمُزَابَنَةُ: اشْتِرَاءُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ كَيْلًا، وَبَيْعُ الْكَرْمِ بِالزَّبِيبِ كَيْلًا.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر کی کھجور خشک کھجور کے بدلے ماپ کر خریدے، اسی طرح بیل پر کے انگور منقے کے بدل ماپ کر خریدے۔﴾

۱۲۹۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، مَوْلَى ابْنِ أَبِي أَحْمَدَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنِ الْمُزَابَنَةِ وَالْمُحَاقَلَةِ. وَالْمُزَابَنَةُ: اشْتِرَاءُ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ فِي رُؤُوسِ النَّخْلِ.

﴿ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا ہے اور مزابنہ یہ ہے کہ کھجور جو ابھی درخت پر لگی ہو زمین پر کی خشک کھجور کے بدلے خریدے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ درخت پر کے پھل اور زمین پر کے خشک پھل کے درمیان بیع نہیں ہو سکتی۔ احناف کے نزدیک درخت پر کا پھل توڑ کر زمین پر ڈھیری لگا دی جائے تو پھر بیع ہو سکتی ہے۔ بہرحال احناف اس پر تو

نگاہ رکھتے ہیں کہ زندگی کی گاڑی چلتی رہے۔ وہ گاڑی کو ٹھپ نہیں کرنا چاہتے۔

۱۳۰۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ وَالْمُزَابَنَةِ.

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے محاقلہ اور مزابنہ سے منع فرمایا۔﴾

۱۳۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَرْخَصَ لِصَاحِبِ الْعَرِيَّةِ أَنْ يَبِيعَهَا بِخَرْصِهَا

﴿زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عریہ کے مالک کو یہ اجازت دی ہے کہ اپنا عریہ تخمینہ کر کے بیچ ڈالے۔﴾

وضاحت:

تخمینہ، ماپ اور وزن کی طرح اس طرح کے کاروبار میں اہمیت رکھتا ہے۔ خیبر کے باغوں کی بیع بھی تخمینہ کے ذریعہ ہوتی تھی۔

۸۰. باب: بَيْعِ الثَّمَرِ عَلَى رُؤُوسِ النَّخْلِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

باب: کھجور کے درخت پر کا پھل سونے اور چاندی کے عوض بیچنا

۱۳۲۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، وَأَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَطِيبَ، وَلَا يُبَاعُ شَيْءٌ مِنْهُ إِلَّا بِالدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ، إِلَّا الْعَرَايَا.

﴿جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھل کا بیچنا اس وقت تک منع کیا جب تک اس کی پختگی نہ شروع ہو اور یہ بھی ہدایت فرمائی کہ درخت کا پھل دینار یا درہم کے سوا کسی اور چیز کے عوض نہ بیچا جائے۔ مگر آپ نے عرایا میں اس کی اجازت دی۔﴾

وضاحت:

یہاں یطیب کا لفظ ہے اور بعض جگہ بدو صلاح کا لفظ ہے۔ اس سے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہاں یہ اضافہ بھی ہے کہ درخت کے پھل کی بیع دینار اور درہم کے سوا کسی اور چیز کے عوض نہیں ہو سکتی۔ صرف عرایا اس

سے مستثنیٰ ہیں یعنی عریہ میں تازہ کھجور کے بدلے آپ خشک کھجور دے سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ بھی قابل غور ہے کہ دینار و درہم (یعنی روپیہ پیسہ) کے علاوہ کیا اور کوئی چیز بھی قیمت بن سکتی ہے۔ مثلاً باغ والا چاہتا ہے کہ گھوڑا، گاڑی یا زمین اس کے بدلے میں لے تو دونوں کی قیمت لگانی پڑے گی اور تخمینہ کر کے کوئی چیز روپیہ کے بدل دے دی جائے تو یہ جائز ہونا چاہیے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو قیمت کا کام دے سکتی ہے اس کے ذریعے سے آپ بیچ سکتے ہیں۔

۱۳۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالْوَهَّابِ قَالَ: سَمِعْتُ مَالِكًا، وَسَأَلَهُ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ الرَّبِيعِ: أَحَدَّثَكَ دَاوُدُ، عَنْ أَبِي سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، أَوْ دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ؟ قَالَ: نَعَمْ.

﴿امام مالک سے عبیداللہ بن ربیع نے پوچھا کہ کیا آپ سے داؤد بن حصین نے ابوسفیان اور ابوہریرہؓ کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی کہ آنحضرت ﷺ نے عرایا کی بیع کی اجازت پانچ وسق یا پانچ وسق سے کم تک دی تو انہوں نے کہا ہاں۔﴾

وضاحت:

میرے نزدیک پانچ وسق اتفاقی ہے لیکن مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر رہے، اس سے زیادہ نہ ہوتا کہ یہ بیع کا مستقل طریقہ نہ بن جائے۔

۱۳۴۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: سَمِعْتُ بُشَيْرًا قَالَ: سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ أَبِي حَثْمَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ بِالتَّمْرِ، وَرَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ أَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا، يَأْكُلُهَا أَهْلُهَا رُطَبًا.

وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً أُخْرَى: إِلَّا أَنَّهُ رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ يَبِيعُهَا أَهْلُهَا بِخَرْصِهَا يَأْكُلُونَهَا رُطَبًا، قَالَ: هُوَ سَوَاءٌ"، قَالَ سُفْيَانُ: فَقُلْتُ لِيَحْيَى وَأَنَا غُلَامٌ": إِنَّ أَهْلَ مَكَّةَ يَقُولُونَ: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا، فَقَالَ: وَمَا يُدْرِي أَهْلَ مَكَّةَ؟ قُلْتُ: إِنَّهُمْ يَرْوُونَهُ عَنْ جَابِرٍ، فَسَكَتَ. قَالَ سُفْيَانُ: إِنَّمَا أَرَدْتُ أَنَّ جَابِرًا مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ. قِيلَ لِسُفْيَانَ: وَلَيْسَ فِيهِ: نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهُ؟ قَالَ: لَا

﴿سہل بن ابی حثمہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے درخت پر کی کھجور خشک کھجور کے عوض بیچنے سے منع

فرمایا اور عریہ کی اجازت دی ہے تا کہ باغ کے مالک پھل کا تخمینہ لگا کر اس کے بدلے تازہ کھجور کھانے کے لیے لے سکیں۔ اور سفیان نے دوسری بار یہ الفاظ کہے کہ بجز اس کے کہ آپ نے عریہ میں رخصت دی کہ اس کے مالک تخمینہ لگا کر اس کو بیچ دیں تا کہ تازہ کھجور کھا سکیں۔ سفیان نے کہا کہ دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہی ہے۔ اور سفیان نے بتایا کہ میں ابھی لڑکا تھا کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے کہا کہ مکہ والے یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو بیع عرایا کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا کہ مکہ والوں کو یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی۔ میں نے کہا وہ اس حدیث کو جابرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ یہ سن کر یحییٰ چپ ہو رہے۔ سفیان کہتے ہیں کہ میرا مطلب یہ تھا کہ جابرؓ مدینہ والے ہیں۔ سفیان سے کسی نے پوچھا کہ کیا اس حدیث میں پھلوں کو اس وقت تک بیچنے کی ممانعت نہیں ہے جب تک کہ ان کی پختگی واضح نہ ہو جائے، انہوں نے کہا نہیں۔ ؎

وضاحت:

اس روایت میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اہل مکہ یہ بات کیسے کہتے ہیں، جب کہ یہ معاملہ ان کے سامنے پیش نہیں آیا۔ جب بتایا گیا کہ ان سے یہ روایت جابر نے کی ہے جو مدینہ کے ہیں تو یحییٰ بن سعید خاموش ہو گئے۔ مطلب یہ کہ اس صورت میں اہل مکہ کی روایت کو مجہول قرار نہیں دیا جا سکتا۔

٨١. باب: تَفْسِيرِ الْعَرَايَا

باب: عرایا کی تفسیر

وَقَالَ مَالِکٌ: الْعَرِيَّةُ اَنْ يُعْرِيَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ النَّخْلَةَ، ثُمَّ يَتَأَذَّى بِدُخُولِهِ عَلَيْهِ، فَرُخِّصَ لَهُ اَنْ يَشْتَرِيَهَا مِنْهُ بِتَمْرٍ.

وَقَالَ ابْنُ اِدْرِيْسَ: الْعَرِيَّةُ لَا تَكُونُ اِلَّا بِالْكَيْلِ مِنَ التَّمْرِ يَدًا بِيَدٍ، لَا يَكُونُ بِالجِزَافِ. وَمِمَّا يُقَوِّيهِ قَوْلُ سَهْلِ بْنِ اَبِي حَثْمَةَ: بِالْاَوْسُقِ الْمُوَسَّقَةِ.

وَقَالَ ابْنُ اِسْحٰقَ فِي حَدِيثِهِ عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: كَانَتِ الْعَرَايَا اَنْ يُعْرِيَ الرَّجُلُ فِي مَالِهِ النَّخْلَةَ وَالنَّخْلَتَيْنِ.

وَقَالَ يَزِيدُ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ حُسَيْنٍ: الْعَرَايَا نَخْلٌ" كَانَتْ تُوهَبُ لِلْمَسَاكِينِ، فَلَا يَسْتَطِيعُونَ اَنْ يَنْتَظِرُوا بِهَا، رُخِّصَ لَهُمْ اَنْ يَبِيعُوهَا بِمَا شَاؤُوا مِنَ التَّمْرِ.

امام مالک کا قول ہے کہ عرایا سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص ایک شخص کو کھجور کے چند درخت دے، پھر وہ اس بات سے تکلیف محسوس کرے کہ وہ شخص اس میں داخل ہو تو اس کو یہ اجازت دے دی گئی کہ اس کے پھل کو خشک کھجور کے بدلے میں بیچ سکتا ہے۔ ابن ادریس نے کہا کہ عریہ صرف اس شکل میں ہوسکتا ہے کہ خشک کھجور ناپ کر نقد انقد دی جائے اور تخمینہ سے نہ دی جائے۔ اس کی تائید سہل بن ابی حثمہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ مبادلہ پیمانہ سے تولی ہوئی چیز سے ہو۔ ابن اسحاق نے اپنی روایت میں نافع سے اور انہوں نے ابن عمرؓ کے حوالہ سے کہا کہ عریہ یوں ہوتا کہ کوئی شخص اپنے باغ میں سے ایک یا دو کھجور کے درخت کسی کو دے دیتا۔ یزید بن سفیان بن حسین کا قول ہے کہ عرایا کھجور کے وہ درخت ہوتے جو مساکین کو اللہ کی راہ میں دے دیے جاتے لیکن وہ ان سے پھل اترنے کا انتظار نہ کر سکتے۔ تو اجازت دے دی گئی کہ خشک کھجور کے بدلے جس کے ہاتھ چاہیں بیچ دیں۔

١٣٥۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ": اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ: اَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا اَنْ تُبَاعَ بِخَرْصِهَا كَيْلًا.

قَالَ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ: وَالْعَرَايَا نَخَلَاتٌ" مَعْلُومَاتٌ" تَاْتِيهَا فَتَشْتَرِيهَا.

﴿زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرایا کے باب میں رخصت دی ہے کہ ان کا تخمینہ کر کے ناپ کے حساب سے بیچ دیا جائے۔ موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ عرایا وہ متعین کھجور کے درخت ہیں جن کے لیے تم آؤ اور خرید لو۔﴾

وضاحت:

حضرت زید بن ثابت کے قول کا مطلب یہ ہے کہ درخت پر جو تازہ کھجور ہے اس کا تخمینہ کیا جائے گا کہ اتنی کھجور ہے اور اس کے بدلے خشک کھجور ناپ کر دے دی جائے گی۔ لیکن موسیٰ بن عقبہ کی بات مبہم سی ہے جس سے عرایا کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔

۸۲. باب: بَيعِ الثِّمَارِ قَبلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهَا

باب: صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے پھل (باغ) بیچنا

۱۳۶۔ وَقَالَ اللَّيْثُ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ: كَانَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ يُحَدِّثُ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ، مِنْ بَنِي حَارِثَةَ: أَنَّهُ حَدَّثَهُ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّاسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَتَبَايَعُونَ الثِّمَارَ، فَإِذَا جَدَّ النَّاسُ وَ حَضَرَ تَقَاضِيهِمْ، قَالَ الْمُبْتَاعُ: إِنَّهُ أَصَابَ الثَّمَرَ الدُّمَانُ، أَصَابَهُ مُرَاضٌ، أَصَابَهُ قُشَامٌ، عَاهَاتٌ يَحْتَجُّونَ بِهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمَّا كَثُرَتْ عِنْدَهُ الْخُصُومَةُ فِي ذَلِكَ: فَإِمَّا لَا، فَلَا تَتَبَايَعُوا حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُ الثَّمَرِ. كَالْمَشُورَةِ يُشِيرُ بِهَا لِكَثْرَةِ خُصُومَتِهِمْ.

وَأَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ لَمْ يَكُنْ يَبِيعُ ثِمَارَ أَرْضِهِ حَتَّى تَطْلُعَ الثُّرَيَّا، فَيَتَبَيَّنَ الْأَصْفَرُ مِنَ الْأَحْمَرِ.

قَالَ أَبُو عَبْدِاللَّهِ: رَوَاهُ عَلِيُّ بْنُ بَحْرٍ: حَدَّثَنَا حَكَّامٌ: حَدَّثَنَا عَنْبَسَةُ، عَنْ زَكَرِيَّاءَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ سَهْلٍ، عَنْ زَيْدٍ.

﴿عروۃ بن زبیر بنی حارثہ کے سہل بن ابی حثمہ سے اور وہ زید بن ثابت سے روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگ پھلوں کی (باغوں کی) خرید وفروخت کرتے تھے۔ لوگ جب پھل توڑنے آتے اور بیچنے والے قیمت وصول کرنے کے لیے حاضر ہوتے تو خریدار کہتے کہ اس باغ کا تو گابھا خراب ہوگیا۔ مراض کا روگ لگ گیا۔ قشام کی آفت آگئی۔ وہ ان آفتوں کا نام لے لے کر جھگڑے نکالتے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ اس باب میں لوگوں کے جھگڑے بہت بڑھ گئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر خصومت کا سلسلہ ختم نہیں کرنا ہے تو پھر یہ ہو کہ لوگ اس وقت تک باغ نہ بیچیں جب تک کہ پھل کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے۔ آپ نے ان کے جھگڑوں کی کثرت دیکھ کر یہ بطور صلاح اور مشورہ کے فرمایا۔ اور ابوالزناد نے کہا کہ مجھ کو خارجہ بن زید بن ثابتؓ نے خبر دی کہ زید بن ثابتؓ اپنے باغ کا میوہ اس وقت تک نہ بیچتے جب تک کہ ثریا تارا نہ نکلتا اور زردی اور سرخی نمایاں نہ

ہوتی۔ ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ اس روایت کو علی بن بحر نے بھی حکام، عنبہ، زکریا، ابوالزناد، عروہ، سہل اور زید بن ثابت کی سند سے بیان کیا ہے۔

وضاحت:

اس باب میں جو روایت زید بن ثابتؓ سے بیان کی گئی ہے وہ بہت اہم ہے۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں باغ بیچنے والوں اور خریدنے والوں کے درمیان جھگڑے بہت بڑھ گئے۔ خریدنے والے طرح طرح کی بیماریوں کو بطور عذر پیش کر کے کہتے کہ ہم قیمت ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جھگڑوں کا سلسلہ ختم کرنا چاہتے ہو تو پھر یہ بات ہو سکتی ہے کہ جب تک پھل کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے لوگ باغ نہ بیچیں۔ راوی بتاتے ہیں کہ یہ بات حضور نے بطور مشورہ کہی، امر ونہی کے ساتھ روکا نہیں۔ یہ وضاحت معمولی بات نہیں، بڑی اہم بات ہے۔ اور راوی اس کے کوئی معمولی شخص نہیں بلکہ زید بن ثابتؓ ہیں۔ اگر حقیقت یہی ہے تو حضور کے ارشاد کی نوعیت وہی ہوگی جو تابیر نخل کے مشورہ کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کھجوروں میں گابھا نہ لگاؤ تو کیا حرج ہے۔ ایک سال لوگوں نے گابھا نہیں لگایا اور پھل بہت کم آیا تو لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے آپ کے مشورہ پر عمل کیا تو پھل بہت کم آیا۔ آپ نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم۔ مطلب یہ کہ میں تمہاری دنیاوی تعلیم کے لیے نہیں آیا بلکہ دین کی تعلیم کے لیے آیا ہوں۔ دنیا کے معاملات تم زیادہ جانتے ہو۔ اسی طرح اگر آپ یہاں مان لیں کہ یہ بات مشورہ کے طور پر تھی تو بحث کی جڑ ہی کٹ جائے گی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس زمانے میں باغوں کے بیچنے کے لیے ہر وہ طریقہ جو شریعت کے اصولوں کے منافی نہ ہو صحیح ہوگا۔ اب اگر محسوس کیا جائے کہ باغ کو بدو صلاح سے پہلے بیچنا ہے تو سوچنے کی بات یہ ہوگی کہ اگر خریدار کو خسارہ ہوا تو کیا کریں گے۔ اس معاملہ میں ہمیں تدابیر وہ استعمال کرنا پڑیں گی جو نبی ﷺ کے طریقوں سے ثابت ہیں لیکن صلاحیت ظاہر ہونے کا معاملہ ختم ہو جائے گا کیونکہ یہ کوئی امر ونہی والا معاملہ نہیں ہے۔ اب اگر فرض کیجئے کہ دوسری روایتوں میں بدو صلاح کے لحاظ کی ہدایت مل جائے تو یہ راوی حضرات کا لیا ہوا تاثر ہوگا۔ یعنی راوی حضرات کے سامنے جو بات آئی وہ اسی طرح نقل کر دی گئی لیکن اس کا پس منظر غائب ہے۔ بہت سے مشکل معاملات میں یہ ہوا ہے کہ روایت کا پس منظر راوی حضرات بیان نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر روایت الایمۃ من القریش کو لیجئے جو ہمارے ہاں ساری سیاست کی بنیاد ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس کے پس منظر میں قریش اور انصار کے درمیان کی ایک عظیم نزاع ہے تب یہ ہوگا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے اس نزاع کا فیصلہ فرما دیا۔ اور یہ فیصلہ اسی نزاع پر منطبق ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ نبی ﷺ نے نسب کی بنیاد پر قریش کی سیادت و امارت کا ہمیشہ کے لیے فیصلہ فرما دیا۔ پس منظر کے نہ سمجھنے سے روایت کو سمجھنے میں بڑا فرق ہو جاتا ہے لیکن یہ چیز عاقلوں کے سمجھنے کی ہے۔

باب کی عبارت میں حضرت زید بن ثابت کا یہ عمل بیان ہوا ہے کہ وہ ثریا کے نمودار ہونے پر باغ کا سودا کیا کرتے تا کہ سرخ اور زرد واضح ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زید بن ثابت آنحضرت ﷺ کے مشورہ پر عمل کرتے تھے۔ ثریا تارا گرمی میں طلوع ہوتا ہے اور اس کی تاثیر یہ بتائی ہے کہ اس وقت جو پھل سرخ ہوتے ہیں وہ سرخی مائل اور جو زرد ہوتے ہیں وہ زرد ہونے لگتے ہیں۔

علی بن بحر کی روایت کا حوالہ دے کر ابو عبداللہ یعنی امام صاحب نے اپنے طریقہ پر ایک اور تائید نقل کر کے بتایا ہے کہ یہی مضمون دوسری طرف سے بھی ثابت ہے۔ اصل راوی اس روایت میں بھی زید بن ثابت ہی ہیں۔

۱۳۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا، نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کو، جب تک کہ ان کی صلاحیت ظاہر نہ ہو جائے، بیچنے سے روکا ہے۔ آپ نے بائع اور خریدار دونوں کو روکا ہے۔﴾

وضاحت:

خریدنے والے کو خریدنے سے اور بیچنے والے کو بیچنے سے منع کیا ہے۔ یہ ہدایت خصومت سے بچنے کے لیے ہے اس لیے کہ دونوں صورتوں میں خصومت کا امکان ہے۔

۱۳۸۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ: أَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ الطَّوِيلُ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى أَنْ تُبَاعَ ثَمَرَةُ النَّخْلِ حَتَّى تَزْهُوَ. قَالَ أَبُوعَبْدِاللّٰهِ: يَعْنِي حَتَّى تَحْمَرَّ.

﴿انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھجور کا پھل بیچنے سے منع کیا ہے جب تک کہ وہ لال (یا زرد) نہ ہو جائے۔ ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ تزھو کے معنی یہ ہیں کہ سرخ ہو جائے۔﴾

۱۳۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سَلِيمِ بْنِ حَيَّانَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مِينَاءَ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُبَاعَ الثَّمَرَةُ حَتَّى تُشَقِّحَ. فَقِيلَ: مَا تُشَقِّحُ؟ قَالَ تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ وَ يُؤْكَلُ مِنْهَا.

﴿جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس بات سے منع کیا کہ پھل بیچے جائیں اشقاح سے

پہلے۔ سوال کیا گیا کہ اشقاح کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ پھل سرخ ہونے لگے یا زرد ہونے لگے اور کھانے کے لائق ہو جائے۔ ﴾

وضاحت:

اصل روایت ایک ہی ہے لیکن لوگ اس میں استعمال ہونے والے مختلف الفاظ کی شرح کر رہے ہیں کہ تزھو کیا ہوتا ہے اور تشقح سے کیا مراد ہے۔ تحمار یعنی پکنے پر جو پھل سرخ ہوتے ہیں ان میں سرخی ظاہر ہونے لگے اور تصفار یعنی جو پھل زرد ہوتے ہیں، ان میں زردی ظاہر ہونے لگے۔

٨٣. باب: بَيعِ النَّخلِ قَبلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلاحُهَا

باب: کھجور کے باغ کی بیع قبل اس کے کہ اس کی صلاحیت ظاہر ہو

١٤٠۔ حَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ الْهَيْثَمِ: حَدَّثَنَا مُعَلًّى: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ: أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثَّمَرَةِ حَتَّى يَبْدُوَ صَلاحُهَا، وَعَنِ النَّخْلِ حَتَّى يَزْهُوَ. قِيلَ: وَمَا يَزْهُو؟ قَالَ: يَحْمَارُّ أَوْ يَصْفَارُّ.

﴿انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ ان کی صلاحیت نہ ظاہر ہو جائے اور کھجور کے بیچنے سے منع فرمایا جب تک کہ زہو نہ ہو جائے۔ پوچھا گیا کہ زہو کیا ہے تو فرمایا کہ سرخ یا زرد ہو جانا۔ ﴾

وضاحت:

ان تمام روایتوں کا مضمون ایک ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ صلاحیت ظاہر ہو جانے پر باغ کی بیع ہونی چاہیے۔

٨٤. باب: إِذَا بَاعَ الثِّمَارَ قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلاحُهَا ثُمَّ أَصَابَتْهُ عَاهَةٌ" فَهُوَ مِنَ الْبَائِعِ

باب: جب پھل صلاحیت کے ظہور سے پہلے بیچا گیا ہو اور پھر اس پر آفت آ جائے تو نقصان کی ذمہ داری بائع پر ہے

۱۴۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتَّى تُزْهِيَ. فَقِيلَ لَهُ: وَمَا تُزْهِي؟. قَالَ: حَتَّى تَحْمَرَّ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَرَأَيْتَ إِذَا مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ، بِمَ يَأْخُذُ أَحَدُكُمْ مَالَ أَخِيهِ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ازھاء سے پہلے پھل کی بیع سے منع کیا ہے۔ پوچھا گیا کہ ازھاء کیا ہے تو فرمایا یہاں تک کہ پھل سرخ ہونے لگے، پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پھل سے محروم کردے تو کس چیز کے بدلے میں کوئی شخص اپنے بھائی کا مال لے گا۔﴾

۱۴۲۔ قَالَ اللَّيْثُ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: لَوْ أَنَّ رَجُلًا ابْتَاعَ ثَمَرًا قَبْلَ أَنْ يَبْدُوَ صَلَاحُهُ، ثُمَّ أَصَابَتْهُ عَاهَةٌ، كَانَ مَا أَصَابَهُ عَلَى رَبِّهِ. أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَتَبَايَعُوا الثَّمَرَ حَتَّى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا، وَلَا تَبِيعُوا الثَّمَرَ بِالتَّمْرِ.

﴿لیث کہتے ہیں کہ مجھ سے یونس نے ابن شہاب سے نقل کیا کہ اگر کسی نے صلاحیت ظاہر ہونے سے پہلے پھل (باغ) خرید لیا پھر کوئی آفت آئی تو جو نقصان ہوگا وہ مالک کے ذمہ ہوگا۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ سے سالم بن عبداللہ نے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھل اس وقت تک نہ بیچو جب تک کہ اس کی صلاحیت نہ ظاہر ہو جائے اور درخت پر کی کھجور خشک کھجور کے بدلے نہ بیچو۔﴾

وضاحت:

پہلی روایت سے یہ بات تو طے ہوگئی کہ بدوصلاح سے پہلے اگر بیع ہوگئی تو وہ بیع جائز ہے۔ ورنہ کہہ دیا جاتا کہ ایسی بیع ہی ناجائز ہے۔ اب اگر سودا ہو جانے کے بعد کوئی آفت آئے اور باغ کا نقصان ہو تو اس صورت میں کیا ہوگا۔ تو اس روایت کی رو سے نقصان بائع کے ذمہ ہوگا۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ دیکھا جائے گا کہ جو آفت آئی ہے اس کی نوعیت کیا ہے۔ اگر آفت ایسی ہے کہ ایک ثلث سے کم نقصان ہوا ہے تو اس کا لحاظ نہیں ہوگا اور یہ کامن سنس کا تقاضا ہے اور اگر نقصان ایک ثلث سے زیادہ ہے تو اس کی تلافی کی جائے گی جو بائع کے ذمہ ہوگی۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس

وقت نقصان ہوا تو باغ مشتری کی نگرانی میں تھا تو مشتری نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ اور اگر بیع ہو چکی تھی لیکن باغ ابھی منتقل نہیں ہوا تھا تو بائع اس کا ذمہ دار ہوگا۔ یہ بات بھی بظاہر معقول معلوم ہوتی ہے۔

اب ایک صورت یہ ہے کہ اگر کل باغ کا نقصان ہوگیا ہے تو اس صورت میں کیا ہوگا۔ تو ایک گروہ کہتا ہے کہ بیع فسخ کردی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر قبضہ ہوگیا تھا تو مشتری نقصان برداشت کرے گا اور اگر قبضہ نہیں ہوا تھا تو بائع اس کا ذمہ دار ہوگا۔ اول تو یہ فرضی صورت ہے۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ باغ کلیۃً تباہ ہو جائے۔ یہ عام تباہی کی شکل میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ رعایا کے نقصان کی تلافی کرے۔ میری رائے یہ ہے کہ عام تباہی کی صورت میں شہریوں کی مدد افراد کی ذمہ داری نہیں بلکہ حکومت کی ذمہ داری ہوگی۔

روایت میں ابن شہاب کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ ایک شخص باغ خریدے جب کہ اس کی صلاحیت ابھی ظاہر نہ ہوئی ہو پھر اس پر آفت آجائے تو اس کا ذمہ دار باغ کا مالک ہوگا۔ انہوں نے اس کے لیے حوالہ ابن عمرؓ کی جس روایت کا دیا ہے تو میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ابن عمرؓ کی روایت سے کس طرح سے ابن شہاب کا فتویٰ نکلتا ہے۔

٨٥. باب: شِرَاءِ الطَّعَامِ اِلَى أَجَلٍ

باب: ایک مدت کے لیے اناج ادھار خریدنا

۱۴۳۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: ذَكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَفِ، فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ. ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ يَهُودِيٍّ إِلَى أَجَلٍ، فَرَهَنَهُ دِرْعَهُ.

﴿اعمش کہتے ہیں کہ ہم نے ابراہیم سے قرض کے بدلے میں گروی رکھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا اس میں کوئی برائی نہیں۔ پھر انہوں نے ہم سے اسود اور عائشہؓ کی سند سے روایت کی کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے غلہ ادھار خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ رہن رکھ دی۔﴾

وضاحت:

ابراہیم کا یہ فتویٰ قرآن کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کو حکم ہے کہ جب تم اس طرح کا معاملہ کرو اور قرض کی شرائط کو ضبط تحریر میں لانے کا موقع نہ ہو تو صرف اس شکل میں رہن رکھ سکتے ہو اور جیسے ہی لکھنے پڑھنے کا موقع مل جائے تو رہن فوراً واپس کردو۔ نیز رہن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اس روایت کی رو سے ابراہیم یہ کہتے ہیں کہ رہن رکھنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ فتویٰ قرآن کے ایک واضح حکم کے خلاف ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی تھی تو یہ مدینہ کے ابتدائی دور کی بات معلوم ہوتی ہے جب کہ مسلمانوں کے حالات سنبھلے نہیں تھے اور نہایت مجبوری کی حالت میں حضور نے بھی اس طرح غلہ ادھار لیا ہوگا ورنہ آپ قرض کیوں لیتے اور اپنے دفاعی ہتھیار ایک یہودی کے پاس کیوں رہن رکھتے۔ عین ممکن ہے کہ سورہ بقرہ کے حکم سے پہلے آپ نے یہ کیا ہو۔ بہر حال روایت سے حضور کے اس فعل کا صحیح پس منظر معلوم نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک یہ روایت دلیل نہیں بن سکتی کہ مسلمانوں کے درمیان آپس میں رہن کا کاروبار ہو جبکہ قرآن کی رہنمائی بالکل واضح ہے۔ میری رائے میں یہ روایت بھی قابل اعتماد نہیں، اعمش گو بزرگ ہیں لیکن ہیں شیعہ اور دوسرے راوی بھی خاص اہم نہیں۔

۸۶. باب: إذا أراد بَيْعَ تَمْرٍ بِتَمْرٍ خَيْرٍ مِنْهُ.

باب: اگر کوئی خراب کھجور کے بدلے اچھی کھجور لینا چاہے

۱۳۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ عَبْدِالْمَجِيدِ بْنِ سُهَيْلِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ وَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا. قَالَ: لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ، وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا.

﴿حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک شخص کو خیبر پر عامل مقرر کیا تو وہ وہاں سے عمدہ کھجور لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیبر میں سب کھجور ایسی ہی ہوتی ہے تو انہوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ! قسم اللہ کی، ہم ایک صاع عمدہ کھجور اپنی دو صاع کے بدلے میں اور دو صاع تین صاع کے بدلے میں لیتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو، بلکہ اپنی کھجور درہم کے بدلے بیچ دو اور پھر اس رقم سے یہ عمدہ کھجور خرید لیا کرو۔﴾

وضاحت:

یہ حدیث بہت اہم ہے۔ اس سے وہ تاثر ختم ہو جاتا ہے جو بعض روایات سے ابھرتا ہے کہ ہر طرح کی کھجور برابر ہے اور اس کا لین دین برابر برابر ہی ہو سکتا ہے۔ اس روایت کی رو سے حضور نے خیبر کی کھجوروں کے بارے میں

تحقیق کی اور جب معلوم ہوا کہ وہاں کی کھجوریں عمدہ بھی ہیں اور ناقص بھی تو آپ نے یہ حکم نہیں دیا کہ کھجوروں کا مبادلہ برابر مقدار ہی میں کرنا ہوگا۔ اس کے برعکس آپ نے مسئلہ کا حل تجویز کر دیا کہ ایک قسم کی کھجور فروخت کی جائے اور اس کے جو دام ملیں ان سے اچھی کھجور اس کے بھاؤ پر خرید لی جائے۔ یہ حل ایسا ہے جس پر عمل ہر جگہ ممکن ہے۔ یہ فتویٰ دینا کہ سونا سونا برابر ہے اور گندم گندم برابر ہے، عملی زندگی میں ناقابل فہم ہے۔ فرض کیجئے کہ گندم کی تخم ریزی ہو رہی ہے، آپ کے پاس گندم تو موجود ہے لیکن بیج والی کوالٹی نہیں ہے۔ اب کون ہے جو آپ کو بیج کی گندم سادہ گندم کے برابر دے گا۔ آپ اسی تگ و دو میں رہیں گے تو ممکن ہے اس دوران بوائی کا وقت ہی نکل جائے۔

اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے جو حل تجویز فرمایا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ احتیاط کا طریقہ بتایا ہے تاکہ ربا کا سد باب ہو۔ لیکن اس بارے میں جو قطعی روایت ہوگی وہ حاکم ہوگی۔ اوپر حضرت اسامہؓ کی روایت گزری ہے جس میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ لا ربا الا فی النسیئۃ یعنی ربا نقد سودے میں نہیں ہوتا، صرف ادھار میں ہوتا ہے۔ ہاتھوں ہاتھ سودے میں اگر مقدار میں کمی یا بیشی ہوگی تو اس کا سبب اشیاء کی کوالٹی کا فرق ہوگا۔ پھر صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ جب اختلاف صنف ہو جائے تو جس طرح چاہو بیع کر سکتے ہو۔ یہ بیع کے واضح اور قطعی احکام ہیں۔ اور زیر بحث روایت میں کوالٹی کے اختلاف کو تسلیم کرتے ہوئے حضور نے ربا کے سد باب کے لیے ایک حل بھی تجویز کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان اصولوں کو مان لینے سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ میں نے اس بحث کو احادیث ہی کے اوپر مبنی کیا ہے۔ اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ ہر روایت کو حجت ماننے والوں کی سمجھ میں یہ بات اب بھی نہیں آئے گی۔

۸۷۔ باب: مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِرَتْ، أَوْ أَرْضًا مَزْرُوعَةً، أَوْ بِإِجَارَةٍ.

قَالَ أَبُو عَبْدِاللهِ: وَقَالَ لِي إِبْرَاهِيمُ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ يُخْبِرُ عَنْ نَافِعٍ، مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ قَالَ: أَيُّمَا نَخْلٍ بِيعَتْ، قَدْ أُبِرَتْ لَمْ يُذْكَرِ الثَّمَرُ، فَالثَّمَرُ لِلَّذِي أَبَّرَهَا، وَكَذٰلِكَ الْعَبْدُ وَالْحَرْثُ، سَمَّى لَهُ نَافِعٌ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَ.

باب: پیوند کیا ہوا کھجور کا درخت یا کھیتی کھڑی زمین بیچنے یا ٹھیکے پر دینے کا معاملہ

امام بخاری کہتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم نے ہشام، ابن جریج اور ابن ابی ملیکہ کی سند سے نافع کا قول نقل کیا، جو ابن عمرؓ کے غلام تھے کہ جب کھجور کا کوئی پیوندی درخت بیچا جائے اور پھل (جو درخت

پر لگا ہو) کا ذکر نہ آئے تو پھل اسی کو ملے گا جس نے اس کا پیوند کیا تھا۔ غلام اور کھیت کا بھی یہی حکم ہے، نافع نے ابن جریج سے ان تینوں کا ذکر کیا۔

وضاحت:

یہ چیزیں رواج پر منحصر ہیں۔ رواج، چلن وغیرہ ان تمام باتوں میں کوئی چیز بھی اگر شریعت کے خلاف نہیں ہے تو شریعت کے معروف میں داخل ہے۔ باب میں جو روایت ہے وہ موقوف ہے۔

۱۴۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص پیوند کیا ہوا کھجور کا درخت بیچے تو اس کا پھل بائع ہی کو ملے گا الا آنکہ خریدار اس کی شرط کرے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں عبداللہ بن عمرؓ نے باب میں اس بات کی تصدیق کر دی ہے جو امام مالک نے نقل کی تھی۔ یعنی اس کو مرفوع کر دیا ہے۔ اگر خریدار نے شرط لگا دی تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا اور کون ایسا خریدار ہے جو پھل چھوڑ دے گا۔ معاملہ معروف دستور پر چلا جاتا ہے اور جس جگہ جو طریقہ رائج ہو گا اس پر عمل ہو گا۔ امام ابوحنیفہ اس قید کو اہمیت نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ قید اتفاقی ہے۔

۸۸. باب: بَيْعِ الزَّرْعِ بِالطَّعَامِ كَيْلًا

باب: پھل یا اناج، جو ابھی درخت پر ہو، غلہ کے عوض ماپ کر بیچنا

۱۴۶۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُزَابَنَةِ: أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا، وَ إِنْ كَانَ كَرْمًا أَنْ يَبِيعَهُ بِزَبِيبٍ كَيْلًا، أَوْ كَانَ زَرْعًا، أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ، وَنَهَى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ.

﴿ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مزابنہ سے روکا ہے۔ وہ یہ کہ کوئی شخص اپنے باغ کے پھل بیچے، اگر کھجور ہے تو خشک کھجور سے ماپ کر، اگر انگور ہے تو اس کو بیچے منقے کے عوض ماپ کر، یا اگر کھیتی ہے

تو اس کو بیچے گندم سے ماپ کر، تو آپ نے ان تمام سودوں سے روکا ہے۔

وضاحت:

ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ بیع مجہول بالمعروف ہوتی ہے۔ لہذا ایسی بیع جائز نہیں ہونی چاہیے۔ البتہ احناف یہ کہتے ہیں کہ پھل توڑ کر ڈھیری لگادی جائے تو اس میں چونکہ اندازہ ہو جاتا ہے لہذا اس صورت میں بیچ سکتے ہیں۔

٨٩. باب: بَيْعِ النَّخْلِ بِأَصْلِهِ

باب: درخت کو جڑ سمیت بیچنا

۱۳۷۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اَيُّمَا امْرِيءٍ اَبَّرَ نَخْلًا ثُمَّ بَاعَ اَصْلَهَا، فَلِلَّذِي اَبَّرَ ثَمَرُ النَّخْلِ، اِلَّا اَنْ يَشْتَرِطَهُ الْمُبْتَاعُ.

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کھجور کے درخت کو پیوند کیا، پھر اس کو بیچ ڈالا جڑ سمیت، تو جو پھل اس میں لگا ہو وہ بائع ہی کا ہوگا الا آنکہ خریدار اس کی شرط کرے۔

وضاحت:

یعنی اگر خریدنے والے نے شرط لگادی کہ پھل میرا ہوگا تو بائع اس کا حق دار نہیں رہے گا۔ ہمارے ملک میں جو چیز بھی درختوں پر بکتی ہے ان میں سے کسی کے متعلق یہ تصور نہیں پایا جاتا۔ آم کا باغ ہے بک جائے تو جو کچھ بھی ہوگا خریدار کا ہوگا۔ یعنی رواج اور چلن کے مطابق یہ مان لیا گیا ہے کہ جو کچھ بکا ہے وہ خریدار کا ہے۔

٩٠. باب: بَيْعِ الْمُخَاضَرَةِ

باب: بیع مخاضرہ

۱۳۸۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ بْنُ وَهْبٍ: حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ يُونُسَ قَالَ: حَدَّثَنِي اَبِي قَالَ: حَدَّثَنِي اِسْحٰقُ بْنُ اَبِي طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيُّ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُخَاضَرَةِ، وَالْمُلَامَسَةِ، وَالْمُنَابَذَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ.

﴿انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے محاقلہ ومخاضرۃ، ملامسہ ومنابذہ اور مزابنہ کی نوعیت کی بیع سے منع فرمایا۔﴾

وضاحت:

محاقلہ اور مخاضرۃ یہ ہے کہ کھیت کی تر گندم کو خشک گندم کے عوض یا درخت کے پھل کو خشک پھل کے عوض بیچ دیا جائے۔ ملامسہ کے بارے میں اوپر روایات گزر چکی ہیں کہ یہ جوئے کی ایک قسم ہے۔ کپڑا لپٹا ہوا ہوتا، خریدار اس پر ہاتھ رکھ دیتا اور وہ اس کا ہو جاتا۔ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ سوتی ہے یا ریشمی ہے اور کس کوالٹی کا ہے۔ اسی طریقہ سے منابذہ میں بائع ایک چیز پھینک دیتا اور خریدار اس کی طرف کچھ پھینکتا۔ لین دین کی اس قسم میں بھی جوا ہوتا۔ ان معاملات کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ان میں غرر اور ضرر دونوں کا اندیشہ ہے۔

۱۳۹۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ ثَمَرِ التَّمْرِ حَتَّى يَزْهُوَ. فَقُلْنَا لِأَنَسٍ: مَا زَهْوُهَا؟ قَالَ: تَحْمَرُّ وَتَصْفَرُّ، أَرَأَيْتَ إِنْ مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ بِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ أَخِيكَ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کھجور کے وہ پھل جو درخت پر ہوں بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ ان کا زھو نہ ہو۔ حمید نے انسؓ سے پوچھا زھو سے کیا مراد ہے۔ انہوں نے کہا کہ پھل کا سرخ یا زرد ہو جانا۔ بھلا بتاؤ تو اگر اللہ نے پھل ہونے نہ دیا تو پھر تیرے بھائی کا مال تیرے لیے کیسے حلال ہوگا۔﴾

وضاحت:

حضرت انسؓ سے پوچھا گیا کہ زھو کیا ہے۔ جہاں تک اس کے مفہوم کا تعلق ہے اس کو ہر شخص سمجھتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شبہ اس کی کیفیت میں تھا کہ بیع کس مرحلہ میں جائز ہوگی۔ کیا جب سرخ ہو جائے یا زرد ہو جائے یا کسی حد تک کھانے کے قابل ہو جائے وغیرہ۔ حضرت انسؓ نے اسی سوال کا جواب دیا۔ آگے کی عبارت میں بھی قول حضرت انس ہی کا ہے۔ قاعدہ کی رو سے یہ حدیث پر اضافہ ہے لیکن ہے یہ ایک جلیل القدر صحابی کا۔ اور انہوں نے یہ بات نقصان کے پیش نظر کہی ہے۔ اس کے متعلق میری رائے وہی ہے جو پیچھے باغ کی بیع کی روایت میں میں نے کہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نزاع اور مخاصمت کو دیکھ کر مشورہ دیا تھا کہ پھل کی صلاحیت ظاہر ہونے پر بیچا کرو۔ یہ کوئی امر و نہی والی بات نہیں تھی۔ اگر آپ یہ مانتے ہیں اور نقصان کی تلافی کی ذمہ داری ایک ثلث تک، جو دوسری روایت میں واضح

ہے، قبول کر لیتے ہیں تو مسئلہ حل ہو جاتا ہے، ورنہ آج کل باغ یا کھیتی کے جو ٹھیکے دیے جاتے ہیں وہ سب ناجائز مانے ہوں گے۔

۹۱. باب: بَيْعِ الْجُمَّارِ وَأَكْلِهِ

باب: کچے کھجور کا گودا بیچنا اور کھانا

۱۵۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِالْمَلِكِ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَأْكُلُ جُمَّارًا، فَقَالَ: مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةٌ" كَالرَّجُلِ الْمُؤْمِنِ. فَأَرَدْتُ أَنْ أَقُولَ: هِيَ النَّخْلَةُ، فَإِذَا أَنَا أَحْدَثُهُمْ، قَالَ: هِيَ النَّخْلَةُ.

﴿ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں تھا اور آپ جمار کھا رہے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ درختوں میں ایک درخت ہے جو مومن سے مشابہ ہے۔ میں نے چاہا کہ کہوں کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن جتنے لوگ وہاں بیٹھے تھے میں ان سب میں کم سن تھا لہذا چپ رہا۔ آپ نے فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔﴾

وضاحت:

جمار کہتے ہیں کچے کھجور کے گودے کو، جسے کھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کو کہیں سے یہ تحفہ میں آیا تو آپ اس کو کھانے لگے۔ روایت میں اس کی بیع کا کوئی ذکر نہیں اور نہ اس کا کوئی حکم نکلتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا قیاس یہ ہے کہ جب حضور جمار کھا رہے تھے تو لازماً یہ آپ کے لیے خریدا گیا ہو گا۔ لہذا اس سے جمار کے بیچنے کا مفہوم بھی پیدا ہو گیا۔ حالانکہ قابل غور بات یہ ہے کہ جب پھل کا بیچنا اس کی صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد ہی جائز ہے تو جمار کا بیچنا کیسے جائز ہو جائے گا۔ امام صاحب نے اپنے اسی قیاس پر یہاں جمار کا باب باندھ دیا ہے۔

مرد مومن اور کھجور کی مثال والی روایت بہت شاندار ہے اور پہلے گزر چکی ہے۔ کھجور سدا بہار درخت ہے۔ کبھی اس پر خزاں نہیں آتی۔ اس کے پتے ہمیشہ سبز رہتے ہیں اور یہ استقامت کا مظہر ہے۔ یہی حال مرد مومن کا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ابن عمرؓ نے جب حضرت عمرؓ سے کہا کہ میں نے چاہا کہ جواب دوں کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن آپ بزرگوں کی موجودگی میں چپ رہا تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تم کہہ دیتے تو یہ میرے لیے سرخ

اونٹوں کی دولت سے بڑھ کر ہوتا۔

۹۲ ۔ باب: مَنْ اَجْرَی اَمْرَ الْاَمْصَارِ عَلٰی مَا یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَھُمْ: فِی الْبُیُوْعِ وَالْاِجَارَۃِ وَالْمِکْیَالِ وَالْوَزْنِ، وَسُنَنِھِمْ عَلٰی نِیَّاتِھِمْ وَمَذَاھِبِھِمُ الْمَشْھُوْرَۃِ

وَقَالَ شُرَیْحٌ" لِلْغَزَّالِیْنَ: سُنَّتُکُمْ بَیْنَکُمْ رِبْحًا. وَقَالَ عَبْدُالْوَھَّابِ، عَنْ اَیُّوْبَ، عَنْ مُحَمَّدٍ: لَا بَأْسَ، الْعَشَرَۃُ بِاَحَدَ عَشَرَ، وَیَأْخُذُ لِلنَّفَقَۃِ رِبْحًا.

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لِھِنْدٍ: خُذِیْ مَا یَکْفِیْکِ وَوَلَدَکِ بِالْمَعْرُوْفِ

وَقَالَ تَعَالٰی: "وَمَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَأْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ" (النساء: ٦)

وَاکْتَرَی الْحَسَنُ مِنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مِرْدَاسٍ حِمَارًا، فَقَالَ: بِکَمْ؟. قَالَ: بِدَانِقَیْنِ، فَرَکِبَہٗ ثُمَّ جَاءَ مَرَّۃً اُخْرٰی، فَقَالَ: الْحِمَارَ الْحِمَارَ، فَرَکِبَہٗ وَلَمْ یُشَارِطْہُ، فَبَعَثَ اِلَیْہِ بِنِصْفِ دِرْھَمٍ.

باب: جن لوگوں نے شہریوں کے خرید وفروخت اور اجارہ کے معاملات کو اس طریقہ پر جاری کیا ہے جو ان کے درمیان متعارف ہے۔ معاملہ ماپ اور تول اور دوسرے کاموں میں ان کی نیت اور رسم ورواج کے مطابق ہوگا۔

اور شریح نے کپڑا فروشوں سے کہا، تم آپس میں جس طرح معاملہ کرتے ہو نفع لینے میں وہی معتبر ہے اور عبدالوہاب نے ایوب سے اور انہوں نے محمد بن سیرین سے روایت کی کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ دس کا مال گیارہ کے بدلے میں بیچو اور یہ بھی کہ اس پر تمام خرچہ ڈال کر نفع لے سکتے ہو۔ نبی کریم ﷺ نے ہندہ سے کہا کہ وہ اپنا خرچہ لے لیا کرے جتنا اس کے اور اس کے بچوں کے لیے کافی ہے، دستور کے مطابق۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق (یتیم کے مال میں سے) کھائے۔ اور حسن نے عبداللہ بن مرداس سے ایک گدھا کرایہ پر لیا۔ پوچھا کیا لے گا۔ اس نے کہا دو دانق۔ وہ اس پر سوار ہوئے۔ پھر دوسری بار آئے تو کہنے لگے: گدھا لاؤ گدھا۔ وہ اس پر سوار ہوئے اور اس سے کرایہ نہیں چکایا اور نصف درہم اس کو بھیج دیا۔

وضاحت:

اس باب میں امام صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کسی بستی میں جو رواج، چلن اور دستور ہے وہ سب معروف

میں داخل ہے۔ میں اس بات سے متفق ہوں۔ صرف اتنا اضافہ کروں گا کہ کوئی بات شریعت کے کسی حکم کے منافی نہیں ہے تو سارا رواج وچلن شریعت ہی کا حصہ مانا جائے گا۔ چنانچہ قاضی شریح نے کپڑا فروشوں سے کہا سنتکم بینکم ربحا یعنی تمہارے درمیان نفع لینے میں جو معروف طریقہ ہے وہی معتبر ہے، اسی پر عمل کرو۔ ربحا کا لفظ یہاں معہود ذہنی سے متعلق ہے۔ مراد یہ ہے کہ نفع وغیرہ لینے میں تمہارا جو چلن ہے اور جس نسبت سے لیتے ہو وہ ٹھیک ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ہندہ کو اجازت دی کہ دستور کے مطابق اپنے اور اپنے بچوں کا خرچ لے سکتی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ولی کو یتیم کے مال میں سے دستور کے مطابق خرچ لینے کی اجازت دی ہے۔

غرض بیع میں، اجارہ داری میں، ماپنے اور وزن کرنے میں نیتوں کے مطابق جو طریقہ مروج ہے وہی دین ہے۔ بس اتنی قید ہے کہ کوئی بات شریعت کے خلاف نہ ہو۔

۱۵۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: حَجَمَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَبُو طَيْبَةَ، فَأَمَرَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِصَاعٍ مِنْ تَمْرٍ، وَ أَمَرَ أَهْلَهُ أَنْ يُخَفِّفُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ابوطیبہ نے آنحضرت ﷺ کو پچھنا لگایا تو آپ نے ایک صاع کھجور اس کو دینے کا حکم فرمایا اور اس کے مالکوں سے کہا کہ اس کا محصول کچھ کم کرو۔﴾

وضاحت:

معلوم ہوتا ہے کہ مالک ابوطیبہ سے محصول کچھ زیادہ لیتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے کم کروا دیا تاکہ رواج کے مطابق ہو جائے۔

۱۵۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: قَالَتْ هِنْدٌ أُمُّ مُعَاوِيَةَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ: إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ، فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ أَنْ آخُذَ مِنْ مَالِهِ سِرًّا؟ قَالَ: خُذِي أَنْتِ وَبَنُوكِ مَا يَكْفِيكِ بِالْمَعْرُوفِ.

﴿حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہند نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں تو کچھ گناہ ہوگا اگر میں اس کے مال میں سے کچھ چھپا کر لے لوں۔ آپ نے فرمایا تم اور تمہارے بیٹے دستور کے مطابق اتنا لے سکتے ہیں جو تمہارے لیے کافی ہو۔﴾

وضاحت:

بیوی اپنے شوہر کے مال میں سے لے سکتی ہے، دستور کے مطابق یعنی اپنی حیثیت اور ضرورت کے مطابق،

جو علاقہ کا رواج اور چلن ہے اس کے مطابق۔ اس میں حیثیت عرفی بھی مدنظر رکھی جائے گی۔

۱۵۳۔ حَدَّثَنِي إِسْحٰقُ: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ". وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ" قَالَ: سَمِعْتُ عُثْمَانَ بْنَ فَرْقَدٍ قَالَ: سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ عُرْوَةَ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُولُ: "وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ". أُنْزِلَتْ فِي وَالِي الْيَتِيمِ الَّذِي يُقِيمُ عَلَيْهِ وَيُصْلِحُ فِي مَالِهِ، إِنْ كَانَ فَقِيرًا أَكَلَ مِنْهُ بِالْمَعْرُوفِ.

﴿حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ آیت، وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ، یتیم کے ولی کے باب میں اتری ہے جو اس کی خبر گیری کرتا ہے اور اس کی جائیداد کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ اگر وہ محتاج ہو تو دستور کے مطابق یتیم کے مال میں سے کھا سکتا ہے۔﴾

وضاحت:

امام صاحب نے رواج اور دستور کو دین ثابت کرنے کے لیے یہ چند روایات نقل کی ہیں۔ یہاں حضرت عائشہؓ قرآن کی تفسیر فرما رہی ہیں کہ یتیم کے اولیاء اگر غریب ہیں تو وہ اس کے مال میں سے جس کی وہ دیکھ بھال کر رہے ہیں، دستور کے مطابق کھا سکتے ہیں۔ یہ اصول یاد رکھیے کہ اگر دستور معروف ہے تو دین ہے۔

۹۳. باب: بَيْعِ الشَّرِيكِ مِنْ شَرِيكِهِ.

باب: ایک شریک کا اپنا حصہ دوسرے شریک کے ہاتھ بیچنا

۱۵۴۔ حَدَّثَنِي مَحْمُودٌ": حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ"، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الشُّفْعَةَ فِي كُلِّ مَالٍ لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ، وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ، فَلَا شُفْعَةَ.

﴿جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے شفعہ کا حق دیا ہر مال میں کہ جس کی تقسیم نہیں ہوئی لیکن جب حدود قائم ہو گئے اور راستے الگ الگ ہو گئے تو پھر شفعہ نہیں ہے۔﴾

وضاحت:

جو ملکیت مشترک ہے اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ ایک شریک اپنا حصہ اگر بیچنا چاہتا ہے تو دوسرے شریک کو پیش کرے اور اگر وہ لیتا ہے تو فبہا، اور اگر نہیں لیتا تو اس کو حق ہے کہ جہاں چاہے بیچے۔ اب اگر وہ دوسرے

شریک کی اجازت کے بغیر بیچ دیتا ہے تو دوسرے شریک کو قانونی چارہ جوئی کا حق ہونا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس ملکیت میں وہ شریک ہے اس میں ایک آدمی خارج سے آتا ہے تو نہیں معلوم وہ کیسا ہے۔ یہ بات معقول ہے کہ اس کے شریک کو شفعہ کا حق ہو۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ہر مال میں شفعہ کا حق ہونا چاہیے۔ روایت کے الفاظ میں جب حدود قائم ہونے اور راستوں کی تقسیم ہو جانے کے بعد حق شفعہ نہ ہونے کا ذکر ہے تو معلوم ہوا کہ یہ حکم غیر منقولہ جائیداد سے متعلق ہے۔

تمام آثار جو بیان ہوئے ہیں وہ زمین اور مکان وغیرہ سے متعلق ہیں اور اصل ضرورت بھی انہی معاملات میں پڑتی ہے۔

بعض لوگ پڑوسی کو بھی شفعہ کا حق دیتے ہیں لیکن یہ زیادتی کی بات ہے۔ اس طریقہ سے جائیداد کی قدر و قیمت کم ہو جاتی ہے۔ پڑوسی کا حق بہت ہے لیکن اتنا نہیں ہے۔ ویسے جبریل والی روایت میں تو ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے ڈر ہوا کہ پڑوسی کو جائیداد میں بھی شریک کر دیں گے۔ لیکن جب نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اس کو تالنے کی گنجائش ہے۔ اس طرح شریک کھاتہ کو بھی یہ حق نہیں ملنا چاہیے بلکہ صرف شریک ملکیت کے لیے یہ حق رکھا گیا ہے۔

حضرت جابرؓ نے الفاظ عام استعمال کیے ہیں کہ کل مال لم یقسم، ہر وہ مال جس کی تقسیم نہیں ہوئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ کوئی گھوڑا بھی بیچے جس میں دوسرا بھی شریک ہے تو اس میں بھی شفعہ کا حق ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ مال میں بات کا اتنا جھگڑ بنانے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شریک دوسرے شریک کو پہلے پیش کش کرے کہ وہ پورا گھوڑا خرید لے۔ اگر وہ یہ نہ کرے تو جس قیمت میں بیچا اس میں سے دوسرے شریک کو حصہ دے۔

٩٤. باب: بَيْعِ الْأَرْضِ وَالدُّورِ وَالْعُرُوضِ مُشَاعًا غَيْرَ مَقْسُومٍ

باب: زمین، مکان اور اسباب کا حصہ گو تقسیم نہ ہوا ہو بیچنا

١٥٥۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَالٍ لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ، وَصُرِفَتِ الطُّرُقُ، فَلَا شُفْعَةَ.

١٥٦۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ: بِهٰذَا، وَقَالَ: فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ. تَابَعَهُ هِشَامٌ، عَنْ مَعْمَرٍ، قَالَ عَبْدُالرَّزَّاقِ: فِي كُلِّ مَالٍ. رَوَاهُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ إِسْحٰقَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ.

﴿جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے شفعہ کا حق ہر مال میں قائم رکھا ہے جو تقسیم نہ ہوا ہو۔ جب حدود قائم ہو گئے اور راستے الگ الگ ہو گئے تو پھر شفعہ نہیں ہے۔ ہم سے مسدد نے بیان کیا کہ ہم سے عبدالواحد نے یہی حدیث یوں بیان کی کہ ہر چیز میں جو تقسیم نہ ہوئی ہو۔ اس روایت کی متابعت ہشام نے معمر سے کی ہے کہ عبدالرزاق نے اپنی حدیث میں ہر مال کہا۔﴾

وضاحت:

امام صاحب نے باب جو باندھا ہے اس میں زمین اور گھروں کے ساتھ عروض کا لفظ بھی شامل کیا ہے۔ نیز اس میں یہ ہے کہ سب شریک ہوں۔ باقی روایت وہی ہے جو اوپر گزری ہے۔ جائیداد کی وضاحت ہوئی ہے اور اصل مشکل اسی میں پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے معاملات میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔

۹۵. باب: اِذَا اشْتَرَى شَيْئًا لِغَيْرِهِ بِغَيْرِ اِذْنِهِ فَرَضِيَ

باب: کسی کے لیے کوئی چیز بغیر اجازت خریدنا پھر وہ اس کو پسند کرے

۱۵۷۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا اَبُو عَاصِمٍ: اَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: اَخْبَرَنِي مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: خَرَجَ ثَلَاثَةٌ يَمْشُونَ فَاَصَابَهُمُ الْمَطَرُ، فَدَخَلُوا فِي غَارٍ فِي جَبَلٍ، فَانْحَطَّتْ عَلَيْهِمْ صَخْرَةٌ، قَالَ: فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: ادْعُوا اللّٰهَ بِاَفْضَلِ عَمَلٍ عَمِلْتُمُوهُ.

فَقَالَ اَحَدُهُمْ: اللّٰهُمَّ اِنِّي كَانَ لِي اَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ، فَكُنْتُ اَخْرُجُ فَاَرْعَى، ثُمَّ اَجِيءُ فَاَحْلُبُ فَاَجِيءُ بِالْحِلَابِ، فَآتِي بِهِ اَبَوَيَّ فَيَشْرَبَانِ، ثُمَّ اَسْقِي الصِّبْيَةَ وَ اَهْلِي وَامْرَاَتِي، فَاحْتَبَسْتُ لَيْلَةً، فَجِئْتُ فَاِذَا هُمَا نَائِمَانِ، قَالَ: فَكَرِهْتُ اَنْ اُوقِظَهُمَا، وَالصِّبْيَةُ يَتَضَاغَوْنَ عِنْدَ رِجْلَيَّ، فَلَمْ يَزَلْ ذٰلِكَ دَاْبِي وَدَاْبَهُمَا، حَتّٰى طَلَعَ الْفَجْرُ، اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّي فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ، فَافْرُجْ عَنَّا فُرْجَةً نَرَى مِنْهَا السَّمَاءَ، قَالَ: فَفُرِجَ عَنْهُمْ.

وَقَالَ الْآخَرُ: اللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنِّي كُنْتُ اُحِبُّ امْرَاَةً مِنْ بَنَاتِ عَمِّي كَاَشَدِّ مَا

يُحِبُّ الرَّجُلُ النِّسَاءَ، فقالت: لا تنالُ ذلك منها حتى تُعطِيَها مائةَ دينارٍ، فسعيتُ فيها حتى جمعتُها، فلمّا قعدتُ بين رجلَيها قالت: اتّقِ اللّٰهَ ولا تفضَّ الخاتمَ إلّا بحقِّه، فقمتُ وتركتُها، فإن كنتَ تعلمُ أنّي فعلتُ ذلك ابتغاءَ وجهِك، فافرُجْ عنّا فُرجةً، قال: ففرجَ عنهم الثُّلُثَين.

وقال الآخر: اللّٰهُمَّ إن كنتَ تعلمُ أنّي استأجرتُ أجيرًا بفَرَقٍ من ذُرةٍ فأعطيتُه، وأبى ذاك أن يأخُذَ، فعمَدتُ إلى ذلك الفَرَقِ فزرعتُه، حتى اشتريتُ منه بقرًا وراعيها، ثم جاء فقال: يا عبدَ اللّٰهِ أعطِني حقّي، فقلتُ: انطلِق إلى تلك البقرِ وراعيها فإنّها لك، فقال: أتستهزئُ بي؟ قال: فقلتُ: ما أستهزئُ بك ولكنّها لك، اللّٰهُمَّ إن كنتَ تعلمُ أنّي فعلتُ ذلك ابتغاءَ وجهِك فافرُجْ عنّا، فكُشِفَ عنهم.

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تین آدمی کہیں جانے کے لیے نکلے تو راستے میں بارش آ گئی اور وہ تینوں ایک پہاڑ کے غار میں گھس گئے۔ اوپر سے ایک چٹان گری (جس سے غار کا راستہ بند ہو گیا) انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اللہ سے دعا کرو اپنے بہترین عمل کا واسطہ دے کر جو تم میں سے کس نے کیا ہے (تا کہ یہ چٹان ہٹے اور ہمارا راستہ کھلے) ایک نے دعا کی کہ اے اللہ میرے والدین بہت بوڑھے تھے، میں گھر سے نکلتا اور اپنے جانوروں کو چراتا۔ پھر شام کو واپس آتا، دودھ نکالتا اور دودھ لے کر آتا۔ پھر پہلے اپنے والدین کو پیش کرتا، وہ پی چکتے تو اس کے بعد اپنے بچوں کو، گھر والوں کو اور بیوی کو پلاتا۔ ایک شام مجھے دیر ہو گئی۔ جب میں آیا تو دیکھا کہ میرے ماں باپ سو گئے ہیں۔ میں نے یہ برا جانا کہ ان کو جگاؤں۔ بچے میرے پاؤں کے پاس بھوک سے بلبلا رہے تھے۔ میری اور والدین کی کیفیت رات بھر یہی رہی یہاں تک کہ فجر ہو گئی۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے تو یہ کر دے کہ اس میں اتنا سوراخ کر دے کہ کم از کم آسمان ہم کو نظر آئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کچھ سوراخ اس میں پیدا کر دیا (یعنی چٹان ذرا سرک گئی)۔ دوسرے نے دعا کی کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں اپنے چچا کی لڑکیوں میں سے ایک سے محبت کرتا تھا، ایسی شدید محبت جو ایک مرد کو عورتوں سے ہو سکتی ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ چیز جو تم چاہتے ہو اس وقت تک ملنے کی نہیں

جب تک کہ تم سو دینار مجھے نہ دے دو۔ میں نے کوشش کر کے سو دینار جمع کر لیے۔ تو جب میں اس سے صحبت کے لیے بیٹھا تو اس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور مہر کو حق حاصل کیے بغیر نہ توڑ۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور اسے چھوڑ دیا۔ تو اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیری رضا کے لیے کیا ہے تو ہماری راہ کی رکاوٹ میں شگاف کر دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو راستہ دو ثلث کے قریب کھول دیا۔ تیسرے نے کہا اے اللہ تیرے علم میں ہے کہ میں نے ایک مزدور کو ایک فرق جوار پر کام کے لیے رکھا۔ جب میں نے غلہ اسے دیا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے یہ کیا کہ وہ پورا غلہ بو دیا، پھر اس کی پیداوار سے گائیں خریدیں اور ایک چرواہا بھی رکھ لیا۔ پھر وہ مزدور آیا اور کہا کہ اے اللہ کے بندے میرا حق مجھ کو دے۔ میں نے کہا جاؤ وہ گائیں اور چرواہا تمہارے ہیں۔ اس نے کہا تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔ میں نے جواب دیا نہیں میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، وہ واقعی تمہارے ہیں۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ کام تیری رضا کے لیے کیا تو اس چٹان کو ہٹا دے پس اللہ نے ان کا راستہ کھول دیا۔ ﴾

وضاحت:

فرق دو صاع کے برابر غلہ ناپنے کا ایک پیمانہ ہے۔ روایت اپنے بیان میں بالکل واضح ہے۔

امام صاحب نے باب قائم کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے اذن کے بغیر اس کے مال سے کوئی چیز خرید لے اور پھر وہ راضی ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے اور اس کی تائید میں یہ روایت نقل کی ہے۔

اس میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ قصہ یا دوسرا کوئی قصہ پچھلی قوموں کے قصوں میں سے اگر بطور موعظت و نصیحت سنایا ہو تو کیا اس سے فقہی احکام مستنبط کیے جا سکتے ہیں۔ اگر کیے جا سکتے ہیں تو پھر سورہ یوسف کے قصہ سے سجدہ تعظیمی جائز ٹھہرتا ہے اور اس مصیبت سے آپ بچ نہیں سکتے۔ میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ جس نصیحت کے لیے کوئی قصہ بیان ہوتا ہے اس کو اس نصیحت ہی تک محدود رکھنا چاہیے۔ پچھلی قوموں کے جو واقعات و قصص ہیں وہ فقہی احکام کے استنباط کے لیے کسی طرح سے موزوں نہیں ہیں۔ فقہی احکام وہی ہوں گے جو ہماری شریعت کے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر معاملہ مشترک بھی ہے تو اس میں بھی کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل کا گائے کا جو قصہ بیان ہوا ہے تو اس اعتبار سے مشترک ہے کہ ہمارے ہاں بھی یہ احکام ہیں کہ اگر کسی قاتل کا پتہ نہ چلتا ہو تو قسامہ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ بقرہ میں اس کا جو حوالہ دیا ہے وہ اس محل میں دیا ہے کہ بنی اسرائیل دین کے معاملے میں ہمیشہ سے کچے بہروپیے رہے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کوئی حکم دیا ہے تو اس میں مین میکھ نکالتے

نکالتے، بات کا بتنگڑ بنا دیتے اور پھر بھی خلوص سے اس پر عمل کی نوبت نہ آتی۔ اب ظاہر ہے کہ اس کو آپ اپنے لیے مثال نہیں بنا سکتے۔ اس میں بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو ہمارے ہاں قسامہ کے اصول میں نہیں ہیں۔ وہاں یہ ہے کہ لوگوں پر خون چھڑک کر قسم لی جاتی تھی اور ہمارے ہاں یہ چیز نہیں بلکہ سیدھا سادہ طریقہ ہے۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قصہ کو اسی حد تک محدود رکھا جائے جو اس کا مقصد ہے یعنی نصیحت و موعظت۔ اور فقہی احکام اس سے استنباط نہ کیے جائیں۔

امام صاحب نے اس قصہ سے جو فقہی حکم نکالا ہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کی مرضی کے بغیر اس کے مال کے ذریعہ کوئی چیز خرید لیں اور بعد میں وہ شخص راضی ہو جائے تو یہ سودا جائز ہے۔ راضی ہونے کی شرط ہے۔ لیکن یہ شرط آپ کے معاملہ کر چکنے کے بعد پوری ہوگی۔ راضی نہ ہونے کی صورت میں جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب اگر وہ شخص راضی نہ ہوا تو اس صورت میں معاملہ کرنے والا اپنی اس نیکی کی بدولت خواہ مخواہ ایک مشکل میں پڑ جائے گا۔

اس قصہ کی رو سے اگر آپ کسی کے لیے چند صاع جوار بو کر گائے بھی اور غلام بھی خرید لیں تو اس کی شامت آئی ہے کہ وہ اس پر راضی نہ ہو اور کہے کہ آپ نے حماقت کی۔ وہ یہی کہے گا کہ آپ نے بہت اچھا کام کیا۔ سوال یہ ہے کہ اس میں اگر خسارہ ہو گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے اور یہی حکم دیا جائے گا کہ لازماً اس کو اصل مال دیا جائے۔ آدمی نے کیوں دوسرے کے مال میں تصرف کیا۔ ویسے وہ غلہ رکھ دیتا اور ضائع جاتا تو وہ معذرت کر سکتا تھا کہ میں نے تمہارا غلہ رکھ دیا تھا تو اب کیا میں حفاظت کے لیے اس کے پاس بیٹھا رہتا۔ تمہارا قصور ہے کہ وقت پر نہیں گئے۔ قاضی بھی اس صورت میں اس کو ڈانٹتا کہ اس نے فوری قبضہ کیوں نہیں کیا۔

دوسری چیز اس میں قابل غور یہ ہے کہ اس میں دعا کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ اسلام کے مزاج کے منافی ہے۔ ان مسافروں نے یہ کہا کہ جو بہترین عمل تم نے کیا ہے اس کا حوالہ دے کر اللہ سے دعا کرو۔ پھر اپنی اپنی دانست کے مطابق انہوں نے زندگی میں جو بڑی نیکی کی تھی اس کا حوالہ دے کر دعا کی ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ اپنے عجز، اپنی کمزوری و ناتوانی اور تذلل و تضرع کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کے افضال کے حوالہ سے دعا مانگے، اپنے کارناموں کے حوالہ سے نہیں۔ مجھے قرآن مجید میں ایسی کوئی دعا نہیں ملی کہ کسی نے کہا ہو کہ اے رب تو جانتا ہے کہ میں رات رات بھر تیرے حضور نماز میں کھڑا رہتا ہوں تو میرے لیے تو یہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں خدمات کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اس کے ہاں عجز اور اپنی بے بسی کا اظہار ہے۔ حضرت زکریا کی دعا پڑھیے کہ اے رب، میری ہڈیاں گل گئیں، میرا سر سفید ہو گیا اور یہ ناتواں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔ اسلام دعا کا یہ طریقہ سکھاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے استسقاء کی نماز پڑھائی اور صرف استغفار کرتے رہے، بارش کی دعا نہیں کی۔ لوگوں نے کہا امیر المومنین، آپ نے بارش کے لیے دعا تو کی ہی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا میں نے مغفرت کی دعا کی ہے اور قرآن مجید میں آیا ہے کہ اللہ سے مغفرت مانگو تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کر دے گا اور دھڑا دھڑ پانی برسائے گا۔

حضرت عمرؓ نے یہ استدلال سورہ نوح کی روشنی میں کیا۔ صحابہ کے حوالہ سے ایک روایت یہ ملتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کا واسطہ دے کر دعا کی تھی۔ میری تحقیق میں یہ روایت جھوٹی اور شیعوں کی گھڑی ہوئی ہے۔

اس روایت میں یہ بات بھی ہے کہ بعض فقروں میں بہت عریانی ہے۔ مثلاً قعدت بین رجلیها، اتق الله و لا تفض الخاتم الا بحقه. یہ عریانی یوں بھی ہے کہ عربی میں ایسے معاملات میں لکھنؤ کی زبان استعمال نہیں ہوتی۔ لیکن میں ان پر ناگواری کا اظہار نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ راوی یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ آدمی اس وقت باز آ گیا جب ایک شخص کو اپنے جذبات پر قابو رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ میرے نزدیک اس قصہ سے فقہی اصول مستنبط نہیں کیے جا سکتے۔ نیز دعا کا جو طریقہ روایت میں ہے وہ اسلام کے مزاج کے منافی ہے۔

٩٦. باب: الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ مَعَ الْمُشْرِكِينَ وَأَهْلِ الْحَرْبِ

باب: مشرکین اور اہل حرب کے ساتھ بیع وشراء کا معاملہ

١٥٨۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ "مُشْعَانٌ طَوِيلٌ"، بِغَنَمٍ يَسُوقُهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: بَيْعًا أَمْ عَطِيَّةً؟ أَوْ قَالَ: أَمْ هِبَةً. قَالَ: لَا، بَلْ بَيْعٌ"، فَاشْتَرَى مِنْهُ شَاةً.

﴿عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے تو ایک مشرک شخص لمبے بکھرے ہوئے بالوں اور طویل قد کا اپنی بکریوں کا گلہ ہانکتا ہوا آیا۔ آپ نے پوچھا بکریاں بیچنے کے لیے ہیں یا عطیہ دینے کے لیے، راوی کو شبہ ہے کہ عطیہ یا ہبہ کا لفظ کہا۔ تو اس نے کہا جناب، کچھ نہیں بلکہ میں بیچنا چاہتا ہوں۔ تو آنحضرت ﷺ نے اس سے ایک بکری خرید لی۔﴾

وضاحت:

امام صاحب نے باب جو باندھا ہے ایک پہلو سے اہمیت رکھتا ہے۔ بعض لوگ مشرکوں کے معاملہ میں خدائی فوجدار بن جاتے ہیں۔ لیکن مشرکوں کے بھی حقوق ہیں، وہ بھی ملکیت رکھنے والے ہیں اور ان سے بھی بیع وشراء ہو سکتا ہے۔ اگر انہوں نے کسی غلام کو آزاد کیا تو یہ آزادی معتبر ہوگی، کسی عورت سے نکاح کیا تو اس کا بھی اعتبار ہوگا۔ مطلب یہ کہ ان کے ساتھ معاملہ دنیا کے باشندوں کی حیثیت سے ان کے حقوق تسلیم کرتے ہوئے کیا جائے گا۔ یہ الگ بات

ہے کہ ان سے جنگ کی نوبت آ گئی ہے تو اس کے نتیجہ میں جو کچھ ہو گا اس کے لیے قانون بنا ہوا ہے۔ اہل ذمہ بھی ہوں گے، اہل صلح بھی ہوں گے۔ ان کے الگ الگ قاعدے ہیں۔ اہل ذمہ کا مال ہمارے مال کی طرح اور ان کا خون ہمارے خون کی طرح محترم ہے۔ اکثر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے۔

اس روایت پر چونکہ احناف کا اعتماد ہے تو اہل حدیث کہتے ہیں کہ جھوٹی ہے۔ وہ ایک معقول بات کو کہتے ہیں کہ موضوع ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشرک ہو یا کافر، آپ کو اس کی گردن مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس طرح آپ دنیا میں بدامنی پیدا کر دیں گے۔ گردن صرف کسی حق میں ماری جا سکتی ہے۔ لہٰذا امام صاحب نے باب جو باندھا ہے میں اس کو اہمیت دیتا ہوں۔

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی غزوہ کا واقعہ ہے۔ جب اس مشرک نے یہ کہا کہ بکریاں عطیہ کے لیے نہیں بلکہ بیچنے کے لیے ہیں تو آنحضرت ﷺ نے اس سے ایک بکری خرید لی۔ اگر آج کل کی فوج ہوتی تو سارا گلہ پکڑ کر ذبح کر دیتی۔ معلوم ہوا کہ اسلام میں یہ چیز جائز نہیں۔

۹۷۔ باب: شِرَاءِ الْمَمْلُوكِ مِنَ الْحَرْبِيِّ وَهِبَتِهِ وَ عِتْقِهِ.

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِسَلْمَانَ: كَاتِبْ وَكَانَ حُرًّا، فَظَلَمُوهُ وَبَاعُوهُ. وَسُبِيَ عَمَّارٌ وَصُهَيْبٌ وَبِلَالٌ.

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: "وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ" أَفَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ".
(النحل: ۷۱)

باب: حربی سے غلام خرید کر اس کو ہبہ کرنا اور آزاد کرنا

آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسی سے فرمایا تم اپنے مالکوں سے مکاتبت کر لو حالانکہ وہ آزاد تھے لیکن کافروں نے ان پر ظلم کیا اور پکڑ کر بیچ دیا تھا۔ اور عمارؓ، صہیبؓ اور بلالؓ یہ سب قید کر لیے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق کے معاملہ میں برتری دے رکھی ہے تو جن کو برتری دی گئی ہے وہ اپنا رزق اپنے غلاموں کو نہیں دے دیتے کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں تو کیا وہ اللہ کے فضل کا انکار کرتے ہیں''۔ (سورہ نحل)

وضاحت:

کسی حربی سے کسی مملوک کو خریدا جائے اور پھر اس کو آزاد یا ہبہ کر دیا جائے تو ایسا کرنا معتبر ہوگا۔ اس کی دلیل کے طور پر حضرت سلمان فارسی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ آزاد تھے، ان پر ظلم کیا گیا اور پکڑ کر بیچ دیا گیا۔ اس طرح وہ غلام ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے آقاؤں سے مکاتبت کر لیں۔ مطلب یہ کہ کچھ طے کر لیں کہ اتنی رقم دے دیں گے تو وہ تم کو آزاد کر دیں گے تو پھر اس رقم کا انتظام کیا جائے۔ گویا حضور ﷺ نے ان کے آقاؤں کا حق تسلیم کر لیا اور قانون کے تقاضے پورے کیے گئے۔ یہی حال عمار بن یاسرؓ، صہیب رومیؓ اور بلالؓ کا تھا۔ یہ سب آزاد تھے لیکن لوگوں نے ان کو قید کر کے غلام بنا لیا تھا۔

امام صاحب نے قرآن مجید کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے اس میں علی ما ملکت ایمانھم سے استدلال کیا ہے کہ ایسے لوگوں کا ملک یمین ہونا تسلیم کیا جائے گا۔

۱۵۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ: حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: هَاجَرَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِسَارَةَ، فَدَخَلَ بِهَا قَرْيَةً فِيهَا مَلِكٌ مِنَ الْمُلُوكِ، أَوْ جَبَّارٌ مِنَ الْجَبَابِرَةِ، فَقِيلَ: دَخَلَ إِبْرَاهِيمُ بِامْرَأَةٍ هِيَ مِنْ أَحْسَنِ النِّسَاءِ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ: أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ مَنْ هَذِهِ الَّتِي مَعَكَ؟ قَالَ: أُخْتِي، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيْهَا فَقَالَ: لَا تُكَذِّبِي حَدِيثِي، فَإِنِّي أَخْبَرْتُهُمْ أَنَّكِ أُخْتِي، وَاللَّهِ إِنْ عَلَى الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ، فَأَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ فَقَامَ إِلَيْهَا، فَقَامَتْ تَوَضَّأُ وَتُصَلِّي، فَقَالَتْ: اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ وَ أَحْصَنْتُ فَرْجِي إِلَّا عَلَى زَوْجِي فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ الْكَافِرَ، فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ.

قَالَ الْأَعْرَجُ: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ: إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَتْ: اللَّهُمَّ إِنْ يَمُتْ يُقَالُ هِيَ قَتَلَتْهُ، فَأُرْسِلَ، ثُمَّ قَامَ إِلَيْهَا فَقَامَتْ تَوَضَّأُ تُصَلِّي وَتَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنْ كُنْتُ آمَنْتُ بِكَ وَبِرَسُولِكَ وَ أَحْصَنْتُ فَرْجِي إِلَّا عَلَى زَوْجِي، فَلَا تُسَلِّطْ عَلَيَّ هٰذَا الْكَافِرَ، فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ.

قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ: قَالَ أَبُو سَلَمَةَ: قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَقَالَتْ: اللَّهُمَّ إِنْ يَمُتْ فَيُقَالُ هِيَ قَتَلَتْهُ، فَأُرْسِلَ فِي الثَّانِيَةِ، أَوْ فِي الثَّالِثَةِ، فَقَالَ: وَاللَّهِ مَا أَرْسَلْتُمْ إِلَيَّ إِلَّا شَيْطَانًا،

ارْجِعُوهَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ، وَ أَعْطُوهَا آجَرَ. فَرَجَعَتْ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَقَالَتْ: أَشَعَرْتَ أَنَّ اللَّهَ كَبَتَ الْكَافِرَ وَ أَخْدَمَ وَلِيدَةً.

﴿ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے ساتھ ہجرت کی اور ان کو لے کر ایک بستی میں داخل ہوئے جس پر ایک بڑا بادشاہ یا ایک بڑا جبار، راوی کو شبہ ہے کہ کون سا لفظ کہا، حکمران تھا۔ بادشاہ کو اطلاع دی گئی کہ ابراہیم آئے ہیں اور ان کے ساتھ ایک حسین عورت ہے۔ اس نے پوچھوایا کہ ابراہیم، یہ تمہارے ساتھ کون عورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ میری بہن ہے۔ پھر سارہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو میری بات جھٹلائیو نہیں۔ میں نے اس کو بتایا کہ تم میری بہن ہو۔ اللہ کی قسم روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی اور مومن نہیں ہے۔ پھر سارہ کو بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ بادشاہ سارہ کی طرف بڑھنے کے لیے اٹھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں، وضو کیا اور نماز شروع کر دی اور دعا کی کہ اے اللہ اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے ناموس کی حفاظت کی ہے، بجز اپنے شوہر کے کسی اور کو اجازت نہیں دی، تو اس کافر کو میرے اوپر مسلط نہ ہونے دے۔ اس پر بادشاہ کا سانس گلے میں پھنس گیا اور وہ گر کر ایڑیاں رگڑنے لگا۔ کہتے ہیں کہ اعرج نے ابو سلمہ اور ابو ہریرہ کی سند سے بتایا کہ سارہ نے دعا کی کہ اے اللہ، اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اس عورت نے اس کو قتل کیا، چنانچہ بادشاہ کو بچا لیا گیا۔ پھر اس نے سارہ کا ارادہ کیا تو انہوں نے وضو کیا، نماز کے لیے کھڑی ہوئیں اور دعا کی اے اللہ اگر میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی ہے، بجز اپنے شوہر کے کسی کو اجازت نہیں دی تو اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ ہونے دے۔ اس پر بادشاہ کا سانس اس کے حلق میں پھنس گیا اور وہ گر کر ایڑیاں رگڑنے لگا۔ عبدالرحمٰن نے ابو سلمہ اور ابو ہریرہ کے حوالہ سے کہا کہ سارہ کہنے لگیں کہ اے اللہ، اگر یہ مر گیا تو کہا جائے گا کہ اس عورت نے قتل کیا تو وہ دوسری دفعہ بھی اچھا ہو گیا۔ تیسری دفعہ بھی یہی ہوا تو بادشاہ نے کہا یہ تم لوگوں نے ایک شیطان عورت کو میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اس کو ابراہیم کے پاس لوٹا دو اور حاجر، ایک لونڈی اس کو دے دو۔ وہ اس کو لے کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس لوٹیں اور کہا کہ آپ کو پتہ ہے کہ اللہ نے اس کافر کو کس طریقے سے ذلیل کیا اور کتنا مجبور ہو کر اس نے ایک چھوکری میری خدمت میں لگا دی۔ ﴾

وضاحت:

حدیثوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو تین جھوٹ مشہور ہیں ان میں سے ایک جھوٹ یہی ہے جو اس روایت میں بیان ہوا ہے۔ اب تک ہم ان کے جھوٹ کی توجیہ یوں کر دیتے تھے کہ کذب کا لفظ مغالطہ دینے کے معنی میں بھی آتا ہے اور ایسا کرنا اور ذو معنی بات کر دینا جائز ہے۔ لیکن یہاں یہ قصہ جس طرح بیان ہوا ہے اگر ذرا بھی کسی میں عقل ہے تو تسلیم کرے گا کہ یہودیوں کا گڑھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت ہاجرہ کی اولاد ہیں اور حضرت اسحٰق حضرت سارہؓ کی۔ تو یہود یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ ایک لونڈی کی اولاد ہیں اور لونڈی حضرت سارہ کو اس طریقہ سے ملی تھی اور حضرت سارہ کے اندر یہ کرامات تھیں۔ اس قصہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک ایسا جھوٹ بولنے کا مرتکب گردانا گیا ہے جس کا آسمان و زمین میں کوئی فائدہ نہیں۔ اگر وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ میری بہن ہے تو اس سے تو بادشاہ کو ترغیب ہوتی اور فی الواقعہ ایسا ہی ہوا۔ اگر وہ یہ کہتے کہ میری بیوی ہے تو کوئی خیال کر سکتا تھا کہ کسی کی منکوحہ پر ہاتھ ڈالنے کی کیا حماقت کرے، یہ کون سی مردمی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ دیکھو مجھے جھٹلا ئیو نہیں، میں نے ان سے کہا ہے کہ تم میری بہن ہو لہذا تم یہ بیان نہ بدلنا۔ اور اللہ کی قسم روئے زمین پر ہم دو ہی مومن ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے، کیا ایمان کی خاطر جھوٹ بولا تھا۔ ایمان کا کم از کم تقاضا تو یہ تھا کہ جھوٹ نہ بولتے۔ مزید غور کیجئے تو یہاں دوسرا جھوٹ بھی چھپا ہوا ہے۔ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی قوم ان کی جان کی دشمن ہوگئی تو انہوں نے ہجرت کی۔ اس وقت ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام بھی ان پر ایمان لائے ہوئے تھے اور یہ چچا بھتیجا اکٹھے سرزمین کنعان میں آ بسے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ روئے زمین پر صرف دو ہی مومن نہ تھے بلکہ کم از کم تین مومن تھے۔

بہر حال یہ روایت یہودیوں کا گپ ہے جس کو امام صاحب نے اپنی صحیح میں ٹھونس دیا ہے اور یہ روایت صحیح بخاری کے سوا، جہاں تک مجھے یاد ہے، اور کہیں نہیں ہے۔

۱۶۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: اخْتَصَمَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ وَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ فِي غُلَامٍ، فَقَالَ سَعْدٌ: هٰذَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ابْنُ أَخِي عُتْبَةَ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَهِدَ إِلَيَّ أَنَّهُ ابْنُهُ، أَنْظُرْ إِلَى شَبَهِهِ. وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ: هٰذَا أَخِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وُلِدَ عَلَى فِرَاشِ أَبِي مِنْ وَلِيدَتِهِ، فَنَظَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى شَبَهِهِ، فَرَأَى شَبَهًا بَيِّنًا بِعُتْبَةَ، فَقَالَ: هُوَ لَكَ يَا عَبْدُ، اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، وَاحْتَجِبِي مِنْهُ يَا سَوْدَةُ بِنْتَ زَمْعَةَ. فَلَمْ تَرَهُ سَوْدَةُ قَطُّ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ دونوں کے مابین ایک لڑکے کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ سعد کہنے لگے یا رسول اللہ، یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے۔ انہوں نے مجھے وصیت کی تھی کہ یہ ان کا بیٹا ہے۔ آپ اس کی مشابہت دیکھ لیجئے۔ عبد بن زمعہ کہنے لگے یا رسول اللہ، یہ میرا بھائی ہے، یہ میرے باپ کے بستر پر ان کی لونڈی سے پیدا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے لڑکے کو دیکھا تو عتبہ کے مشابہ معلوم ہوا۔ پھر آپ نے عبد بن زمعہ سے فرمایا یہ تمہارا ہے، اے عبد بن زمعہ، لڑکا اسی کو ملتا ہے جس کے گھر پیدا ہوا اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔ اور سودہؓ سے جو زمعہ کی بیٹی تھیں فرمایا کہ تم اس سے پردہ کیا کرو۔ حضرت سودہؓ نے پھر اس کو کبھی نہیں دیکھا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت بھی امام صاحب اسی باب کے تحت لائے ہیں جو غیر مسلموں کے حقوق کے بارے میں ہے۔ ولادت، ملکیت وغیرہ کے جو قانونی حقوق ان کے ہیں وہ مانے جائیں گے۔ امام صاحب کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ دونوں شکلوں میں اولاد کافروں کی ہے لیکن قانون میں ان کے جو حقوق ہیں وہ تسلیم کیے گئے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ کافروں کا کیا اعتبار۔ اس طرح امام صاحب نے ان لوگوں کا زور توڑنا چاہا ہے جو کافروں کے معاملہ میں خدائی فوجدار بنے پھرتے ہیں۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ کافروں کا حق حق ہوگا، ان کی لونڈیاں، ان کی جائیدادان کی ملکیت ہوگی اور معاملات ان سے قانون کے تحت ہوں گے۔ البتہ ان سے اگر کوئی جنگ کا معاملہ درپیش ہوا تو اس کے اصول الگ ہیں۔

الولد للفراش وللعاهر الحجر. آنحضرت ﷺ نے فیصلہ فرمادیا کہ لڑکا اسی کا ہوگا جس کے بستر پر پیدا ہوا یعنی جس کے گھر اس کی ولادت ہوئی اور زانی کے لیے پتھر ہیں۔ یہ تعبیر محرومی کے لیے آتی ہے۔

۱۶۱۔ حَدَّثَنَامُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ: قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لِصُهَيْبٍ: اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَدَّعِ إِلَى غَيْرِ أَبِيكَ. فَقَالَ صُهَيْبٌ: مَا يَسُرُّنِي أَنَّ لِي كَذَا وَ كَذَا، وَ أَنِّي قُلْتُ ذٰلِكَ، وَلٰكِنِّي سُرِقْتُ وَ أَنَا صَبِيٌّ.

﴿سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے صہیب سے کہا اے صہیب، اللہ سے ڈرو اور اپنے باپ کے سوا کسی اور سے اپنے کو منسوب نہ کرو۔ صہیب نے کہا کہ مجھے اس طرح کے دعوی سے خوشی نہیں ہوتی۔ میں نے یہ بات ضرور کہی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں چھوٹا تھا کہ چرالیا گیا تھا۔﴾

وضاحت:

یہاں یہ روایت بے حد مجمل ہے اس لیے اس کو سمجھنا مشکل ہے۔ دوسری کتابوں میں جو روایات آئی ہیں ان کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صہیبؓ اصلاً عرب تھے۔ ان کے والد کا نام سنان بن مالک تھا جو قبیلہ نمر سے تھے۔ ان کی والدہ بنو تمیم سے تھیں۔ یہ نسب صہیب کے ذہن میں محفوظ رہا۔ یہ ابھی بچے تھے کہ کسی نے ان کو اغوا کر کے رومیوں کے ہاتھ بیچ دیا۔ ان کی پرورش رومی علاقے میں ہوئی اس لیے ان کی مادری زبان کی حفاظت نہ ہو سکی اور رومی لہجے میں عربی بولتے تھے۔ لیکن وہ بتاتے تھے کہ اغوا کے وقت مجھے اتنا شعور تھا کہ میں کن لوگوں میں پیدا ہوا اور کن میں بھیجا گیا۔ یہ جب عرب میں واپس آئے تو اپنے حسب و نسب کا اظہار کیا۔ عرب اپنے نسب کے بارے میں بڑے حساس ہیں۔ اتفاق سے ایک بڑے آدمی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کے بیان پر شبہ کا اظہار کیا۔ تب صہیب نے کہا کہ اگر میری پیدائش مٹی کے ڈھیلے سے بھی ہوئی ہوتی تو میں اس پر فخر کرتا۔ لہٰذا مجھے اپنے ماں باپ کے سوا کسی اور سے اپنے آپ کو منسوب کرنے کی حاجت نہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ میں عرب ہوں، سنان بن مالک کا بیٹا ہوں۔ البتہ بچپن میں مجھے چرا لیا گیا اور رومیوں کے ہاتھ بیچ دیا گیا۔ چونکہ میری پرورش ان میں ہوئی اس لیے میں انہی کی زبان بولنے لگا۔

یہ روایت بھی امام صاحب یہ ثابت کرنے کے لیے لائے ہیں کہ کافروں کی ملک بھی صحیح اور مسلم ہے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

۱۶۲۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ أُمُورًا كُنْتُ أَتَحَنَّثُ، أَوْ أَتَحَنَّثُ بِهَا، فِي الْجَاهِلِيَّةِ، مِنْ صِلَةٍ وَ عَتَاقَةٍ وَصَدَقَةٍ، هَلْ لِي فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ: حَكِيمٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَسْلَمْتَ عَلَى مَا سَلَفَ لَكَ مِنْ خَيْرٍ.

﴿حضرت حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ، فرمایئے جو نیک کام میں نے جاہلیت کے زمانے میں صلہ رحمی، غلاموں کی آزادی یا صدقہ دینے کی قسم کے کئے تو ان کا ثواب کچھ مجھ کو ملے گا تو حکیم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو نیکیاں تم کر چکے ہو ان کو قائم رکھ کر اسلام لے آئے ہو۔﴾

وضاحت:

یہ امام صاحب نے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا کہ جاہلیت میں کسی نے نیکیاں کی تھیں، پھر اسلام لے آیا تو اس کو ان نیکیوں پر بھی اجر ملے گا۔ فطرت کے عام قانون کے لحاظ سے وہ سب نیکی کے کام ہیں تو سب اس کے کھاتے

میں جمع ہونا چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حکیمؓ سے جو کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان نیکیوں کو حدم کر کے نہیں بلکہ ان کو باقی رکھ کر تم اسلام لائے ہو اور اس کا اجر تم کو ملے گا۔ اس کے برعکس جو باطل چیزیں کی ہوں گی اسلام ان کا حادم ہوگا۔

۹۸ . باب: جُلُودِ الْمَيْتَةِ قَبْلَ اَنْ تُدْبَغَ

باب: مردار کی کھال دباغت سے پہلے

۱۶۳۔ حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا اَبِي، عَنْ صَالِحٍ قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ شِهَابٍ: اَنَّ عُبَيْدَاللّٰهِ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ اَخْبَرَهُ: اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَخْبَرَهُ: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِشَاةٍ مَيْتَةٍ، فَقَالَ: هَلَّا اسْتَمْتَعْتُمْ بِاِهَابِهَا. قَالُوا: اِنَّهَا مَيْتَةٌ. قَالَ: اِنَّمَا حَرُمَ اَكْلُهَا.

﴿عبداللہ بن عباسؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک مری ہوئی بکری پر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کی کھال سے فائدہ نہیں اٹھایا تو لوگوں نے کہا یہ تو مردہ ہے۔ آپ نے فرمایا مردار کا فقط کھانا حرام ہے۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ کہ اس کی کھال سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ مردار کا فقط کھانا حرام ہے۔ سوال یہ ہے کہ دباغت کا اس میں کہاں ذکر آیا جس کا تذکرہ امام صاحب نے ترجمہ باب میں کیا ہے۔ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق جب کھال حرام نہیں اور اس کو استعمال میں لایا جا سکتا ہے تو ظاہر ہے دباغت کرایئے، جوتے بنوایئے، جائے نماز بنوایئے جس استعمال میں لایئے سب جائز ہے۔ اس کو آپ بیچ بھی سکتے ہیں۔

۹۹ . باب: قَتْلِ الْخِنْزِيرِ

وَقَالَ جَابِرٌ: حَرَّمَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْعَ الْخِنْزِيرِ.

باب: خنزیر مارنا

اور حضرت جابرؓ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے خنزیر کے بیچنے کو حرام کیا۔

۱۶۴۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ: اَنَّهُ

سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَيُوشِكَنَّ اَنْ يَنْزِلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُقْسِطًا، فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ، وَيَقْتُلَ الْخِنْزِيرَ، وَيَضَعَ الْجِزْيَةَ، وَ يَفِيضَ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ اَحَدٌ".

﴿ابن شہاب ابن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہؓ سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کی مٹھی میں میری جان ہے کہ قریب ہے وہ وقت کہ تمہارے اندر ابن مریم اتریں گے فیصلہ کرنے والے عادل بن کر۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے، اور مال کی اتنی ریل پیل ہو جائے گی کہ کوئی اس کا قبول کرنے والا نہ ملے۔﴾

وضاحت:

اصل روایت تو ہے حضرت مسیحؑ کے آنے کے بارے میں جو ظاہر ہے کوئی غیر معمولی واقعہ ہوگا اور امام صاحب نے اس پر باب باندھا ہے "قتل خنزیر" کا۔

سب سے پہلے روایت کی سند کو دیکھئے کہ راویوں کی حیثیت کیا ہے۔ ایک راوی تو ابن شہاب ہیں جن کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار میں کرتا آ رہا ہوں۔ دوسرے راوی سعید ابن المسیب ہیں۔ ان سے مجھے پہلے بڑا حسن ظن رہا ہے کہ مدینہ کے جید علماء میں سے ہیں۔ میں ان کی بڑی تعریف کرتا رہا کہ فقہ میں ان کا بڑا مقام ہے۔ لیکن جب میں نے ان کے بارے میں جرح و تعدیل کے ائمہ کی رائے پڑھی تو معلوم ہوا کہ یہ شیعوں کے ساتھ شیعہ اور سنیوں کے ساتھ سنی ہیں تو میں بڑا مایوس ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام صاحب نے جو باب باندھا ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ بنیاد پرست Fundamentalist قسم کے جو مسلمان خدائی فوجدار بنے رہتے ہیں وہ تو ہر وقت تیار ہیں کہ جہاں خنزیر کو دیکھو قتل کرو۔ کوئی ان سے یہ پوچھے کہ یہ کام تو حضرت مسیح کرنے والے ہیں، آپ نے کیوں شروع کر دیا ہے۔ اور اگر یہ شروع کر دیا ہے تو کسر صلیب بھی شروع کر دیجئے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ خنزیر کے قتل کر دینے سے کیا بن جائے گا۔ ہمارے علاقہ میں گاؤں کے باہر کچھ جھاڑیاں اور جنگل سا تھا جہاں لوگ ضرورت کے لیے جاتے۔ مجھے یاد ہے کہ ہر دوسرے تیسرے دن خنزیروں کا ایک غول اس میں سے گزر جاتا اور ساری صفائی کر دیتا تو اس طرح ایک خدمت تو تھی جو وہ سرانجام دیتے۔ البتہ اس علاقہ میں خنزیر خطرناک ہیں اور کھیتوں میں گھس کر راتوں رات گنے کی فصل تباہ کر دیتے

ہیں۔ اس بارے میں امام شافعی کی رائے ہے کہ خنزیر صرف خطرناک ہونے کی صورت میں مارا جائے گا۔ امام صاحب نے قتل خنزیر کا باب شاید مذرت کے خیال سے باندھا ہے ورنہ کتاب المبیوع کے حوالہ سے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔

اب رہ گئی یہ بات کہ حضرت مسیح علیہ السلام آئیں گے تو یہ ایک طویل بحث ہے۔ روایات اور بھی ہیں کہ وہ مسجد دمشق کے مشرقی مینار پر اتریں گے۔ دو فرشتے ان کے ساتھ ہوں گے، ایک دائیں اور دوسرا بائیں اور وہ ان کے پروں پر ہاتھ رکھ کر نازل ہوں گے۔ ان روایات کے متعلق ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ ان کا ایک پس منظر ہے۔ وہ یہ کہ سیدنا مسیح آئے اس لیے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کی بشارت دیں۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی بعثت کی بشارت نام لے کر بڑی دھوم سے دی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے ساتھ ساتھ یہ پیغام بھی بہت زور کے ساتھ دیا کہ آسمانی بادشاہی آنے والی ہے۔ تمام انجیلوں میں اس کا ذکر ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام وہ بادشاہی خود قائم نہیں کر پائے۔ نصاریٰ کو فکر ہوئی کہ جب حضرت مسیح کی حیات میں وہ بادشاہی قائم نہیں ہوئی تو انہوں نے یہ عقیدہ بنالیا کہ حضرت مسیح دوبارہ آئیں گے اور حضرت داؤد کی سلطنت قائم کریں گے۔ آسمانی بادشاہی کی پیشنگوئیوں کو نصاریٰ اسی پر منطبق کرتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ نصاریٰ نے یہ بات اس وقت شروع کی جب مسلمانوں نے واضح کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے جس آسمانی بادشاہی کی بشارت دی تھی وہ آنحضرت ﷺ نے شروع کی اور آپ کے خلفاء کے زمانے میں اس نے تکمیل پائی۔ اس کے توڑ کے لیے نصاریٰ کے ہاں نزول مسیح کی روایت ہے۔ اب یہ ہوا کہ ہم نے اپنے ہاں بھی وہ روایت لے لی کہ حضرت مسیح علیہ السلام آئیں گے اور یہ یہ کام کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے، اس کی تعبیر تو یہ ہے کہ وہ نصاریٰ کو شکست دیں گے۔ اس کے ساتھ جزیہ کو ختم کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور جزیہ آپ سے آپ ختم ہو جائے گا۔ اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ یہ تمام باتیں نصاریٰ کے عقیدہ کے خلاف جاتی ہیں اور مسلمانوں کے حق میں ہیں۔ بہر حال میرے نزدیک نصاریٰ کی روایت ہمارے ہاں بھی آ گئی ہے اور اس کی محرک وہی آسمانی بادشاہی کی پیشنگوئی ہے۔ حالانکہ وہ آسمانی بادشاہی خلافت راشدہ کے ذریعہ قائم ہو چکی اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے متعلق تمام پیشنگوئیاں صد فیصد خلافت راشدہ پر منطبق ہوتی ہیں۔ مولانا حمید الدین کی رائے بھی یہی ہے کہ مسیح علیہ السلام خاتم الانبیاء آنحضرت ﷺ کی بشارت دینے آئے تھے اور ان کی آسمانی بادشاہی کا مظہر خلافت راشدہ ہے۔ اس روایت میں بھی آیا ہے کہ ویفیض المال اور مال کی بہت ریل پیل ہوگی۔ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کے زمانے میں یہ صورت حال تھی کہ لوگ زکوٰۃ کا مال لیے پھرتے تھے اور کوئی لینے والا نہ تھا۔ اب یہ چیزیں کہاں سے آئی ہیں تو ظاہر ہے کہ انہی ذرائع سے آئی ہیں کہ جن لوگوں نے عیسائیوں کی باتوں کا کچھ جواب سوچا اور بنایا ان کے ذریعہ سے وہ ہمارے ہاں بھی داخل ہو گئیں۔

آخر میں علی سبیل التنزل یہ کہتا ہوں کہ یہ بات کہ حضرت مسیح علیہ السلام آئیں گے، عقیدہ کا حصہ نہیں بن سکتی۔ عقاید کا کوئی تعلق اخبار احاد سے نہیں ہے اور اخبار احاد بھی وہ جس کے راوی ابن شہاب ہوں۔ عقیدہ کے لیے لازم ہے کہ وہ قرآن مجید سے ثابت ہو۔ اگر کوئی ماننا چاہے تو مانے، میرا اس پر عقیدہ نہیں ہے۔ سورہ نساء کی آیت وما قتلوہ و ما صلبوہ و لکن شبہ لھم کی تفسیر کرتے ہوئے جو توجیہ میں نے کردی ہے اس پر میں مطمئن ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی، نہ قتل کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو باعزت طریقہ سے اٹھالیا۔ جس طریقہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کو اٹھالیا۔ سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کو اٹھالیا اور اپنے تمام باعزت بندوں کو اٹھالیتا ہے۔ خود حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ والسلام علی یوم ولدت و یوم اموت و یوم ابعث حیا (مریم:۳۳) "سلامتی ہے مجھ پر اس دن جس دن میں پیدا ہوا، جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا"۔ قرآن میں کہیں نہیں ہے کہ مسیح دوبارہ آئیں گے۔ اتنا بڑا عقیدہ قرآن میں ہونا چاہیے تھا۔ اخبار احاد پر ہم کوئی عقیدہ نہیں قائم کرسکتے۔

اب پھر بھی اگر لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح آنے والے ہیں تو آئیں۔ یہ ہمارے لیے انتہائی خوشی اور سعادت کی بات ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر رسول ہم میں آئیں۔ لیکن کہنے والوں کی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔

۱۰۰. باب: لَا يُذَابُ شَحْمُ الْمَيْتَةِ وَلَا يُبَاعُ وَدَكُهُ

رَوَاهُ جَابِرٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

باب: مردار کی چربی گلانا اور اس کو بیچنا منع ہے اس کو جابر نے نبی ﷺ سے روایت کیا

۱۶۵۔ حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي طَاوُسٌ: أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: بَلَغَ عُمَرَ أَنَّ فُلَانًا بَاعَ خَمْرًا، فَقَالَ: قَاتَلَ اللّٰهُ فُلَانًا، أَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ، فَجَمَلُوهَا فَبَاعُوهَا.

﴿طاؤس کہتے ہیں کہ انہوں نے ابن عباسؓ کو فرماتے سنا کہ حضرت عمرؓ کو یہ بات پہنچی کہ فلاں نے شراب بیچی ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ فلاں کو ہلاک کرے۔ کیا اس کو پتہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ یہود پر لعنت کرے کہ ان کے اوپر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اس کو گلا کر بیچ ڈالا۔﴾

وضاحت:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راوی نے روایت کے الفاظ کچھ کم کر دیے ہیں اور مطلب پوری طرح واضح نہیں ہو رہا ہے۔ اس لیے کہ جب حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی کہ فلاں نے شراب بیچی تو مسلمان کے تعلق سے یہ صرف ایک شکل میں ممکن ہے کہ اس نے علی سبیل التاویل بیچی ہو۔ یعنی براہ راست شراب بیچنے کی تو کوئی مسلمان اس زمانہ میں جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ اگر یہ بات ہوتی تو حضرت عمرؓ اس کو بلا کر سزا دیتے اور یہ کیوں فرماتے کہ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے کہ ان پر چربی حرام کی گئی تھی تو انہوں نے اس کو گلا کر بیچنا شروع کر دیا۔ مطلب یہ ہے کہ شراب جو انہوں نے بیچی تو اس کی کوئی تاویل کی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ شراب سرکہ میں بدل گئی اور انہوں نے اس کو بیچ دیا۔ دوسری جگہ یہ چیز ہے بھی کہ انہوں نے شراب کی شکل تبدیل کر کے بیچی تھی۔ ہوسکتا ہے نبیذ بنانا چاہا ہو اور سکر زیادہ ہوگیا۔ شراب بن گئی اور سرکہ بنا کر بیچ دیا۔ ذہین لوگ ہمیشہ سے رہے ہیں۔ تاویلیں کر کے شراب بیچنا درست نہیں۔ حضرت عمرؓ نے منع کیا تو یہ سدا للذریعہ ہے۔ اس طرح فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جائے تو حرام کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

۱۶۶۔ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ: اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ: اَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيَّبِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: قَاتَلَ اللّٰهُ يَهُودَ، حُرِّمَتْ عَلَيْهِمُ الشُّحُومُ، فَبَاعُوهَا وَ اَكَلُوا اَثْمَانَهَا.

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: یہود کو اللہ غارت کرے۔ ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے بیچ کر اس کی قیمت کھائی۔﴾

وضاحت:

معلوم ہوا کہ حرام چیزوں کی شکل تبدیل کر کے بیچنا اور اس کی قیمت کھانا اس حدیث کی رو سے حرام ہے۔

۱۰۱. باب: بَيْعِ التَّصَاوِيرِ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا رُوحٌ، وَمَا يُكْرَهُ مِنْ ذٰلِكَ

باب: ایسی تصویروں کی خرید و فروخت جن میں روح نہیں ہوتی اور اس سلسلے میں جو چیزیں مکروہ ہیں ان کا بیان

۱۶۷۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِالْوَهَّابِ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ: اَخْبَرَنَا عَوْفٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ اَبِي الْحَسَنِ قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اِذْ اَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا اَبَا

عَبَّاسٍ إِنِّي إِنْسَانٌ" إِنَّمَا مَعِيشَتِي مِنْ صَنْعَةِ يَدِي وَ إِنِّي أَصْنَعُ هٰذِهِ التَّصَاوِيرَ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَا أُحَدِّثُكَ إِلَّا مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ: مَنْ صَوَّرَ صُورَةً فَإِنَّ اللّٰهَ مُعَذِّبُهُ حَتّٰى يَنْفُخَ فِيهَا الرُّوحَ، وَلَيْسَ بِنَافِخٍ فِيهَا أَبَدًا. فَرَبَا الرَّجُلُ رَبْوَةً شَدِيدَةً وَاصْفَرَّ وَجْهُهُ، فَقَالَ: وَيْحَكَ، إِنْ أَبَيْتَ إِلَّا أَنْ تَصْنَعَ، فَعَلَيْكَ بِهٰذَا الشَّجَرِ، كُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ فِيهِ رُوحٌ".

قَالَ أَبُو عَبْدِاللّٰهِ: سَمِعَ سَعِيدُ بْنُ أَبِي عَرُوبَةَ مِنَ النَّضْرِ بْنِ أَنَسٍ هٰذَا الْوَاحِدَ.

﴿سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں کہ میں ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک آدمی آیا اور کہا کہ اے ابن عباس، میں ایک ایسا انسان ہوں جس کی معاش اپنے ہاتھ کی کارگزاری پر ہے، میں یہ تصویریں بناتا ہوں۔ ابن عباسؓ نے کہا میں تو تم سے وہی بات کہوں گا جو میں نے نبی ﷺ سے سنی ہے۔ میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ جس شخص نے کوئی تصویر بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ اس میں روح پھونکے۔ اور وہ کبھی روح پھونکنے والا نہیں ہوسکتا۔ تو اس شخص نے ایک اونچا سانس لیا، اس کا چہرہ زرد ہوگیا تو ابن عباس نے کہا کہ اللہ تیرا ناس کرے، اگر تجھے انکار ہے اور تو تصویریں بنانے پر مصر ہے تو درختوں کی اور ان چیزوں کی، جن میں روح نہ ہو، تصویریں بنایا کر۔

ابوعبداللہ (امام بخاری) نے کہا کہ سعید بن ابی عروبہ نے نضر بن انس سے یہی ایک حدیث سنی۔﴾

وضاحت:

اس روایت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر اس چیز کی تصویر بنانا جائز نہیں ہے، جس میں روح ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب میں تصویر بنانا کوئی آرٹ کی حیثیت نہیں رکھتا تھا اگرچہ اس شخص نے یہ کہا کہ یہ میرا معاش ہے۔ عرب فرشتوں اور بتوں وغیرہ کی تصویریں بناتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ ان بتوں کو تصرف حاصل ہے۔ حدیث سے جو عام حکم نکل رہا ہے وہ سد اللذ ریعہ ہے۔ اسلام میں ایک اصول ہے کہ جس چیز کے سبب سے فتنے پیدا ہوتے ہیں تو اس سلسلے کی چھوٹی چیزیں بھی جو بظاہر بے ضرر ہیں منع کر دی جاتی ہیں۔ اس کے بارے میں اگر یہ اطمینان ہو جائے کہ جہاں تک فتنہ کے ذریعہ ہونے کا معاملہ تھا اس کا سدباب ہوگیا تو چھوٹی چیزوں پر پابندی اگر بعد میں اٹھالی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کی مثالیں شریعت میں ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے شروع میں کسی چیز کو منع فرمایا، بعد میں آپ نے کہہ دیا کہ میں نے منع کیا تھا لیکن اب اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس روایت میں فرشتوں یا دیوی

دیوتاؤں کی تصاویر مراد ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ تصویر بنانے والوں سے کہا جائے گا کہ تم اس میں روح پھونکو اور اگر نہیں پھونکتے تو پھر تمہیں اسی عذاب میں رہنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات ان کے عقیدہ کی وجہ سے کہی جائے گی۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یہ ارواح ہیں اور تصرف کرتی ہیں، روزی دلاتی ہیں، پانی برساتی ہیں، وغیرہ۔

اس زمانے میں بہت سی چیزیں ضروریات میں داخل ہوگئی ہیں جن کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ ان میں سے ایک تصویر بھی ہے۔ اس کا سدباب اس زمانے میں کرنا ممکن نہیں ہے، اور اس کی وجہ بھی موجود نہیں ہے۔ عام تصویر کی ممانعت تو ہے بھی نہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے مسجد اقصیٰ پر جو تصویریں بنوائی تھیں وہ درختوں کی بیلوں کی اور نقش و نگار، سب آرٹ کی قسم کی تھیں۔ فرشتوں وغیرہ کی تصویروں کا جو ذکر آتا ہے یہ بعد کی چیزیں ہیں۔ حضرت سلیمان کے زمانے کی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ مسجد کی کئی بار تخریب بھی ہوئی اور تعمیر بھی۔ میرے نزدیک مسئلہ کی صورت یہ ہے اور یہ اصول ہمارے پاس موجود ہے کہ پہلے کسی غلط کام کے سدباب کے لیے کچھ چیزوں کو روکا گیا اور بعد میں جائز قرار دے دیا گیا۔

۱۰۲. باب: تَحْرِيمِ التِّجَارَةِ فِي الْخَمْرِ

وَقَالَ جَابِرٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: حَرَّمَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْعَ الْخَمْرِ.

باب: شراب کی تجارت کی حرمت

اور جابرؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے اس کی خرید و فروخت حرام کی ہے

۱۲۸۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: لَمَّا نَزَلَتْ آيَاتُ سُورَةِ الْبَقَرَةِ عَنْ آخِرِهَا، خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: حُرِّمَتِ التِّجَارَةُ فِي الْخَمْرِ

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب سورۃ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو نبی ﷺ اپنے حجرے سے نکلے اور فرمایا کہ شراب کی تجارت حرام کر دی گئی۔﴾

وضاحت:

معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت اور اس کی تجارت کی حرمت دونوں میں کچھ تھوڑا آگے پیچھے کا فرق ہے۔ یہ اصول معقول ہے کہ جس چیز کا استعمال حرام ہے اس کی تجارت بھی حرام ہے۔

۱۰۳ . باب: اِثْمِ مَنْ بَاعَ حُرًّا

باب: آزاد شخص کے بیچنے کا گناہ

۱۶۹۔ حَدَّثَنِي بِشْرُ بْنُ مَرْحُومٍ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ اللَّهُ: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ " أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ " بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ " اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تین آدمیوں کا میں قیامت کے دن دشمن ہوں گا۔ایک وہ کہ جس نے میرے نام پر عہد کیا اور پھر بے وفائی کی۔ دوسرا وہ کہ جس نے کسی آزاد کو غلام قرار دے کر بیچ دیا اور اس کی قیمت کھائی۔اور تیسرا وہ کہ جس نے کسی مزدور سے پورا کام لیا لیکن اس کی اجرت نہیں دی۔﴾

وضاحت:

یہ تینوں بڑے اخلاقی جرائم ہیں۔اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد و پیمان کرنا اور پھر اس کو توڑ دینا اللہ سے بے وفائی ہے۔اسی طرح دوسرے دو جرائم کے مرتکب ظلم و زیادتی کی نہایت مکروہ شکل اختیار کرتے ہیں جس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کا غضب مول لینے والے ہیں۔قیامت کے دن جن مجرموں کے خلاف اللہ تعالیٰ خود مدعی ہوگا تو ان کی نامرادی کی کوئی حد نہیں۔

۱۰۴ . باب: بَيْعِ الْعَبِيدِ وَالْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً

وَاشْتَرَى ابْنُ عُمَرَ رَاحِلَةً بِأَرْبَعَةِ أَبْعِرَةٍ مَضْمُونَةٍ عَلَيْهِ، يُوفِيهَا صَاحِبَهَا بِالرَّبَذَةِ. وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: قَدْ يَكُونُ الْبَعِيرُ خَيْرًا مِنَ الْبَعِيرَيْنِ. وَاشْتَرَى رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ بَعِيرًا بِبَعِيرَيْنِ فَأَعْطَاهُ أَحَدَهُمَا، وَقَالَ: آتِيكَ بِالْآخَرِ غَدًا رَهْوًا إِنْ شَاءَ اللَّهُ. وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ: لَا رِبَا فِي الْحَيَوَانِ: الْبَعِيرُ بِالْبَعِيرَيْنِ وَالشَّاةُ بِالشَّاتَيْنِ إِلَى أَجَلٍ. وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: لَا بَأْسَ بَعِيرٌ " بِبَعِيرَيْنِ نَسِيئَةً.

باب: غلام کا اور جانور کا جانور کے بدلے میں ادھار بیچنا

حضرت ابن عمرؓ نے ایک ناقہ چار اونٹوں کے بدلہ میں خریدی اور ضمانت اس پر یہ تھی کہ مالک ربذہ چل کر جانوروں کا قبضہ لے گا۔ اور ابن عباسؓ نے کہا کہ ایک اونٹ بہتر ہو سکتا ہے دو سے۔ اور رافع بن خدیج نے ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے خریدا۔ ایک اونٹ تو فوراً دے دیا اور دوسرا اونٹ کل دینے کا وعدہ کیا کہ انشاء اللہ اس میں دیر نہ ہوگی۔ اور سعید بن میسب نے کہا جانور میں ربا نہیں۔ ایک اونٹ دو کے بدلے میں اور ایک بکری دو کے بدلے میں کچھ مدت کے لیے ادھار خرید سکتا ہے اور ابن سیرین نے کہا ایک اونٹ دو اونٹوں کے بدلے میں ادھار بیچنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

وضاحت:

یہ بحث پیچھے گزر چکی ہے کہ جب اصناف تبدیل ہو جائیں تو تفاضل ہو سکتا ہے۔ وہاں دو اصول زیر بحث آئے ہیں۔ ایک لا ربا الا فی نسیئة اور دوسرا اذا اختلفت الاصناف فبیعوا کیف شئتم۔ اب یہاں اسی طرح صفات میں بھی فرق کیا گیا ہے اور غلام اور حیوانات کے بارے میں اس کی اجازت دی گئی۔ ایک اونٹ اعلیٰ نسل کا ہے تو دو یا دو سے زاید اونٹوں کے بدلے میں اس کو بیچا جا سکتا ہے اور یہ ایک معقول بات ہے۔

۲۱۷۰۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ فِي السَّبْيِ صَفِيَّةُ، فَصَارَتْ إِلَى دِحْيَةَ الْكَلْبِيِّ، ثُمَّ صَارَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ.

﴿حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ قیدیوں میں حضرت صفیہ بھی تھیں۔ پہلے وہ دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں پھر آنحضرت ﷺ کو مل گئیں۔﴾

وضاحت:

حضرت انسؓ کی یہ روایت بے حد مجمل ہے۔ آگے امام بخاری اس سلسلے کی جو روایت لا رہے ہیں وہاں اس کی دوسری شکل ہے۔ حضرت صفیہ کا نام زینب تھا۔ صفیہ کا مطلب ہے منتخب کی ہوئی۔ امیر لشکر کو اختیار ہوتا تھا کہ جو عورتیں قیدی بن کر آئیں ان میں سے اپنے لیے کسی ایک کا انتخاب کر لے تو آنحضرت ﷺ نے ان کا انتخاب کیا تھا۔ بعد میں ان کا نام ہی صفیہ پڑ گیا۔

اس روایت کی نوعیت یہ ہے کہ دحیہ کلبی نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ جو عورتیں قید ہو کر آئی ہیں ان میں

سے ایک مجھے دے دیجئے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ان میں سے جو چاہو لے لو۔ انہوں نے زینب کا انتخاب کرلیا۔ لوگوں نے آنحضرت ﷺ کو توجہ دلائی کہ یہ بنی قریظہ اور بنی نضیر کی کل سرسبد ہیں اور ان کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی ہیں اس لیے ان کا دحیہ کلبی کے قبضہ میں جانا ٹھیک نہیں۔ یہ آپ ہی کے لیے موزوں ہیں۔ اس زمانہ کا عام رواج بھی یہی تھا کہ اگر سردار کی بیٹی گرفتار ہو کر آتی تو سردار ہی کے حصہ میں آتی۔ گویا یہ اس دور کا بین الاقوامی قانون تھا۔ پھر یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے زینب کو اپنے لیے منتخب کرلیا۔ یہ بات کہ کس طریقہ سے آپ نے ان کو لیا تو اس میں بڑی فضول روایتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ انہی حضرت صفیہ کی دو چچازاد بہنیں تھیں۔ ان کو دے کر ان کے بدلے میں صفیہ کو لیا گیا۔ دوسری روایت کی رو سے سات لونڈیاں دے کر ان کے بدلے میں ان کو حاصل کیا گیا۔ یہ واقعات بہت وحشت ناک ہیں۔ تیسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت صفیہ قید ہو کر آئیں تو آنحضرت ﷺ تک یہ بات پہنچی کہ ایک ایسی عورت آئی ہے جو حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تو آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنے لیے منتخب کیا۔ ان میں سے معقول بات صرف یہ ہے کہ سرداروں کی بیٹیاں قید ہو کر آتیں تو سرداروں ہی کے حصہ میں دی جاتیں۔ میرے نزدیک مسئلہ کی نوعیت یہی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو حضرت صفیہ کے مرتبے کا علم ہوا تو آپ نے اس دور کے عام قانون کے مطابق ان کو خود لے لیا۔ حضرت صفیہ کنواری نہیں تھیں۔ پہلے شوہر سے طلاق ہوئی تھی اور دوسرا شوہر جنگ میں قتل ہوا تھا۔ اس کے باوجود یہ لوگ عروس لکھتے ہیں یعنی نئی نویلی۔ اس بارے میں اور جو روایتیں ہیں وہ میں سنانے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔

۱۰۵۔ باب: بَيْعِ الرَّقِيقِ

باب: لونڈی غلام کی فروخت

۱۷۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ مُحَيْرِيزٍ: أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا نُصِيبُ سَبْيًا، فَنُحِبُّ الْأَثْمَانَ، فَكَيْفَ تَرَى فِي الْعَزْلِ؟ فَقَالَ: أَوَ إِنَّكُمْ تَفْعَلُونَ ذَلِكَ؟ لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَا تَفْعَلُوا ذَلِكُمْ، فَإِنَّهَا لَيْسَتْ نَسَمَةٌ كَتَبَ اللَّهُ أَنْ تَخْرُجَ إِلَّا هِيَ خَارِجَةٌ.

ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ سے پوچھا، یارسول اللہ ہم کو جو لونڈیاں ملتی ہیں (ہم ان سے ملتے ہیں) لیکن ساتھ ہی یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کی قیمت بھی وصول کریں

تو عزل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم ایسا کرتے ہو۔ تم ایسا نہ کرو تو کیا حرج ہے۔ اس لیے کہ جس روح کا آنا اللہ نے لکھ دیا ہے وہ تو آ کے رہے گی۔ ﴾

وضاحت:

عزل کا مطلب یہ ہے کہ عورت سے جنسی تعلق تو قائم کیا جائے لیکن اخراج منی سے پہلے آدمی عورت سے الگ ہو جائے تاکہ حمل قرار نہ پا سکے۔

عبارت بے حد مجمل ہے۔ اس میں بہت سا حذف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لونڈیوں سے ہم جنسی تعلقات تو قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کو بیچ کر دام بھی کھرے کریں۔ البتہ یہ نہیں چاہتے کہ ان سے کوئی اولاد ہو، اس لیے کہ پھر وہ ام الولد بن جاتی ہیں اور ان کی بیع جائز نہیں ہوتی۔

لا علیکم ان لا تفعلوا. اس جملہ کی تعبیر میں بڑا اختلاف ہے کہ لا کا یہاں کیا مطلب ہے۔ میرے نزدیک مطلب یہ ہے کہ تم ایسا نہ کرو تو کیا حرج ہے۔ اس لیے کہ جس جان کو آنا ہے وہ تو آ کے رہے گی۔ گویا آپ نے اس کو اوچھی تدبیر قرار دیا اور یہ تعلیم دی کہ مرد بنو اور اس حرکت سے بچو۔ اگر لونڈی کو بیچنے کے خواہش مند ہو تو حمل سے بچنے کے لیے ضبط نفس سے کام لو۔

غور کیجئے تو یہ تدبیر عورت کے لیے بھی اذیت دہ ہے اور مرد کے لیے بھی مہلک اور خلاف فطرت ہے۔ پھر اس کی کامیابی بھی مشکل ہے۔ دریا میں اترنے کے بعد دامن کو تر ہونے سے کون بچا سکتا ہے۔ یہ تدبیر اگر کارگر اور صحت کے مطابق ہوتی تو آج فیملی پلاننگ کے اتنے نسخے ایجاد کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ عاقل آدمی کی حیثیت سے اس پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ سفلہ پن اور فضول بات ہے۔

اس پر جو فقہی بحث ہے وہ تمام کی تمام نکال دینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے فقہاء کو اس طرح کا کوئی مضمون مل جائے تو صفحے کے صفحے سیاہ کر دیتے ہیں اور مجبوراً پڑھنا پڑتا ہے۔

۱۰۶. باب: بَيْعِ الْمُدَبَّرِ

باب: مدبر کے بیچنے کے بارے میں

۱۷۲۔ حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ: حَدَّثَنَا وَكِيعٌ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: بَاعَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُدَبَّرَ.

﴿جابرؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے ایک مدبر کو بیچ دیا۔﴾

۱۷۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرٍو: سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: بَاعَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ.

﴿عمرو کہتے ہیں کہ انہوں نے جابرؓ سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے مدبر کو بیچ ڈالا۔﴾

وضاحت:

مدبر اس غلام کو کہتے ہیں جس کا مالک وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو گے۔ اس کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کو بیچا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس مسئلے پر میں اس لیے گفتگو کرنا نہیں چاہتا کہ اللہ کا شکر ہے کہ غلامی کا دور ختم ہو چکا۔ اب چونکہ بخاری شریف میں یہ روایت ہے اس لیے میرا کہنا یہ ہے کہ عام حالات میں مدبر کو بیچنا درست نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جس شخص کے مدبر کو بیچا اس کے ذمہ کچھ قرض تھا اور ملکیت یہی غلام تھی۔ سوال یہ تھا کہ قرض خواہوں کے حق اور مدبر کے حق میں، جو وعدہ کی بنا پر ہوتا ہے، کس طرح تطابق پیدا کیا جائے۔ جن کا قرض کھایا ہے وہ کیا کریں۔ آدمی آخر وقت میں ملکیت میں جو تصرف کرتا ہے وہ مشروط ہوتا ہے ایک ثلث تک اور قرض وغیرہ کی شکل میں پابندی ہے کہ پہلے قرض ادا کیا جائے گا پھر ترکہ تقسیم ہو گا۔ اس وجہ سے آنحضرت نے مدبر غلام کو بیچ کر تو قرض ادا کیا اور اگر کچھ باقی بچا ہو گا تو وہ اس غلام کو دے دیا ہو گا۔ غلامی کے معاملات اب ہمارے لیے تاریخ کا حصہ ہیں لیکن ہمارے مدرسوں میں غلاموں اور لونڈیوں کے مسئلہ پر اس طریقہ پر بحث کرتے ہیں کہ گویا کوئی روشن مستقبل اس سلسلے میں آنے والا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں بہت عرصہ سے یہ بات برملا کہتا آ رہا ہوں کہ غلامی نظام اسلام کا کوئی جز نہیں ہے۔ اس کو باقی رکھنا یا ترقی دینا ہمارے فرائض میں سے نہیں ہے۔ اگر وہ مٹ گئی ہے تو ہمارا ہی کام ہوا ہے اور اگر دوبارہ وجود میں آئے تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔

۱۷۴۔ حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ: حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ صَالِحٍ، قَالَ: حَدَّثَ ابْنُ شِهَابٍ: أَنَّ عُبَيْدَاللّٰهِ أَخْبَرَهُ: أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ وَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَاهُ: أَنَّهُمَا سَمِعَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُسْأَلُ عَنِ الْأَمَةِ تَزْنِي وَلَمْ تُحْصَنْ، قَالَ: اجْلِدُوهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَاجْلِدُوهَا، ثُمَّ بِيعُوهَا. بَعْدَ الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ.

﴿زید بن خالد اور ابو ہریرہؓ دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ سے لونڈی کے بارے میں پوچھا گیا تھا جو زنا کی مرتکب ہوئی ہو جبکہ وہ کسی کے قید نکاح میں نہ ہو تو آپ نے کہا اس کو کوڑے مارو، پھر اگر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو، پھر بیچ ڈالو۔ تیسری یا چوتھی بار یہ فرمایا۔﴾

وضاحت:

اس طرح کے جو احکام آتے ہیں کہ کوڑے مارو تو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ کام آپ خود کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ معاملہ قاضی کے پاس جائے گا اور وہ اس کو یہ سزا سنا دے گا۔ گویا عدالت کے زیر اہتمام سزا دی جائے گی۔

۱۷۵۔ حَدَّثَنَا عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: اَخْبَرَنِي اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيْدٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: إِذَا زَنَتْ اَمَةُ اَحَدِكُمْ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ اِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ وَلَا يُثَرِّبْ، ثُمَّ اِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا، فَلْيَبِعْهَا وَلَوْ بِحَبْلٍ مِنْ شَعْرٍ.

﴿ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ثابت ہو جائے تو چاہیے کہ اس کو حد کے کوڑے لگائے جائیں اور وہ اس کو ملامت نہ کرے۔ پھر اگر وہ زنا کرے تو حد کے کوڑے لگائے جائیں اور وہ اس کو ملامت نہ کرے۔ پھر اگر تیسری بار زنا کرے اور زنا ثابت ہو جائے تو اس کو بیچ ڈالے، گو ایک بالوں کی رسی ہی کے بدل سہی۔﴾

وضاحت:

اگر کسی لونڈی کا زنا واضح ہو جائے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے اور اس پر حد جاری ہوگی۔ دیکھیے حد کیا ہے اور حد جاری کرنے کا حق عدالت کو ہے۔ اب اگر وہ پھر زنا کرے تو پھر اس کو کوڑے مارے جائیں اور تیسری مرتبہ کرے تو ایک بالوں کی رسی کے بدل ہی سہی اس کو جدا کر دو۔ مطلب یہ کہ مفت میں بھی اس سے جان چھڑا لو تو اچھا ہے۔

ولا یثرب علیھا یعنی اس پر لعنت پھٹکار نہیں ہونی چاہیے اس لیے کہ جس پر حد جاری ہوگئی تو اس کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جہاں جہاں بھی آنحضرت ﷺ نے اس بات کی تاکید کی ہے اور لعنت کرنے سے منع کیا ہے تو اکثر لوگوں نے اس کو سمجھا نہیں ہے۔ آپ نے اس لعنت ملامت سے اس لیے روکا تھا کہ مجرم نے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے یعنی قانون کی رو سے اب اس کی برأت ہو چکی۔ آنحضرت ﷺ کے یہ فرمانے کا ایک محل ہے اس لیے کہ حد جاری ہوگئی اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ اب مزید اس کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا، جیسا کہ عام لوگ نکالتے ہیں کہ سزا پانے کے بعد وہ فرشتہ کے برابر ہو گیا، غلط ہے۔ جس چیز سے روکا جا رہا ہے وہ اور ہے اور جس کا حکم دیا گیا ہے وہ اور ہے۔ اس معاملہ میں جو لوگ فرق نہیں کرتے میں سمجھتا ہوں کہ وہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

یہ بات آپ کو عجیب معلوم ہوگی کہ سعودی حکومت میں زنا کی اس شکل پر بھی، جس میں میں بھی رجم کا قائل ہوں (میں رجم کا منکر نہیں ہوں، العیاذ باللہ) رجم نہیں کراتے بلکہ مجرم کو قتل کر دیتے ہیں۔ اب اگر قتل کی سزا اس طرح دیں جس پر کہا جا سکے کہ مجرم کو بری طرح قتل کر دیا گیا ہے تو سورہ مائدہ کے تحت میں اس کو جائز مانتا ہوں۔ کیونکہ وہاں ہے کہ ان یقتلوا لیکن اگر اس میں کوتاہی کی جاتی ہے تو قرآن کی ہدایت پر عمل نہیں ہوگا۔ ہمارے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ سعودی حکومت کے وظیفے تو کھا لیتے ہیں لیکن کسی معاملہ میں ان کی صحیح رہنمائی نہیں کرتے۔ بلکہ جو معاملہ وہ صحیح کرتے ہیں اس کو بھی عیب کی طرح چھپاتے ہیں۔ یہ چیز تو ایسی تھی کہ وہ تعریف کرتے کہ انہوں نے قانون کو ٹھیک شکل میں نافذ کیا ہے۔

۱۰۷. باب: هَلْ يُسَافِرُ بِالْجَارِيَةِ قَبْلَ أَنْ يَسْتَبْرِئَهَا

وَلَمْ يَرَ الْحَسَنُ بَأْسًا أَنْ يُقَبِّلَهَا أَوْ يُبَاشِرَهَا

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: إِذَا وُهِبَتِ الْوَلِيدَةُ الَّتِي تُوطَأُ، أَوْ بِيعَتْ، أَوْ عَتَقَتْ فَلْيُسْتَبْرَأْ رَحِمُهَا بِحَيْضَةٍ، وَلَا تُسْتَبْرَأُ الْعَذْرَاءُ.

وَقَالَ عَطَاءٌ: لَا بَأْسَ أَنْ يُصِيبَ مِنْ جَارِيَتِهِ الْحَامِلِ مَا دُونَ الْفَرْجِ، وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى: "إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ" (المومنون: ٦)

باب: کیا لونڈی کے غیر حاملہ ہونے کے ثبوت سے پہلے اس کا مالک اس کے ساتھ سفر کر سکتا ہے یا نہیں۔

حسن کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس کا بوسہ لے یا اس سے بغلگیر ہو۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب ایسی لونڈی کو ہبہ کر دیا گیا کہ جس کے ساتھ صحبت کی گئی ہو یا اسے بیچ یا آزاد کر دیا گیا تو اس کے غیر حاملہ ہونے کا ثبوت ایک حیض آ جانے پر ملے گا۔ اور کنواری کے لیے ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔ اور عطاء کی رائے یہ ہے کہ حاملہ لونڈی کے ساتھ مباشرت وطی کے سوا ظاہری قسم کی ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

وضاحت:

استبرا کا مطلب یہ ہے کہ زن وشوہر کا تعلق قائم کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اس کے رحم میں بچہ تو

نہیں ہے۔ اس کے لیے کم از کم ایک حیض آ جائے تا کہ اندازہ ہو کہ حمل نہیں ہے۔ بعض لوگ دو یا تین حیض کی قید لگاتے ہیں۔ اگر لونڈی کنواری ہے تو اس کے لیے استبراء کی ضرورت نہیں ہے۔

١٧٦۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْغَفَّارِ بْنُ دَاوُدَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ عَمْرِوبْنِ أَبِي عَمْرٍو، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ، فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْحِصْنَ، ذُكِرَلَهُ جَمَالُ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيِّ بْنِ أَخْطَبَ، وَقَدْ قُتِلَ زَوْجُهَا وَكَانَتْ عَرُوسًا، فَاصْطَفَاهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لِنَفْسِهِ، فَخَرَجَ بِهَا حَتّٰى بَلَغْنَا سَدَّالرَّوْحَاءِ حَلَّتْ، فَبَنٰى بِهَا، ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ صَغِيرٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: آذِنْ مَنْ حَوْلَكَ فَكَانَتْ تِلْكَ وَلِيمَةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى صَفِيَّةَ. ثُمَّ خَرَجْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ، قَالَ: فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُحَوِّي لَهَا وَرَاءَهُ بِعَبَاءَةٍ، ثُمَّ يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيرِهِ فَيَضَعُ رُكْبَتَهُ، فَتَضَعُ صَفِيَّةُ رِجْلَهَا عَلٰى رُكْبَتِهِ حَتّٰى تَرْكَبَ.

﴿حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ خیبر آئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قلعہ آپ کو فتح میں دے دیا تو آپ سے صفیہ بنت حیی بن اخطب کے حسن و جمال کا ذکر کیا گیا۔ ان کا شوہر قتل ہو چکا تھا اور وہ ابھی نئی نویلی دلہن تھیں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے لیے منتخب فرمایا اور ان کو لے کر نکلے یہاں تک کہ جب ہم سدالروحا پہنچے تو وہ (منزل پر) اتریں اور آنحضرت ﷺ نے ان سے ملاقات کی۔ پھر آپ نے حلوہ تیار کروایا اور چمڑے کے دستر خوان پر رکھا اور حضرت انسؓ سے فرمایا کہ جو لوگ قریب ہیں ان کو بلا لیں اور یہی کھانا آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ کے ولیمہ میں کھلایا۔ پھر ہم مدینہ کے لیے نکلے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیچھے ان کے اوپر عبا کا پردہ بنا دیا۔ آپ اپنے اونٹ کو بٹھاتے، پھر اپنا گھٹنا نیچے رکھتے اور حضرت صفیہؓ اپنا پاؤں اس کے اوپر رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جاتیں۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں حضرت صفیہؓ کے حسن و جمال کا ذکر ہے اور پیچھے جو روایت گزری ہے اس میں یہ ہے کہ حضرت صفیہ پہلے دحیہ کلبی کو دی گئیں لیکن لوگوں کے بتانے پر کہ یہ سردار کی بیٹی ہیں آنحضرت ﷺ نے ان کو خود لے

لیا۔ یہی بات میرے نزدیک ٹھیک ہے اور راجح ہے۔

بنیٰ بھا عربی کا محاورہ ہے۔ جب شادی ہوتی تھی تو دولہا دلہن کا خیمہ الگ بناتے تھے جس میں ان کی ملاقات ہوتی تھی۔ گویا بنیٰ کا تعلق خیمہ سے ہے یعنی بنی الخیمہ اور بھا دلہن سے ملاقات کے معنی میں ہے۔

حلت کا ترجمہ میرے نزدیک یہ ہے کہ سفر کے بعد وہ منزل پر اتریں۔ مترجمین نے ترجمہ کیا ہے کہ وہ پاک ہو گئیں۔ میرے نزدیک یہ ترجمہ بنایا گیا ہے تاکہ استبرا ثابت کریں۔ استبرا ثابت کرنے کے لیے حلت کو خواہ مخواہ معنی سے ہٹا کر عبارت کو الجھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ یہ معاملہ کسی عدالتی تحقیقات کے دائرہ میں نہیں آتا بلکہ میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ استبرا ہے اور آپ نے ملاقات کی تو ایسا کرنا درست تھا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سد الروحاء سے جب مدینہ کے لیے نکلے تو آپ نے اپنے پیچھے ان کے اوپر عبا کا ایک پردہ بنا دیا۔ یہ علامت تھی اس بات کی کہ آپ نے ان کو اپنی ازواج میں شامل کر لیا۔ آخر میں حضرت انسؓ ایک بالکل بے جوڑ سی بات کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنا گھٹنا زمین پر رکھ دیتے تھے تو حضرت صفیہؓ اپنا پاؤں اس پر رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جاتی تھیں۔ یہ فعل آنحضرت ﷺ کا اپنی ازواج کے ساتھ سلوک تو ظاہر کرتا ہے لیکن یہاں اس کا کوئی محل نہیں ہے۔

اس ایک روایت کے جتنے طریقے ہیں ان میں ہر طریقہ مختلف ہے۔ کسی میں کچھ ہے اور کسی میں کچھ۔ کہیں بہت مختصر ہے اور کہیں طویل ہے۔ اور بعض میں اتنی شرمناک بات بھی ہے کہ ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ اب لونڈی غلاموں کا مسئلہ ختم ہے۔ دوبارہ اس کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے فقہاء نے اس باب میں بعض باتیں ایسی نکالی ہیں کہ آدمی سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔

١٠٨. باب: بَيْعِ الْمَيْتَةِ وَالْأَصْنَامِ

باب: مردار اور بتوں کی بیع

١٧٧۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ عَامَ الْفَتْحِ، وَهُوَ بِمَكَّةَ: إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ. فَقِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ، فَإِنَّهَا يُطْلَى بِهَا السُّفُنُ، وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ، وَ يَسْتَصْبِحُ بِهَا

النَّاسُ؟ فَقَالَ: لَا، هُوَ حَرَامٌ". ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ: قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ إِنَّ اللهَ لَمَّا حَرَّمَ شُحُومَهَا جَمَلُوهُ، ثُمَّ بَاعُوهُ، فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ.

قَالَ أَبُو عَاصِمٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ: كَتَبَ إِلَيَّ عَطَاءٌ": سَمِعْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ.

﴿حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مکہ میں عام الفتح کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کا بیچنا حرام کیا ہے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ، مردار کی چربی تو کشتیوں پر ملتے ہیں، کھالوں پر لگاتے ہیں اور لوگ گھروں میں چراغ بھی جلا لیتے ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں، یہ بھی حرام ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربی حرام کر دی تو انہوں نے اس کو گلا لیا اور بیچ کر اس کی قیمت خرچ میں لائے۔﴾

وضاحت:

معلوم یہ ہوا کہ حیلہ شرعی کے سدباب کے لیے بات یہاں تک پہنچ گئی۔ یہود پر چربی حرام تھی۔ الا ما حملت ظهورهما او الحوايا او ما اختلط بعظم. انہوں نے گلا کر اس کو بیچنا شروع کیا۔ فتویٰ یہ دے دیا کہ اس کا تو صرف کھانا حرام ہے گویا فائدہ اٹھانے کا ایک حیلہ انہوں نے تلاش کر لیا۔

لوگوں نے جب آنحضرت ﷺ کو بتایا کہ مردار کی چربی ہم ان ان کاموں میں استعمال کرتے ہیں تو آپ نے یہود کا حوالہ دیا۔ مطلب یہ ہے کہ حرام کو جائز کرنے کے لیے یہ حیلہ بنتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے جو منع فرمایا یہ سد الذریعہ ہے۔ اس کی حرمت نہیں ہے۔ لیکن یہ ذریعہ بنتا ہے تو راستہ بند کرنے کے لیے یہ کیا ہے۔

سد الذریعہ کے بارے میں میں اپنی رائے ظاہر کر چکا ہوں۔ جب تک حرام کا شائبہ ہو تب تک احتیاط ضروری ہے۔ لیکن جب یہ معلوم ہو کہ اس کی ضرورت نہیں ہے تو اسلام میں اس کی نظیریں موجود ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ بے شک میں نے تم کو فلاں ہدایت کی تھی لیکن اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نہ سمجھیے کہ میں حرام کو حلال کرنے کا کوئی دروازہ کھول رہا ہوں، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ کاموں (کشتیوں پر ملنے، کھالوں پر لگانے اور چراغوں میں استعمال کے لیے) براہ راست حرمت کی کوئی علت نہیں ہے۔ سد ذریعہ کی مزید مثالیں آگے آپ کے سامنے آئیں گی۔ جہاں تک خنزیر اور اصنام کی بیع کا تعلق ہے تو وہ قطعی حرام ہے۔

۱۰۹. باب: ثَمَنِ الْكَلْبِ

باب: کتے کی قیمت وصول کرنا

۱۷۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ: اَخْبَرَنَا مَالِکٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ اَبِی بَکْرِبْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ اَبِی مَسْعُودٍ الْاَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ.

﴿ابومسعود انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کتے کی قیمت سے، زناکاری کی آمدنی سے اور کاہنوں کے چڑھاووں سے۔﴾

وضاحت:

کاہنوں کو جو چڑھاوے وغیرہ پیش کیے جاتے اور جو اجرت دی جاتی ہے ان کا رواج پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ خصوصاً اہل سیاست کسی کاہن اور نجومی سے مشورہ کیے بغیر ایک قدم نہیں چلتے۔ کاہنوں کو چڑھاوے اور نذرانے پیش کرنا شدید قسم کی اخلاقی معصیت ہے۔

لونڈیوں سے اس زمانے میں لوگ پیشہ کرواتے تھے اور اس کی آمدنی کھاتے تھے۔ یہ ناپاک ترین آمدنی تھی۔ قرآن نے ہمیشہ کے لیے زنا کی آمدنی سے منع فرمایا ہے۔

البتہ کتے کی قیمت کا مسئلہ اس زمانے میں بہت مشکل ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فوج میں، انٹیلیجنس میں، کسٹم میں اور دیگر شعبوں میں کتوں کی بڑی اہمیت ہے۔ آج کل منشیات وغیرہ اور جرائم کا سراغ لگانے میں کتوں سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ اچھی نسل کے تربیت یافتہ کتوں کی قیمت سنئے تو ہوش اڑ جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں جو کتا گھر کی حفاظت کے لیے رکھا گیا ہے ایک روز مجھے اس پر ترس آ گیا کہ بارش اور سردی میں غریب کہیں مر نہ جائے تو مجھے بتایا گیا کہ وہ برفانی کتا ہے، اس کو سردی نہیں معلوم ہوتی۔ فقہاء کا ایک بڑا گروہ کہتا ہے کہ کتوں کی بیع نہیں ہو سکتی۔ دوسرا گروہ، جن میں امام ابوحنیفہؒ بھی شامل ہیں، کہتا ہے کہ صرف سدھائے ہوئے کتوں کو بیچا جا سکتا ہے۔ اس رائے نے راستہ کھول دیا ہے اور ظاہر ہے کہ بحث انہی کتوں سے ہے۔ یہ کتے سونگھ کر مجرم کا پتہ دیتے ہیں اور ان کی بڑی ٹریننگ بیرون ملک ہوتی ہے۔ ان پر بڑا خرچ ہوتا ہے اور بڑی بڑی قیمتیں دے کر ان کو حاصل کیا جاتا ہے۔ احناف اس معاملہ میں تنہا نہیں۔ بعض دوسرے فقہا بھی ان کے ساتھ ہیں۔

۱۷۹۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: اَخْبَرَنِي عَوْنُ بْنُ اَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ:

رَأَيْتُ اَبِی اشْتَرٰی حَجَّامًا فَاَمَرَ بِمَحَاجِمِهٖ فَكُسِرَتْ، فَسَأَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ، قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی عَنْ ثَمَنِ الدَّمِ وَثَمَنِ الْكَلْبِ، وَكَسْبِ الْاَمَةِ، وَلَعَنَ الْوَاشِمَةَ، وَآكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ، وَلَعَنَ الْمُصَوِّرَ.

﴿عون ابن ابی جحیفہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ کو دیکھا کہ انہوں نے ایک حجام خریدا۔ پھر اس کا خون نکالنے کا سامان توڑ دینے کا حکم دیا۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے پچھنی لگانے کی اجرت اور کتے کی قیمت اور لونڈی کی کمائی سے منع فرمایا ہے اور آپ نے گودنے والی اور گدانے والی اور سود کھانے والے اور کھلانے والے اور تصویر بنانے والے سب پر لعنت کی ہے۔﴾

وضاحت:

اس زمانے میں پچھنا لگانے والا حجام کہلاتا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس کو قیمت دینے سے روکا اور اس بات سے منع فرمایا کہ لونڈی کی کمائی کھائی جائے یعنی وہ کمائی جو پیشہ کرا کے حاصل کی جاتی ہے، دوسری جائز کمائی سے آپ نے منع نہیں فرمایا ہے۔ اور گودنے والیوں اور گدانے والیوں پر لعنت کی ہے۔ گودنا بھی ایک حماقت ہی ہے۔ اور سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے۔ ثمن الکلب کی تفصیل اوپر والی روایت میں آ گئی ہے۔ رہ گیا مصور تو میرے نزدیک اس زمانے میں جو تصاویر تھیں وہ زیادہ تر بت پرستانہ قسم کی تھیں اور انہی کی مانگ تھی۔ یہ چیز سد الذریعہ تھی۔ اب جو تصویریں ہیں وہ علمی اور تاریخی نوعیت کی ہیں یا پولیس ریکارڈ وغیرہ کی، ان کو بت پرستانہ خیالات سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ فحش تصویریں جائز نہیں۔ میری رائے میں ان پر سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

کتاب السلم

کتاب السلم

بیع سلم یہ ہے کہ آپ کوئی چیز ادھار لے لیں اور بتا دیں کہ فلاں مدت کے بعد آپ قیمت ادا کر دیں گے، یا یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ آپ پیشگی قیمت ادا کر دیں اور یہ طے کر لیں کہ فلاں چیز ان اوصاف کی فلاں تاریخ کو آپ کو مہیا کی جائے گی۔ اس زمانے میں بڑے بڑے کاروبار خصوصاً بیرونی ممالک سے تجارت سلم ہی کی بنیاد پر ہو رہی ہے۔ بسا اوقات رقم پیشگی ادا کر دی جاتی ہے یا بنک گارنٹی دے دی جاتی ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ رقم کا کچھ حصہ پیشگی دیا جاتا ہے اور باقی چیز وصول ہونے کے بعد دیا جاتا ہے۔ شرائط وغیرہ ایک معاہدے کی شکل میں تحریر کر لی جاتی ہیں اور فریقین اس کے پابند ہوتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں کوئی اور راستہ خصوصاً بین الاقوامی تجارت کے لیے بیع سلم کے سوا نہیں ہے۔

بیوع میں اصل بحث اگرچہ بیع سلم ہی کی ہے لیکن اس کے لیے اتنے اہتمام کی ضرورت نہیں تھی کہ ایک الگ عنوان کتاب السلم کا قائم کیا جاتا۔ اسے کتاب البیوع کے ایک باب کی حیثیت دینا مناسب تھا۔ صحیح بخاری کے بعض دوسرے نسخوں میں اسی طرح ہے لیکن میرے پیش نظر نسخے میں الگ عنوان کتاب السلم قائم کیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بخاری شریف امام صاحب کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی تو اس پر راویوں کا تصرف ہو گیا اور جس نے جس شکل میں پیش کیا بخاری شریف اتنی ہی شکلوں میں آ گئی۔ مختلف نسخوں میں لوگوں نے جہاں چاہا باب بڑھا دیا، جہاں چاہا کتاب بڑھا دی اور جہاں چاہا بسم اللہ لکھ دی۔

١. باب: السَّلَمِ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ

باب: ماپ مقرر کر کے سلم کے بارے میں

١۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَدِينَةَ، وَالنَّاسُ يُسْلِفُونَ فِي الثَّمَرِ الْعَامَ وَالْعَامَيْنِ، أَوْ قَالَ: عَامَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، شَكَّ

إِسْمَاعِيلُ، فَقَالَ: مَنْ سَلَّفَ فِي تَمْرٍ، فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ.

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں کے بارے میں سال دو سال، اور راوی کو شبہ ہے کہ دو سال یا تین سال، تک کے لیے پیشگی ادائیگی کر رہے تھے تو نبی ﷺ نے فرمایا جو پھلوں کے لیے پیشگی ادائیگی کرتا ہے تو اس کو چاہیے کہ معین ماپ اور معین وزن کی تصریح کے ساتھ کرے۔﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ وزن اور زمانہ معین کرنا پڑے گا۔ مثلاً اتنے من کھجور فلاں مہینے میں درکار ہے اور اوصاف بھی بتانے پڑیں گے کہ عجوہ کھجور چاہیے یا کوئی اور قسم۔ حدیث میں ماپ اور وزن کا ذکر تو ہے لیکن تعداد کا ذکر نہیں کیونکہ یہ معاملہ کھجور کا تھا۔ لیکن روزمرہ کی زندگی میں کئی اشیاء کا سودا تعداد کے لحاظ سے بھی ہوگا۔ مثلاً حکومت ہوائی جہاز خریدتی ہے تو یہ تولا تو نہیں جائے گا، ظاہر ہے گن کر ہی لیا جائے گا۔ اسی طرح ادویات میں آپ نے کہہ دیا کہ ایک لاکھ انجکشن چاہئیں تو ان کو بھی گنا جائے گا۔ بیع کی اس قسم میں شے کے اوصاف معین ہوتے ہیں اور اگر اس میں خیانت ہو تو کیس کیا جا سکتا اور تاوان وصول کیا جا سکتا ہے۔ رقم کی ادائیگی کچھ پیشگی ہو سکتی ہے اور کچھ موعود قرار دی جا سکتی ہے۔ یہ سب شکلیں تحریر میں آ جائیں گی۔ اس میں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بیع مجہول ہے یا معدوم مال ہے کیونکہ چیز کچھ مدت کے بعد ملے گی۔ بیع سلم میں یہ سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ جس چیز کے لیے معاہدہ ہو رہا ہے اس کی کوئی اصل فروخت کنندہ کے پاس ہے بھی کہ نہیں، تو فقہاء کہتے ہیں کہ اس سے بحث نہیں۔ اگر وہ ٹھیکہ لے رہا ہے اور معاہدہ کر رہا ہے تو اس پر اعتماد کیا جائے گا۔ صرف کیل اور وزن ہی نہیں بلکہ تعداد کا بھی لحاظ ہوگا۔

۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ بِهٰذَا: فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ.

﴿ابن ابی نجیح سے بھی یہی حدیث، جس میں معین ماپ اور معین تول ہے، بیان ہوئی ہے۔﴾

۲. باب: السَّلَمِ فِي وَزْنٍ مَعْلُومٍ

باب: تول مقرر کر کے سلم کے بارے میں

۳۔ حَدَّثَنَا صَدَقَةُ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَثِيرٍ،

عَنْ اَبِی الْمِنْهَالِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِیْنَةَ وَهُمْ یُسْلِفُوْنَ بِالتَّمْرِ السَّنَتَیْنِ وَالثَّلَاثَ، فَقَالَ: مَنْ اَسْلَفَ فِی شَیْءٍ فَفِی کَیْلٍ مَعْلُوْمٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ، اِلٰی اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ.

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ دو برس یا تین برس کی میعاد پر کھجوریں سلم کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی کسی چیز میں سلم کرے تو معین ماپ، معین وزن اور معین میعاد ٹھہرا کر کرے۔﴾

وضاحت:

یہ یاد رکھیے کہ روایت میں تمر کا لفظ ہے یعنی کھجور، اور ابھی یہ سوال باقی ہے کہ درخت پر کی کھجور یا باغ کے پھل پر بھی اس کا اطلاق ہوگا یا نہیں تو یہ بحث آگے آ رہی ہے۔ یہاں یہ ہے کہ ماپ اور وزن کے ساتھ مدت کا تعین بھی ضروری ہے تا کہ کوئی نزاع نہ پیدا ہو۔ لیکن اس میں وسعت ہے اور باہم سمجھوتا سے معاہدے میں ترمیم ہو سکتی ہے۔

۴۔ حَدَّثَنَا عَلِیٌّ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ قَالَ: حَدَّثَنِی ابْنُ اَبِی نَجِیْحٍ، وَقَالَ: فَلْیُسْلِفْ فِی کَیْلٍ مَعْلُوْمٍ، اِلٰی اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ.

﴿ابن ابی نجیح نے یہی حدیث بیان کی اور اس میں یوں ہے کہ معین ماپ اور معین میعاد ٹھہرا کر یہ بیع ہو۔﴾

وضاحت:

امام صاحب روایت کو مختلف حوالوں سے لا رہے ہیں تو یہ شوافع کی تردید میں ہے اس لیے کہ شوافع صرف نقد نقد معاملہ کرتے ہیں۔

۵۔ حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ، عَنِ ابْنِ اَبِی نَجِیْحٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ کَثِیْرٍ، عَنْ اَبِی الْمِنْهَالِ قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا یَقُوْلُ: قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ، وَقَالَ: فِی کَیْلٍ مَعْلُوْمٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُوْمٍ، اِلٰی اَجَلٍ مَعْلُوْمٍ

﴿ابن عباسؓ کہتے تھے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے پھر یہی حدیث یوں بیان کی کہ معین ماپ، معین وزن اور معین مدت ٹھہرا کر۔﴾

۶۔ حَدَّثَنَا اَبُوالْوَلِیْدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ ابْنِ اَبِی الْمُجَالِدِ، وَحَدَّثَنَا یَحْیٰی: حَدَّثَنَا

وَكِيعٌ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِى الْمُجَالِدِ. وَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: اَخْبَرَنِى مُحَمَّدٌ، اَوْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ اَبِى الْمُجَالِدِ، قَالَ: اخْتَلَفَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ وَ اَبُو بُرْدَةَ فِى السَّلَفِ، فَبَعَثُونِى اِلَى ابْنِ اَبِى اَوْفَى رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فَسَاَلْتُهُ، فَقَالَ: اِنَّا كُنَّا نُسْلِفُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِى بَكْرٍ وَ عُمَرَ: فِى الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ وَالتَّمْرِ. وَسَاَلْتُ ابْنَ اَبْزَى، فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ.

﴿ابن ابی مجالد کہتے ہیں کہ عبداللہ بن شداد بن حاد اور ابو بردہ نے سلم میں اختلاف کیا تو لوگوں نے مجھ کو ابن ابی اوفیٰؓ کے پاس بھیجا تو میں نے ان سے پوچھا۔ انہوں نے کہا ہم آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں گیہوں، جو، منقے اور کھجور میں سلم کیا کرتے تھے۔﴾

۳. باب: السَّلَمَ اِلَى مَنْ لَيْسَ عِنْدَهُ اَصْلٌ

باب: ایسے شخص سے سلم کرنا جس کے پاس اصل مال نہیں ہے

۷۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِىُّ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِى الْمُجَالِدِ قَالَ: بَعَثَنِى عَبْدُاللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ وَاَبُو بُرْدَةَ اِلَى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِى اَوْفَى رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَقَالَا: سَلْهُ، هَلْ كَانَ اَصْحَابُ النَّبِىِّ ﷺ فِى عَهْدِ النَّبِىِّ ﷺ يُسْلِفُونَ فِى الْحِنْطَةِ؟ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: كُنَّا نُسْلِفُ نَبِيطَ اَهْلِ الشَّامِ فِى الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّيْتِ، فِى كَيْلٍ مَعْلُومٍ، اِلَى اَجَلٍ مَعْلُومٍ. قُلْتُ: اِلَى مَنْ كَانَ اَصْلُهُ عِنْدَهُ؟ قَالَ: مَا كُنَّا نَسْاَلُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ. ثُمَّ بَعَثَانِى اِلَى عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزَى، فَسَاَلْتُهُ فَقَالَ: كَانَ اَصْحَابُ النَّبِىِّ ﷺ يُسْلِفُونَ عَلَى عَهْدِ النَّبِىِّ ﷺ، وَلَمْ نَسْاَلْهُمْ: اَلَهُمْ حَرْثٌ اَمْ لَا.

﴿محمد بن ابن المجالد کہتے ہیں کہ مجھ کو عبداللہ بن شداد اور ابو بردہ نے عبداللہ بن ابی اوفیٰ کے پاس یہ پوچھنے کو بھیجا کہ کیا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں صحابہؓ گیہوں میں سلم کیا کرتے تھے۔ ابن ابی اوفیٰؓ نے کہا، ہاں ہم شام کے کاشتکاروں سے گیہوں، جو اور روغن میں سلم کیا کرتے تھے، ایک معین ماپ اور معین مدت ٹھہرا کر۔ میں نے پوچھا کیا ان لوگوں سے جن کے پاس یہ اصل مال ہوتے تو انہوں نے

جواب دیا کہ ہم یہ کچھ نہیں پوچھتے تھے۔ پھر ان دونوں نے مجھ کو عبدالرحمن بن ابزیٰؓ کے پاس بھیجا۔ ان سے بھی میں نے پوچھا، انہوں نے کہا آنحضرت ﷺ کے زمانے میں صحابہؓ سلم کیا کرتے تھے اور ہم ان سے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ ان کے پاس کھیتی ہے یا نہیں۔ ﴾

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ اس بیع میں کوئی شخص یہ قید نہ لگائے کہ صرف ان لوگوں سے معاملہ ہوسکتا ہے جو مطلوب چیز کے ذرائع بھی رکھتے ہوں۔ مثلاً یہ ضروری نہیں کہ گندم کا معاملہ صرف کھیتی یا زمین کے مالکوں سے ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے کسی کے پاس اپنا ایک پودا بھی نہ ہو لیکن وہ لاکھوں من گندم فراہم کرسکتا ہو۔

روایت میں واضح ہے کہ صحابہ جن لوگوں سے کاروبار کرتے تھے ان سے یہ نہیں پوچھتے تھے کہ کھیتی ہے یا نہیں ہے۔ انڈے کے خریدار کو اس سے کیا مطلب کہ بیچنے والے نے مرغی بھی پال رکھی ہے یا نہیں۔ حکومت بھی انہی اصولوں پر معاملات چلاتی ہے اور گندم خریدنا ہوتا ہے تو آڑھتیوں کے ذریعہ خرید لیتی ہے۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس میں غرر ہے، اس لیے کہ جب ذریعہ نہیں ہے تو کہاں سے دیں گے، تو اس روایت نے اس کا جواب دے دیا۔

۸۔ حَدَّثَنَا اِسْحٰقُ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِي مُجَالِدٍ: بِهٰذَا، وَقَالَ: فَنُسْلِفُهُمْ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ، وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْوَلِيدِ، عَنْ سُفْيَانَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ وَقَالَ: وَالزَّيْتِ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ وَقَالَ: فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّبِيبِ.

﴿ شیبانی نے ابن ابی مجالد سے یہی حدیث بیان کی ہے۔ اس میں یوں ہے کہ ہم گیہوں اور جَو میں سلم کیا کرتے تھے۔ اور سفیان سے روایت ہے کہ شیبانی نے اس میں روغن کا لفظ زیادہ کیا۔ اور جریر نے شیبانی سے جو حدیث بیان کی اس میں گیہوں، جَو اور منقیٰ کے الفاظ ہیں۔ ﴾

۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: أَخْبَرَنَا عَمْرٌو قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا الْبَخْتَرِيِّ الطَّائِيَّ قَالَ: سَاَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ؟ قَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتّٰى يُؤْكَلَ مِنْهُ، وَ حَتّٰى يُوزَنَ. فَقَالَ الرَّجُلُ: وَ اَيُّ شَيْءٍ يُوزَنُ، قَالَ رَجُلٌ اِلٰى جَانِبِهِ: حَتّٰى يُحْرَزَ.

وَقَالَ مُعَاذٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو: قَالَ أَبُو الْبَخْتَرِيِّ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ، مِثْلَهُ.

﴿ابوالبختری طائی کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کھجور جو درخت پر لگی ہو اس میں سلم کرنا کیسا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے درخت پر کی کھجور بیچنا منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ کھانے کے قابل اور وزن کے لائق نہ ہو جائے۔ ایک شخص نے پوچھا وزن سے کیا مراد ہے تو ایک شخص جوان کے پاس بیٹھا تھا، بولا یعنی اندازہ کرنے کے لائق نہ ہو جائے۔﴾

وضاحت:

ایک شکل تو یہ ہے کہ کوئی شخص پیشگی رقم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اتنی مدت کے بعد اتنے من کھجور چاہیے تو بیع سلم کے تحت یہ جائز ہے اور اس سے بحث نہیں کہ کہاں سے دیتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی اگر یوں کہے کہ فلاں باغ کے اتنے درختوں پر کی کھجور چاہیے تو یہ جائز نہیں ہے۔ یہ فرق سمجھ لیجئے۔ اس میں اشکال جو پیدا ہو رہا ہے وہ باغ یا درخت کے تعین سے ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو اشکال رفع ہو جاتا ہے اور بیع سلم کے تحت بیع ہو جاتی ہے۔ باغ یا درخت کے تعین سے یہ ہوا کہ ابھی پھل کی صلاحیت ظاہر نہیں ہوئی۔ بدو صلاح کی قید باقی رہی اور اس میں ضرر و غرر ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔ بدو صلاح کی روایت پر بحث کرتے ہوئے میں اوپر بتا چکا ہوں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دفع نزاع کے لیے دیا تھا۔ یہ مشورہ ایسا ہی تھا جیسا آپ نے تابیر نخل کے بارے میں دیا تھا۔ اس طریقہ سے یہ بدو صلاح والی بحث ختم ہو جاتی ہے۔ میں بخاری شریف کی کتاب البیوع کی روایت، باب بیع الثمار قبل ان یبدو صلاحہا ۲۰۸۲ء۱۳۶ کو مسئلہ کے حل میں بڑی اہمیت دیتا ہوں۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ اس حوالہ سے یوزن کا کیا مطلب ہے تو دوسرے شخص نے، جو وہاں بیٹھے تھے، بتا دیا کہ 'یہاں تک کہ وزن کا اندازہ کیا جاسکے'۔ دیکھیے کہ بدو صلاح کی کتنی تعریفیں ہو چکی ہیں اور اس کے پیمانے کتنے مختلف ہیں۔

۳۔ باب: السَّلَمِ فِي النَّخْلِ

باب: درخت پر کی کھجور کی بیع سلم

۱۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ، فَقَالَ: نُهِيَ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَصْلُحَ، وَعَنْ بَيْعِ الْوَرِقِ نَسَاءً بِنَاجِزٍ.

وَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ، فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يُؤْكَلَ مِنْهُ، أَوْ يَأْكُلَ مِنْهُ، وَ حَتَّى يُوزَنَ.

﴿ابوالبختری کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ سے درخت پر کی کھجور کی بیع سلم کرنے کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا: کھجور جب تک پکنے کو نہ آئے اس وقت تک اس کا بیچنا منع ہے۔ اسی طرح چاندی کا سونے کے بدل ایک طرف نقد اور ایک طرف ادھار بیچنا منع ہے اور ابن عباسؓ نے کہا کہ نبی ﷺ نے درخت پر کی کھجور بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک وہ کھانے اور وزن کرنے کے لائق نہ ہو جائے۔﴾

وضاحت:

باب بیع الثمار قبل ان یبدو میں درخت پر کی کھجور کی بحث گزر چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدو صلاح کا جو حکم دیا تھا اس کی نوعیت کیا تھی۔ وہ ایک مشورہ تھا اور اس کا ایک خاص پس منظر تھا۔ اس کی روشنی میں یہ تمام اصول جو ان لوگوں نے قائم کیے ہیں سب کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس روایت کی بنا پر میرے مقدمات الگ ہو گئے ہیں اور ان کا جائزہ لے کر آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ معاملہ کی شکل کیا بنتی ہے۔ لیکن امام صاحب کا اپنا جو اصول ہے اس کے مطابق ان کی یہ بات ٹھیک ہے۔

ابن عمرؓ سے سوال کیا گیا کہ باغ کی کھجور کی بیع سلم کے بارے میں ان کی رائے کیا ہے تو انہوں نے کہا کہ نبی ﷺ نے اس سے روکا ہے، اس وقت تک جب تک کہ وہ استعمال کی صلاحیت نہ پیدا کرلے۔ یصلح کے معنی ان کے ہاں وسیع ہیں اور ہر ایک کی الگ الگ شرح ہے لیکن مطلب یہ ہے کہ کھانے کے قابل ہو جائے، برتنے کے قابل ہو جائے، پورا پکا ہوا نہ سہی، نیم پکا ہونا ضروری ہے، اس سے پہلے اس کی بیع نہیں ہو سکتی۔ بحیثیت مجموعی ان کے ہاں درخت یا باغ کی بیع اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ پھل کھانے کے قابل نہ ہو۔ ہاں اگر درخت کے ذکر کے بغیر صرف یہ کہیں کہ اتنے من یا اتنے ٹوکرے کھجور تو بیع سلم ہو سکتی ہے، چاہے بیچنے والا جہاں سے بھی دے، اور اس کے پاس کھجور کا ایک درخت بھی نہ ہو۔ ٹھیکیدار کی حیثیت سے اس سے معاملہ ہو سکتا ہے۔

۱۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ: سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا عَنِ السَّلَمِ فِي النَّخْلِ، فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثَّمَرِ حَتَّى يَصْلُحَ، وَنَهَى عَنِ الْوَرِقِ بِالذَّهَبِ نَسَاءً بِنَاجِزٍ.

وَسَأَلْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ: نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ النَّخْلِ حَتَّى يَأْكُلَ، أَوْ يُؤْكَلَ،

وَ حَتّٰى يُوزَنَ. قُلْتُ: وَمَا يُوزَنُ؟ قَالَ رَجُلٌ عِندَهُ: حَتّٰى يُحْرَزَ.

﴿ابوالبختری کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے درخت پر کی کھجور کے سلم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے پھل بیچنے سے اس وقت تک منع فرمایا ہے جب تک کہ اس کی پختگی ظاہر نہ ہو جائے، چاندی کو سونے کے بدل ایک طرف نقد اور ایک طرف ادھار بیچنے سے بھی منع فرمایا ہے میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے درخت پر کی کھجور کے بیچنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ کھانے کے لائق اور وزن کے قابل نہ ہو جائے۔ میں نے پوچھا وزن سے کیا مراد ہے تو ایک شخص جوان کے پاس بیٹھا تھا اس نے کہا یہاں تک کہ ذخیرہ کیا جا سکے۔﴾

وضاحت:

روایت وہی ہے جو باب ۳ میں گزر چکی ہے۔ الفاظ میں معمولی فرق ہے۔ اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار میں کر چکا ہوں۔

۵۔ باب: اَلْكَفِيلِ فِي السَّلَمِ

باب: سلم میں کفیل بنانے کے بارے میں

۱۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ: حَدَّثَنَا يَعْلَى: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: اشْتَرَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ طَعَامًا مِنْ يَهُودِيٍّ بِنَسِيئَةٍ، وَرَهَنَهُ دِرْعًا لَهُ مِنْ حَدِيدٍ.

﴿حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار گندم خریدی، اور اس کے ہاں اپنی آہنی زرہ رہن رکھ دی۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں امام صاحب نے یہ نکتہ نکال لیا کہ کفیل بھی بنایا جا سکتا ہے کیونکہ زرہ جو رکھی ہے وہ کفیل ہی بنانے کے لیے رکھی ہے تو کسی کفالت پر بھی کوئی معاملہ کر لیں تو وہ ہو سکتا ہے۔ رہن سے امام صاحب نے کفالت ثابت کر دی ہے۔ جہاں تک ان کی بات کا تعلق ہے تو یہ ٹھیک ہے اس لیے کہ رہن کا مقصود کفالت ہی ہوتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک اس روایت پر وہی جرح ہے جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

جب قرآن مجید میں رہن سے متعلق ایک باضابطہ قاعدہ بیان ہو گیا تو یہ روایت اس کو منسوخ نہیں کر سکتی۔ قرآن مجید میں یہ قاعدہ بنا دیا ہے کہ مسلمان اور مسلمان کے درمیان قرض کے لین دین کی تحریر لکھی جائے گی۔ صرف سفر کی حالت میں قرض کے عوض رہن ہو سکتا ہے۔ جب آدمی گھر پہنچ جائے اور لکھنے پڑھنے کا انتظام ممکن ہو تو رہن واپس کرنا ہوگا اور اس دوران رہن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ کسی مسلمان کے کپڑے، برتن، تلوار یا ہتھیار رہن رکھنا جائز نہیں بلکہ یہودیت ہے۔ روایت سے یہ ظاہر ہے کہ نبی ﷺ نے یہ معاملہ ایک یہودی کے ساتھ کیا اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ مجبوری کی حالت میں ہوا ہے۔ اس پر یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ کسی غیر مسلم سے اگر معاملہ پڑ جائے تو اس طرح کیا جا سکتا ہے لیکن اس سے مستقل ایک قاعدہ بنا لینا جائز نہیں ہے۔ مان لیجئے کہ روایت ٹھیک ہے اور آنحضرت ﷺ نے یہ معاملہ کیا تو کفالت کا مضمون تو اس سے ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ موقع و محل معین ہو۔ روایت کا موقع و محل بالکل مختلف ہے۔ اس روایت سے مسلمان معاشرہ کے لیے مسئلہ نکال لینا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

٦ . باب: الرَّهْنِ فِي السَّلَمِ

باب: سلم میں رہن رکھنا

١٣۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ مَحْبُوبٍ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ قَالَ: تَذَاكَرْنَا عِنْدَ إِبْرَاهِيمَ الرَّهْنَ فِي السَّلَفِ، فَقَالَ: حَدَّثَنِي الْأَسْوَدُ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا إِلَى أَجَلٍ مَعْلُومٍ، وَارْتَهَنَ مِنْهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ.

﴿اعمش کہتے ہیں کہ ہم نے ابراہیم کے پاس رہن کے بارے میں گفتگو کی تو انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی سے ایک معین میعاد تک غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی آہنی زرہ رہن رکھ دی۔﴾

وضاحت:

وہی روایت ہے۔ اسی سے یہاں رہن ثابت کیا ہے حالانکہ اس پر بھی میرا وہی اعتراض ہے اس لیے کہ مسلمانوں کے درمیان صرف سفر کی حالت میں رہن کا معاملہ ہو سکتا ہے۔ یہاں معاملہ ایک یہودی سے ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ مجبوری کی حالت میں ہوا ہے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ اپنا جنگی دفاعی ہتھیار صرف مجبوری ہی کی حالت میں ایک یہودی کے پاس رہن رکھ سکتے ہیں۔ لہٰذا اس واقعہ کو سند مان کر ایک ضابطہ نہیں بنایا جا سکتا۔

٧. باب: السَّلَمِ اِلَى اَجَلٍ مَعْلُومٍ

وَبِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَاَبُو سَعِيْدٍ وَالْاَسْوَدُ وَالْحَسَنُ.
وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: لَا بَاْسَ فِي الطَّعَامِ الْمَوْصُوفِ، بِسِعْرٍ مَعْلُومٍ اِلَى اَجَلٍ مَعْلُومٍ، مَالَمْ يَكُ ذٰلِكَ فِي زَرْعٍ لَمْ يَبْدُ صَلَاحُهُ.

باب: سلم میں مدت کا تعین

اور ابن عباسؓ، ابوسعیدؓ، اسود اور حسن کی یہی رائے ہے اور ابن عمرؓ نے کہا کہ اگر غلہ کا نرخ اور اس کی صفت بیان کر دی جائے تو میعاد معین کر کے سلم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ یہ غلہ کسی خاص کھیت کا نہ ہو جس کی صلاحیت ابھی ظاہر نہ ہوئی ہو۔

وضاحت:

یہ خلاصہ نکال لیا ہے کہ سلم کے لیے ضروری ہے کہ معین مدت کے لیے ہو، اس کا نرخ طے ہو، غلے کی کوالٹی، قسم اور خصوصیات معین کر لی جائیں۔ اس طرح موصوف ہونے کی وجہ سے بہت سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ ہاں ایسی گندم یا غلہ کے بارے میں آپ معاملہ نہیں کر سکتے جس کی صلاحیت ابھی ظاہر نہیں ہوئی ہے۔ متعین طریقہ پر اگر یہ کہیں کہ فلاں کھیت کی گندم اتنے من مطلوب ہے جو وہاں موجود نہیں ہے تو یہ معاملہ نہیں ہو سکتا۔

۱۴۔ حَدَّثَنَا اَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ اَبِي نَجِيحٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ اَبِي الْمِنْهَالِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثِّمَارِ السَّنَتَيْنِ وَالثَّلَاثَ، فَقَالَ: اَسْلِفُوا فِي الثِّمَارِ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، اِلَى اَجَلٍ مَعْلُومٍ. وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ الْوَلِيدِ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِي نَجِيحٍ، وَقَالَ: فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ.

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ پھلوں کے بارے میں دو دو سال تین تین سال کے لیے بیع سلم کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس طریقہ کے پیشگی معاملات متعین مدت کے لیے اور متعین پیمانہ کے ساتھ کیا کرو۔﴾

۱۵۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ: اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ: اَخْبَرَنَا سُفْيَانُ، عَنْ سُلَيْمَانَ الشَّيْبَانِيِّ،

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِی مُجَالِدٍ قَالَ: أَرْسَلَنِی اَبُو بُرْدَةَ وَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ شَدَّادٍ اِلَی عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبْزٰی وَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِی اَوْفٰی، فَسَاَلْتُهُمَا عَنِ السَّلَفِ، فَقَالَا: كُنَّا نُصِيبُ الْمَغَانِمَ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَكَانَ يَاْتِينَا اَنْبَاطٌ" مِنْ اَنْبَاطِ الشَّامِ، فَنُسْلِفُهُمْ فِی الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ اِلَی اَجَلٍ مُسَمًّی، قَالَ: قُلْتُ: اَكَانَ لَهُمْ زَرْعٌ"، اَوْلَمْ يَكُنْ لَهُمْ زَرْعٌ"؟ قَالَا: مَا كُنَّا نَسْاَلُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ.

﴿ابو مجالد کہتے ہیں کہ ابو بردہ اور عبداللہ بن شداد دونوں نے مجھے عبدالرحمٰن بن ابزیٰ اور عبداللہ بن ابی اوفی کی خدمت میں بھیجا تو میں نے ان دونوں سے بیع سلف کے بارے میں پوچھا۔ دونوں نے جواب دیا کہ ہم آنحضرت ﷺ سے غنیمت کا مال حاصل کرتے تھے تو ہم شام کے نبطیوں سے گیہوں، جو اور منقے میں سلم کیا کرتے ایک معین میعاد پر۔ ابو مجالد کہتے ہیں میں نے ان سے پوچھا ان لوگوں کے پاس کوئی کھیتی بھی ہوتی تھی یا نہیں تو ان دونوں نے جواب دیا کہ ہم اس بارے میں ان سے سوالات نہیں کرتے تھے۔﴾

وضاحت:

سلف اور سلم دونوں الفاظ کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی کسی چیز کے لیے پیشگی سودا کر لیا اور معین مدت کے بعد معلوم وزن یا ناپ سے وہ چیز لے لی۔ جن لوگوں سے غلہ خریدا جاتا تھا ان سے یہ نہیں پوچھا جاتا تھا کہ وہ اس کی کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ مطلب یہ کہ ہمیں اس سے کیا وہ جہاں سے چاہیں لا کر ہمیں مہیا کریں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا گندم کے جتنے ٹھیکیدار ہیں وہ سب کھیتی تو نہیں کرتے وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ فلاں مہینے میں زمینداروں سے گندم خریدی جا سکتی ہے۔ وہ خرید کر اسٹاک کر لیتے ہیں اور پھر آگے کاروبار کرتے ہیں۔ اس پر آپ یہ فتویٰ نہیں لگا سکتے کہ بیع معدوم شے کی ہے۔ یہ روایت انہی الفاظ میں باب ۳ میں گزر چکی ہے۔

۸. باب: السَّلَمِ اِلَی اَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ

باب: اونٹنی کے بچہ جننے تک کی مدت کا سلم

۱۶۔ حَدَّثَنَا مُوسٰی ابْنُ اِسْمَاعِيلَ: اَخْبَرَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: كَانُوا يَتَبَايَعُونَ الْجَزُورَ اِلَی حَبَلِ الْحَبَلَةِ، فَنَهَی النَّبِیُّ ﷺ عَنْهُ. فَسَّرَهُ نَافِعٌ":

اَنْ تُنْتِجَ النَّاقَةُ مَا فِي بَطْنِهَا.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جاہلیت میں لوگ اونٹ اس وعدہ پر خرید تے کہ پیٹ والی اونٹنی کا بچہ بھی انہیں ملے تو آنحضرت ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ نافع نے اس کی وضاحت یوں کی کہ اونٹنی اپنا بچہ جنے جو اس کے پیٹ میں ہے۔﴾

وضاحت:

عرب اعلیٰ نسل کے اونٹ پالنے کا شوق رکھتے تھے۔ جب انہیں معلوم ہوتا کہ کسی کے پاس عمدہ اونٹنی ہے تو وہ اس کے مالک سے یہ معاملہ کرتے کہ اونٹنی جب حاملہ ہو تو اس کا بچہ ان کے ہاتھ بیچ دے۔ اگر مالک کہتا کہ اس بچے کا سودا ہو چکا ہے تو وہ اگلی نسل کا سودا کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتے۔ آنحضرت ﷺ نے جو اس سے منع فرمایا تو اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ بیع موہوم چیز کی ہے۔ معلوم نہیں اونٹنی کیا جنتی ہے، جنتی بھی ہے کہ نہیں یا مردار جنتی ہے۔ نافع نے جو وضاحت کی ہے وہ حبل الحبلہ کی ہے۔

یہ روایت بھی اوپر گزر چکی ہے۔

كتاب الشفعة

کتاب الشفعۃ

١. باب: الشُّفْعَةُ فِي مَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الحُدُودُ فَلا شُفْعَةَ

باب: شفعہ اس جائیداد میں ہوگا جس کی تقسیم نہ ہوئی ہو۔ جب حد بندی ہوگئی تو پھر شفعہ نہیں

١۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُالوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ ابْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الحُدُودُ، وَ صُرِّفَتِ الطُّرُقُ، فَلا شُفْعَةَ.

﴿جابر بن عبداللہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے شفعہ کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ اس شکل میں ہو سکتا ہے جب کہ جائیداد تقسیم نہ ہوئی ہو۔ لیکن جب حدود معین ہو گئے اور ہر ایک کے راستے پھیر دیئے گئے تو پھر شفعہ نہ ہوگا۔﴾

وضاحت:

مالم یقسم یعنی جائیداد میں دوسرے شریک ہوں اور ابھی تقسیم نہ ہوئی ہو۔ اس لیے کہ ملک مشاع یعنی مشترک املاک میں شفعہ کا مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس معاملہ میں فقہاء کے درمیان اختلافات ہیں۔ احناف پڑوسی کو بھی حق دیتے ہیں کہ وہ شفعہ کر سکتا ہے۔ شوافع کہتے ہیں کہ نہیں صرف شریک شفعہ کر سکتا ہے۔ مجھے شوافع کا مذہب بہت قوی معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ پڑوسی کا بہت حق ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ پڑوسی کے حق کے بارے میں اتنی تاکید کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے ڈر ہوا کہ اس کو وہ وراثت میں شریک ہی نہ بنادیں۔ شریفانہ طریقہ یہی ہے کہ پڑوسی کے حقوق ادا کرنے چاہئیں۔ احناف یہ بھی کہتے ہیں کہ شفعہ میں مقدم حق شریک کا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک غیر مقدم کو مداخلت کا کیا موقع ہے۔ لہذا میرے نزدیک شفعہ

کے لیے ملک مشاع کا ہونا ضروری ہے کہ شفعہ کا حق مانگنے والے کا اپنا حصہ بھی جائیداد میں ہو۔

۲۔ باب: عَرْضِ الشُّفْعَةِ عَلَى صَاحِبِهَا قَبْلَ الْبَيْعِ

وَقَالَ الْحَكَمُ: إِذَا أَذِنَ لَهُ قَبْلَ الْبَيْعِ فَلَا شُفْعَةَ لَهُ.

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: مَنْ بِيعَتْ شُفْعَتُهُ، وَهُوَ شَاهِدٌ'' لَا يُغَيِّرُهَا، فَلَا شُفْعَةَ لَهُ.

باب: بیع سے پہلے شفعہ اس کو پیش کرنا جو اس کا حق رکھتا ہے

الحکم نے کہا کہ جس کو شفعہ کا حق تھا اس نے اگر بیع کی اجازت دے دی تو اس کا شفعہ کا حق باقی نہیں رہا۔ شعبی کہتے ہیں کہ اگر بیچنے کے وقت شفعہ کا حق رکھنے والا موجود تھا لیکن اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا تو اس کا شفعہ کا حق جاتا رہا۔

۲۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ إِبْرَاهِيمُ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ: أَخْبَرَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ مَيْسَرَةَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ قَالَ: وَقَفْتُ عَلَى سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، فَجَاءَ الْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ، فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى إِحْدَى مَنْكِبَيَّ، إِذْ جَاءَ أَبُو رَافِعٍ مَوْلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا سَعْدُ ابْتَعْ مِنِّي بَيْتَيَّ فِي دَارِكَ، فَقَالَ سَعْدٌ'': وَاللَّهِ مَا أَبْتَاعُهُمَا، فَقَالَ الْمِسْوَرُ: وَاللَّهِ لَتَبْتَاعَنَّهُمَا، فَقَالَ سَعْدٌ'': وَاللَّهِ لَا أَزِيدُكَ عَلَى أَرْبَعَةِ آلَافٍ مُنَجَّمَةٍ، أَوْ مُقَطَّعَةٍ، قَالَ أَبُو رَافِعٍ: لَقَدْ أُعْطِيتُ بِهَا خَمْسَمِائَةِ دِينَارٍ، وَلَوْ لَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: الْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ مَا أَعْطَيْتُكَهَا بِأَرْبَعَةِ آلَافٍ وَأَنَا أُعْطَى بِهَا خَمْسَمِائَةِ دِينَارٍ. فَأَعْطَاهَا إِيَّاهُ.

﴿عمرو بن شرید کہتے ہیں کہ میں سعد بن ابی وقاص کے پاس کھڑا تھا۔ اتنے میں مسور بن مخرمہ آئے اور انہوں نے اپنا ایک ہاتھ میرے مونڈھے پر رکھا۔ اتنے میں ابورافع، جو آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ تھے، آئے اور کہا کہ اے سعد! میرے دونوں گھر جو تمہارے احاطہ میں ہیں خرید لو۔ سعدؓ نے کہا، اللہ کی قسم میں تو نہیں خریدتا۔ مسورؓ نے کہا اللہ کی قسم تم کو خریدنا ہوگا۔ تب سعدؓ نے کہا میں چار ہزار درہم قسط قسط کر کے دیتا ہوں۔ ابورافع نے کہا کہ مجھ کو تو ان گھروں کے پانچ سو دینار ملتے ہیں لیکن اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ پڑوسی اپنی قربت کی وجہ سے زیادہ حق دار ہے تو میں تم کو چار ہزار

درہم کے بدل میں گھر کبھی نہ دیتا خصوصاً جب کہ مجھ کو ان کے پانچ سو دینار ملتے ہیں۔ آخر ابو رافع نے وہ گھر سعدؓ کو دے دیئے۔﴾

وضاحت:

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو رافع کے دو گھر حضرت سعدؓ کے احاطہ میں تھے۔ انہوں نے حضرت سعدؓ سے کہا کہ مجھے ان گھروں کے پانچ سو دینار (جو چھ ہزار درہم کے برابر ہوتے ہیں) مل رہے ہیں لیکن میں آپ کو چار ہزار درہم میں دیتا ہوں۔ انہوں نے گھر اسی بنیاد پر دیئے کہ حضرت سعدؓ کے پڑوسی تھے، شریک نہیں تھے۔ شفعہ کے بارے میں الفاظ اور مفہوم کے لحاظ سے روایات واضح ہیں کہ یہ حق اسی کو ہے جو جائیداد میں شریک ہے۔ اس لیے پڑوسی کو یہ حق دینے کے لیے صرف یہ روایت کافی نہیں ہے۔ یہ ابو رافع کا اپنا ذاتی عمل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بطور نیکی انہوں نے اپنے مکان پڑوسی کو دے دیئے۔ اگر وہ اس سے بھی کم قیمت پر ان کو دے دیتے تب بھی یہ ان کا ذاتی فعل تھا اور وہ ایسا کر سکتے تھے۔ لیکن اس سے قانون نہیں بنایا جا سکتا یا یہ باطل ہوگا۔ شفعہ والے معاملہ میں اس بات کو یاد رکھیے کہ بہت سے معاملات دین میں اہمیت رکھتے ہیں لیکن ان کی حیثیت اخلاقی ہے اور بہت سارے معاملات ایسے ہیں کہ چاہے وہ اتنی اہمیت نہ رکھتے ہوں لیکن ان کی حیثیت شرعی و قانونی ہے۔ جو امور شرعی اور قانونی ہیں ان پر یہاں بھی گرفت ہوگی اور آخرت میں بھی، لیکن جو امور اخلاقی ہیں ان پر یہاں کوئی قانونی گرفت نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے مال پر زکوٰۃ ادا کر دیتا ہے تو پھر اس کے بعد اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔ چاہے وہ اپنا مال زمین میں گاڑ دے اور کسی کو کوڑی بھی نہ دے۔ لیکن اخلاقی اعتبار سے وہ مردود و ملعون ہے۔ اسی طریقہ سے پڑوسی کے حقوق گو بہت اہم ہیں لیکن تمام تر اخلاقی ہیں۔ ان کی حیثیت وہی ہے جو آنحضرت ﷺ نے حضرت جبریلؑ کے حوالہ سے بیان فرمائی۔ گھر میں کوئی چیز نئی قسم کی پک رہی ہو جس کی خوشبو پڑوسی کے دروازہ تک جا رہی ہو تو اخلاقی فرض ہے کہ جو پکا ہے اس میں سے کچھ آپ پڑوسی کو بھی بھیجیں۔ اگر آپ کا پڑوسی بھوکا سوتا ہے اور آپ اس کا خیال نہیں رکھتے تو آپ کی اس کنجوسی پر یہاں کوئی گرفت نہیں ہوگی، اس کا وبال آخرت میں ظاہر ہوگا۔

یہاں اس مضمون کی وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ کئی جگہ یہ الجھن پیدا ہو رہی ہے کہ لوگ اخلاقی حقوق کو قانونی حیثیت دے دیتے ہیں جس کی وجہ سے مسئلہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں زیادہ توقع امام ابو حنیفہ سے تھی کہ وہ اس فرق کو ملحوظ رکھیں گے کیونکہ اس طرح کی باریک باتوں پر وہ نگاہ رکھتے ہیں۔ لیکن تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے اس معاملہ میں تغافل برتا ہے۔ تغافل اس لیے کہتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں بعد والوں نے جھول پیدا کر دیا ہو یا جس طریقہ سے بعض مسائل میں شبہ ہوتا ہے کہ وقت کے حالات اور فضا نے

چیزوں کی شکل کچھ بدل دی ہے یہاں بھی یہی کچھ ہوا ہو۔

۳. باب: أيُّ الْجِوَارِ أقْرَبُ

باب: کون ہمسایہ زیادہ حق دار ہے؟

۳۔ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ (ح). وَحَدَّثَنِي عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللهِ: حَدَّثَنَا شَبَابَةُ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو عِمْرَانَ قَالَ: سَمِعْتُ طَلْحَةَ بْنَ عَبْدِاللهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ لِي جَارَيْنِ، فَإِلَى أَيِّهِمَا أُهْدِي؟ قَالَ: إِلَى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا.

﴿حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے (پہلے) میں کس کو ہدیہ بھیجوں۔ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو۔﴾

وضاحت:

یہ بات تو ٹھیک ہے کہ جو پڑوسی زیادہ نزدیک ہے وہ زیادہ حق دار ہے کہ تحفہ پہلے اس کو بھیجا جائے لیکن زمین یا جائداد کی بیع کا معاملہ تحفہ لینے دینے سے بالکل مختلف ہے۔ میرے نزدیک روایات سے جو تعلیم نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ شفعہ کا حق ملکیت میں شریک شخص کا ہے۔ یہ ملکیت اکٹھی ہو جو ابھی شریکوں میں تقسیم نہ ہوئی ہو۔ اگر جائیداد کی بیع کا معاملہ کسی شریک کی موجودگی میں طے پایا ہو اور اس نے اس پر اعتراض نہ کیا ہو تو اس کے بعد اس کا شفعہ کا حق ختم ہو جائے گا اور وہ عدالت میں نہیں جا سکے گا۔

یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ پڑوسی کو ہدیہ دینے کی اس روایت کو امام صاحب یہاں کیوں لائے ہیں اور شفعہ سے اس کا کیا تعلق ہے۔

کتاب الاجارات

کتاب الاجارات

۱. باب: اسْتِئْجَارِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: "اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ" (القصص:۲۶) وَالْخَازِنِ الْاَمِيْنِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَعْمِلْ مَنْ اَرَادَهُ.

باب: نیک شخص کو مزدوری پر رکھنا

اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ' اچھا مزدور جو تو رکھے وہ ہے جو قوی اور امانت دار ہو' اور امانت دار خزانچی اور اس شخص کے بارے میں جو عہدہ کے خواہش مند کو وہ عہدہ نہ دے۔

وضاحت:

اجارہ کے معنی ہیں کسی شخص کو اجرت پر کام میں لگانا۔ 'استیجار الرجل الصالح' یعنی مزدوری کے لیے نیک شخص کا انتخاب کیا جائے۔ اس باب میں اس کا بیان ہوگا۔ دوسرے یہ کہ قرآن کی آیت "اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ" کی وضاحت بھی ہوگی۔ مطلب یہ کہ جس کو آپ اجرت پر رکھتے ہیں وہ قوی اور امین ہونا چاہیے۔ دراصل یہ قول تو حضرت شعیب کی صاحبزادی کا ہے لیکن کہہ سکتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نقل کر دیا تو بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہو گیا۔

'وَالْخَازِنُ الْاَمِيْنُ'. اس جملے میں راویوں نے الخازن کو رفع اور جر دونوں کے ساتھ ضبط کر دیا ہے۔ چاہیں تو اس کو القوی الامین پر عطف کریں اور چاہیں تو اس کو اوپر کی عبارت میں معطوف کر کے مجرور کر لیں۔ ایک صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ امانت دار خزانچی کو ملازم رکھنا چاہیے۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ امانت دار خزانچی کے بارے میں بھی یہ باب ہے۔

'وَمَن لم يستعمل من اراده' اور یہ باب اس کے بارے میں بھی ہے جس نے کسی ایسے شخص کو عامل نہیں بنایا جو

عامل بننے کا خواہش مند ہو۔ یعنی ان سب باتوں کے بارے میں اس باب میں روایات آئیں گی۔

۱۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ اَبِي بُرْدَةَ قَالَ: اَخْبَرَنِي جَدِّي اَبُوبُرْدَةَ، عَنْ اَبِيهِ اَبِي مُوسَى الْاَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَلْخَازِنُ الْاَمِينُ، الَّذِي يُؤَدِّي مَا اُمِرَ بِهِ طَيِّبَةً نَفْسُهُ، اَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنَ.

﴿ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ امانت دار خزانچی جو حکم کے مطابق ٹھیک ٹھیک ادائیگی کرتا ہے خود بھی ایک صدقہ کرنے والا ہے۔﴾

وضاحت:

خازن الامین کا لفظ عام معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی جو بھی کسی ادائیگی پر مامور ہے اور ادائیگی ٹھیک کرتا ہے، لوگوں کا جو حق بنتا ہے وہ پورا پورا دے دیتا ہے، دیر نہیں کرتا، ٹال مٹول سے کام نہیں لیتا، اپنا کوئی حصہ اس میں نہیں مانگتا تو اگرچہ وہ در حقیقت سرکار کے خزانے سے دے رہا ہوتا ہے لیکن دینے کا ثواب بھی پائے گا گویا کہ اپنی جیب سے دے رہا ہے۔ لوگوں میں اگر دینی و اخلاقی اقدار راسخ ہوتیں تو اس زمانہ میں اس حدیث کی قدر ہوتی۔ باب الاجارہ سے اس روایت کا تعلق نہایت بعید ہے۔

۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ قُرَّةَ بْنِ خَالِدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ: حَدَّثَنَا اَبُوبُرْدَةَ، عَنْ اَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اَقْبَلْتُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَمَعِي رَجُلَانِ مِنَ الْاَشْعَرِيِّيْنَ، فَقُلْتُ: مَا عَلِمْتُ اَنَّهُمَا يَطْلُبَانِ الْعَمَلَ، فَقَالَ: لَنْ اَوْ لَا نَسْتَعْمِلُ عَلَى عَمَلِنَا مَنْ اَرَادَهُ

﴿حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اشعریوں میں سے دو آدمی میرے ساتھ تھے۔ میں نے کہہ دیا کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ دونوں کسی عہدے کے طالب ہیں۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو کسی عہدہ کا طالب ہوتا ہے ہم اس کو وہ عہدہ ہرگز نہیں دیتے۔﴾

وضاحت:

اس روایت میں راوی نے عبارت میں سے بہت کچھ اڑا دیا ہے۔ جو مفہوم سمجھ میں آتا ہے اس سے بات یہ بنتی ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا رہے تھے تو ان کے قبیلے کے دو آدمی بھی ان کے ساتھ لگ گئے جو کسی عہدے کے طلب گار تھے۔ جب انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں اپنا مقصد ظاہر کیا تو ابوموسیٰ نے

آنحضرت ﷺ سے معذرت کی کہ مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ لوگ اس مقصد کے لیے میرے ساتھ آئے ہیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ کسی عہدے کے طالب ہوتے ہیں ہم ان کو اس عہدہ پر سرفراز نہیں کرتے۔

راوی حضرات بیان میں اس قسم کے باتھی تو نگل جاتے ہیں لیکن یہ یاد رکھتے ہیں کہ ان کے شیخ نے جملہ لنْ کے ساتھ ادا کیا تھا یا لا کے ساتھ۔ اس پر ان کو بڑا ناز ہوتا ہے کہ یہ احتیاط کی گئی ہے۔ حالانکہ یاد رکھنے کی اصل چیز صحیح روایت ہوتی ہے۔

اسلام میں یہ بجائے خود ایک کلیہ ہے کہ جو شخص کسی عہدے کا طلب گار ہو، اس کو خارج از بحث کر دیا جائے گا۔ اس پر میں پوری قوت کے ساتھ اپنی کتاب 'اسلامی ریاست' میں لکھ چکا ہوں اس لیے مجھے کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

٢. باب: رَعْيِ الْغَنَمِ عَلَى قَرَارِيطَ

باب: قراریط پر بکریاں چرانا

٣۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى، عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ. فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ

﴿حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ آپ کے صحابہ نے پوچھا کہ حضور، کیا آپ نے بھی چرائیں۔ نبی ﷺ نے کہا میں بھی مکہ والوں کی قراریط پر بکریاں چراتا رہا ہوں۔﴾

وضاحت:

قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ مکہ کی پہاڑیوں میں سے ایک مقام ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ یہ قیراط کی جمع ہے اور قیراط ایک سکہ ہوتا تھا، شاید کوڑی کے برابر۔ اہل مکہ انکار کرتے ہیں کہ قراریط ان کے ہاں پہاڑیوں پر کوئی مقام بھی ہے۔ اپنے گھر کے وہ بھیدی ہیں۔ اگر وہ انکار کرتے ہیں تو مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ چند قیراط پر، کچھ سکوں پر آنحضرت ﷺ بکریاں چرایا کرتے تھے تو، واقعہ یہ ہے کہ، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ابوطالب کے بھتیجے، عبدالمطلب کے پوتے، ایک مایہ ناز قریشی اور ہاشمی چند سکوں کے عوض یہ کام کیوں کرتے۔ پھر یہ بھی تحقیق کرنا پڑے گا کہ بکریاں چرانے کا وہ زمانہ کون سا ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ کلیہ کہ ما من نبی الا رعی الغنم (کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں) خود مخدوش معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت یوسفؑ کے حالات قرآن میں مفصل بیان ہو گئے ہیں تو کون سا مقام ہے کہ آپ کہیں گے کہ یہاں انہوں نے بکریاں چرائی ہیں۔ باپ کا حال تو یہ تھا کہ دوسرے بیٹوں کے ساتھ باہر جانے نہیں دیتے تھے۔ آپ حضرت داؤدؑ کے متعلق بے شک یہ بات کہہ سکتے ہیں، لیکن کیا حضرت سلیمانؑ کے بارے میں بھی یہی بات کہہ سکتے ہیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ان کے پاس لٹھیا ہوتی تھی جس کو دیمک چاٹ گئی تو وہ بکریاں تو نہیں چرا رہے تھے، بلکہ جنوں کی پارٹی کو کام پر لگا رکھا تھا۔ ان کی نگرانی کر رہے تھے۔

اسی طرح میرا خیال یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ نے بھی بکریاں نہیں چرائیں اور حضرت یحییٰؑ کے متعلق بھی اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ان کا حال یہ تھا کہ ان کی زندگی ایک طرف ایک عظیم خطیب اور لیڈر کی رہی ہے تو دوسری طرف ایک مرد قلندر کی۔ کمبل کی پوشاک پہنتے تھے۔ جنگلی شہد اور ٹڈیاں کھاتے تھے۔ ان کو کیا ضرورت تھی کہ وہ بکریاں چراتے۔ ان مثالوں سے یہ کلیہ مجروح ہو جاتا ہے۔ تیز یہ ہے کہ فلسفیانہ طور پر بھی غور کیجئے۔ بکریاں چرانے کو نبوت سے کوئی خاص نسبت معلوم نہیں ہوتی۔ میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ اس سے نبوت کی اہلیت پیدا ہوتی ہے یا نبوت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کا شعور اس سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ قریش کا ذریعہ معاش بکریاں چرانا نہیں بلکہ تجارت تھا۔ ان کے ہاں اہل بدو اور غیر قرشی بکریاں پالتے تھے اور یہ لوگ دیہاتوں اور صحراؤں میں رہتے تھے۔ قرآن مجید سے بھی واضح ہوتا ہے کہ قریش کا ذریعہ معاش تجارت تھا اور اس غرض سے وہ شام اور یمن کا سفر کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ ان کی بدویانہ زندگی ختم ہو اور اقامت کی زندگی نصیب ہو اور یہ دعا قبول بھی ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحرا نوردی کے ساتھ ایک جدید تمدن، جو انسانیت کے لیے ایک برتر تمدن ہے، قائم کرنا ممکن نہ تھا۔

میرے نزدیک درایت کے اصولوں پر روایت ٹھیک نہیں اترتی اور یہ اختلاف الگ ہے کہ قیراط کوئی سکہ ہے بھی یا نہیں۔ اور قراریط کوئی مقام ہے تو کہاں ہے۔

٣. باب: اسْتِئْجَارِ الْمُشْرِكِينَ عِنْدَ الضَّرُورَةِ، أَوْ إِذَا لَمْ يُوجَدْ أَهْلُ الْإِسْلَامِ وَعَامَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَهُودَ خَيْبَرَ.

باب: مشرکین کو ضرورت کے وقت یا اس وقت جب کہ کوئی مسلمان نہ ملے مزدوری کے لیے رکھنا اور آنحضرت ﷺ نے خیبر کے یہود کو کھیتی باڑی کے لیے رکھا۔

وضاحت:

مطلب یہ ہے کہ ضرورت پیش آئے تو غیر مسلموں سے بھی کام لیا جاسکتا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ غیر مسلموں کے بارے میں یہ سوال پیدا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اس لیے کہ ذمی آپ کی رعایا ہوں گے تو ان سے کام نہ لینے کے کیا معنی۔ سوال ہوسکتا ہے تو یہ کہ کیا حربی سے بھی کام لیا جاسکتا ہے، تو یہ مطلب کی بات ہے۔ آنحضرت ﷺ نے کام لیا ہے اور جس کو بھی موقع ملے لے سکتا ہے۔ صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ دھوکہ تو نہیں دے گا۔

۴۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى: أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: وَاسْتَأْجَرَ النَّبِيُّ ﷺ وَأَبُو بَكْرٍ رَجُلًا مِنْ بَنِي الدِّيلِ، ثُمَّ مِنْ بَنِي عَبْدِ بْنِ عَدِيٍّ، هَادِيًا خِرِّيتًا. الْخِرِّيتُ: الْمَاهِرُ بِالْهِدَايَةِ. قَدْ غَمَسَ يَمِينَ حِلْفٍ فِي آلِ الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ، وَهُوَ عَلَى دِينِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ، فَأَمِنَاهُ فَدَفَعَا إِلَيْهِ رَاحِلَتَيْهِمَا، وَوَاعَدَاهُ غَارَ ثَوْرٍ بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَأَتَاهُمَا بِرَاحِلَتَيْهِمَا صَبِيحَةَ لَيَالٍ ثَلَاثٍ، فَارْتَحَلَا، وَانْطَلَقَ مَعَهُمَا عَامِرُ ابْنُ فُهَيْرَةَ، وَالدَّلِيلُ الدِّيلِيُّ، فَأَخَذَ بِهِمْ أَسْفَلَ مَكَّةَ، وَهُوَ طَرِيقُ السَّاحِلِ.

﴿حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے راستہ بتلانے کے لیے ایک ماہر شخص کو رکھا جو بنی دیل کا تھا۔ یہ بنی عبد بن عدی کا ایک خاندان ہے۔ الخریت یعنی راستہ بتلانے میں ماہر۔ عاص بن وائل کے خاندان سے معاہدے میں یہ بڑا مضبوط شریک رہا تھا اور وہ کفار قریش کے دین پر تھا۔ دونوں نے اس پر اعتماد کیا اور اپنی دو سواریاں اس کے حوالے کیں، یہ ٹھہرا کر کہ تین راتوں کے بعد غار ثور پر وہ لے کر آئے۔ تو وہ ان کی سواریاں تیسرے دن صبح کو لے کر آیا۔ ان دونوں کے ساتھ عامر بن فہیرہ بھی چلے اور وہ رہنما بھی جو قبیلہ دیل کا تھا۔ اس نے ان کو سمندر کے راستہ پر ڈالا۔﴾

وضاحت:

یہ روایت نبی ﷺ کے سفر ہجرت کے بارے میں ہے۔ اس سفر کے لیے حضورؐ کو حکم الٰہی کا انتظار تھا۔ سفر کے تمام انتظامات حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کر رکھے تھے۔ دو تیز رفتار اونٹنیاں انہوں نے خاص اس سفر کے لیے تیار کی

تھیں اور صحرائی راستوں کے ایک واقف آدمی سے معاملہ بھی کر لیا تھا کہ وہ وقت آنے پر اس سفر میں رہنما ہوگا۔ ہجرت کا حکم آنے پر نبی ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے تین دن غار ثور میں گزارے اور اس کے بعد گائیڈ کی رہنمائی میں سفر پر روانہ ہو گئے۔

یہ روایت جس طرح یہاں آئی ہے اس میں کئی چیزیں غور طلب ہیں۔ ایک تو اس کا آغاز واؤ سے ہو رہا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ روایت کا کچھ حصہ چھوٹ گیا ہے۔ ابن شہاب نے سفر ہجرت کی تیاری کے بارے میں جو طویل روایت بیان کی ہے اس میں انہوں نے اپنی عادت کے مطابق مختلف بیانات کو جمع کر کے ایک واقعہ کی شکل دی ہے۔ امام صاحب نے اسی کا ایک حصہ یہاں نقل کیا ہے جس کا آغاز واؤ سے ہوتا ہے۔ روایت کی عربی میں بھی کچھ جھول ہے۔ میری سمجھ میں جو کچھ آیا ہے میں نے اس کے مطابق ترجمہ کر دیا ہے۔

دوسرے اس میں لغت کی تشریح ہے کہ الخریت الماھر بالھدایۃ یعنی خریت کا معنی یہ ہے کہ راستہ بتلانے میں ماہر۔ یہ تشریح حضرت عائشہؓ کی نہیں ہے۔ اب یہ متعین نہیں ہوتا کہ یہ تشریح کون کر رہا ہے۔ امام بخاری کر رہے ہیں یا زہری۔ اس کو تمیز کرنے کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

تیسرے یہ کہ اس میں جملہ وارد ہوا ہے قَدْ غَمَسَ يَمِينَ حِلْفٍ فِي آلِ الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ، وہ عاص بن وائل کے خاندان سے معاہدے میں بڑا مضبوط شریک تھا۔ عربوں کے ہاں جب معاہدے ہوتے تھے تو ان کے فریق پانی میں ہاتھ ڈال کر معاہدہ کرتے تھے تاکہ پانی کا اتصال سب کے اتصال کی ضمانت بنے اور یہ بہت مضبوط معاہدہ تسلیم ہوتا تھا۔ 'قد غمس' سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ رہنما بھی عاص بن وائل کے معاہدہ میں شریک ہوا تھا۔ یہ معاہدہ کیا تھا، کب ہوا تھا، ظاہر ہے کہ اس کا روایت کے مضمون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تحقیق کون کرے گا کہ ان لوگوں کے درمیان کیا معاہدہ ہوا تھا۔ اگر وہ مسلمانوں کے خلاف تھا تب تو اور بھی قابل غور تھا۔ اگر یہ کوئی مشرکانہ معاہدہ تھا تو یہ عصبیت کی قسم کا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ بات کس نے یہاں داخل کی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ زہری کا ادراج ہے۔ ادراج کا لفظ کوئی مقدس لفظ نہیں ہے۔ اس کا معنی ہے حدیث میں کوئی بات چوری سے گھسا دینا۔ اسی طرح کا اضافہ یہ بھی ہے کہ وهو على دين كفار قريش (اور وہ کفار قریش کے دین پر تھا) یہ سب بیان کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ بتایا جائے کہ اتنے چالاک اور عیار غیر مسلم کو خطرناک سفر ہجرت میں رہنما بنایا گیا۔ روایت جیسی بھی ہے امام صاحب نے اس سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ درست ہے کہ ضرورت پر کسی مشرک یا حربی سے بھی کام لیا جا سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ بعض کام اور مواقع ایسے ہوں کہ اس میں آپ کسی کافر یا دشمن سے بہتر طریقہ پر اپنا مطلب نکال سکتے ہوں۔

۴. باب: إِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا لِيَعْمَلَ لَهُ بَعْدَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، أَوْ بَعْدَ شَهْرٍ، أَوْ بَعْدَ سَنَةٍ جَازَ، وَهُمَا عَلَى شَرْطِهِمَا الَّذِي اشْتَرَطَاهُ إِذَا جَاءَ الْأَجَلُ

باب: کوئی شخص کسی کو اس غرض سے مزدور رکھے کہ تین دن یا ایک مہینہ یا ایک سال کے بعد اس کا کام کرے تو جائز ہے اور جب وہ وقت آئے گا جو ٹھہرایا تھا تو دونوں اپنی شرط پر قائم رہیں گے

۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: فَأَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ: أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَتْ: وَاسْتَأْجَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَأَبُوبَكْرٍ رَجُلًا مِنْ بَنِي الدِّيلِ، هَادِيًا خِرِّيتًا، وَهُوَ عَلَى دِينِ كُفَّارِ قُرَيْشٍ، فَدَفَعَا إِلَيْهِ رَاحِلَتَيْهِمَا، وَوَاعَدَاهُ غَارَ ثَوْرٍ بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ، فَأَتَاهُمَا بِرَاحِلَتَيْهِمَا صُبْحَ ثَلَاثٍ.

﴿حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ نے بنی دیل کے ایک شخص کو، جو راستہ بتانے میں ماہر تھا، مزدوری پر مقرر کیا حالانکہ وہ کفار قریش کے دین پر تھا۔ ان دونوں نے اپنی اونٹنیاں اس کے حوالہ کردیں، اس وعدے کے ساتھ کہ تین راتوں کے بعد تیسری رات کی صبح کو اونٹنیاں لے کر غار ثور پر آئے۔﴾

وضاحت:

اس روایت کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

۵. باب: الْأَجِيرِ فِي الْغَزْوِ

باب: جہاد میں مزدور لے جانے کے بارے میں

۶۔ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُلَيَّةَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ يَعْلَى، عَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ جَيْشَ الْعُسْرَةِ، فَكَانَ مِنْ أَوْثَقِ أَعْمَالِي فِي نَفْسِي، فَكَانَ لِي أَجِيرٌ، فَقَاتَلَ

إِنسَانًا، فَعَضَّ أَحَدُهُمَا إِصْبَعَ صَاحِبِهِ، فَانْتَزَعَ إِصْبَعَهُ فَأَنْدَرَ ثَنِيَّتَهُ فَسَقَطَتْ، فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَهْدَرَ ثَنِيَّتَهُ، وَقَالَ: أَفَيَدَعُ إِصْبَعَهُ فِي فِيكَ تَقْضَمُهَا. قَالَ: أَحْسِبُهُ قَالَ. كَمَا يَقْضَمُ الْفَحْلُ

قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: وَحَدَّثَنِي عَبْدُاللهِ بْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ جَدِّهِ، بِمِثْلِ هَذِهِ الصِّفَةِ: أَنَّ رَجُلًا عَضَّ يَدَ رَجُلٍ فَأَنْدَرَ ثَنِيَّتَهُ، فَأَهْدَرَهَا أَبُوبَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

﴿یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ عسرۃ میں شرکت کی اور میرے دل میں سب سے زیادہ جن اعمال پر اعتماد ہے ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہتے ہیں کہ میرے ساتھ ایک مزدور بھی تھا۔ وہ ایک شخص سے لڑ پڑا تو ان میں سے ایک نے دوسرے کی انگلی کاٹ کھائی۔ اس نے اپنی انگلی کھینچی تو دوسرے کے دو دانت بھی کھینچ لیے جو گر پڑے۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان دانتوں کو هدر کر دیا اور فرمایا کہ کیا وہ اپنی انگلی تمہارے منہ میں چھوڑ دیتا کہ تم اس کو چبا جاتے۔ یعلی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے فرمایا جس طریقہ سے اونٹ چبا لیتا ہے۔ عبداللہ بن ابی ملیکہ نے اپنے دادا سے ایسا ہی قصہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹا تو اس نے اس کے دو دانت کھینچ لیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دانت کا کچھ بدلا نہ دلوایا۔﴾

وضاحت:

جیش العسرۃ، غزوہ تبوک کو کہتے ہیں۔ ایک تو یہ سفر دور کا تھا، دوسرے موسم سخت گرمی کا تھا۔ اس لیے نکلنے میں لوگ فیل بھی ہوئے اس وجہ سے اس کو فاضحہ بھی کہتے ہیں یعنی رسوا کن غزوہ۔

هدر کے معنی ہیں کچھ بدلہ نہ دلوانا یا پاداش میں کچھ سزا نہ دینا۔ روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس نے انگلی کاٹ کھائی، حضرت یعلی کے مزدور نے یا دوسرے شخص نے۔ روایت کا اصل مضمون تو یہ ہے کہ اس طرح کے حالات میں هدر ہو جائے گا یعنی قصاص نہیں ہوگا۔ فقہی مسئلہ یہ ہوا کہ چونکہ اس آدمی نے اپنے دفاع میں کام کیا اور دوسرے کے دانت پر مصیبت آ گئی تو دوسرے آدمی کو پہلے سے کوئی بدلا نہیں دلایا جائے گا۔ لیکن امام صاحب بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں۔ انہوں نے اس سے یہ فقہی مسئلہ نکالا کہ جہاد میں کوئی شخص اپنے ساتھ مزدور بھی رکھ سکتا ہے، اس لیے کہ یعلی بن امیہ نے مزدور رکھا تھا۔ لیکن آج کے ڈسپلن میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب تو Standing Army ہوتی ہے۔ وہ تنخواہ پاتی ہے، ہر چیز اس کو سرکار سے ملتی ہے تو ان کے لیے کوئی گنجائش نہیں کہ غنیمت میں حصہ

پائیں۔ اس دور میں یہ تھا کہ ایک متعین حصہ غنیمت کا ان کا حق بنتا تھا۔ جب نفیر عام ہوتی تو سب چل پڑتے۔ کسی ٹریننگ کی ضرورت نہیں تھی۔ اب تو لڑائی بھی ایک فن بن چکی ہے۔

اس روایت میں امام صاحب نے ایک دوسری تعلیق بھی دے دی ہے کہ اس طریقہ کے ایک قضیہ میں ایک شخص نے دوسرے کا ہاتھ کاٹ لیا۔ اس نے کھینچا تو کاٹنے والے کے دانت اکھڑ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کو ھدر کر دیا۔ روایت میں الفاظ ہیں بشل حذہ و الصفۃ۔ صفۃ کا لفظ کچھ موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ اصل میں لفظ قضم ہوگا جو لکھنے میں صفۃ کے قریب ہے تو دونوں میں مشابہ ہوسکتا ہے۔

٦. باب: مَنِ اسْتَأْجَرَ اَجِيْرًا فَبَيَّنَ لَهُ الأَجَلَ وَلَمْ يُبَيِّنِ الْعَمَلَ

لِقَوْلِهِ: "اِنِّى اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَىَّ هَاتَيْنِ". اِلَى قَوْلِهِ. "عَلَى مَا نَقُوْلُ وَكِيْل". (القصص: ٢٧. ٢٨)

يَأْجُرُ فُلَانًا: يُعْطِيهِ اَجْرًا، وَمِنْهُ فِى التَّعْزِيَةِ: اَجَرَكَ اللّٰهُ.

باب اس بارے میں کہ ایک شخص کسی کو مزدور رکھے، مدت تو اس کے لیے مقرر کر دے لیکن کام نہ بتائے۔

جیسے کلام اللہ میں ہے کہ ''میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں'' سے لے کر ''جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ ضامن ہے'' تک۔ **یا جر فلانا** یعنی وہ فلاں کو مزدوری دیتا ہے اور تعزیت میں کہتے ہیں **آجرک اللہ** یعنی اللہ تجھ کو اس کا بدلہ دے۔

وضاحت:

باب کا عنوان یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو اجرت پر مزدور رکھے۔ مدت تو بیان کر دے لیکن کام نہ بتائے تو یہ جائز ہے۔ اس کی تائید میں قرآن سے سورہ قصص کی آیت پیش کی ہے جس میں مدین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قیام کا حوالہ ہے جب انہیں حضرت شعیبؑ نے یہ پیشکش کی کہ اگر وہ ان کی بکریاں آٹھ سال تک چرائیں تو وہ اپنی ایک بیٹی ان کے نکاح میں دے دیں گے۔ امام صاحب نے باب کے تحت روایت کوئی نہیں دی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ باب میں بیان کردہ مسئلہ امام صاحب کی رائے ہے۔ گویا یہ مسئلہ فقہ کا ہوگیا، بلکہ اگر کہیے تو تفسیر کا ہوگیا کہ اس طرح کا اجارہ جائز ہے۔ یہ مسئلہ حدیث کا نہیں رہا۔ اب آیت پر غور کیجیے تو حضرت شعیبؑ نے جو بات کی ہے وہ ایک ماحول

میں خاص قرینہ کے ساتھ کی ہے۔ حضرت موسیٰ نے ان کی بکریوں کو پانی پلانے کا کام کیا ہے۔ پھر ان کو کئی مشکلات درپیش ہیں، خود حضرت شعیبؑ کی بیٹی نے بیان کیا ہے کہ ہمارے باپ بوڑھے ہیں اور بکریاں ہمیں چرانی پڑتی ہیں۔ ان تمام باتوں کے واضح ہوتے ہوئے کوئی ابہام تو نہیں تھا کہ ان کو کام نہیں بتایا گیا۔ حضرت شعیبؑ کے الفاظ میں یہ بات بھی ہے کہ یہ نکاح نہیں تھا بلکہ امتزاج تھا۔ معلوم نہیں اور کیا باتیں ہوئی ہوں گی۔ حضرت شعیبؑ نے بیٹی سے رائے لی ہوگی۔ سب باتیں تو قرآن مجید نے نقل نہیں کی ہیں۔ امام صاحب نے اس کو نکاح مان کر اس سے مسائل نکالے ہیں۔ پس آیت سے مذکورہ استنباط ہے اس لیے کہ ولم یبین العمل والا معاملہ نہ تھا۔ آخر میں امام صاحب نے لفظ 'اجر' کی لغت کی تحقیق بیان کی ہے۔

۷. باب: اِذَا اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا عَلَى اَنْ يُقِيمَ حَائِطًا يُرِيدُ اَنْ يَنْقَضَّ جَازَ

باب: ایک شخص اگر مزدور رکھے اس مقصد کے لیے کہ ایک دیوار جو گرا چاہتی ہے اس کو سیدھا کردے تو ایسا کرنا جائز ہے

وضاحت:

اس طریقہ کے کام ہم روز کرتے ہیں۔ ان کے جائز ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ امام صاحب جو بات ثابت کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ جز وقتی کام (Part time) کے لیے جس میں وقت کا صحیح تعین نہیں ہوسکتا کسی مزدور کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔ وجہ اس کے ثابت کرنے کی یہ ہے کہ ایسے کاموں کا اس طرح تجزیہ ممکن نہیں ہوتا جس میں نزاع نہ پیدا ہو۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ یہ زمانہ تو گھڑیوں کا ہے جنہوں نے وقت کے تعین کو آسان کردیا ہے۔ قدیم زمانے میں بھی ظہر کا وقت، عصر کا وقت، قیلولہ کا وقت سب معلوم تھا۔ اپنی تائید میں امام صاحب نے آگے اس تمثیل کو پیش کیا ہے جس میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی خدمت کے لیے یہود کو صبح سے لے کر ظہر تک، نصاریٰ کو ظہر سے عصر تک اور مسلمانوں کو عصر سے مغرب تک مقرر کیا۔ اس سے انہوں نے ثابت کردیا کہ کام جز وقتی بھی ہوسکتا ہے۔

۷۔ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى اَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ اَنَّ ابْنَ جُرَيْجٍ اَخْبَرَهُمْ قَالَ: اَخْبَرَنِي يَعْلَى بْنُ مُسْلِمٍ، وَ عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، يَزِيدُ اَحَدُهُمَا عَلَى صَاحِبِهِ، وَغَيْرُهُمَا قَالَ: قَدْ سَمِعْتُهُ يُحَدِّثُهُ عَنْ سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: حَدَّثَنِي اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَانْطَلَقَا، فَوَجَدَا جِدَارًا يُرِيدُ اَنْ يَنْقَضَّ. قَالَ سَعِيدٌ" بِيَدِهِ هٰكَذَا وَرَفَعَ يَدَيْهِ . فَاسْتَقَامَ. قَالَ يَعْلَى: حَسِبْتُ اَنَّ سَعِيدًا قَالَ:

فَمَسَحَهُ بِيَدِهِ فَاسْتَقَامَ، قَالَ: لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا قَالَ سَعِيد": أَجْرًا نَأْكُلُهُ

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے ابی بن کعب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ دونوں (موسیٰ اور خضر) چلے، انہوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ سعید نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کر کے بتایا کہ خضر نے ہاتھ اٹھائے تو دیوار کھڑی ہو گئی۔ یعلیٰ کا بیان ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ سعید نے بتایا کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے چھوا تو وہ کھڑی ہو گئی۔ (موسیٰ نے اس پر کہا کہ) اگر تم چاہتے تو اس کام کی مزدوری لے لیتے۔ سعید کہتے ہیں کہ ان کی مراد اجرت تھی کہ ہم اس کو کھاتے۔﴾

وضاحت:

یہاں راویوں کا قضیہ تو یہ ہے کہ سورہ کہف میں بیان ہونے والے واقعہ کو ایک نے دوسرے سے مختلف طور پر سمجھا ہے۔ اس قضیہ کو چھوڑ دیجئے یہاں جو کچھ بیان ہوا ہے حدیث نہیں بلکہ تفسیر ہے۔ اس بارے میں میری رائے آپ تدبر قرآن میں پڑھ لیجئے۔

٨. باب: الْإِجَارَةِ إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ

باب: کسی کو دوپہر تک مزدوری پر رکھنا

٨۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَثَلُكُمْ وَمَثَلُ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ، كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ أُجَرَاءَ، فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ غُدْوَةٍ إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ عَلَى قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ الْيَهُودُ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ عَلَى قِيرَاطٍ؟ فَعَمِلَتِ النَّصَارَى، ثُمَّ قَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي مِنَ الْعَصْرِ إِلَى أَنْ تَغِيبَ الشَّمْسُ عَلَى قِيرَاطَيْنِ؟ فَأَنْتُمْ هُمْ، فَغَضِبَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى، فَقَالُوا: مَالَنَا، أَكْثَرَ عَمَلًا وَ أَقَلَّ عَطَاءً؟ قَالَ: هَلْ نَقَصْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَذٰلِكَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ

﴿ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری مثال اور دونوں اہل کتاب کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک شخص نے مزدوری پر مزدور رکھے اور اعلان کیا کہ تم میں سے کون ایک قیراط پر صبح سے لے

کر دوپہر تک میرا کام کرے گا تو یہود نے یہ کام کیا۔ پھر اس نے اعلان کیا، تم میں کون ایک قیراط پر دوپہر سے لے کر عصر تک میرا کام کرے گا تو نصاریٰ نے یہ کام کیا۔ پھر اس نے کہا، عصر سے لے کر سورج کے ڈوبنے تک کون میرا کام کرے گا دو قیراط پر تو یہ کام کرنے والے تم لوگ ہو۔ تو یہود و نصاریٰ برہم ہوئے۔ انہوں نے کہا کیا بات ہے کام ہم نے زیادہ کیا اور مزدوری ہماری کم ہے تو اس شخص نے کہا کیا تمہارا کچھ حق میں نے دبا لیا۔ انہوں نے کہا نہیں۔ تب اس نے کہا یہ میرا فضل ہے، میں جس کو چاہوں دوں۔ ﴾

وضاحت:

اگر امام صاحب کا مطلب یہ ہے کہ آدھے دن کے لیے مزدوری پر کسی کو رکھنا جائز ہے تو اس روایت سے یہ بات تو ثابت ہوگئی۔ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کا کہنا غلط ہے کہ دن کی ایسی تقسیم نہیں ہوسکتی جس میں نزاع نہ ہو۔ اس روایت میں تقسیم ہے بلکہ صبح سے لے کر ظہر تک، ظہر سے لے کر عصر تک اور پھر عصر سے لے کر سورج ڈوبنے تک تینوں جزوی حصے ثابت ہوتے ہیں۔

رہ گئی یہ بات کہ تمثیل کا کیا مطلب ہے تو میرا خیال ہے کہ یہاں یہ بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ آگے مزید دو روایتیں آرہی ہیں۔ پہلی دو روایتوں میں راویوں کی کم فہمی کی وجہ سے بات بالکل گھپلا ہوگئی ہے اور ان پر بہت سارے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ میرے نزدیک صحیح بات تیسری روایت میں واضح ہو جائے گی۔ لہٰذا وضاحت بھی وہیں موزوں ہوگی۔

٩. باب: الاِجَارَةِ اِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ

باب: عصر کی نماز تک مزدور لگانے کے بارے میں

٩۔ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيلُ بْنُ اَبِي اُوَيْسٍ قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ، مَوْلَى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّمَا مَثَلُكُمْ وَالْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى، كَرَجُلٍ اسْتَعْمَلَ عُمَّالًا، فَقَالَ: مَنْ يَعْمَلُ لِي اِلٰى نِصْفِ النَّهَارِ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ، فَعَمِلَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ، ثُمَّ عَمِلَتِ النَّصَارٰى عَلٰى قِيْرَاطٍ قِيْرَاطٍ، ثُمَّ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ تَعْمَلُوْنَ مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ اِلٰى مَغَارِبِ

الشَّمْسِ عَلٰى قِيْرَاطَيْنِ قِيْرَاطَيْنِ، فَغَضِبَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى، وَقَالُوْا: نَحْنُ أَكْثَرُ عَمَلًا وَ أَقَلُّ عَطَاءً؟ قَالَ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ حَقِّكُمْ شَيْئًا؟ قَالُوْا: لَا، فَقَالَ: فَذٰلِكَ فَضْلِي أُوْتِيْهِ مَنْ أَشَاءُ.

﴿عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص مزدور رکھے اور کہے کہ دوپہر تک کون میرا کام ایک ایک قیراط پر کرتا ہے۔ تو یہود نے ایک ایک قیراط پر کام کیا۔ ان کے بعد نصاریٰ نے ایک ایک قیراط پر کیا۔ پھر تم لوگ ہو کہ جو نماز عصر سے لے کر سورج غروب ہونے تک دو دو قیراط پر کرو گے۔ تو یہود اور نصاریٰ دونوں برہم ہوئے اور بولے کہ کام تو ہم نے زیادہ کیا اور مزدوری ہم ہی کو کم ملی۔ تو ارشاد ہوگا کہ کیا میں نے تمہارے حق میں کوئی کمی کی ہے تو کہیں گے کہ نہیں۔ ارشاد ہوگا یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں دوں۔﴾

۱۰. باب: اِثْمِ مَنْ مَنَعَ أَجْرَ الْأَجِيْرِ

اس شخص کا گناہ جو مزدور کی مزدوری نہ دے

۱۰۔ حَدَّثَنَا يُوْسُفُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ أُمَيَّةَ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ أَبِي سَعِيْدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ثَلَاثَةٌ" أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ" أَعْطٰى بِيْ ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ" بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ" اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ

﴿حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ہیں جن کا قیامت کے دن میں مخالف ہوں گا۔ ایک تو وہ شخص جس نے میرے ساتھ کوئی عہد و پیمان کیا اور پھر بے وفائی کی۔ دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچ ڈالا اور اجرت ہڑپ کر ڈالی۔ تیسرا وہ شخص جس نے کوئی مزدور رکھا، کام تو پورا لیا لیکن اجرت نہیں دی۔﴾

وضاحت:

یہ حدیث بہت لاجواب اور قیمتی ہے۔ اس پر کسی تقریر کی ضرورت نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کا

مدعی بنے گا تو مخالف کے لیے نجات پانے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہا۔ تینوں کردار واضح ہیں۔ غلام بنانے کا راستہ اس زمانے میں مسدود ہو گیا لیکن کسی کا حق دبالینا، زمین، مکان، جائیداد ہڑپ کر لینا سب اس میں شامل ہیں۔

یہ حدیث تو لاکھوں کی ہے، الفاظ بہت پاکیزہ ہیں، بیان بھی پاکیزہ ہے، دل پسند معلوم ہوتی ہے لیکن بے محل ہے۔ شارحین بھی کہتے ہیں کہ اس روایت کا محل سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے بعد وہی اوپر والی حدیث پھر آ رہی ہے۔ صرف ایک قدم کا تو فاصلہ تھا۔ امام صاحب اس باب کو پیچھے کر دیتے اور اگلے باب کو پہلے لے آتے۔ وہ ایسے آدمی تو نہ تھے کہ اتنا بھی امتیاز ان کو نہ ہوتا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ روایات جمع کرنے کا موقع تو ان کو ملا لیکن ترتیب و تہذیب کا موقع بالکل نہ ملا اور لوگوں نے غیر مرتب حالت ہی میں کتاب کی روایت شروع کر دی۔

١١۔ باب: الاجَارَةِ مِنَ الْعَصْرِ اِلَى اللَّيْلِ

باب: عصر سے لے کر رات تک مزدور لگانا

١١۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ: حَدَّثَنَا اَبُو اُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ اَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَثَلُ الْمُسْلِمِينَ وَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا، يَعْمَلُونَ لَهُ عَمَلًا يَوْمًا اِلَى اللَّيْلِ، عَلَى أَجْرٍ مَعْلُومٍ، فَعَمِلُوا لَهُ اِلَى نِصْفِ النَّهَارِ، فَقَالُوا: لَا حَاجَةَ لَنَا اِلَى اَجْرِكَ الَّذِي شَرَطْتَ لَنَا، وَمَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ"، فَقَالَ لَهُمْ: لَا تَفْعَلُوا، اَكْمِلُوا بَقِيَّةَ عَمَلِكُمْ، وَخُذُوا اَجْرَكُمْ كَامِلًا، فَاَبَوْا وَتَرَكُوا، وَاسْتَأْجَرَ أَجِيرَيْنِ بَعْدَهُمْ، فَقَالَ لَهُمَا: اَكْمِلَا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمَا هٰذَا، وَلَكُمَا الَّذِي شَرَطْتُ لَهُمْ مِنَ الْاَجْرِ، فَعَمِلُوا، حَتَّى اِذَا كَانَ حِينُ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَالَا: لَكَ مَا عَمِلْنَا بَاطِلٌ"، وَلَكَ الْاَجْرُ الَّذِي جَعَلْتَ لَنَا فِيهِ. فَقَالَ لَهُمَا: اَكْمِلَا بَقِيَّةَ عَمَلِكُمَا، مَا بَقِيَ مِنَ النَّهَارِ شَيْءٌ" يَسِيرٌ"، فَاَبَيَا، وَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا اَنْ يَعْمَلُوا لَهُ بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ، فَعَمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ، وَاسْتَكْمَلُوا أَجْرَ الْفَرِيقَيْنِ كِلَيْهِمَا، فَذٰلِكَ مَثَلُهُمْ وَمَثَلُ مَا قَبِلُوا مِنْ هٰذَا النُّورِ.

ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں، یہود اور نصاریٰ کی تمثیل یوں ہے جیسے کہ ایک شخص نے ایک قوم کو اجرت پر رکھا کہ وہ پورے دن کا کام رات تک ایک معین اجر پر کریں گے تو انہوں نے نصف دن تک کام کیا۔ پھر بولے کہ جو مزدوری آپ نے ٹھہرائی تھی ہم کو نہیں چاہیے اور جو

کچھ ہم نے عمل کیا وہ سب باطل۔ تو اس نے کہا ایسا نہ کرو اپنا باقی کام پورا کرو اور اپنی مزدوری پوری لو تو انہوں نے نہ مانا اور کام چھوڑ گئے۔ تو اس شخص نے دو ملازم ان کے بعد رکھے اور ان سے کہا کہ بقیہ کام باقی دن میں پورا کرو اور تمہارے لیے اجر وہ ہے جس کا میں نے پہلوں سے وعدہ کیا تھا۔ تو انہوں نے کام کیا یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت آ گیا تو ان دونوں نے کہا اب تک ہم نے جو کام کیا ہے وہ باطل ٹھہرا اور وہ اجرت جس پر آپ نے ہم کو کام پر لگایا تھا اپنے پاس رکھو۔ تو اس نے ان سے بھی کہا کہ بقیہ دن تھوڑا رہ گیا ہے یہ کام پورا کرو اور اجرت پوری لو تو انہوں نے انکار کیا۔ اس پر اس شخص نے ایک اور قوم کو کام پر لگایا کہ بقیہ دن میں کام پورا کرے تو انہوں نے بقیہ دن میں کام پورا کر دیا یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا اور انہوں نے پوری مزدوری، پہلے اور دوسرے مزدوروں کی بھی پائی۔ تو یہ مثال ہے یہود و نصاریٰ کے اس نور کی جو انہوں نے چھوڑا اور مثال ہے مسلمانوں کے اس نور کی جو انہوں نے قبول کیا۔ ﴾

وضاحت:

سبحان اللہ! یہ اصل روایت آ گئی اور یہ قرآن کے عین مطابق ہے۔ اس میں بیان کردہ تمثیل کی مصداق وہ تینوں امتیں ہیں جن کو وحی الٰہی کا نور پھیلانے کے لیے مختلف زمانوں میں منتخب کیا گیا۔ سب سے پہلے بنی اسرائیل کو اس شرف سے نوازا گیا۔ انہوں نے ایک طویل مدت تک اپنی ذمہ داریاں ادا کیں لیکن اس کے بعد وہ منحرف ہو گئے۔ نور پھیلانے کی ذمہ داری کو بھلا بیٹھے اور خدا کے غضب کے مستحق ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا جن کی تعلیم کے نتیجہ میں نصاریٰ نور کے حامل بن گئے جو ایک عرصہ تک اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے۔ بالآخر وہ بھی ہدایت کو بھلا کر اپنی بدعات کے پیچھے لگ گئے۔ اب اللہ تعالیٰ نے ایک اور قوم یعنی بنو اسماعیل کو کام پر لگایا جو آخر وقت تک یہ ذمہ داری ادا کرے گی۔ نبی ﷺ نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی اس منصب کا حامل نہیں آئے گا۔ آپ نے یہ بھی بتا دیا کہ میرے آنے کے بعد اب قیامت کے آنے میں کوئی طویل مدت حائل نہیں ہے۔ گویا کام کا دن اب جلد تمام ہونے والا ہے۔

قرآن مجید نے اچھے اہل کتاب کو بالعموم یہ دعوت دی ہے کہ وہ نبی امی ﷺ پر ایمان لے آئیں تو ان کو اللہ کی رحمت کے دو حصے ملیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس حق کی بھی گواہی دی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سابق نبیوں پر نازل ہوا اور اس حق کی شہادت بھی دیں گے جو نبی امی ﷺ کے واسطے سے پھیلا۔

امت مسلمہ دوہرے اجر کی مستحق اس لیے ہے کہ یہ اس تمام حق کی، بلا کسی تفریق و تحزیب کے گواہی دیتے

والی ہے جو سابق انبیاء پر اور آخر میں کامل شکل میں نبی ﷺ پر نازل ہوا۔

تمثیل میں نور سے مراد وہ نور ایمان ہے جو اللہ کی ہدایت کو قبول کرنے کے نتیجہ میں حاصل ہوتا اور اس کو ترک کرنے کے نتیجہ میں چھن جاتا ہے۔

اس تمثیل سے آنحضرت ﷺ نے یہ حقیقت واضح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی ذمہ داریاں ادا کرنے میں پہلی امتوں کا کیا رول رہا اور اس امت کو جو شرف حاصل ہوا ہے اس کو وہ کیسے دنیا کی بساط لپیٹے جانے تک نبھائے گی۔

یہ تو تھی تمثیل کی وضاحت اور یاد ہوگا اوپر یہی تمثیل دو روایتوں کی صورت میں گزر چکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تینوں روایتوں کے بیان میں اتنا فرق کیوں ہوگیا۔ صاف نظر آتا ہے کہ یہ تیسری روایت، جو قرآن سے مطابقت رکھتی ہے، اصل ہے۔ اگر یہ روایت نہ ملتی تو مسئلہ کا حل نہیں تھا۔ لیکن اب مل گئی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ روایت ان دونوں روایتوں پر حاکم ہو جائے گی۔ محدثین کی یہ بڑی کمزوری ہے کہ جہاں انہیں روایتوں کے بیان میں تضاد نظر آتا ہے کہہ دیتے ہیں کہ یہ الگ الگ واقعات ہیں۔ حالانکہ واقعہ ایک ہی ہوتا ہے۔ فرق راویوں کے بیان کرنے میں ہوتا ہے۔ مثلاً یہاں سابقہ دو روایتیں حضرت ابن عمرؓ سے ہیں، وہ بات الٹ پلٹ کیسے کر سکتے ہیں۔ ہوا یہ ہے کہ بیچ کے راویوں نے بات سمجھی نہیں اور اپنے اپنے فہم اور تصور کے مطابق روایت کر دی جس سے کئی سوالات پیدا ہو گئے۔

روایت بالمعنی کی وجہ سے بعض دفعہ یا تو راوی مطلب اچھی طرح سمجھ نہیں پاتے یا ٹھیک طریقہ پر ادا نہیں کر پاتے اور بات کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ اس کا حل اگرچہ مشکل ہے لیکن ایک آسان طریقہ بھی ہے جو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی توفیق بخشی سے واضح ہوا ہے کہ ہر باب میں کلید باب کو معین کرنا چاہیے۔ یعنی یہ دیکھنا چاہیے کہ باب میں جو ایک مضمون کی حامل روایات ہیں ان میں کلیدی روایت کون سی ہے۔ مثلاً یہاں ان تینوں روایتوں میں یہ آخری روایت کلیدی قرار پاتی ہے۔ تو جو روایتیں اس کے خلاف ہوں گی وہ نظر انداز کر دی جائیں گی یا ان کو کلیدی روایت کی روشنی میں حل کرنا ممکن ہو تو حل کیا جائے گا۔ اس کے لیے صحیح طریقہ یہ ہے کہ مسلم شریف کو استعمال کیا جائے۔ دوسری کوئی کتاب ایسی نہیں جو اس بارے میں مسلم شریف جیسی مفید ثابت ہو۔ بخاری شریف کو اس مقصد کے لیے استعمال کرنا بڑی مشقت کا کام ہے۔ اس کی ترتیب فقہی ہے اور امام صاحب احادیث کے مختلف ٹکڑے ادنیٰ مناسبتوں سے باب میں لاتے ہیں۔ اس لیے کلیدی روایت کو تلاش کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ مسلم شریف میں یہ بات ہے کہ اس میں ایک باب کی روایات بیشتر اسی باب میں نقل ہیں۔ اگر روایات میں کوئی الجھن نہ ہو تب تو بات صاف ہے لیکن اگر الجھن ہے اور کوئی توجیہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے تو پھر کلیدی روایت کو تلاش کرنا ہوگا۔ جو لوگ حدیث پر کام کرنے کا شوق رکھتے ہوں وہ مسلم شریف پر اس نگاہ سے غور کرنا شروع کر دیں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی باب میں کلیدی روایت تلاش کرنے

میں ناکامی ہو۔ اس کام میں محض سند کو دیکھنا کافی نہیں ہوگا۔ اس کے لیے عقل سلیم، احادیث کا وسیع علم اور قرآن مجید پر گہری نظر درکار ہوگی۔

امام صاحب کا یہ عجیب ماجرا ہے کہ یہ حدیث بہت اہم بھی ہے اور نہایت شاندار بھی جس میں مسلمانوں اور دوسری ملتوں کی تمثیل بیان ہوئی ہے لیکن انہوں نے اس کو صرف یہ ثابت کرنے کے لیے استعمال کیا ہے کہ مزدور کو اجرت پر رکھنا جز وقتی (Part time) بھی ہو سکتا ہے۔ بھلا اس امر میں کس کو شک ہے۔ یہ کام ہمیشہ سے ہوتا آرہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ اس کا تعلق کامن سنس سے ہے۔ دن بھی بہر حال منقسم ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے خود لکیریں کھینچ دی ہیں۔ اس کی تقسیم میں کوئی نزاع اور الجھن نہیں ہے۔ اب ہوا یہ ہے کہ تیسری روایت جو صحیح ثابت ہوتی ہے وہ امام صاحب کی بات کی بالکل نفی کر دیتی ہے اور ان کے حریفوں کے مذہب کو ثابت کرتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اجارہ پورے دن کا ہونا چاہیے۔ حدیث میں مالک نے ہر ایک کو پورے دن کے لیے نوکر رکھنا چاہا۔ یہ نوکروں کی اپنی کمزوری تھی کہ انہوں نے پورا دن کام نہ کیا۔ اب فرض کر لیجیے کہ اس حدیث کی روشنی میں ثابت کر دیا جائے کہ صرف پورے دن کا اجارہ ہے تو زندگی تو معطل ہو کر رہ جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب نے ایک غیر متعلق روایت سے اس مسئلہ کو ثابت کرنا چاہا جو نہ ہو سکا اور وہی چیز ثابت ہوگئی جس کو ثابت نہیں ہونا چاہیے تھا۔ شارحین میں سے کسی کی نظر اس نکتہ پر نہیں پڑی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سمجھا کہ جب روایت بخاری میں ہے اور امام صاحب اس سے دلیل اخذ کر رہے ہیں تو اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۲. باب: مَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَتَرَكَ اَجْرَهُ، فَعَمِلَ فِيهِ الْمُسْتَأْجِرُ فَزَادَ، اَوْ مَنْ عَمِلَ فِي مَالِ غَيْرِهِ فَاسْتَفْضَلَ

باب: ایک شخص کوئی مزدور رکھے اور وہ اپنی مزدوری چھوڑ جائے، پھر مزدور رکھنے والا اس میں عمل کر کے کچھ زیادہ کر لے یا کوئی شخص کسی دوسرے کے مال میں بڑھوتری کر لے تو اس کا کیا حکم ہے

۱۲۔ حَدَّثَنَا اَبُو الْيَمَانِ: اَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ: اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: (انْطَلَقَ ثَلاثَةُ رَهْطٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَتّٰى اَوَوُا الْمَبِيتَ اِلٰى غَارٍ فَدَخَلُوهُ، فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِنَ

الجبل فَسَدَّتْ عَلَيْهِمُ الْغَارَ، فقالوا: إنَّهُ لَا يُنْجِيكُمْ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ إلَّا أَنْ تَدْعُوا اللّٰهَ بِصَالِحِ أَعْمَالِكُمْ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ: اللّٰهُمَّ كَانَ لِي أَبَوَانِ شَيْخَانِ كَبِيرَانِ، وَكُنْتُ لَا أَغْبِقُ قَبْلَهُمَا أَهْلًا وَلَا مَالًا، فَنَاءَ بِي فِي طَلَبِ شَيْءٍ يَوْمًا، فَلَمْ أُرِحْ عَلَيْهِمَا حَتّٰى نَامَا، فَحَلَبْتُ لَهُمَا غَبُوقَهُمَا فَوَجَدْتُهُمَا نَائِمَيْنِ، وَكَرِهْتُ أَنْ أَغْبِقَ قَبْلَهُمَا أَهْلًا أَوْ مَالًا، فَلَبِثْتُ وَالْقَدَحُ عَلٰى يَدَيَّ أَنْتَظِرُ اسْتِيقَاظَهُمَا حَتّٰى بَرَقَ الْفَجْرُ، فَاسْتَيْقَظَا فَشَرِبَا غَبُوقَهُمَا، اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيهِ مِنْ هٰذِهِ الصَّخْرَةِ، فَانْفَرَجَتْ شَيْئًا لَا يَسْتَطِيعُونَ الْخُرُوجَ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَقَالَ الْآخَرُ: اللّٰهُمَّ كَانَتْ لِي بِنْتُ عَمٍّ كَانَتْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيَّ، فَأَرَدْتُهَا عَنْ نَفْسِهَا فَامْتَنَعَتْ مِنِّي، حَتّٰى أَلَمَّتْ بِهَا سَنَةٌ مِنَ السِّنِينَ، فَجَاءَتْنِي فَأَعْطَيْتُهَا عِشْرِينَ وَمِائَةَ دِينَارٍ عَلٰى أَنْ تُخَلِّيَ بَيْنِي وَ بَيْنَ نَفْسِهَا، فَفَعَلَتْ حَتّٰى إِذَا قَدَرْتُ عَلَيْهَا قَالَتْ: لَا أُحِلُّ لَكَ أَنْ تَفُضَّ الْخَاتَمَ إِلَّا بِحَقِّهِ، فَتَحَرَّجْتُ مِنَ الْوُقُوعِ عَلَيْهَا، فَانْصَرَفْتُ عَنْهَا وَهِيَ أَحَبُّ النَّاسِ إِلَيَّ وَ تَرَكْتُ الذَّهَبَ الَّذِي أَعْطَيْتُهَا، اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيهِ، فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ غَيْرَ أَنَّهُمْ لَا يَسْتَطِيعُونَ الْخُرُوجَ مِنْهَا، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: وَقَالَ الثَّالِثُ: اللّٰهُمَّ إِنِّي اسْتَأْجَرْتُ أُجَرَاءَ، فَأَعْطَيْتُهُمْ أَجْرَهُمْ غَيْرَ رَجُلٍ وَاحِدٍ تَرَكَ الَّذِي لَهُ وَ ذَهَبَ، فَثَمَّرْتُ أَجْرَهُ حَتّٰى كَثُرَتْ مِنْهُ الْأَمْوَالُ، فَجَاءَنِي بَعْدَ حِينٍ، فَقَالَ: يَا عَبْدَاللّٰهِ أَدِّ إِلَيَّ أَجْرِي، فَقُلْتُ لَهُ: كُلُّ مَا تَرٰى مِنْ أَجْرِكَ، مِنَ الْإِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالرَّقِيقِ، فَقَالَ: يَا عَبْدَاللّٰهِ لَا تَسْتَهْزِئْ بِي، فَقُلْتُ: إِنِّي لَا أَسْتَهْزِئُ بِكَ، فَأَخَذَهُ كُلَّهُ فَاسْتَاقَهُ فَلَمْ يَتْرُكْ مِنْهُ شَيْئًا، اللّٰهُمَّ فَإِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذٰلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَافْرُجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيهِ، فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ فَخَرَجُوا يَمْشُونَ)

﴿حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا کہ اگلے زمانے میں تین آدمی سفر پر نکلے اور رات گزارنے کے لیے ایک غار میں داخل ہو گئے تو پہاڑ سے ایک بڑی چٹان آ گری اور غار بند ہو گیا۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس چٹان سے نجات ممکن نہیں الا آنکہ تم اللہ

سے اپنے نیک عمل کے حوالہ سے دعا مانگو۔ ان میں سے ایک شخص کہنے لگا اے اللہ میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے، میں ان سے پہلے کسی کو دودھ نہیں پلاتا تھا نہ بال بچوں کو نہ غلاموں کو۔ ایک دن کسی چیز کی تلاش میں میں دور نکل گیا اور اس وقت لوٹا جب وہ دونوں سو گئے تھے۔ میں نے ان کے لیے دودھ دوہا تو دیکھا وہ سو رہے ہیں اور مجھے پسند نہ ہوا کہ ان سے پہلے بال بچوں کو یا نوکروں کو دودھ دوں۔ میں دودھ کا پیالا ہاتھ میں لیے صبح تک انتظار کرتا رہا جب وہ جاگے تو انہوں نے دودھ پیا۔ اے اللہ اگر میں نے یہ کام خاص تیری رضامندی کے لیے کیا ہے تو ہم سے اس پتھر کی آفت ہٹا دے تو وہ چٹان تھوڑا سا سرک گئی مگر نہ اتنا کہ وہ باہر نکل سکیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ دوسرا شخص کہنے لگا اے اللہ میرے چچا کی ایک بیٹی تھی جو سب سے زیادہ مجھ کو پیاری تھی، میں نے اس سے برا کام چاہا تو اس نے نہ مانا۔ ایک سال قحط پڑا تو وہ میرے پاس آئی۔ میں نے اس کو ایک سو بیس اشرفیاں اس شرط پر دیں کہ وہ مان جائے۔ وہ راضی ہوگئی۔ جب میں نے ارادہ کیا تو وہ کہنے لگی تو میرا کنوارپن شرع کے خلاف مت توڑ۔ میں اس کی اجازت نہیں دیتی۔ یہ سن کر میں اس بات کو گناہ سمجھا اور اس سے الگ ہوگیا، گو کہ وہ مجھ کو سب سے پیاری تھی اور میں نے وہ اشرفیاں بھی جو اسے دی تھیں اس کو معاف کر دیں۔ اے اللہ اگر یہ کام میں نے تیری رضا کے لیے کیا ہے تو ہم پر سے یہ آفت ٹال دے۔ وہ پتھر ذرا سا اور سرک گیا۔ مگر اتنا کہ باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اب تیسرا شخص یوں کہنے لگا کہ اے اللہ، میں نے ایک کام کے لیے کئی مزدور لگائے۔ سب کی مزدوری دے دی۔ ایک مزدور اپنی مزدوری چھوڑ کر چل دیا۔ میں نے اس کے پیسہ کو کام میں لگایا تو وہ بہت بڑھ گیا۔ ایک مدت کے بعد وہ مزدور آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے بندے! میری مزدوری دے دے۔ میں نے کہا جتنے اونٹ، گائے بکریاں، غلام دیکھتا ہے سب تیرے ہیں، لے جا۔ وہ کہنے لگا مجھ سے مذاق نہ کر۔ میں نے کہا نہیں میں مذاق نہیں کرتا، آخر وہ سب کو لے کر چل دیا۔ کچھ نہ چھوڑا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری رضا کے لیے کیا تھا تو یہ بلا ہم پر سے ٹال دے۔ وہ چٹان سرک گئی اور یہ لوگ غار سے باہر نکل کر چلے گئے۔ ﴾

وضاحت:

یہ روایت پہلے گزر چکی ہے، یہاں الفاظ کہیں کہیں بدلے ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک یہود میں مروج یہ

ایک حکایت ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ حقیقی واقعہ ہی ہو۔ اہل کتاب میں یہود کا مزاج اس طرح کا ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر اس کے ایک جزء سے امام صاحب نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کسی دوسرے نے آپ کے پاس کوئی مال چھوڑا ہے تو اس پر عمل کر کے بڑھانا جائز ہے۔ جہاں تک فقہی حیثیت ہے تو وہ مال امانت ہے۔ امانت میں جو تصرف جائز ہے وہ آپ کر سکتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں کر سکتے۔ اس پر عمل کر کے آپ بڑھا دیں تو سبحان اللہ کیا کہنے! لیکن اگر نقصان ہو گیا یا مال کم ہو گیا، تب کیا ہوگا۔ میرے نزدیک آپ اس مال کے امین ہیں۔ اس میں تصرف نہیں کر سکتے۔ وعظ کرنے کے لیے تو یہ ٹھیک ہے لیکن فقہ میں آ کر بحث پیچیدہ ہو جائے گی۔

دوسرے میں پیچھے واضح کر چکا ہوں کہ دعا مانگنے کے لحاظ سے اس روایت پر غور کیجئے تو یہ مسلم ہے کہ آپ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کو اپنے عمل کے واسطے سے نہ مانگیں بلکہ اس کی رحمت ہی کے واسطے سے مانگیں۔ لہذا اس حکایت میں دعا مانگنے کا تجویز کردہ طریقہ درست نہیں۔

۱۳ . باب: مَنْ آجَرَ نَفْسَهُ لِيَحْمِلَ عَلَى ظَهْرِهِ، ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهِ، وَأُجْرَةِ الحَمَّالِ

باب: کوئی شخص حمال بن کر مزدوری کرے پھر اس کو خیرات کرے، نیز حمال کی اجرت

۱۳۔ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ شَقِيقٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَمَرَ بِالصَّدَقَةِ، انْطَلَقَ أَحَدُنَا إِلَى السُّوقِ فَيُحَامِلُ فَيُصِيبُ الْمُدَّ، وَ إِنَّ لِبَعْضِهِمْ لَمِائَةَ أَلْفٍ. قَالَ: مَا تَرَاهُ يَعْنِي إِلَّا نَفْسَهُ.

﴿ابو مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہم کو خیرات کرنے کا حکم دیتے تو ہم میں سے بعض بازار جاتے اور مزدوری کر کے کچھ غلہ حاصل کرتے۔ ان میں سے بعض کا حال یہ ہے کہ اب لاکھوں کی دولت رکھتے ہیں۔ شقیق کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ابو مسعود نے بعض سے مراد اپنے ہی کو لیا ہے۔﴾

وضاحت:

اکثر صحابہ مزدوری کر کے کماتے تھے اور اس میں سے خیرات کرتے تھے۔ بلکہ کماتے اسی لیے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ تو بے شک یہ وہ انفاق ہے جس سے نور حکمت پیدا ہوتا ہے جو ایک عظیم خزانہ ہے۔

۱۴ . باب: أَجْرِ السَّمْسَرَةِ

وَلَمْ يَرَ ابْنُ سِيرِينَ وَ عَطَاءٌ وَ إِبْرَاهِيمُ وَالْحَسَنُ بِأَجْرِ السِّمْسَارِ بَأْسًا.

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَا بَأْسَ أَنْ يَقُولَ: بِعْ هٰذَا الثَّوْبَ، فَمَا زَادَ عَلَى كَذَا وَكَذَا فَهُوَ لَكَ. وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: إِذَا قَالَ: بِعْهُ بِكَذَا، فَمَا كَانَ مِنْ رِبْحٍ فَهُوَ لَكَ، أَوْ بَيْنِي وَبَيْنَكَ، فَلَا بَأْسَ بِهِ.

وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ.

باب: دلالی کی اجرت

ابن سیرین، عطاء، ابراہیم اور حسن کہتے ہیں کہ دلالی کی اجرت میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی سے کہے کہ جا یہ کپڑا اتنے میں بیچ دے اور اس سے زیادہ جو نفع ہو وہ تمہارا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اور ابن سیرین کہتے ہیں کہ اس میں بھی کوئی خرابی نہیں کہ اگر یہ کہے کہ فلاں چیز اتنے میں بیچ اور جو نفع ہو وہ میرے اور تیرے درمیان مشترک ہے۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان اپنے شرائط پر جو معاہدہ کریں وہ جائز ہے۔

وضاحت:

دلال اور دلالی کے الفاظ کچھ بدنام ہو گئے ہیں۔ وسیع معنوں میں یوں کہا جائے گا کہ ایجنٹ اور ایجنسی کا کاروبار جائز ہے۔ کچھ شرائط کے ساتھ کارخانوں اور کمپنیوں کا ایجنٹ بننا اور ان کا مال بیچنا سب اس میں آ جاتا ہے۔ آج کل بڑے بڑے کاروبار تمام تر اسی طرز پر ہو رہے ہیں۔

نبی ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ المسلمون عند شروطھم کہ مسلمان اپنے شرائط پر جو معاملہ کریں جائز ہے تو اس میں ایک چیز مضمر (Understood) ہے۔ وہ یہ کہ کوئی بات خلاف شریعت نہیں ہوگی۔ مسلمان ہوتے ہی آدمی شریعت کے حاکم اور واجب الاطاعت ہونے کو تسلیم کرتا ہے۔ فقہاء کہتے ہیں کہ معاملات میں اصل چیز حلت ہے اور حرمت خارج سے لاحق ہوتی ہے، اس لیے حرمت کی کوئی علت اگر موجود نہیں ہے تو معاملہ جائز ہے۔ اسی بناء پر میں یہ رائے رکھتا ہوں کہ ہر ملک کا معروف شریعت ہے الا آنکہ وہ شریعت کے کسی حکم کے خلاف ہو۔ یہ الگ بحث ہے کہ یہ دیکھنا ہوگا کہ اعتراض کس ذریعہ سے ثابت ہوتا ہے۔ اشارۃ النص سے، یا دلالت النص سے، یا اقتضاء النص سے۔

اگر کسی پہلو سے بھی اعتراض ہوگا تو وہ شرط باطل ہوگی۔ ورنہ مسلمان کی شرط خود ہی مسلمان ہے کہ ایک مسلمان نے کی ہے۔ یہ بہت وسیع دائرہ ہے اور اس پر جو قید میں لگا رہا ہوں اول تو وہ کامن سینس کا تقاضا ہے، دوسرے اس کو فقہا بھی مانتے ہیں۔

۱۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ: حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ ابْنِ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يُتَلَقَّى الرُّكْبَانُ، وَلَا يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ. قُلْتُ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ، مَا قَوْلُهُ: لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ. قَالَ: لَا يَكُونُ لَهُ سِمْسَارًا.

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ بازار میں مال تجارت لانے والوں سے آگے بڑھ کر معاملہ کیا جائے اور کسی دیہاتی کی دوکانداری کوئی شہری کرے۔ طاؤس کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ شہری کے دیہاتی کی دکانداری نہ کرنے کا کیا مطلب ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کا دلال نہ بنے۔﴾

وضاحت:

یہ روایت پیچھے گزر چکی ہے۔ اس میں دیہات سے مال لانے والوں سے بازار سے آگے بڑھ کر ملنے اور ان سے معاملہ کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مال لانے والا دھوکا کھا سکتا ہے کہ بازار کا بھاؤ تو کچھ اور ہو اور اس سے اونے پونے خرید لیا جائے۔ اور اس سے بھی روکا ہے کہ کسی دیہاتی کی دکانداری کوئی شہری کرے۔ اس کی ایک شکل یہ ہے کہ کوئی شہری یہ طے کر لیتا ہے کہ دیہاتی مال اس کے پاس لایا کرے، پھر وہ بازار کے نرخ سے اس کو بے خبر رکھتا ہے۔ ایسا کرنے میں بازار والوں کے لیے بھی مضرت کا پہلو پیدا ہوتا ہے تو اس سے روکا ہے کہ شہری کسی دیہاتی کا ایجنٹ نہ بنے۔ لیکن ایک بازار ہے جس کے مختلف حصوں میں لوگ بیٹھے ہیں اور مال لیتے ہیں تو یہ تلقی رکبان کی شکل نہیں ہوگی۔ بازار کا ریٹ، لوگوں کی واقفیت اور طلب سب اس میں مشترک ہے۔ گویا اس ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ بازار کے بھاؤ پر، خریداروں پر اور بازار والوں پر آپ کوئی غلط اثر نہ ڈالیں تو اس طریقہ سے آپ کسی باہر سے لانے والے کے مال کو فروخت کر سکتے ہیں۔ ابن عباسؓ نے جو توضیح کر دی ہے وہ ٹھیک ہے۔

١٥ . باب: هَلْ يُؤَاجِرُ الرَّجُلُ نَفْسَهُ مِنْ مُشْرِكٍ فِي أَرْضِ الْحَرْبِ

باب: کیا کوئی شخص کسی مشرک کی دار الحرب میں مزدوری کر سکتا ہے

۱۵۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ: حَدَّثَنَا أَبِي: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ:

حدّثنا خبّاب" قال: كُنتُ رجُلا قَيْنًا، فعملتُ للعاصِ بنِ وائلٍ، فاجتمعَ لي عِندَهُ، فأتيتُهُ أتقاضاهُ، فقال: لا واللهِ لا أقضيكَ حتّى تكفُرَ بمُحمّدٍ. فقلتُ: أما واللهِ حتّى تمُوتَ ثُمّ تُبعثَ فلا. قال: وإنّي لميّتٌ" ثُمّ مبعُوثٌ"؟ قلتُ: نعم، قال: فإنّهُ سيكُونُ لي ثَمّ مالٌ" وولدٌ"، فأقضيكَ. فأنزلَ اللهُ تعالى: "أفرأيتَ الّذي كفرَ بآياتِنا وقالَ لأُوتينَّ مالًا وولدًا".

﴿ حضرت خبابؓ کہتے ہیں کہ میں لوہار کا پیشہ کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل کا کچھ کام کیا۔ میری مزدوری اس پر خاصی چڑھ گئی تو میں اس کے پاس گیا اور اس کا تقاضا کیا۔ وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میں تمہیں کوڑی نہ دوں گا جب تک محمد (ﷺ) کا انکار نہ کرو۔ خبابؓ کہتے ہیں میں نے کہا اللہ کی قسم، جب تک تم مرو اور مر کے اٹھائے نہ جاؤ تب بھی ایسا نہ ہوگا۔ عاص نے کہا کیا مجھے مرنا بھی ہے اور پھر اٹھنا بھی ہے؟ تو میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا پھر کیا ہے، وہاں میرے پاس مال بہت ہوگا اور اولاد بھی تو مزدوری تجھے ادا کر دوں گا۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، ذرا دیکھو تو اس کو جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے وہاں مجھے مال و اولاد ملے گی۔ ﴾

وضاحت:

جہاں تک روایت میں بیان کردہ واقعہ کا تعلق ہے وہ ٹھیک ہے۔ مکہ میں مسلمانوں پر سرداران قریش اور اشرار طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ اسی طرح کا ظلم عاص بن وائل نے حضرت خبابؓ پر کیا کہ ان کی مزدوری روک لی اور جب انہوں نے ادائیگی کا تقاضا کیا تو ان کے مسلمان ہونے کے باعث ناروا مطالبات کرنے لگا۔ حضرت خبابؓ کا اس کو جواب بڑے ہی صاحب عزیمت مومن کا جواب ہے۔

اس واقعہ کو روایت میں آیت أفرأيتَ الّذي كفرَ بآياتِنا کا شان نزول بتایا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ راویان حدیث کا طریقہ ہے کہ آیات میں جہاں کہیں الذی دیکھتے ہیں وہاں ایک خاص شخص کو ضرور پکڑتے ہیں اور التی ہو تو کسی بڑھیا کو پکڑیں گے۔ حالانکہ الذی، التی وغیرہ کسی بات کو ممثل کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اور یہ بات تو ہمارے اکثر مفسرین بھی مانتے ہیں کہ جب یہ کہا جائے کہ یہ آیت فلاں کے بارے میں نازل ہوئی تو اس کا مطلب بعینہ وہ شخص نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ بتانا ہوتا ہے کہ اس طریقہ کے واقعات ہیں جو اس تمثیل کے تحت آئیں گے۔

١٦. باب: مَا يُعْطَى فِي الرُّقْيَةِ عَلَى أَحْيَاءِ الْعَرَبِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: أَحَقُّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ.

وَقَالَ الشَّعْبِيُّ: لَا يَشْتَرِطُ الْمُعَلِّمُ، إِلَّا أَنْ يُعْطَى شَيْئًا فَلْيَقْبَلْهُ. وَقَالَ الْحَكَمُ: لَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا كَرِهَ أَجْرَ الْمُعَلِّمِ. وَأَعْطَى الْحَسَنُ دَرَاهِمَ عَشَرَةً. وَلَمْ يَرَ ابْنُ سِيرِينَ بِأَجْرِ الْقَسَّامِ بَأْسًا. وَقَالَ: كَانَ يُقَالُ: السُّحْتُ: الرِّشْوَةُ فِي الْحُكْمِ، وَكَانُوا يُعْطَوْنَ عَلَى الْخَرْصِ.

باب: عرب کے قبیلوں پر سورہ فاتحہ پڑھ کر پھونکنے پر جو کچھ دیا جائے

ابن عباسؓ نے آنحضرت سے روایت کی ہے کہ سب سے زیادہ حق دار تم لوگ اس معاوضہ کے لینے کے ہو جو اللہ کی کتاب کے اوپر لو۔ اور شعبی نے کہا کہ معلم شرط نہ کرے کہ اس کو کچھ دیا جائے، ملے تو لے لے۔ اور حکم کہتے ہیں کہ میں نے کسی سے بھی نہیں سنا کہ اس نے معلم کی اجرت کو مکروہ جانا ہو اور حسن نے دس درہم دیے اور ابن سیرین نے قسام کی اجرت میں کوئی خرابی نہیں دیکھی اور سحت فیصلہ کرنے میں رشوت لینے کو کہا جاتا تھا جب کہ لوگ خرص (تخمینہ کرنے) کا معاوضہ دیتے تھے۔

وضاحت:

قرآن کے پڑھنے پڑھانے پر کوئی اجرت لینے کے بارے میں روایات بڑی سخت ہیں۔ یہاں اس باب میں یہ ہے کہ اس پر اجرت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ قرآن پڑھنے پڑھانے کی اجرت نہیں ہوتی بلکہ ایک معلم کا وقت آپ لیتے ہیں۔ اس کو پابند کرتے ہیں کہ گھنٹہ آدھ گھنٹہ آپ کے بچوں کو وقت دے تو اس کے بدلہ میں جو کچھ آپ اس کو دیں گے وہ اس کا حق ہوگا۔ ہمارے اور آپ کے ذمہ جو فرض عاید ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی کلمہ پوچھے تو بتا دیں، نماز کا وقت ہو گیا تو نماز پڑھا دیں۔ یہ کام اجرت کے بغیر ہوں گے۔ ایک امام کو یا ایک مؤذن کو آپ پابند کرتے ہیں تو یہ پابندی ان کو مسجد کے ساتھ باندھ دیتی ہے اور وہ آسانی کے ساتھ کہیں آ جا نہیں سکتے تو جو کچھ بھی ہم ان کو دیں گے یہ کام کی اجرت نہیں بلکہ اس وقت کا جو انہوں نے دیا کچھ بدل ہے۔ ساری روایات، جو اس بارے میں آئی ہیں، اسی کے تحت لیجئے۔ جو ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ اور چیز ہے اور جس چیز کی اجرت مباح کی گئی اس کی شکل اور ہے۔

ابن سیرین کہتے ہیں کہ میں قسام کی اجرت میں کوئی خرابی نہیں دیکھتا۔ تقسیم کی اجرت کو برا نہیں سمجھتا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی تولنے والے سے کہا کہ غلہ یا میوہ وغیرہ تول کر تقسیم کر دے۔ بیت المال یا کسی دوسرے محکمہ کا کوئی ملازم ہے جو تقسیم پر مامور ہے تو ظاہر ہے کہ یہ سب کام اجرت پر ہوں گے۔ بڑے ذخیرہ کا تولنا اور تقسیم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ آج کل تو ہر جگہ کنڈے (Weigh-Bridges) لگے ہیں جو یہ کام کرتے ہیں۔ اب یہ بڑا ترقی یافتہ شعبہ بن گیا ہے۔

خرص پر بھی اجرت لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک باغ ہے۔ اس میں تخمینہ کرنا ہے کہ کتنا پھل اترے گا تو یہ بھی مہارت کا کام ہے اور تجربہ کار لوگ مقرر ہوتے ہیں جو اجرت پر کام کرتے ہیں۔ اس اجرت میں کوئی قباحت نہیں۔

۱۶۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ أَبِي الْمُتَوَكِّلِ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: انْطَلَقَ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفْرَةٍ سَافَرُوهَا، حَتَّى نَزَلُوا عَلَى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ، فَاسْتَضَافُوهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمْ، فَلُدِغَ سَيِّدُ ذَلِكَ الْحَيِّ فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَوْ أَتَيْتُمْ هَؤُلَاءِ الرَّهْطَ الَّذِينَ نَزَلُوا، لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ عِنْدَ بَعْضِهِمْ شَيْءٌ، فَأَتَوْهُمْ فَقَالُوا: يَا أَيُّهَا الرَّهْطُ، إِنَّ سَيِّدَنَا لُدِغَ، وَسَعَيْنَا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ، فَهَلْ عِنْدَ أَحَدٍ مِنْكُمْ مِنْ شَيْءٍ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: نَعَمْ، وَاللَّهِ إِنِّي لَأَرْقِي، وَلَكِنْ وَاللَّهِ لَقَدِ اسْتَضَفْنَاكُمْ فَلَمْ تُضَيِّفُونَا، فَمَا أَنَا بِرَاقٍ لَكُمْ حَتَّى تَجْعَلُوا لَنَا جُعْلًا، فَصَالَحُوهُمْ عَلَى قَطِيعٍ مِنَ الْغَنَمِ، فَانْطَلَقَ يَتْفِلُ عَلَيْهِ وَيَقْرَأُ: "الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ". فَكَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ، فَانْطَلَقَ يَمْشِي وَمَا بِهِ قَلَبَةٌ. قَالَ: فَأَوْفَوْهُمْ جُعْلَهُمُ الَّذِي صَالَحُوهُمْ عَلَيْهِ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اقْسِمُوا، فَقَالَ الَّذِي رَقَى: لَا تَفْعَلُوا حَتَّى نَأْتِيَ النَّبِيَّ ﷺ فَنَذْكُرَ لَهُ الَّذِي كَانَ، فَنَنْظُرَ مَا يَأْمُرُنَا، فَقَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَذَكَرُوا لَهُ، فَقَالَ: وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ". ثُمَّ قَالَ: قَدْ أَصَبْتُمْ، اقْسِمُوا، وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا. فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ.

وَقَالَ شُعْبَةُ: حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ: سَمِعْتُ أَبَا الْمُتَوَكِّلِ: بِهَذَا.

﴿حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ ایک سفر میں چلے یہاں تک

کہ وہ عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ میں اترے تو ان سے چاہا کہ کچھ کھلائیں لیکن قبیلے والوں نے ان کی میزبانی سے انکار کیا۔ پھر ایسا ہوا کہ ان کے سردار کو ایک بچھو نے ڈنک مارا تو سارے جتن انہوں نے کر ڈالے لیکن کسی چیز سے نفع نہیں ہوا۔ بعض نے کہا، ان قافلہ والوں کے پاس چلتے ہیں۔ شاید ان کے پاس کوئی چیز ہو جس سے تمہیں نفع پہنچے۔ تو وہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ اے قافلہ والو، ہمارا سردار بچھو کی زد میں آ گیا ہے اور ہماری ساری کوششیں بے کار ہو گئی ہیں۔ تو کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی نسخہ ہے؟ تو ایک نے کہا جی ہاں ہے تو سہی، میں جھاڑ پھونک کر سکتا ہوں لیکن قسم اللہ کی، ہم نے تم سے اپنی میزبانی چاہی تھی تو تم نے کی نہیں تو میں تمہارے لیے کوئی دم نہیں کرنے کا، جب تک کہ تم اجرت نہ ٹھہراؤ۔ تو قبیلے والوں کے ساتھ ایک ریوڑ بکریوں کے اوپر مصالحت ہوگئی۔ تو وہ لگا اس کے اوپر پھونکنے اور الحمد للہ رب العالمین پڑھنے تو سردار کی گرہیں کھلنے لگیں اور وہ چلنے لگا اور معلوم ہوا کہ کوئی تکلیف نہیں ہے۔ تو اس نے کہا، جو اجرت ان کی ٹھہرائی ہے وہ پوری کر دو۔ تو بعض نے کہا کہ یہیں تقسیم کر لو۔ مگر جس شخص نے پھونکا تھا کہا ایسا نہ کرو۔ آنحضرت ﷺ سے پوچھ لیا جائے، آپ کیا فرماتے ہیں۔ تو نبی ﷺ کے پاس آئے اور اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ میں تعویذ ہے۔ پھر فرمایا تم لوگوں نے ٹھیک کیا، حصے بانٹ لو اور میرا حصہ بھی لگاؤ اور آپ ہنس دیئے۔

وضاحت:

یہ کوئی عام واقعہ نہیں ہے۔ ایک دستہ تھا جو کسی تحقیقی مہم پر بھیجا گیا تھا، سریہ کہہ لیجئے۔ فوج ہوتی تو اس کے لیے بالکل حق تھا کہ کھانے پینے کی چیزیں لے لیتے۔ اب بھی یہی ہوتا ہے فوج جہاں جاتی ہے اپنے لیے چیزیں لے لیتی ہے۔ دستہ والوں نے ضیافت چاہی اور قبیلہ والوں نے انکار کیا لیکن جب سردار کا معاملہ پڑ گیا تو بہرحال زندگی عزیز تھی۔ اس نے کہا جو مانگتے ہیں دے دو اور پورے ایک ریوڑ پر معاملہ طے ہوا۔ دستہ کے ایک فرد نے سورہ فاتحہ پڑھ کر تکلیف کی جگہ پر دم کر دیا، سورہ فاتحہ اس لیے کہ وہ یہی سورہ نمازوں میں پڑھتے رہتے تھے۔ یہی سورہ انہوں نے پڑھ کر پھونک ماردی۔ اللہ تعالیٰ جس چیز میں چاہے برکت ڈال دے، چنانچہ اس میں برکت ہوگئی اور قبیلہ کا سردار اچھا ہو گیا۔ سفر سے واپس آ کر جب آنحضرت ﷺ سے ان لوگوں نے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے اس کی تعریف فرما دی کہ تم لوگوں نے ٹھیک کیا کہ اس طرح کے لوگوں سے تم نے اجرت لی۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس کا کوئی تعلق اوہام سے نہیں ہے اور اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ سورہ فاتحہ کوئی تعویذ کی سورہ ہے۔ بہت مشکل سے لوگوں

نے کھینچ تان کر ایاک نعبد وایاک نستعین سے تعوذ کا مضمون نکالا ہے لیکن یہ فضول بات ہے۔ سورہ فاتحہ بہت بلند سورہ ہے۔ البتہ سورہ فلق اور سورہ الناس صاف معلوم ہوتا ہے کہ شر سے بچنے کے اسی مقصد کے لیے ہیں۔

روایت کے آخر میں ہے کہ آنحضرت ﷺ ہنس دیے۔ میرا خیال ہے کہ جب قافلہ والوں نے یہ بتایا کہ اس طرح ہم نے پورا ایک ریوڑ بکریوں کا حاصل کیا ہے تو آپ ہنس دیے۔ یہ بات بالکل آخر میں آتی ہے لیکن روایات میں اس طرح کی تقدیم وتاخیر ہو جاتی ہے۔

١٧. باب: ضَرِيبَةِ الْعَبْدِ، وَتَعَاهُدِ ضَرَائِبِ الْإِمَاءِ

باب: غلام پر ٹیکس اور لونڈیوں کے واجبات کی مسلسل نگرانی کا حکم

١٧۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: حَجَمَ أَبُو طَيْبَةَ النَّبِيَّ ﷺ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ، أَوْ صَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ مَوَالِيَهُ، فَخَفَّفَ عَنْ غَلَّتِهِ أَوْ ضَرِيبَتِهِ.

﴿انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ابوطیبہ (حجام) نے آنحضرت ﷺ کے پچھنا لگایا اور آپ نے اس کو ایک صاع یا دو صاع اناج دیا اور اس کے مالکوں سے سفارش کی کہ جو محصول اس پر مقرر ہے اس میں کمی کر دیں۔﴾

وضاحت:

یہ روایت گزر چکی ہے۔ صاع یا صاعین اور اسی طرح غلہ یا ضریبہ کے امکانات راوی حضرات کی احتیاط کا نتیجہ ہیں۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک یہودی عورت نے آنحضرت ﷺ کو زہر دیا تھا تو اس کا کچھ اثر تھا جس کی وجہ سے آپ کو پچھنا لگوانا پڑتا تھا۔ بعض اس کی نفی کرتے ہیں اور میں بھی مطمئن نہیں ہوں۔ لیکن عرب کا گرم ملک ہے بعض لوگ خون نکلواتے تھے۔ آنحضرت ﷺ ابوطیبہ سے پچھنا لگواتے تھے۔ ابوطیبہ نے مالک کی طرف سے عائد رقم کے زیادہ ہونے کا شکوہ کیا ہوگا تو آپ نے اس میں تخفیف کی سفارش کر دی۔

١٨. باب: خَرَاجِ الْحَجَّامِ

باب: پچھنا لگانے والے کی اجرت

١٨۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ: حَدَّثَنَا ابْنُ طَاوُسٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ

عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: احْتَجَمَ النَّبِیُّ ﷺ وَ أَعْطَی الْحَجَّامَ.

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پچھنا لگوایا اور حجام کو اس کی اجرت دی۔﴾

۱۹۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: احْتَجَمَ النَّبِیُّ ﷺ وَ أَعْطَی الْحَجَّامَ أَجْرَهُ، وَلَوْ عَلِمَ كَرَاهِيَةً لَمْ يُعْطِهِ.

﴿ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے پچھنا لگوایا اور حجام کو اس کی اجرت دی۔ اگر یہ مکروہ ہوتی تو آپ اس کو نہ دیتے۔﴾

۲۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يَحْتَجِمُ، وَلَمْ يَكُنْ يَظْلِمُ أَحَدًا أَجْرَهُ.

﴿انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ پچھنا لگواتے تھے اور کسی کی اجرت نہیں دبا رکھتے تھے۔﴾

وضاحت:

یہ روایات امام صاحب نے یہ ثابت کرنے کے لیے نقل کی ہیں کہ پچھنا لگوانے کی اجرت جائز ہے۔ اگر حرام ہوتی تو آپ نہ دیتے۔ پیچھے ایک روایت گزر چکی ہے کہ ایک صاحب نے ایک غلام خریدا جس کا کام پچھنا لگانا تھا تو انہوں نے اس کا تمام سامان توڑ دیا کہ آنحضرت ﷺ نے خون کو حرام کہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کو تردد تھا کہ پچھنا لگوانا جائز ہے کہ نہیں ہے۔ امام صاحب نے یہ روایات اس کے جائز ہونے کے حق میں پیش کی ہیں۔

۱۹. باب: مَنْ كَلَّمَ مَوَالِیَ الْعَبْدِ أَنْ يُخَفِّفُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ

باب: غلام کے مالکوں کو اس کا محصول کم کرنے کو کہنا

۲۱۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ دَعَا النَّبِیُّ ﷺ غُلَامًا حَجَّامًا فَحَجَمَهُ وَ أَمَرَ لَهُ بِصَاعٍ أَوْ صَاعَيْنِ أَوْ مُدٍّ أَوْ مُدَّيْنِ وَ كَلَّمَ فِيهِ فَخُفِّفَ مِنْ ضَرِيبَتِهِ.

﴿حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک پچھنی لگانے والے لڑکے کو بلایا تو اس نے آپ کو پچھنی لگائی۔ آپ نے اس کو ایک یا دو صاع، یا ایک یا دو مد غلہ دینے کا حکم دیا، اور اس کے معاملہ میں

بات کی تو اس پر مقرر محصول میں کمی کردی گئی ﴾

وضاحت:

یہ لڑکا ابو طیبہ تھا جس سے حضور ﷺ پچھنے لگوایا کرتے تھے۔ وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

۲۰. باب: كَسْبِ الْبَغِيِّ وَالْإِمَاءِ

وَكَرِهَ اِبْرَاهِيمُ اَجْرَ النَّائِحَةِ وَالْمُغَنِّيَةِ وَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ وَقَالَ مُجَاهِدٌ فَتَيَاتِكُمْ اِمَاءُكُمْ.

باب: زانیہ اور لونڈی کی کمائی

ابراہیم نخعی نے بین کرنے والی اور گانے والی کی اجرت کو مکروہ قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے کہ اور اپنی لونڈیوں کو پیشہ پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ عفت کی زندگی کی خواہاں ہیں، محض اس لیے کہ کچھ متاع دنیا تمہیں حاصل ہو جائے اور جو ان کو مجبور کرے تو اس اکراہ کے بعد اللہ ان کے لیے غفور رحیم ہے۔ مجاہد نے فتیاتکم کے معنی کیے ہیں "تمہاری لونڈیاں"۔

وضاحت:

عنوان باب میں امام صاحب نے سورۂ نور کی آیت ۳۳ کا حوالہ دیا ہے جس میں لونڈیوں کو پیشہ کرانے پر مجبور کرنے سے منع فرمایا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں کئی مالک چکلے قائم کر لیتے اور لونڈیوں سے پیشہ کرا کر اس کی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے۔ اسلام آنے کے بعد عفت و پاکیزگی کی زندگی بسر کرنے کا چلن عام ہوا لیکن کچھ لوگوں نے خفیہ چکلے قائم رکھے۔ قرآن مجید نے بانداز تنبیہ فرمایا کہ لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ پاک دامنی کی زندگی بسر کرنا چاہتی ہیں۔ یعنی صورت حال یہ ہے کہ لونڈیاں تو بدلے ہوئے حالات میں نیکی کی راہ اختیار کرنا چاہتی ہیں لیکن مالک اسے اپنے مفاد کے خلاف خیال کر رہے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ لڑکیوں کی عفت کے ساتھ وہ جو گھناؤنا کھیل کھیل رہے ہیں اس کا انجام نہایت خطرناک ہوگا۔ اس تنبیہ کے بعد اگلے مراحل میں نبی ﷺ نے مجرمین کو رجم بھی کرایا۔

اس آیت کی روشنی میں، ظاہر ہے کہ حرام کاری کی کمائی حرام ٹھہرتی ہے، خواہ یہ حرام کاری کسی لونڈی سے کرائی جائے یا کوئی طوائف یا زانیہ اس کا ذریعہ بنے۔

زمانہ جاہلیت میں نوحہ کرنا یا بین کرنا بھی ایک پیشہ تھا۔ بعض عورتیں اس فن کی ماہر ہوتی تھیں اور لوگ ان کو اجرت دے کر اپنے عزیزوں کی موت پر نوحہ کرنے کے لیے بلوایا کرتے۔ ابراہیم نخعیؒ نے اس کمائی کو، نیز گانے والیوں کی کمائی کو مکروہ قرار دیا۔ ان کا یہ فتویٰ درست ہے۔

مجاہدؒ نے فتیات کے معنی لونڈیاں بتائے تو یہ تحقیق درست ہے۔ 'فتاۃ' کے معنی 'جوان لڑکی' کے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے لونڈی غلاموں کی معاشرہ میں عزت بڑھانے کے لیے یہ ہدایت فرمائی کہ کوئی شخص اپنے غلام کو 'عبد' اور لونڈی کو 'امۃ' نہ کہے بلکہ فتی (جوان) اور فتاۃ (لڑکی) کہے۔ سورہ نور کی مذکورہ بالا آیت میں بھی 'فتیات' استعمال ہوا ہے جو 'فتاۃ' کی جمع ہے۔

۲۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ عَنْ مَالِكٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْحٰرِثِ ابْنِ هِشَامٍ عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَ مَهْرِ الْبَغِيِّ وَ حُلْوَانِ الْكَاهِنِ.

﴿ابومسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت لینے سے، زانیہ کی کمائی سے اور کاہن کے چڑھاوے سے منع فرمایا۔﴾

۲۳۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ كَسْبِ الْإِمَاءِ.

﴿ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے لونڈیوں کی کمائی سے منع فرمایا﴾

وضاحت:

یہ مضمون کتاب البیوع کے باب ۱۰۹ کی احادیث میں بیان ہو چکا ہے۔

۲۱. باب: عَسْبُ الْفَحْلِ

باب: سانڈ کی جفتی کی اجرت

۲۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ وَ إِسْمٰعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحَكَمِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ.

﴿ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے سانڈ کی جفتی کی اجرت لینے سے منع فرمایا﴾

وضاحت:

ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک گلہ والے نے ضرورت پر دوسرے گلہ والے سے سانڈ مانگا اور وہ بغیر پیسے لیے نہ دے تو یہ ذلالت ہے۔ اس سے منع فرمایا ہے اور یہ بمنعون الماعون میں آتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آج کل سرکاری ادارے قائم ہیں اور کچھ بڑے زمینداروں نے بھی انتظام کر رکھا ہے کہ اچھی نسل کے جانور پالتے ہیں اور دوسرے ممالک سے عمدہ نسل کے سانڈ منگا لیتے ہیں تو ظاہر ہے ان سب کاموں پر خرچ آتا ہے اور نسل کی ترقی کے لیے یہ ضروری ہے۔ اگر اچھی نسل کے سانڈ مہیا کرنے کی کوئی فیس لی جائے تو اس کے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اگر چہ اس بارے میں فقہا کا فتویٰ یہی ہے۔ ایک روایت ملی ہے جس کی سند کو ضعیف کہا گیا ہے لیکن کامن سنس کے مطابق ہے۔ اس میں یہ آیا ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا یا رسول اللہ، یہ کام ہم نسل کو ترقی دینے کے لیے کرتے ہیں تو آنحضرتؐ نے اس کی اجازت دے دی۔ یہ روایت چاہے ضعیف ہو لیکن میرا خیال ہے کہ بات بہت معقول ہے، اس لیے کہ نسل کی ترقی کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔ لہذا دوسری صورت میں سانڈ کا کرایہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہوگا۔

۲۲. باب: اِذَا اسْتَاجَرَ اَرْضًا فَمَاتَ اَحَدُهُمَا وَقَالَ ابْنُ سِيرِيْنَ لَيْسَ لِاَهْلِهِ اَنْ يُخْرِجُوهُ اِلَى تَمَامِ الْاَجَلِ وَقَالَ الحكمُ وَالحَسَنُ وَ اِيَاسُ بْنُ مُعَاوِيَةَ تمضِي الْاِجَارَةُ اِلَى اجَلِهَا وَقَالَ ابن عُمرؓ اعطى النبيُّ ﷺ خَيبرَ بِالشَطرِ فكانَ ذالكَ عهدَ النَّبِيِّ ﷺ وَ اَبِي بكرٍؓ و صَدراً من خِلافَةِ عُمرؓ وَلَمْ يُذْكَران ابا بكرٍؓ و عمرؓ جَدَّدَ الاجارةَ بعدَ مَا قُبِضَ النبيُّ ﷺ.

باب: جب کوئی شخص زمین ٹھیکہ پر لے اور معاملہ کا ایک فریق مر جائے۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ اس کے وارثوں کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ مدت پوری ہونے سے پہلے متاجر کو نکالیں۔

حکم، حسن اور ایاس بن معاویہ کہتے ہیں کہ مدت ختم ہونے تک اجارہ باقی رکھا جائے گا۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خیبر کی زمین نصف کی بٹائی پر دی۔ پھر یہی اجارہ نبی ﷺ اور ابو بکرؓ کے زمانے تک اور حضرت عمرؓ کے شروع خلافت میں بھی رہا اور کہیں یہ ذکر نہیں ہے کہ ابو بکرؓ اور عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد اجارہ کی تجدید کی ہو۔

وضاحت:

یہ بات کہ دینے والا یا لینے والا دونوں میں سے ایک مرجائے تب بھی اجارہ مدت ختم ہونے تک باقی رہے گا، سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مستاجر نے زمین لی تو زمین دینے والے کا اپنا مفاد ہوتا ہے۔ اگر وہ شخص مرگیا جس نے زمین لی تو یہ عین ممکن ہے کہ دینے والا اس کے وارثوں کے ہاتھ میں اپنی زمین باقی مدت تک کے لیے چھوڑنا نہ چاہے، اس لیے کہ ان کے ساتھ اس کا مفاد وابستہ نہ ہو۔ وہ ان کو معقول آدمی نہ سمجھتا ہو تو معاملہ کا یہ پہلو قابل غور ہے۔

اس سلسلے میں خیبر کی زمین سے دلیل لانا کمزور بات ہے۔ خیبر کی زمین میں اجارہ کا انتظام نہیں تھا۔ وہ شخصی ملکیت نہیں تھی بلکہ ریاست کی ملکیت تھی اور ریاست مرتی نہیں، وہ زندہ رہتی ہے۔ اور جن سے معاملہ ہوا تھا یعنی یہود وہ بھی زندہ تھے۔ ریاست اپنے مفاد کا پوری طرح تحفظ کرسکتی ہے اور شخص کا معاملہ بالکل الگ ہوتا ہے۔

خیبر کے معاملہ میں یہ طے تھا کہ نبی ﷺ ان کو اس وقت تک رکھیں گے جب تک مصلحت کا تقاضا ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء حکومت کے نمائندہ تھے۔ جب تک انہوں نے مصلحت دیکھی یہود کو برقرار رکھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب مناسب خیال کیا گیا ان کو نکال دیا گیا۔ لہذا خیبر پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہوا۔ احناف کے ہاں فریقین میں سے کسی ایک کی موت پر اجارہ ختم ہو جاتا ہے اور یہ بات معقول ہے۔ حضرت حسن وغیرہ کا فیصلہ احناف کے خلاف ہے۔ بعض محدثین نے بھی امام بخاریؒ کے اس استدلال پر حیرت کا اظہار کیا ہے۔

۲۵۔ حَدَّثَنَا مُوسٰى بْنُ إِسْمٰعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِةُ بْنُ اسماءَ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبدِاللّٰهِ قَالَ اعطىٰ رسولُ اللّٰهِ ﷺ خيبَرَ الْيَهُودَ ان يَعْمَلُوهَا وَ يَزرَعُوهَا ولهُم شَطرُ مَا يَخرجُ مِنهَا و اَنَّ ابنَ عُمرٌ حَدَّثَهُ اَنَّ الْمَزارِعَ كَانَتْ تُكرىٰ على شَيْئٍ سَمَّاهُ نَافِع" لا اَحفَظُهُ وَاَنَّ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ حَدَّثَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهىٰ عَنْ كِرَآءِ الْمَزَارِعِ وَقَالَ عبيدُاللّٰهِ عن نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرٌ حتىٰ اَجْلَاهُم عُمَرٌ.

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کی زمین یہودیوں کو اس شرط پر دی کہ وہ اس میں محنت کریں اور کاشت کریں اور پیداوار کا نصف حصہ ان کو ملے گا۔ اور ابن عمرؓ نے نافع سے بیان کیا کہ کھیتی کی زمین ایک کرایہ ٹھہرا کر دی جاتی تھی جو نافع نے بیان کیا تھا لیکن مجھے یاد نہیں رہا۔ اور رافع بن خدیج نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھیتوں کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ اور

عبداللہ نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے یہی روایت نقل کی ہے۔ اس میں اتنا زیادہ ہے کہ 'یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا'۔

وضاحت:

اس ایک روایت میں امام صاحب نے کئی روایتیں جمع کر دی ہیں۔ ایک تو خیبر والی روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کی زمینوں پر یہود کو مقرر کیا۔ دوسری روایت ابن عمرؓ سے ہے کہ زمین کرایہ پر دی جاتی تھی ایک معین منافع پر جو راوی کو یاد نہیں رہا۔ تیسری روایت رافع بن خدیج سے ہے کہ کرایہ پر زمین دینا جائز نہیں۔ آخر میں ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہود کو جلاوطن کیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان چار روایتوں کو امام صاحب نے کیوں یکجا کر دیا ہے جبکہ ان میں باہم کوئی ربط نہیں۔ اپنی اپنی جگہ تمام باتیں ٹھیک ہیں لیکن کہاں خیبر کے معاملات اور کہاں کھیتوں کو کرایہ پر دینے کی ممانعت۔ ان میں زمین اور آسمان کا فرق ہے۔

جہاں تک زمین کا کرایہ لینے کے عدم جواز کا تعلق ہے، میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک پارٹی کو ضرر ہے۔ دینے والے کے لیے تو نفع مقرر ہے لیکن اگر فصل نہیں ہوئی اور ہوئی مگر نقصان ہو گیا تو لینے والا منافع کس بات کا لے گا۔ لہٰذا خریدار کا خسارہ پورا کرنے کے لیے جو شرط شریعت نے رکھی ہے اس کا لحاظ کرنا پڑے گا یعنی ایک ثلث اگر خسارہ ہو تو پورا کیا جائے گا۔ اگر ضرر کسی ایک پارٹی کو لاحق ہو تو شریعت میں یہ جائز نہیں۔